

تلبیس ابلیس

شیطان کے حرب

مفت
علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ

ناشر

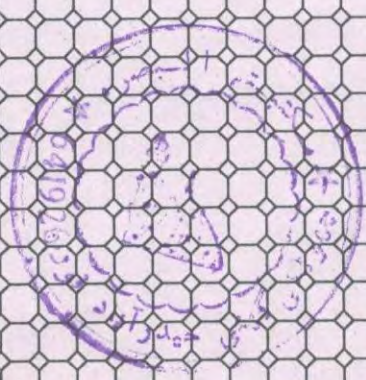
مکتبہ اسلامیہ

۴۰، اردو بازار * لاہور



590702

فقر عبد الرحمن بن عبد الله



تلبیس ابلیس

شیطان کے فریب

مُصَنَّف

علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر



40 - اردو بازار لاہور



تلبیس ابلیس

شیطان کے فریب

مُصَنَّف

علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ



مکتبہ اسلامیہ

40- اردو بازار - لاہور

کمپیوٹر کمپوزنگ کے جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

تلمیس ابلیس	_____	نام کتاب :
امام ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ	_____	مصنف :
طارق منظور	_____	کمپوزنگ :
516	_____	صفحات :
پیر بھائی پرٹرز۔	_____	طابع :
مکتبہ اسلامیہ	_____	ناشر :
40۔ اردو بازار لاہور		

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

فہرست مضامین

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
49	اہل بدعت کی اقسام	28	خطبہ الکتاب
	بہتر بدعتی فرقوں کی چھ اصولوں اور ہر ایک		عقائد میں اختلافات کی ابتداء اور
51	اصل کی بارہ بارہ شاخوں کا بیان	29	خواہشات کی پیروی
51	فرقہ حروریہ کی بارہ شاخوں کا بیان	30	انبیاء علیہم السلام کی بعثت میں حکمت
51	1- ازرقیہ	30	اہلس کی مکاریوں کا افشا
51	2- لباضیہ	31	سبب تالیف کتاب
51	3- ثعلبیہ	31	کتاب کے مضامین و ابواب کا مجمل بیان
52	خوارج اور روافض کے عقائد باطلہ		باب ۱
52	4- حازمیہ		سنت اور جماعت کو لازم پکڑنے کی
52	5- خلفیہ	33	تاکید کا بیان
52	6- کوزیہ		جماعت کے اختیار کرنے کے بارے
53	7- کنزیہ	33	میں احادیث
53	8- شمرخیہ	34	”جماعت پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے۔“
53	9- اخسیہ		بنی اسرائیل کی بہتر فرقوں میں تفریق
53	10- محمیہ	35	سنت اختیار کرنے کے بارے میں آثار
53	11- معتزلہ		باب ۲
53	12- میموئے		ہر قسم کی بدعت اور بدعتیوں کی مذمت
	فرقہ قدریہ کی بارہ شاخوں کا بیان	39	کامیان
53	1- احمریہ	40	خلافت راشدہ
53	2- صویہ	41	مرتدین سے قتال
53	3- معتزلہ	42	فرقہ مرجیہ کے باطل عقائد
54	4- شیطانیہ	43	بدعتیوں سے دور رہنے کی تاکید
54	5- کیسانیہ	44	سنت کیا ہے اور بدعت کسے کہتے ہیں؟
54	6- شریحیہ		بزرگان سلف ہر بدعت سے احتراز کرتے
54	7- دیمیہ	45	تھے

مضمون

صفحہ

مضمون

صفحہ

56	8- مشہد	54	8- رویدید (راوندیہ)
56	9- حشویہ	54	9- ہتریہ
56	10- ظاہریہ	54	10- ہلچہ
56	11- بدعیہ	54	11- قاسطیہ
56	12- منقوسیہ	54	12- نظامیہ
57	فرقہ رافضیہ کی بارہ شاخوں کا بیان	54	فرقہ جہمیہ کی بارہ شاخوں کا بیان
57	1- علویہ	54	1- محللہ
57	2- امریہ	54	2- مرسیہ (مریسیہ)
57	3- شیعہ	54	3- ملتزقہ
	قدیم شیعہ کا قول اور محدثوں کا غلو	55	4- واردیہ
57	4- اسحاقیہ	55	5- زندقہ
57	5- نادوسیہ	55	6- حرقیہ
57	6- لامیہ	55	7- خلوقیہ
57	7- زیدیہ	55	8- فانیہ
57	8- عباسیہ	55	9- عربیہ (غیریہ)
58	9- متاخریہ	56	10- واقفیہ
58	10- رجعیہ	56	11- قبریہ
58	11- الاعلیہ	56	12- لطفیہ
58	12- مترجمہ	56	فرقیہ مرجیہ کی بارہ شاخوں کا بیان
58	فرقہ جبریہ کی بارہ شاخوں کا بیان	56	1- تاریک
58	1- مضطرب	56	2- ساجیہ
58	2- افضالیہ	56	3- راجیہ
58	3- مضروغیہ	56	4- شاکیہ
58	4- نجاریہ	56	5- بیہمیہ
58	5- مہاینہ (متاینہ)	56	6- علیہ
58	6- کسبیہ	56	7- مستحیہ

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
74	شیطان سے ہٹا دینے کا بیان	58	7- سابقہ
	باب ۳	58	8- حبیہ
77	تلمیس اور غرور کے معانی کا بیان	58	9- خوفیہ
77	قلب انسانی کی ایک عجیب مثال	58	10- فکریہ
	باب ۵	58	11- حسیہ
	عقائد اور دیانات (مذہب) میں شیطان کی	59	12- معیہ
79	تلمیس کا بیان		باب ۳
79	سوفسطائیہ پر شیطان کی تلمیس		ابلیس کی مکاری، چالوں اور فتوں سے
79	عقائد سوفسطائیہ کا بیان اور ان کی تردید	60	چنے کی تاکید کا بیان
82	دہریہ (طحدین) پر شیطان کی تلمیس		سب سے پہلے ابلیس خود شبہ میں پڑا
	اللہ تعالیٰ کے وجود کی ایک قطعی دلیل	61	اور حجت بازی کرنے لگا
82	اور طحدوں کے اعتراض کا جواب		ابلیس اور اس کے لشکر کی فتنہ پروریوں
	طبا کعبین (طبیعیات والوں) پر شیطان	62	کا بیان
84	کی تلمیس	63	ابلیس اور حضرت یحییٰ کے مابین مکالمہ
85	سحویہ پر شیطان کی تلمیس کا ذکر		بنی اسرائیل کے ایک راہب (عابد) کے
87	فلاسفہ اور ان کے قبحین پر شیطان کی تلمیس	64	ساتھ ابلیس کا معاملہ
87	ارسطا ابلیس کا قول کہ عالم قدیم ہے		حضرت عیسیٰ کی شبیہ میں ایک راہب
88	سقراط کا ”علت“ عنصر اور صوت“ والا قول	67	کے پاس ابلیس کی آمد
	اکثر فلاسفہ کا عقیدہ کہ اللہ تعالیٰ کو فضا اپنی	67	کشتی نوع میں ابلیس کی موجودگی
89	ذات کا علم ہے	68	حضرت موسیٰ کو ابلیس کی نصیحت
89	ان سینا اور معتزلہ کا عقیدہ	68	ابلیس کے مکر و فریب کے متفرق واقعات
	اللہ تعالیٰ کے علم کے متعلق فلاسفہ کے		ابلیس کی پانچ اولادیں اور ان میں سے ہر
89	اقوال کی تردید	71	ایک کے ذمہ کام کی تفصیل
	حشر اجساد اور جنت و دوزخ سے متعلق	72	ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان لگا پڑا ہے
90	فلاسفہ کے اقوال کی تردید		شیطان آدمی کے بدن میں خون کی طرح
	اہل اسلام میں ان لوگوں کی تردید جو فلاسفہ	73	دوڑتا ہے

مضمون

صفحہ

مضمون

صفحہ

117	لین الراوندی اور ابو العلاء المعری جیسے مطہرین کی مذمت جو اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اسکی شریعت کی مہربادی کے درپے رہے	91	کی پیروی کو صواب جانتی ہیں مسلمانوں میں سے ان لوگوں کی مذمت جو فلاسفہ اور رہبان کی پیروی کرتی ہیں
119	ہندوؤں کی بعض عجیب عبادتوں کا بیان	92	ہیکل پرستوں پر ایلین کی تلپیس
121	یہود پر تلپیس ایلین	92	سات ستاروں کی پرستش اور انپر چڑھاوے
125	نصارئی پر تلپیس ایلین	95	مت پرستوں پر تلپیس ایلین
	یہود و نصاریٰ کا دعویٰ ہے کہ ہمارے بزرگوں کی وجہ سے خدا ہم کو عذاب نہ کرے گا	95	مت پرستوں پر ایلین کا ابتدائی تلپیس کا ذکر مشرکین عرب کے مت اور ان کی تعداد سب سے پہلے شخص جس نے دین اسماعیل کو بگاڑا
126	صائین پر تلپیس ایلین	97	اور اہل عرب کو مت پرستی کی طرف بلایا انہوں کا ذکر جو خانہ کعبہ کے گرد جمع کئے گئے تھے
126	صافی کی تحقیق کے متعلق علماء کے اقوال	100	اہل ہند میں مت پرستی
128	مجوس پر تلپیس ایلین	105	آگ سورج اور چاند کو پوجنے والوں پر ایلین کی تلپیس
129	مزوک کا فتنہ	107	زداشت کا حال اور اس کا قول قدیم آتش کدے
132	فلکیات والوں اور منجموں پر تلپیس ایلین	108	فرشتوں، گھوڑوں اور گایوں کی پرستش
133	منکرین حشر و قیامت پر تلپیس ایلین	108	اسلام سے قبل اہل جاہلیت پر ایلین کی تلپیس
133	منکرین حشر کے شبہات اور انکے جوابات	109	زمانہ جاہلیت کے بعض وہ لوگ جو اللہ اس کی خالقیت، قیامت، ثواب اور عذاب کو مانتے تھے
135	تناخ (آواگون) والوں پر تلپیس ایلین	109	زمانہ جاہلیت کی بعض بدعات کا ذکر منکرین نبوت پر برہمنوں کے چھ شبہات
137	امت مسلمہ پر عقائد و دیانات میں تلپیس ایلین	110	اور ان کے جوابات
137	اس امت کے عقائد میں شیطان نے دو طریق کے رخنے ڈالے	113	
137	پہلا طریق باپ داؤں کی اندھا دھند تقلید		
137	تقلید و اجتہاد کے بارے میں مولف کی رائے		

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
160	کی مذمت تھکتی ہے		دوسرا طریق ایسے امور میں غور و خوض
163	فرقہ امامیہ کے چند مخصوص دینی مسائل		جسکی تہہ نہیں مل سکتی، مثلاً فلسفہ اور
	حضرت ابو بکرؓ اور عمرؓ کے فضائل میں	138	علم کلام کے مباحث
164	حضرت علیؓ کا خطبہ	139	علم الکلام کی مذمت
167	فرقہ باطنیہ پر تیس ایلین	139	معززہ کی گمراہی
	باطنہ کے آٹھ نام اور ان کے عقائد کا بیان		متکلمین کی بلاخر علم کلام سے بیزار ی اور
167	1- باطنیہ	141	حق کی طرف رجوع
167	2- اسماعیلیہ	143	فرقہ مجسمہ کے عقائد کی تردید
168	3- سبعیہ		تیس ایلین سے محفوظ طریقہ صرف
168	4- بابجیہ		وہی ہے جس پر رسول اللہ ﷺ اور صحابہ
169	5- محرہ	147	”اور تابعین“ قائم تھے
169	6- قرامطہ	148	خوارج پر تیس ایلین
171	7- خرمیہ	149	سب سے پہلا خارجی ذوالخبرہ تھا
172	8- تعلیمیہ		خوارج کی حضرت علیؓ کے لشکریوں
	باطنہ کا اس گمراہی و ضلالت پھیلانے کا	150	سے علیحدگی
172	مقصد		خوارج کے اعتراضات اور لندن عباسؓ کا
	عوام کو پھانسنے کے لئے اس بدکار فرقہ	150	ان سے مناظرہ
173	کے حیلے	151	خوارج کے کچھ حالات و اقوال
	ملاحظہ باطنیہ کے بعض مذہبی اعتقادات	152	خوارج کے مختلف فرقے
174	کا ذکر	157	امامت کے بارے میں خوارج کا عقیدہ
176	باطنیہ کا شر و فساد اور ان کی سرکوفی	159	روافض پر تیس ایلین
180	ابن الرواندی کا الحاد	159	رافضی مذہب کی اصل غرض و غایت
180	ابو العلاء المعری کا الحاد		روافض نے حضرت علیؓ کے ساتھ دوستی
	باب ۶		میں یہاں تک غلو کیا کہ آپ کے فضائل میں
	عالموں پر فنون علم میں تیس ایلین کا		اپنی طرف سے بہت سی ایسی روایتیں گھڑ
181	بیان		لیں جن میں ان کی نادانی سے حضرت علیؓ

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
191	کرتے ہیں		قاریوں پر شاذ قراءت حاصل کرنے
192	مناظرہ (مباحثہ) کا مقصد اور اسکے آداب	181	میں تلمیس
	بزرگان سلف کی فتویٰ دینے سے پہلو تھی	181	قراءت کا اصل مقصد
194	اور احتیاط		قراءت کو راغنی کے اصول پر لانے
194	فقہاء کا امراء و سلاطین سے میل جول	183	کی ممانعت
	فقہ وہی شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کا	184	محمد ثین پر تلمیس ابلیس
197	خوف رکھتا ہے		محمد ثین کی پہلی قسم وہ لوگ جنہوں نے
198	قصہ گو اور واعظوں پر تلمیس ابلیس	184	حفاظت شریعت کا قصد کیا
	یہ لوگ ترغیب و ترہیب کی غرض سے		بعض محمد ثین نے فقہ سے ناواقفیت کے
198	حدیثیں گھڑتے ہیں		باوجود فتاویٰ دیئے کہ کہیں لوگ ان کو
	بعض واعظ شرع سے خارج امور بیان	186	فقہ سے ناوان نہ سمجھنے لگیں
	کرتے ہیں اور ان پر شاعروں کے عاشقانہ		محمد ثین کی دوسری قسم وہ لوگ جنہوں
199	اشعار سند لاتے ہیں		نے اپنا مقصود یہ بتایا کہ عالی اسانید حاصل
	بعض واعظوں کے دلوں میں جاہ طلبی		کریں غرائب روایات جمع کریں ملک در
201	سرائت کر جاتی ہے		ملک پھر میں محض اس لئے کہ انہی امور کو
	بعض واعظوں کی مجلس میں مرد اور عورتیں	187	فخریہ بیان کرنے کا موقع ملے
201	یکجا جمع ہوتی ہیں		بعض محمد ثین اپنے دل کی تشفی کے لئے
	لغت و ادب کے عالم و متعلم پر		ایک دوسرے پر قدح و طعن کرتے ہیں
202	تلمیس ابلیس		بعض محمد ثین موضوع حدیثیں روایت
	نعت و ادب برائے اللہ و سنت رسول		کرتے ہیں لیکن ان کا موضوع ہونا ظاہر
	اللہ ﷺ قریب الموصول ہے اس سے	187	نہیں کرتے
202	زائد فضول	190	فقہاء پر تلمیس ابلیس
	ابوالحق زجاج اور وزیر قاسم بن عبد اللہ		فقہاء متقدمین اور فقہاء متاخرین میں
204	کا واقعہ	190	فرق
206	شعراء پر تلمیس ابلیس		فقہاء جدل کے فن میں فلاسفہ کے
207	علماء کا ملین پر تلمیس ابلیس		قواعد داخل کرتے ہیں اور ان پر اعتماد

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
242	اس باب میں مولف کی مفید تمہید		علم و عمل میں کامل علماء پر تکبر کی
	زہد و عبادت کی خاطر تحصیل علم کو پس	208	راہ سے تلمیس
243	پشت ڈالنے میں تلمیس ابلیس		علوم میں کامل لوگوں پر نام و نمود کی راہ
245	ریاکاری اور ظاہر داری میں تلمیس ابلیس	209	سے تلمیس
248	زاہدوں پر گوشہ نشینی میں تلمیس ابلیس	210	علماء کا تلمیس پر ایک اور مخفی تلمیس
	پچھے حال رہنے اور بالوں کی اصلاح نہ		باب ۷
251	کرنے میں تلمیس ابلیس		والیان ملک اور سلاطین پر تلمیس ابلیس
	علمی بے بضاعتی کے باوجود اپنی گھڑی ہوئی	212	کامیابان
252	باتوں پر عمل پیرا ہونے میں تلمیس ابلیس	218	عابدوں پر وضو میں تلمیس ابلیس
	علماء کی حقارت اور ان پر بلا وجہ عیب	219	وضو میں تلمیس ابلیس کا ذکر
253	لگانے میں تلمیس ابلیس	222	عابدوں پر اذان میں تلمیس ابلیس
	مباحات کے استعمال میں حاتم علی کو	223	عابدوں پر نماز میں تلمیس ابلیس
254	مغالطہ		عابدوں پر مخارج حروف میں
	باب ۱۰	227	تلمیس ابلیس
258	صوفیوں پر تلمیس ابلیس کامیابان		راہوں کو دیر تک عبادت گزاری میں
	رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں نسبت	228	تلمیس ابلیس
	اسلام و ایمان کی طرف ہوتی تھی چنانچہ		عبادت پر تہجد کے لئے مساجد مخصوص
258	مسلم یا مومن کہا جاتا تھا	230	کر لینے میں تلمیس ابلیس
258	صوفیہ کی وجہ تسمیہ اور تحقیق		عابدوں پر قرأت قرآن میں
261	صوفیہ کی بعض بدعات و رسومات کا ذکر	231	تلمیس ابلیس
262	صوفیہ کی بعض تصانیف پر ایک نظر	231	عابدوں پر روزے رکھنے میں تلمیس ابلیس
	صوفیہ کی تصانیف میں بے سند باتیں	234	فریضہ حج کو اکر کرنے میں تلمیس ابلیس
264	جمع کی گئی ہیں	235	مجاہدین پر تلمیس ابلیس کامیابان
264	اوائیل صوفیہ کا اعتماد کتاب و سنت پر تھا	238	نصیحت کرنے والوں پر تلمیس کا ذکر
267	بعض شیوخ صوفیہ کی غلطیوں کامیابان		باب ۹
	جماعت صوفیہ کی طرف سے سوء اعتقاد	242	زاہدوں پر تلمیس ابلیس کامیابان

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
291	تشبیہ چاہتے ہیں	268	کی روایات
293	مرقع وغیرہ کے مکروہ ہونے کی وجوہات	269	حلولیوں کے عقائد اور ان کے اقوال کا ذکر
	مرقع کے بارے میں صوفیہ کے طریقہ	270	حلاج کا دعویٰ
294	اور ان کی اسناد کی تردید	270	رویہ
295	رنگین کپڑے پہننے کا طریقہ اور اس کی تردید		جہاں صوفیہ کی طرف سے حلاج کی
	لباس شہرت کے مکروہ و ممنوع ہونے	271	طرف داری
297	کامیان		طہارت کے بارے میں صوفیہ پر
298	صوف کا لباس اختیار کرنے کا وبال	274	تلمیس الیسی
	لباس کے بارے میں سلف صالحین	275	رہائش میں صوفیہ پر تلمیس الیسی
301	کی عادت		مال و دولت سے الگ تھلگ رہنے میں
	معیوب لباس اختیار کرنے کی برائی	276	صوفیہ پر تلمیس الیسی
302	کامیان	277	مال سے کیا مراد ہے؟
303	نفیس لباس پہننا جائز خواہش نفسانی ہے	277	انبیاء صحابہ رضی اللہ عنہ کا ذکر
	صوفیہ کا کپڑا پہنتے وقت اس کا کچھ حصہ	278	حلال طور پر مال جمع کرنے کی فضیلت
304	پھاڑ ڈالنے کا ذکر		محتاجی ایک مرض ہے اور مال ایک
305	شبلی اور ابن مجاہد کے مابین مناظرہ	284	نعمت ہے
306	بلاوجہ مال ضائع و برباد کرنے کی ممانعت	285	مال سے علیحدگی کے برے نتائج کا ذکر
	لباس چھوٹا رکھنے میں صوفیہ پر	286	مال کے متعلق صوفیہ کی غلط فہمی
307	تلمیس الیسی		مال کے متعلق متقدمین اور متاخرین
	کھانے پینے کے بارے میں صوفیہ پر	288	صوفیہ کے مقاصد میں فرق
309	تلمیس الیسی	289	مال کے متعلق اوائل کی احتیاط
309	متقدمین صوفیہ کے افعال کا مختصر بیان		لباس کے بارے میں صوفیہ پر
312	بعض صوفیہ کا گوشت سے پرہیز	291	تلمیس الیسی
	کھانے پینے کے امور میں صوفیہ کی غلط		لباس کے متعلق مصنف کے زمانہ میں
313	روش کی تردید	291	صوفیہ کی عادات
318	خراب اور ردی غذا کھانے کے نقصانات		ان لوگوں کی مذمت جو صوفیہ کے ساتھ

مضمون صفحہ

357	وجد میں صوفیہ پر تلمیس ابلیس	320	صاف پانی کے منافع اور گندے پانی کے نقصانات
360	تلاوت قرآن کے وقت صحابہ رضی اللہ عنہ کی کیفیت	332	احادیث نبوی ﷺ سے صوفیہ کی غلطیوں کا ثبوت
362	جو شخص وجد کے دفعیہ پر قادر نہ ہو اس کے لئے طریق کار	325	مصنف کے زمانہ میں صوفیہ کا دعوتوں میں طرز عمل
363	راگ سنتے وقت سرور میں صوفیہ کے افعال	327	سماع و رقص کے بارے میں صوفیہ پر تلمیس ابلیس
364	حالت سرور میں رقص کے جائز کر لینے پر صوفیہ کی دلیل	328	لفظ غنا (راگ) کی تحقیق
366	حالت سرور میں صوفیہ کا کپڑے اتار پھینکنا اور پھاڑنا	328	زمانہ قدیم اور آج کل کے غنا میں فرق
371	صوفیہ کی بعض بدعتوں کے جواز میں عذر تراشی	332	مباح (جائز) اشعار اور ناجائز اشعار کا بیان
372	توبہ کرنے والے سے کچھ تاوان لینے کے متعلق سنت	333	غنا (راگ) کے حلال یا حرام ہونے کی بحث سے قبل ایک جامع نصیحت
373	نوجوانوں کی مصاحبت کے بارے میں اکثر صوفیہ پر تلمیس ابلیس	334	غنا کے بارے میں امام احمد کا مسلک
374	اچھی صورتوں کو تہذیب کی نظر سے دیکھنے کی ممانعت	335	غنا کے بارے میں امام مالک کا مسلک
375	نوجوانوں کے ساتھ مصاحبت میں بعض صوفیہ کے حالات	336	غنا کے بارے میں امام ابو حنیفہ کا مسلک
386	جو شخص علم سے بے بہرہ رہے گایا علم حاصل کرنے کے بعد اس پر عمل نہ کرے گا وہ ضرور مصیبت میں پڑے گا	336	غنا کے بارے میں امام شافعی کا مسلک
389	خصوصاً لڑکوں کی طرف دیکھنے کا وبال توکل کا دعویٰ رکھنے اور مال و اسباب فراہم	337	غنا کے مکروہ و ممنوع ہونے کے دلائل کا بیان
		343	ان شبہات کا بیان جن سے گانا سننے والے دلیل لاتے ہیں
		346	بعض صوفیہ کے اس قول کی تردید کہ بعض گانہ بھٹوں کے حق میں مستحب ہے
		354	بعض صوفیہ کے اس دعویٰ کی تردید کہ سماع سے قربت الہی حاصل ہوتی ہے

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
419	ابو حمزہ صوفی کی کنوئیں میں گر پڑنے کی حکایت	391	نہ کرنے پر صوفیہ پر تلمیس الیسی
422	درندوں سے تعرض کرنا اور اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا خلاف شریعت ہے	391	توکل اور اسباب میں باہم مخالفت نہیں ہے
432	سفر سے واپسی کے وقت صوفیہ پر تلمیس الیسی	391	توکل کسب (روزی کمانے) کے خلاف بھی نہیں ہے
433	میت کی بارے میں صوفیہ پر تلمیس الیسی	396	انبیاء، صحابہ و تابعین خود کسب کرتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کا حکم دیتے تھے
436	شغل علمی ترک کرنے میں صوفیہ پر تلمیس الیسی	397	کسب چھوڑ کر کابل بیٹھنے والوں کے دلائل قبیحہ اور ان کا رد
437	ایک فقیہ اور ایک صوفی کا واقعہ شریعت اور حقیقت میں تفریق کرنا نادانی ہے	402	ترک علاج کے بارے میں صوفیہ پر تلمیس الیسی
441	حقیقت کو شریعت کے خلاف کہنے والے کے بارے میں امام غزالی کا قول	403	تمنائی اور گوسہ نشینی اور جہد و جماعت ترک کرنے میں تلمیس الیسی
441	علمی کتابیں دفن کر دینے یا دریا میں بہا دینے میں صوفیہ پر تلمیس الیسی	405	خشوع اور سر جھکانے اور ناموس قائم رکھنے کے بارے میں صوفیہ پر تلمیس الیسی
442	علمی شغل رکھنے والوں پر اعتراض کرنے کے بارے میں صوفیہ پر تلمیس الیسی	408	ترک نکاح میں صوفیہ پر تلمیس الیسی
446	علمی مسائل میں کلام کرنے میں صوفیہ پر تلمیس الیسی	411	ترک نکاح کی طبی خرابیوں کا بیان
448	قرآن پاک کی تفسیر میں صوفیہ کے کلام اور ان کی جرات کا مختصر بیان	412	اولاد نہ چاہنے میں صوفیہ پر تلمیس الیسی
449	علوم اور علوم حدیث وغیرہ میں صوفیہ کا کلام	413	سفر و سیاحت کے بارے میں صوفیہ پر تلمیس الیسی
449	سطحات (صوفیانہ نعرے اور ناحق اقوال) اور باطل دعویٰوں پر صوفیہ پر تلمیس الیسی	414	رات کو تنہا سفر کرنا ممنوع ہے
457		415	زاد راہ کے بغیر طویل سفر پر نکل جانے میں تلمیس الیسی
		419	ان امور کا بیان جو صوفیہ سے سفر و سیاحت میں خلاف شریعت صادر ہوئے

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
494	اختیار کرنے کی مذمت		بعض اور افعال منکرہ کا بیان جو صوفیاء
	عوام کے اس قول کی مذمت کہ ”جب	462	سے منقول ہیں
	عالم لوگ شرعہ پر نہیں چلتے تو ہم کس		صوفیہ کے فرقہ ملائعہ کا حال اور ان کے
496	کشتی میں ہیں۔	470	عقائد کا رد
496	نسب پر مغرور ہو جانے کا قندہ	471	صوفیہ میں لباہیہ فرقہ کی شمولیت
	محض عقیدہ پر بھروسہ کرنے اور فعل	472	فرقہ لباہیہ کے چھ شبہات معہ جوابات
497	کی پرواہ نہ کرنے کی مذمت		اہل علم کا صوفیہ سے اظہارِ ریزی اور
	عیاروں پر لوگوں کا مال دھوکہ سے لینے	478	اس کی وجوہات
498	میں تلمیس ابلیس		صوفیہ کی اصلاح کے لئے اہل علم کے
	نوافل کی پابندی اور فرائض ضائع کرنے	484	چند اشعار
499	کی مذمت		باب ۱۱
	و عہد سننے لیکن اس پر عمل نہ کرنے کی		کرامات قدم کی چیزوں کو دین سمجھنے والوں
499	مذمت	487	پر تلمیس ابلیس کا بیان
500	مال داروں پر تلمیس ابلیس کا بیان	487	حارث کذاب اور اسکے دعوائے نبوت
500	نقراء پر تلمیس ابلیس		کرامات قسم کی چیزوں سے اکثر لوگ
	قدیم عادات کے جاری رکھنے میں عوام	489	بھک گئے
504	پر تلمیس ابلیس		عقلاء کا ان تمام امور سے پرہیز جو بظاہر
508	عورتوں پر تلمیس ابلیس	489	کرامات معلوم ہوتے تھے۔
	باب ۱۳	491	کرامات سے متعلق بعض بناوٹی قصے
511	طول اہل کے ساتھ تلمیس ابلیس کا بیان		باب ۱۲
	لفظ ”عنقریب“ سے ڈرو یہی لفظ شیطان	492	عوام پر تلمیس ابلیس کا بیان
512	کا بڑا لشکر ہے۔		نفس کے بندوں اور مخالفت علماء کی پرواہ
		493	نہ کرنے والوں کی مذمت
			علماء پر بناوٹی درویشوں کو ترجیح دینے کی
		493	مذمت
			شر والوں کو چھوڑ کر میر و بی زاہدوں کو

مختصر حالات امام ابن الجوزیؒ

نام و نسب

آپ کا نام عبدالرحمن ہے، لقب جمال الدین، کنیت ابو الفرج اور ابن الجوزی کے نام سے مشہور ہیں۔ سلسلہ نسب یہ ہے:-

عبدالرحمن بن ابی الحسن علی بن محمد بن علی بن عبید اللہ بن عبد اللہ بن حماد بن احمد بن محمد بن جعفر الجوزی بن عبد اللہ بن القاسم بن المضر بن القاسم بن محمد بن عبد اللہ بن عبد الرحمن بن القاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق، القرطبی، البکری، البغدادی، الحنبلی۔ جوزی کی نسبت میں اختلاف ہے۔ بعض کا قول ہے کہ آپ کے جد جعفر بصرہ کے ایک فرضہ کی طرف منسوب تھے جس کا نام جوزہ تھا۔ فرضہ النہر، نہر کے دہانے کو کہتے ہیں۔ جہاں سے پانی لیا جاتا ہے۔ اور فرضہ البحر اس مقام کو کہتے ہیں جہاں کشتیاں بندھتی ہیں۔ یہ اکثر لوگوں کا قول ہے۔ اور منذری کہتے ہیں کہ یہ ایک مقام کی طرف نسبت ہے۔ جس کو فرضہ الجوز کہتے ہیں۔

اور شیخ عبدالصمد بن ابی الجیش کہتے ہیں کہ یہ بصرہ کے ایک محلہ کی طرف نسبت ہے جس کا نام محلہ الجوز ہے۔ بعض کا قول ہے کہ یہ نہیں بلکہ شہر واسطہ میں ان کے اجداد کے گھر میں جوز یعنی اخروٹ کا ایک درخت تھا جس کے سوا وہاں اور کوئی اس کا درخت نہیں تھا۔

پیدائش

آپ کے سن پیدائش میں بھی اختلاف ہے۔ بعض کا قول ہے کہ ۵۰۸ھ ہے اور بعض کا قول ہے کہ ۵۰۹ھ ہے۔ اور بعض کا قول ہے کہ ۵۱۰ھ ہے۔ خواہ ان کی تحریر ملی تھی جس میں لکھا ہوا تھا کہ ”مجھ کو اپنی پیدائش کا سن ٹھیک معلوم نہیں۔ اتنا معلوم ہے کہ والد صاحب کا ۴۱۴ھ میں انتقال ہوا تھا اور والدہ کتنی تھیں کہ اس وقت تمہاری عمر تقریباً تین برس کی تھی۔“ اس بناء پر آپ کا سن پیدائش ۵۱۱ھ یا ۵۱۲ھ ہوگا۔ آپ بغداد میں درب حبیب میں پیدا ہوئے تھے۔

ابتدائی حالات اور تحصیل علم

آپ کے والد چچن میں انتقال کر گئے تو آپ کی والدہ اور پھوپھی نے آپ کی پرورش کی۔ آپ کے ہاں تانبے کی تجارت ہوتی تھی اس وجہ سے آپ کی بعض قدیم سندوں میں ابن الجوزی الصفار لکھا ہوا ہے۔ جب آپ بڑے ہوئے تو آپ کی پھوپھی حافظ ابو الفضل ابن ناصر کے ہاں لے گئیں تو آپ نے ان کی طرف توجہ کی اور ان کو حدیث سنائی۔ بعض کا قول ہے کہ آپ کی ابتدائی تعلیم ۵۱۶ھ میں ہوئی تھی قرآن مجید حفظ کیا اور ائمہ قراءت کی ایک جماعت سے تحصیل علم کی۔ بڑے ہونے کے بعد شہر واسط میں علی بن الباقانی سے قرآن مجید روایات کے ساتھ پڑھا۔

مشائخ (اساتذہ)

آپ نے اپنے مشائخ میں ستاسی (۸۷) اشخاص کو ذکر فرمایا ہے۔ حالانکہ ان کے سوا بھی کئی اور علماء سے علم حاصل کیا۔ چند بڑے بڑے اساتذہ کے نام ہیں۔ ابو القاسم بن الحسین، قاضی ابو جبر الانصاری، ابو جبر محمد بن الحسین المزنی (المزنی)، ابو القاسم الحریر، علی بن عبد الواحد بنوری، ابو السعادات احمد بن احمد التوکل، ابو غالب بن البناء، اور ان کے بھائی یحییٰ، ابو عبد اللہ الحسین بن محمد البار، ابو الحسن علی بن اہد الموحد، ابو غالب محمد الحسن الماوردی فقیہ ابو الحسن ابن الزاغونی، ابو منصور بن خیرون، ابو القاسم بن السمر قدی، عبد الوہاب الانماطی، عبد الملک الکروجی، خطیب اصہبان ابو القاسم عبد اللہ بن محمد، ابو سعید الزوزی، ابو سعد البغدادی، یحییٰ بن الطراح، اسماعیل بن ابی صالح المکون، ابو القاسم بن علی بن علی العلوی الروی الواعظ، ابو منصور القرز، عبد الجبار بن ابراہیم بن عبد الوہاب ابن مندہ، ابو اللہ بن الطبر اور ابو الوقت السجری۔

محاسن و عظمیٰ

۵۶۰ھ میں آپ کو اجازت دی گئی کہ آپ باب بدر میں سلطان کی موجودگی میں وعظ کے لئے بیٹھیں۔ شیخ کہتے ہیں کہ چاشت کے وقت سے لے کر عصر کے بعد تک لوگ اپنے لئے جگہ کا انتظام کرتے رہے۔ وہاں پر چند چبوترے تھے جو کرایہ پر لئے گئے۔ چنانچہ ایک آدمی کی جگہ دو تین قیراط پر ملتی تھی۔ آپ باب بدر میں عرفہ کے روز

و عظ کے لئے تشریف لے گئے تو لوگ چاشت ہی کے وقت سے حاضر ہونے لگے گرمی سخت تھی اور لوگ روزہ سے تھے۔ اس روز کے عجیب امور میں سے یہ ہے کہ ایک شخص نے آپ کے سر پر سایہ تانا جس کو دس آدمی ظہر سے عصر تک پکڑے رہے اور لوگوں نے ان کو پانچ قیراط دیئے۔ بہت سے پچھلے دو گنی قیمت پر خریدے گئے۔ اس روز ایک شخص چلایا کہ اس بھیڑ میں ابھی میرے سودینار چوری ہو گئے تو سلطان نے اس کو اپنی طرف سے سودینار دیئے۔

شیخ کہتے ہیں کہ اسی سال میں نے عاشوراء کے روز جامع مسجد منصور میں وعظ کی ایک مجلس قائم کی اور اتنے لوگ حاضر ہوئے جن کی تعداد کا اندازہ ایک لاکھ تھا۔ اور ایسا ہی واقعہ نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مجھ سے اہل حرمیہ نے چاہا کہ میں ان کے لئے رات کو وعظ کی مجلس قائم کروں۔ میں نے ۶ ربیع الاول جمعرات کے روز کا وعدہ کیا۔ بغداد وغیرہ کے لوگوں کی وہاں اس قدر کثرت ہوئی جو نصف شعبان کی کثرت سے کہیں زیادہ تھی۔ میں باب بصرہ سے چل کر مغرب کے بعد حرمیہ میں داخل ہوا تو وہاں کے لوگ بہت سی مشعلیں ہمراہ لئے مجھ سے ملے اور میرے ساتھ ہو لئے۔ جب میں باب بصرہ سے نکلا تو میں نے حرمیہ والوں کو دیکھا کہ اتنی مشعلیں لے کر آرہے ہیں جن کا شمار ممکن نہ تھا۔ میں نے دیکھا کہ میدان روشنی سے جگمگا رہا ہے اور محلہ کے لوگ عورتیں اور بچے دیکھنے کے لئے نکلے ہیں۔ میدان میں اس قدر بھیڑ تھی جیسے سہ شنبہ کے روز بازار میں بھیڑ ہوتی ہے۔ میں حرمیہ میں داخل ہوا اور سڑک آدمیوں سے بھر رہی تھی۔ اگر کہا جائے کہ جو لوگ مجلس وعظ کی غرض سے آئے اور حرمیہ اور باب بصرہ کے درمیان میں چلے وہ تین لاکھ تھے تو یہ بات بعید نہ ہوگی۔

حاصل یہ کہ آپ کی مجالس وعظ کی نظیر نہ تو دیکھی گئی اور نہ سنی گئی۔ ان سے بڑا نفع پہنچتا تھا۔ غافل نصیحت حاصل کرتے تھے جاہل علم کی باتیں سیکھتے تھے گنہگار توبہ کرتے تھے، مشرک مسلمان ہوتے تھے۔

آپ نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ وعظ کیا تو تقریباً دو سو آدمی اس مجلس میں تائب ہوئے۔ اور ان میں سے ایک سو بیس کی پیروں کے نام کی چوٹیاں کافی گئیں۔ آپ نے کتاب ”القصص والمذکرین“ کے آخر میں لکھا ہے کہ میں ہمیشہ لوگوں کو وعظ کرتا رہا اور ان کو توبہ اور تقویٰ کی ترغیب دلاتا رہا۔ یہاں تک کہ میں نے اس کتاب میں ایک لاکھ آدمیوں سے زیادہ کی فرست جمع کر لی۔ اور دس ہزار بچوں

کی پیروں کے نام کی رکھی ہوئی چوٹیاں کائی گئیں اور ایک لاکھ سے زیادہ آدمی میرے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔

آپ کے پوتے ابوالمظفر کہتے ہیں کہ آپ کے وعظ میں کم سے کم دس ہزار آدمی حاضر ہوتے تھے اور ہر اس وقت یہ تعداد ایک لاکھ تک پہنچ جاتی تھی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کے دلوں میں آپ کی قبولیت اور ہیبت پڑی ہوئی تھی۔ آپ کو دنیا سے رغبت نہ تھی۔ میں نے آپ کو آخر عمر میں سنا۔ منبر پر فرما رہے تھے کہ ”میں نے اپنی ان دونوں انگلیوں سے دو ہزار جزو لکھے ہیں۔ میرے ہاتھ پر ایک لاکھ آدمیوں نے توبہ کی ہے۔ اور بیس ہزار یہود و نصاریٰ مسلمان ہوئے۔“

آپ ہفتہ وار قرآن مجید ختم کرتے تھے۔ مکان سے صرف جامع مسجد کو جمعہ اور وعظ کے لئے نکلا کرتے تھے کبھی کسی سے مذاق نہیں کیا اور نہ کبھی مشتبہ چیز کھائی۔ اسی طرح تمام عمر گزار دی ابن القتیبی کہتے ہیں کہ لوگوں نے آپ کے کلام سے بہت فائدہ اٹھایا۔ بعض مرتبہ ایک ایک مجلس میں سو سو اور اس سے زیادہ آدمی گناہوں سے توبہ کرتے تھے۔ سال میں دو ایک روز جامع مسجد منصور میں وعظ کے لئے بیٹھا کرتے تھے۔ تو اعلان کے لئے اشتہارات تقسیم ہوتے تھے۔ اور ایک ایک لاکھ آدمی جمع ہوتے تھے۔

الغرض آپ کی زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ آپ کے انقلاب انگیز مواعظ اور مجالس درس ہیں۔ ان مجالس وعظ نے سارے بغداد کو زیر کر رکھا تھا۔ خلفاء، سلاطین، وزراء اور اکابر علماء ان میں بڑے اہتمام اور بڑے شوق سے شرکت کرتے تھے۔ تاثیر کا یہ عالم تھا کہ لوگ غش کھا کھا کر گرتے، لوگوں کی چیخیں نکل جاتیں اور آنسوؤں کی جھڑیاں لگ جاتیں۔

علامہ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مجالس وعظ میں بدعات اور منکرات کی کھل کر تردید کی۔ عقائد صحیحہ اور سنت کا اظہار کیا۔ اپنی بے مثل خطابت، زبردست علمیت اور عام رجوع کی وجہ سے اہل بدعت کو ان کی تردید کا حوصلہ نہ ہوا۔ سنت کو ان کے مواعظ و درس اور تصنیفات سے بہت فروغ ہوا۔

تصانیف

علامہ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے زبانی وعظ و تقریر پر اتفاقاً نہیں کیا۔ آپ

نے متعدد کتابیں ایسی لکھیں، جنہوں نے علمی طبقہ پر بڑا اثر ڈالا اور غلط رجحانات کی اصلاح کی۔

حافظ ابن الدبیسی نے ذکر کیا ہے کہ ہمارے شیخ امام جمال الدین ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ کی بہت سی تصانیف مختلف فنون میں ہیں۔ جیسے تفسیر، فقہ، حدیث و عطا و رقائق، تاریخ وغیرہ حدیث اور علوم حدیث کی معرفت، صحیح و ضعیف حدیث کی واقفیت میں آپ کی درجہ کمال حاصل تھا اور اس فن میں آپ کی بہت سی تصانیف ہیں۔ جیسے مسانید، ابواب اور اسماء الرجال اور ان احادیث کی معرفت جن سے احکام اور فقہ میں استدلال کیا جاتا ہے۔ جیسے ضعیف و موضوع حدیثیں اور جیسے انقطاع اور اتصال کا بیان۔ وعظ میں آپ کی تقریر شستہ ہوتی تھی۔ اشارات عمدہ، معانی لطیف اور استعارات نفیس۔ آپ کا کلام پاکیزہ ہوتا تھا۔ انداز کلام شائستہ، زبان شیریں اور بیان اعلیٰ تھا آپ کے علم اور عمر میں برکت دی گئی تھی۔

ابن النجار آپ کی چند تصانیف کا ذکر کر کے کہتے ہیں کہ جس نے آپ کی تالیفات میں غور کیا اس کو آپ کا حفظ، ضبط اور علمی مرتبہ معلوم ہے آپ باوجود ان فضائل اور وسیع علوم کے وظائف اور عبادات کے بھی پابند تھے۔ آپ کو ذوق صحیح کا حصہ اور شرعی مناجات کا بہرہ بھی تھا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے ”الاجوبۃ المصریۃ“ میں لکھا ہے کہ آپ مفتی اور بڑے صاحب تصنیف و تالیف تھے۔ بہت سے فنون میں آپ کی تصانیف ہیں۔ میں ان کی تالیفات شمار کیں تو ہزار سے زیادہ پایا اور اس کے بعد اور بھی دیکھیں جو پہلے نہیں دیکھی تھیں۔ حدیث و فنون حدیث میں آپ کی ایسی تصنیفات ہیں۔ جن سے لوگوں کو بہت فائدہ پہنچا اور اس میں آپ کو کمال مہارت تھی۔ وعظ اور فنون وعظ میں آپ کی ایسی تصنیفات ہیں کہ ان جیسی کوئی تصنیف نہیں ہوئی۔ اور بہتر تصنیف آپ کی وہ ہے جس میں سلف کے حالات جمع کئے ہیں۔ مثلاً وہ مناقب جو آپ نے تصنیف کئے ہیں۔ کیونکہ آپ معتبر تھے لوگوں کی تصنیفات سے آپ کو بہت واقفیت تھی۔ ترتیب اور تفصیل اچھی کرتے تھے جمع کرنے اور لکھنے پر قادر تھے ان فنون میں آپ کو دیگر مصنفین سے اچھی تمیز تھی۔ کیونکہ بہت سے لوگ ہیں جن کی اس فن میں تصانیف ہیں لیکن ان کو سچ اور جھوٹ میں تمیز نہیں ہے۔

ابن الجوزی فرماتے ہیں کہ میری پہلی تصنیف اس وقت ہوئی تھی جب میری

عمر تقریباً تیرہ برس کی تھی۔

ابن القطیب نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ ”ابن الجوزی نے مجھ کو اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک رقعہ دیا اور کہا کہ یہ میری تصنیفات کی فہرست ہے۔“ وہ فہرست یہاں درج کی جاتی ہے۔

قرآن اور علوم قرآن کے متعلق چند تصنیفات

(1) المعنى فى تفسير القرآن (2) زاد المسير فى علم التفسير (3) تيسير البيان فى تفسير القرآن (4) تذكرة الارب فى تفسير الفريب (5) غريب الفريب (غريب العزيز) (6) نزہتہ (الاعین) النواظر۔ فى علم الوجوه و النظائر (اس میں مفردات امام رابع کی طرز پر معانی قرآن کا بیان ہے) الوجوه النواظر (7) فى الوجوه والنظائر (8) مختصر کتاب نزہتہ العیون (9) الاشارہ الی القرائۃ المختارۃ (10) تذکرۃ المتنبیہ فی عیون المشتبہ (یہ فن قرأت میں ہے)۔ (11) فنون الافنان فی (عیون) علوم القرآن (12) ورد الاغصان فی فنون الافنان (13) عمدہ الراسخ فی معرفتہ المنسوخ والناسخ (14) المصنفی بالف اهل الرسوخ من علم الناسخ والمنسوخ۔

اصول دین میں چند تصنیفات

(15) منتقد المعتقد (16) منهاج الوصول الى علم الاصول (17) بیان غفلتہ القائل لعدم افعال العباد (18) غوامض الالہیات (19) مسلك العقل (20) منهاج اهل الاصابہ فى محبتہ الصصاحبہ (21) السر المصون (22) دفع شبہتہ التشبیہ (دفع شبہ المشتبہ) (23) الرد علی المتعصب العنید۔

علم حدیث اور زہدیات میں تصانیف

(24) جامع المسانیہ (والقاب) بامضر الاسانیہ (25) الصدائق لاهل احقائق فى المواعظتہ (26) نقل العقل (نفس النقل) (27) المجتبى (فى انواع من العلوم) (28) النزہتہ (29) عیون الحکایات (30) ملتقط الحکایات (31) ارشاد المریدین فى حکایات (سلف) الصالحین (32)

روضتہ الناقل (33) غرر الاثر (34) التحقيق فى احاديث التعليق (الخلاف)
 (35) المديع (36) الموضوعات من الاحاديث المرفوعات (37) العلل
 المتناهيہ فى احاديث الواهيته (الوهيات) (38) الكشف المشكل (حديث)
 الصحيحين (39) (مشكل الصحاح) (40) الضعفاء والمتروكين (41) اعلام
 العالم بصدر سوخه بحقائق ناسغ الهديث و منسوخته (42) اخبار اهل
 الرسوخ فى الفقه والتحديث بمقدار المنسوخ (من الحديث) (43) السهم
 المصيب (44) اخائر الذخائر (45) الفوائد عن الشيوخ (46) مناقب
 اصحاب الحديث (مناقب جماعته) (47) موت الخضر (48) مختصر موت
 الخضر (49) المشبخته (50) المسلسلات (51) المحتسب فى النسب
 (52) تحفته الكليات (53) تنوير مدلهم السف (54) القاب (55) فضائل
 (مناقب) عمر بن الخطاب رضى الله عنه (56) فضائل (مناقب) عمر بن
 عبدالعزيز رحمته الله عليه (57) سيرة عمر بن عبدالعزيز (يہ عليمہ ۛۛۛۛ كتاب
 ہے) (58) فضائل سعيد بن المسيبؒ (59) فضائل الحسن بصرىؒ (60)
 مناقب الفضيل بن عياضؒ (61) مناقب بشر الحافى (62) مناقب ابراهيم بن
 ادهم (63) مناقب سفيان الثورى (64) مناقب احمد بن حنبل (65) مناقب
 معروف الكرخى (66) مناقب رابعته العرويته (67) مسير العزم (مشير العزم)
 الساكن الى اشرف الاماكن (68) صفوة الصفوة (جوليت الاولياء کا مختصر ہے)
 (69) منهاج القاصدين (يہ كتاب احياء علوم الدين کے اسلوب پر ہے) (70)
 المختار من اخبار الاخيار (71) القاطع لمجال اللجاج القاطع بمحال
 الاحلاج (72) عجائله المنتظر فى شرح جاد الخضر (73) النساء وما
 يتعلقهن باد ابهن (احكام النساء) (74) بيان علته الحديث المنقول فى ان
 ابابكرؓ ام الرسول (75) الجواهر (جواهرات المواعظ) (76) المقلق۔

علم فقہ میں چند تصنیفات

(77) الانصاف فى مسائل الخلاف (78) (الانتصار فى مسائل
 الخلاف) (79) جنتہ النظر و جنتہ المنتظر (يہ متوسط تعلیق ہے) (80) معتصر
 المختصر فى مسائل النظر (يہ اس سے چھوٹی تعلیق ہے) (81) عمدة الدلائل فى

مشترک المسائل (الدلائل فی مشهور المسائل) (82) المذهب فی المذهب
(83) مسبوک الذهب فی لمذهب (84) العبادات الخمس (85) اسباب
الهدایة لارباب البدایة (86) كشف الظلمة عن الضیاء فی رد الدعوی
(87) درء اللوم والضمیم فی صوم یوم النیم۔

علم تاریخ میں چند تصنیفات

(88) تلخیص فہوم اہل الاثر فی عیون التاریخ والسیر (ابن قتیبة کی
المعارف کی طرز پر) (89) المتنظم فی تاریخ الملوك والامم (90) شذور
العقود فی تاریخ العہود (91) طرائف الظرائف فی تاریخ السوالف (92)
مناقب بغداد (93) الذهب المسبوك فی سیر الملوك۔

علم وعظ میں چند تصنیفات

(94) الیواقیت فی الخطب (المواقیت فی الخطب الواعظیہ) (95)
المنتخب فی الثوب (96) نخب المنتخب (97) متحل المنتخب (98)
نسیم الریاض (فی المواعظہ) (99) اللؤلؤة (فی المواعظہ) (100) کنز
المذکرین (فی المواعظ) (101) الارج (فی المواعظہ) (102) اللطیف (فی
المواعظ) (103) اللطائف (104) کنز الرموز (105) النفیس (106) زین
القصص (107) موافق المرافق (108) الشاهد والمشہود (109) وسطات
العقود من شاهد و مشہود (110) الملہب (111) المدہش (فی
المحاضرات) (112) صبانجد (فی المواعظ) (113) معاوثہ العقل (114)
لقط الجمان (115) مغانی المعانی (116) فتوح الفتوح (فیوہ الفتوح)
(117) التعازی الملوکیہ (118) المقعد المقیم (119) ایقاظ ابو سنان
(120) الرفدات باحوال الحیوان و النبات (121) نکت المجالس البدریہ
(122) نزبہ الاریب (123) نسیم السحر (124) (روح الارواح) (125)
منتهی المنتہی (126) تبصرة المبتدی (التبصرة) (127) الباقوتیہ (فی
الوعظ) كشف الظنون میں اس کا نام ”باقوتہ الواعظ والموعظہ“ درج ہے۔
(128) تہذیب الواعظ (نزہۃ الملاحظہ)۔

مختلف فنون میں چند تصنیفات

(129) زم الہوی (130) صید الخاطر (131) احکام الاشعار
 باحکام الاشعار (132) القصاص والمذکرین (133) تقویم اللسان (فی
 سیاق درۃ الفواص) (134) الاذکیاء (135) اخبار الحمقى ولمفقلین
 (136) تلیس اہلس (127) لقط المنافع فی الطب (منافع الطب) دو جلد
 (138) مختار المنافع (یہ لقط المنافع کا مختصر ہے) (139) حسن
 الخطاب فی الشیب والشباب (140) اعمار الاعیان (فی التاریخ والتراجم)
 (141) الثبات عند الممات (142) تنویر الغبش فی فضل السودان والحبش
 (تنویر الغبش فی احوال الاعیان من الحبش) (143) الحت علی حفظ
 (طلب) العلم وذكر كبار الحفاظ (144) اسراف الموالی (اشراف الموالی)
 (145) اعلام الاحیاء باغلاظ الاحیاء (للغزالی) (146) تحریم المحل
 المکروه (147) المصباح المزی لدعوة الامام المستضی (148) عطف
 العلماء علی الامراء علی العلماء (149) النصر علی المصر (150) المجد
 العضدی (151) الفخر النوری (الفخر النوری) (152) مناقب الستر الرفیع
 (153) مقلته من الاشعار (154) المقامات (الجوزیة فی المعانی الوعظیة
 وشرح الکلمات اللغویة) (155) من رسائلی (156) عجائب النساء یا اخبار
 النساء (157) الطب الروحانی (158) عجائب البدائع) (159) منتهی
 المشتہی) (160) المنثور فی المواعظ (161) (المزعج) (162) مولد النبی
 (163) تنبیہ النائم الغمر علی (حفظ) مواسم العمر۔

یہ ان کتابوں کی فہرست ہے جنہیں ابن القطیعی نے خود ان کے خط سے نقل
 کیا ہے اور ان کو سنایا ہے ہمارا خیال ہے کہ ابن القطیعی نے اس میں کچھ اپنی طرف سے
 اضافہ کیا ہے۔

آپ کی اس فہرست کے علاوہ اور بھی بہت سی تصانیف ہیں۔ لیکن ایسا معلوم
 ہوتا ہے کہ وہ آپ کے بعد کی تصانیف ہیں۔ ان میں بعض کے نام یہ ہیں۔

(64) بیان الخطائر الصواب من احادیث الشہاب (165) البازی

الالشہب المنقض علی مخالفی المذہب الوفاء فی فضائل المصطفی

(166) مناقب الامام الشافعی (167) النور فی فضائل الایام والشہور
 (168) تقریب الطريق الی بعد فی فضل مغفرۃ احمد (169) العزلۃ (170)
 الرياضۃ (171) فنون الاباب (172) مناقب (الصدیق) ابی بکر (173)
 مناقب علی (174) فضائل العرب (175) درۃ الاکلیل (فی تاریخ) (176)
 الامثال (177) المنفعتہ فی المذاهب الاربعۃ (178) المختار من الاشعار
 (179) رؤوس القواویر (فی الخطب والمحاضرات والوعظ والتذکیر) (180)
 المطرب للمذنب (181) المرتحل فی الوعظ (182) کبیر نسیم الرياض (183)
 ذخیرہ الوعظ (184) الزجر المخوف (185) الذند الوری فی الوعظ
 الناصری (186) الفاخر فی ایام الامام الناصر (187) المجد الصلاحی
 (188) لغتہ الفقہ (189) عقد الخناصر فی ذم الخلیفہ الناصر (یہ بھی آپ کی
 طرف منسوب ہے) (190) المطرب للمذنب (191) الزند الوری فی الوعظ
 الناصر (192) الفاخر فی ایام الامام الناصر (193) المجد الصلاحی (194)
 لغتہ الفقہ (195) عقد الخناصر فی ذم الخلیفہ (یہ بھی آپ کی طرف
 منسوب ہے) (196) غریب الحدیث (197) ملع الاحادیث (ملع المواعظ)
 (197) فصول (الماء) الوعظیۃ (حروف کی ترتیب پر ہے) (198) سلوۃ
 الاحزان (سلوۃ الاخوان بماور دعن ذوی العرفان) (199) الشوق فی الوعظ
 (200) المجالس الیوسفیہ فی الوعظ (یہ بھی آپ نے اپنے بڑے لڑکے یوسف
 کے لئے لکھی تھی) (201) الوعظ المقبری (202) قیام اللیل (203)
 المحادثۃ (204) المناجات (205) جواهر الزواہر فی الوعظ (زاهر
 الجواهر) (206) النجاة بالخواتیم (207) المرتقی لمن اتقی (208) اخبار
 الظراف والمتماجنین۔

کہا جاتا ہے کہ صحاح الجواہری پر آپ کا (209) حاشیہ ہے۔ اور آپ نے اس
 پر بعض مقامات میں گرفت کی ہے۔ نیز آپ نے فنون ابن عقیل کو کچھ اور دس (210)
 جلدوں میں مختصر کیا ہے۔

اسمعیل پاشا البغدادی نے اپنی تالیف ہدیہ العارفین میں ابن الجوزی کے
 تذکرہ میں ان کی تصانیف میں ان کتابوں کو بھی درج کیا ہے۔

(211) اقتہ اصحاب الحدیث والرد علی عبدالمغیت (212) اخبار

الاخبار (213) اخبار البرامکھ (214) اسباب النزول (215) انس الفرید و
 بغیته المرید (216) بستان الصادقین (217) بستان الواعظین وریاض
 السامعین (218) البلغة فی الفروع (219) تذکرة الخواص (220) تقرير
 القواعد و تحرير الفوائد (221) الاجمال فی اسماء الرجال (222) المجلس
 الصالح والانیس الناصع (223) حسن السلوك فی مواعظ الملوك (224)
 الدار التمیم من خصائل النبی الامین (225) الدر الفائق بالمجالس
 والاحادیث الرقائق (226) درر الاتر (227) الدلائل فی مشور المسائل
 (228) دریاك الذنوب فی الموعظة (229) رواء ذوی الفلات (230)
 الذیل علی طبقات الحنابلته (231) روضته المجالس و نزہته المستانس
 (232) روضته المریدین (233) الزبر الانیق (234) سيرة المستغنی (235)
 شرف المصطفی صلی اللہ علیہ وسلم (236) کتاب الروا صلتہ (237)
 کتاب الخطب (238) عقائد المرافق (239) فضائل المدینہ (240) قصیدة
 الاعتقاد (244) کتاب الملتقط (245) کماة الذہر و فريدة الذہر (246)
 کنز الملوك فی کیفیتہ السلوك (247) اللالی فی خطب المواعظ (248)
 لباب فی قصص الانبیاء (249) نقتہ الکبد الی نصیحتہ الولد (250) لقط فی
 حکایات الصالحین (251) مایلحن فیہ المامته (252) متیر الفرام لساکنی
 الشام (253) المقترح الشامل المقتضب فی الخطب (254) مناقب
 الحسین (255) منتخب الزیر من رؤوس القوایر فی الوعظ والتذکیر (256)
 منشور العقود فی تجرید الحدود (257) منظومته فی الحدیث (258) المفسر
 مختصر المدهش منهاجته النظر و جتته الفطر (259) المورد والعذب فی
 المواعظ والخطب (260) نرجس القلوب والبدال علی طرق المحبوب
 (261) النطقی المفہوم (262) نظم الجمان (163) نفع الطیب (264)
 ہاری الارواح الی بلاد الافراح۔

علامہ ذہبی کہتے ہیں۔ مجھے نہیں معلوم کہ کسی عالم نے ایسی تصنیفات کیں
 جیسی آپ نے کیں۔

تلامذہ

آپ کے تلامذہ میں آپ کے صاحبزادے محی الدین اور پوتے شمس الدین یوسف بن قزاد غلی واعظ اور حافظ عبدالغنی، ابن الدبیشی، ابن النجار، ابن خلیل، التعلی الیلدانی، ابن عبدالدائم اور النجیب عبداللطیف، قابل ذکر ہیں۔

وفات

آپ کے پوتے ابوالمظفر شمس الدین یوسف کہتے ہیں کہ ”میرے دادا“ رمضان ۵۹۷ھ کو ہفتہ کے روز سلطان کی والدہ کی قبر کے نیچے جو معروف کرنی کے متصل ہے، وعظ کے لئے بیٹھے۔ میں وہیں موجود تھا۔ آپ نے چند اشعار پڑھے جن پر مجلس ختم ہو گئی۔ پھر آپ منبر سے اترے اور پانچ دن تک بیمار رہے۔ بالآخر ۱۲ رمضان کو جمعرات کے روز مغرب و عشاء کے درمیان اپنے گھر میں وفات پائی۔ والدہ کہتی تھیں کہ میں نے ان کو مرنے سے پہلے سنا کہ بار بار کہہ رہے تھے۔ میں کیا کتابوں پر عمل کروں گا۔ کتابیں تو میرے لئے ختم ہو گئیں۔ آپ کے غسل کے لئے ہمارے شیخ ناصر الدین بن سیکینہ اور ضیاء الدین بن خبیر صبح کے وقت تشریف لائے اور بغداد کے لوگ جمع ہوئے، دکانیں بند ہو گئیں۔ اور ہم نے جنازے کو رسیوں سے باندھ کر ان کے سپرد کر دیا۔ جنازہ اسی قبر کے نیچے لے جایا گیا جہاں آپ آخری مرتبہ وعظ کے لئے بیٹھے تھے۔ اتفاق ایسا ہوا کہ آپ کی نماز جنازہ آپ کے صاحبزادے ابو القاسم علی نے پڑھائی کیونکہ مشاہیر ان تک پہنچ نہ سکے۔ پھر جنازے کو جامع مسجد منصور میں لے جایا گیا۔ اور لوگوں نے نماز جنازہ ادا کی۔ لوگوں کا سخت اثر و حام تھا گویا میلے کا دان معلوم ہوتا تھا مقبرہ باب حزب میں امام احمد بن حنبل کی قبر کے پاس جنازہ نماز جمعہ کے وقت تک نہ پہنچ سکا۔ گرمی کا موسم تھا۔ بہت سے لوگوں نے شدت کی تاب نہ لا کر روزے توڑ دیئے اور خندق ظاہریہ میں پانی میں جا گرے، تمام لوگوں کو آپ کی مفارقت کا سخت صدمہ تھا۔ بہت روئے اور آپ کی قبر کے پاس تمام رمضان قرآن خوانی کرتے رہے۔ آپ کے حالات زندگی پندرہ صفحات میں تفصیل کے ساتھ ”طبقات ابن رجب“ میں مذکور ہیں۔ جن میں بڑے بڑے علمی معرکوں کا بھی بیان ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ☆

خطبہ الکتاب

شیخ امام عالم ربانی جمال الدین ابو الفرج عبدالرحمن بن علی بن محمد بن علی معروف بابن الجوزی الحنفی واعظ بغدادی نے فرمایا۔

حمد و ثناء اعلیٰ شایان حضرت باری تعالیٰ ہے جس نے ترازوئے عدل عقلاء کے ہاتھوں میں سپرد فرمائی اور انبیاء پر گزیدہ بھیج کر مطیعین کو ثواب کی خوشخبری سنائی۔ اور منکرین کو عذاب الہی سے ڈرایا۔ اور ان پر سچی کتابیں نازل فرما کر ٹیڑھی جہنمی راہوں سے راہ راست کی تمیز صاف صاف بتائی اور ہر قسم کی عملی شریعت نقص و عیب کے کمال کو پہنچائی۔ میں ایسے شخص کی طرح اس کی حمد کرتا ہوں جس کو یقین ہے کہ وہی مسبب الاسباب ہے اور اس کی وحدانیت کی گواہی ایسے مخلص کی طرح ادا کرتا ہوں جس کی نیت میں نہ کچھ شک نہ ارتیاب ہے اور یہ گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ خاتم النبیین احمد مجتبیٰ بجمال عبودیت ازلی مقبول ہیں۔ جن کو رب عزوجل نے ایسے وقت مبعوث فرمایا جب ایمان کے چرے پر کفر نے اپنا پردہ لٹکایا۔ تو اس سراج المنیر آفتاب رسالت نے نور ہدایت سے تاریکی کو مٹایا۔ اور امر حق کے چرے سے باطل کا پردہ اٹھایا اور بندوں کے لئے جو پیغام اتر اس کو صاف صاف بیان کیا اور قرآن مجید کی مشکلات کو واضح کر دیا۔ آخر ان کو ایسے صاف ہموار روشن راستہ پر چھوڑا ہے جس میں نہ اونچا خالی ہے نہ دھوکا ہے۔ صلی اللہ علیہ وعلیٰ جمیع الال وکل الاصحاب و علی التابعین لهم باحسان الی یوم العشر والحساب وسلم تسلیما کثیرا۔

اما بعد واضح ہو کہ انسان پر عقل بڑی نعمت ہے کیونکہ اسی کے ذریعہ ہے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ اور اسی کے وسیلہ سے رسولوں کی تصدیق نصیب ہوتی ہے۔ لیکن جو تعلق بندے اور رب کے درمیان ہے جب عقل سے اس کا کام پورا نہ ہو سکا تو رسول بھیجے گئے اور کتابیں اتاری گئیں۔ تو عقل کی مثال آنکھ ہے اور شرع کی مثال آفتاب ہے۔ پس آنکھ کھلنے پر جب ہی آفتاب دیکھے گی کہ درست ہو ورنہ نہیں۔

اور جب عقل کے نزدیک انبیاء کے دلائل معجزات سے یہ ثابت ہوا کہ جو کچھ انبیاء فرماتے ہیں۔ یہ اقوال سچ ہیں۔ تو عقل نے ان کا کنارہ و چشم قبول کیا اور پوشیدہ امور میں ان کے کہنے پر اعتماد کیا۔

فائدہ:- جب انبیاء علیہم السلام نے فرمایا کہ ہم کو تمہارے رب عزوجل نے تمہارے پاس بھیجا ہے کہ ہم پر ایمان لاؤ تو تمہارے لئے جنت ہے۔ اور اگر اپنے جی کی پیروی کرو تو تمہارے لئے عذاب جہنم ہے۔ عقل نے دیکھا کہ یہ چیزیں نظر نہیں آتی ہیں۔ تو اس نے دلیل چاہی کہ یہ کیونکر معلوم ہو کہ آپ لوگ اللہ کے بھیجے ہوئے ہیں۔ انبیاء نے جناب باری تعالیٰ میں عرض کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں سے دنیا کی وہ چیزیں پیدا کیں جو یہاں کسی ترکیب سے پیدا نہیں ہو سکتی ہیں۔ تو عقل نے جان لیا کہ یہ بے شک اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے ہیں۔ تو ان کا سب کنارہ سچ ہے۔ واضح ہو کہ مصنف نے رسالہ اذکیاء میں کہا ہے کہ عقل کا لفظ چار معنی میں بولا جاتا ہے۔ اول وہ چیز جس سے احمد و حارث محاسبی نے جو کہا کہ وہ پیدائشی قوت ہے تو اس سے یہی معنی مراد ہیں۔ دوم جائز اور محال سمجھنے والی قوت طبعی کا علم۔ سوم تجربہ سے جو ملکہ حاصل ہو۔ چہارم پیدائشی قوت کا کمال، حتیٰ کہ فانی خواہشیں چھوڑے اور آخرت مانگے مترجم کہتا ہے کہ عقل کی دو قسمیں ہیں۔ ایک عقل جسمانی جو مجموعہ حواس ظاہری و باطنی کا نام ہے۔ اور حیوانات میں یہ حواس نہیں ہیں۔ بلکہ تھوڑے تھوڑے ہیں کیونکہ انسان ان سے زیادہ قوی ہے۔ تجربہ اور سن بلوغ سے یہ عقل قوی ہو جاتی ہے۔ اور اس عقل سے انسان دنیا کی زندگی کے سامان پیدا کرتا ہے اور جس قدر بدن قوی ہو اسی قدر یہ عقل تیز ہوتی ہے۔ اور بدن کی موت کے ساتھ مر جاتی ہے۔ دوم عقل روحانی۔ وہ روح کے حواس ہیں اور جب قلب پر مہر ہو تو نہیں کھلتے ہیں۔ بلکہ ایمان ہی سے کھلتے ہیں۔ بدلیل قولہ تعالیٰ ما کان لنفس ان تو من ان اللہ (سورۃ یونس پ ۱۱ آیت ۱۰۰) یعنی کسی جی کو ایمان حاصل کرنے کی قدرت نہیں۔ مگر جب اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہو اور وہ شرک کی پلیدی بے عقلوں پر ڈالتا ہے۔ ومن یرغب عن ملہ ابراہیم (البقرہ پ ۱ آیت ۱۳۰) یعنی ملت ابراہیمی سے وہی منہ موڑتا ہے جو بے عقل ہے۔ معلوم ہوا کہ کافر بے عقل ہوتے ہیں۔ یعنی یہ عقل نہیں رکھتے۔ اگرچہ قسم اول میں بڑے ہوشیار ہوں۔ اور اسی کے واسطے آیات کثیرہ دلیل ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

جب اللہ تعالیٰ نے اس عالم انسانی پر عقل کا انعام کیا تو پہلے پہل ان کے باپ

آدم کی پیغمبری سے شروع کیا۔ پس آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی وحی سے تعلیم فرمایا کرتے تھے۔ سب انسان ٹھیک رہ پر جمع تھے۔ یہاں تک کہ قابیل نے اپنی خواہش نفس کی پیروی میں جدا ہو کر اپنے بھائی ہابیل کو قتل کیا۔ (تب سے اختلاف شروع ہوا) پھر تو لوگ مختلف خواہشوں کی پیروی میں جدا جدا شاخیں ہو کر مختلف گمراہیوں کے بیابانوں میں بھٹنے لگے یہاں تک نوبت پہنچی کہ بت پوجنے لگے اور طرح طرح کے عقیدے و افعال ایسے نکالتے کہ رسول کے ارشاد سے اور عقل کی ہدایت سے مخالف تھے۔ یہ سب اس لئے کہ انہوں نے اپنے جی کا کہنا مانا۔ اور اپنی رسوم و عادات کے پابند ہوئے۔ اور اپنے باپ دادوں کی تقلید کی۔ پس ایلین نے ان پر اپنا گمان سچا کر لیا۔ کہ ان فرقوں نے اس کی پیروی کر لی سوائے ایک فریق مومنین کے۔

فصل :- واضح ہو کہ انبیاء علیہم السلام کافی بیان لائے۔ اور ہر مرض کی شافی دوا بتلائی اور سب پیغمبروں کا اتفاق ایک ہی راہ مستقیم (توحید) پر ہے۔ اس میں کچھ اختلاف نہیں ہے۔ پھر شیطان ایلین نے آکر بیان کافی کے ساتھ اپنا شبہ ملایا۔ اور دوائے شافی کے ساتھ زہر ملایا۔ اور واضح راہ کی دونوں طرف گمراہ کرنے والی پگڈنڈیاں ملائیں اور اسی طرح وہ برابر ان کی عقلوں سے کھیلتا رہا۔ یہاں تک کہ اس نے اسلام سے پہلے زمانہ جمالت کے لوگوں کو حماقت کے مختلف مذاہب میں اور فتیج بدعتوں میں پر آگندہ کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بیت الحرام (کعبہ) میں بت پرستی کرنے لگے۔ اور حیرہ اور سائبہ و حام و صیلہ کو حرام ٹھہرایا۔ اور بیٹیوں کو زندہ درگور کرنا بہتر جانتے۔ اور لڑکیوں اور ان کی مانند کمزوروں کو میراث نہ دیتے اسی طرح کی بہت گمراہیاں ایلین نے ان کی نظر میں رچائی تھیں۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ تو آپ نے فتیج عادتیں دور فرمائیں اور نیک مصلحت کی باتوں کی شرع مقرر فرمائی چنانچہ آپ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے ساتھ اور آپ کے بعد اس شرع نورانی کی روشنی میں دشمن شیطان اور اس کے فریب سے بچے ہوئے راہ چلتے رہے۔ جب ان کے نورانی چہرے جن سے دن کی طرح روشنی تھی فوت ہوئے تو پھر گھٹا ٹوپ تاریکی سامنے آئی اور نفس پرستی دوبارہ بدعتوں کی بنیاد جمائے لگی۔ اور جو کشادہ راہ شریعت چلی آتی تھی۔ اس میں کوتاہی کا جال بنانے لگی۔ چنانچہ بہتیرے لوگ دین حق سے پھوٹ کر جدا جدا فرقے ہو گئے۔ حالانکہ پہلے متفق جماعت تھے۔ ایلین نے ان کو مکاری میں دھانسا اور مکاری ان پر کرنا اور ان کو پھوٹ میں ڈالنا شروع کیا۔ جان رکھو کہ ایلین کا دائرہ

اس وقت ہی چلتا ہے کہ نادانی و جہالت کی اندھیری رات ہو۔ اور اگر اس پر صبح علم کی روشنی پڑ جائے تو وہ ر سوا ہو جائے گا۔

لہذا مجھے مناسب معلوم ہوا کہ ابلیس کی مکاریوں سے ڈرا دو۔ اور اس کے شکاری جال کے موقعے بتا دوں۔ کیونکہ بدی کی شناخت بتانا گویا اس میں مبتلا ہونے سے بچانا ہے۔ چنانچہ صحیحین میں حدیث حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے وارد ہے کہ لوگ تو رسول اللہ ﷺ سے نیکیاں دریافت کیا کرتے اور میں آپ سے برائیاں پوچھتا تھا کہ ایسا نہ ہو کہ میں اس میں مبتلا ہو جاؤں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ واللہ میں نہیں جانتا کہ آج روئے زمین پر کوئی دوسرا ہے جس کا مرنا شیطان کو میرے مرنے سے زیادہ پسند ہو۔ عرض کیا گیا کہ یہ کیوں؟ فرمایا کہ شیطان کہیں مشرق یا مغرب میں کوئی بدعت نکالتا ہے جس کو کوئی مسلمان (حکم پوچھنے) میرے پاس لاتا ہے۔ پس وہ تجھ تک یہ بدعت لے کر پہنچا ہی تھا کہ میں اس کو رسول اللہ ﷺ کی راہ پر لگا دیتا ہوں پس شیطان کی نکالی ہوئی بدعت جوں کی توں اس پر پھینک ماری جاتی ہے۔

فصل

میں نے اس کتاب کا موضوع یہ رکھا کہ یہ ابلیس کے فتنوں سے ہوشیار کرنے والی، اس کی قبیح بے ہودگیوں سے بچانے والی، اس کی چھپی چالوں کو کھولنے والی اور اس کے خفیہ دھوکے ظاہر کرنے والی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر سچے کی مراد پوری کرنے والا ہے۔ اور میں نے اس کتاب کو تیرہ ابواب پر منقسم کیا۔ ان سب کے مجموعہ سے شیطان کی تلبیس کھل جائے گی۔ اور سمجھ دار کو اس کی تدلیس سمجھنا آسان ہو گا۔ اور جس ہندہ صالح نے اس پر عمل کرنے کے عزم مصمم کیا تو اس سے شیطان ہار کر چنچ اٹھے گا۔ اللہ تعالیٰ ہی مجھے میرے مقصود کی توفیق دینے والا اور میری مراد میں ٹھیک بات کا الہام فرمانے والا ہے۔

مضامین ابواب کا مجمل بیان

- | | |
|----------|---|
| باب اول۔ | سنت و جماعت کو لازم پکڑنے کی تاکید کا بیان۔ |
| باب دوم۔ | ابلیس کے فتنہ و مکروں سے ڈرانے کا بیان۔ |
| باب سوم۔ | بدعت اور بدعتوں کی مذمت کا بیان۔ |

- باب چہارم۔ ابلیس کے مکر گانٹھنے اور دھوکا دینے کے کیا معنی ہیں۔
 باب پنجم۔ عقائد اور دینی اعمال میں ابلیس کے مکر کا بیان۔
 باب ششم۔ عالموں کو فنون علم میں دھوکا لگنے کا بیان۔
 باب ہفتم۔ سلاطین و والیان ملک پر ابلیس کی تلبیس کا بیان۔
 باب ہشتم۔ عابدوں پر فنون عبادات میں اس کی تلبیس کا بیان۔
 باب نہم۔ زاہدوں پر ان کے زہد میں ابلیس کی تلبیس کا بیان۔
 باب یازدہم۔ بدعت اختیار کرنے والوں پر ایسی دولت سے تلبیس کرنا جو کرامت مشابہ ہے۔
 باب دوازدہم۔ عوام پر اس کی تلبیس کا بیان۔
 باب سیزدہم۔ دودراز امیدوں کے ذریعے سے سب لوگوں پر اس کی تلبیس کا بیان۔

﴿باب اول﴾

سنت و جماعت کو لازم پکڑنے کی تاکید کا بیان

ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے مقام جابیہ میں لوگوں سے فرمایا کہ جس طرح میں تم میں کھڑا ہوں اسی طرح ہم میں کھڑے ہو کر رسول اللہ ﷺ نے خطبہ سنایا۔ پس فرمایا کہ تم میں سے جس کو وسط جنت مرغوب ہو اس کو چاہیے کہ طریقہ جماعت کو لازم پکڑا رہے۔ کیونکہ شیطان اکیلے کے ساتھ ہے اور وہ دوسے دور تر ہے۔

فائدہ:- یہ حدیث متعدد عبارات سے مذکور ہے۔ شاید مصنف نے اشارہ کیا کہ یہ حدیث عمر رضی اللہ عنہ سے بعض نے خطبہ جابیہ میں اور بعض نے بدون ذکر جابیہ کے بھی روایت کیا ہے۔ یہ حدیث طویل ہے۔ طبرانی نے معجم صغیر میں مسند کیا کہ جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جابیہ میں عمر رضی اللہ عنہ نے ہم کو خطبہ سنایا۔ پس فرمایا کہ جیسے میں تم میں کھڑا ہوں اسی طرح ہم میں رسول اللہ ﷺ نے کھڑے ہو کر فرمایا کہ تم لوگ بزرگی مانو میرے اصحاب کی۔ پھر جو اصحاب کے بعد ہوں گے۔ پھر جوان کے بعد ہوں گے۔ پھر جھوٹ پھیل جائے گا۔ یہاں تک کہ آدمی گواہی دے گا حالانکہ وہ موقع پر حاضر و گواہ نہیں کیا گیا تھا اور قسم کھائے گا حالانکہ اس سے قسم نہیں چاہی گئی۔ پس جس کو یہ پسند ہو کہ وہ وسط جنت میں گھر پاوے تو چاہیے کہ جماعت کو لازم پکڑے۔ کیونکہ شیطان اکیلے کے ساتھ ہے اور وہ دوسے دور تر ہے۔ خبردار ہو کہ کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں نہ بیٹھے کیونکہ ان دونوں کا تیسرا شیطان ہو گا۔ خبردار ہو کہ جس شخص کو اس کی برائی ناگوار گزرے اور اس کی نیکی اس کو خوش کر دے تو وہ مومن ہے۔ طحاوی نے اس کو مختصر روایت کیا۔ طبرانی نے دوسرے مقام پر کہا کہ اس حدیث کو عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ اور ربیع بن حراش ثقہ تابعی وغیرہ ہم نے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ امام ترمذی نے بطریق عبد اللہ بن عمرؓ کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پورا خطبہ جابیہ روایت کیا اور اس میں یہ لفظ زیادہ ہے (لوگو تم پر فرض ہے کہ جماعت کے ساتھ رہو اور خبردار پھوٹ سے بہت چو) ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور بطریق زید بن وہب تابعی کے حضرت عمر رضی اللہ

عنہ سے بدون قصہ جاہلیہ کے روایت کیا۔

عربی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے کہ جماعت پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے اور جو کوئی جماعت سے مخالف ہو شیطان اسی کے ساتھ ہے اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرماتے تھے کہ جماعت پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے۔ پس جب ان میں سے کوئی پھوٹ کے الگ ہو تو اسی کو شیاطین اچک لیتے ہیں۔ جیسے بھیڑیا گلہ سے الگ بھٹکی ہوئی بحری کو اچک لے جاتا ہے۔

فائدہ :- رواہ احمد معناه فی الترمذی ابن عمر وابن عباس قولہ ”جماعت پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے“ یعنی اللہ کی حفاظت و رحمت ہے۔ جیسے ہندوں میں یہ مہاورہ معروف و مشہور ہے کہ فلاں مفلس کے سر پر ہاتھ رکھو کہ اس کا میز پار ہو جائے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے ایک خط سیدھا کھینچا۔ پھر فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی راہ مستقیم ہے۔ پھر اس کے دائیں بائیں خطوط کھینچے پھر فرمایا کہ یہ کج راہیں ہیں۔ ان میں سے کوئی راہ خالی نہیں جس پر ایک شیطان نہ ہو جو اپنی راہ کی طرف بلاتا ہے پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی۔

وان هذا صراطی مستقیم فاتبعوه ولا تتبعوا السبل فتفرق بكم عن

سیلہ۔ (الانعام پ ۸ آیت ۱۵۳)

(ترجمہ) بے شک یہی میری سیدھی راہ ہے۔ تم اس کی پیروی کرو۔ اور دیگر راہوں پر نہ چلنا کہ وہ تم کو میری راہ سے جدا کر کے پھلا دیں۔

معاذ بن جبلؓ نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ شیطان آدمیوں کا بھیڑیا ہے یعنی (جس کو جماعت کی راہ سے جدا پاتا ہے ہلاک کر دیتا ہے) جیسے بحریوں کا بھیڑیا جس بحری کو گلہ سے دور اور بھٹکی پاتا ہے پکڑ لیتا ہے۔ پس تم پھوٹ کر مختلف رستے پر چلنے سے بچنا۔ اور تم پر واجب ہے کہ جماعت و عامہ مومنین و مسجد کو لازم پکڑ لو۔ ابوذر رضی اللہ عنہ نے روایت کی کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ایک سے دو بہتر ہیں۔ دو سے تین اور تین سے چار بہتر ہیں۔ پس تم پر واجب ہے کہ جماعت کو لازم پکڑ لو کیونکہ یہ نہیں ہے اللہ تعالیٰ میری امت کو سوائے ہدایت کے جمع کرے۔ یعنی ہدایت پر ہی متفق کرے

گا۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو فتنہ بنی

اسرائیل پر آیا وہی قدم بقدم میری امت پر آنے والا ہے۔ حتیٰ کہ اگر ان میں ایسا شخص ہوا ہے جس نے اعلان یہ اپنی ماں سے بدکاری کی تو اس امت میں ویسا بھی ایسا شخص ہوگا جو یہ حرکت کرے بنی اسرائیل پھوٹ کر بہتر طریقوں پر ہو گئے تھے۔ اور میری امت تہتر فرقوں میں متفرق ہوگی یہ سب فی النار ہیں سوائے ایک فرقہ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا یہ ناجی فرقہ کونسا ہے؟ فرمایا جس صفت پر میں اور میری اصحاب ہیں۔ اس حدیث کو ترمذی نے روایت کر کے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے تفسیر کے ساتھ فقط اسی اسناد سے ملی ہے۔

فائدہ:- یعنی بدون تفسیر فقط تہتر (۷۳) فرقوں کی پھوٹ تک متعدد اسناد صحیحہ سے ثابت ہے اور شک نہیں کہ جو فریق اس طریقہ پر ہے جس پر آپ ﷺ مع اصحاب تھے۔ وہ جنتی ہے۔

اور ابو داؤد رضی اللہ عنہ نے اپنی سنن میں معاویہ بن سفیان رضی اللہ عنہما کی حدیث روایت کی کہ انہوں نے کھڑے ہو کر فرمایا خبردار ہو جاؤ کہ اہل کتاب جو تم سے پہلے تھے۔ وہ بہتر (۷۲) ملتوں میں متفرق ہوئے اور یہ امت عنقریب تہتر (۷۳) فرقوں میں متفرق ہو جائے گی۔ ان میں سے بہتر (۷۲) جہنم میں اور ایک جنت میں۔

فائدہ:- واضح ہو کہ فی النار ہونا دو صورتوں میں شامل ہے۔ ایک یہ کہ آدمی ایمان کے لگاؤ سے بالکل خارج نہ ہو۔ اگرچہ دین رسالت سے خارج ہو گیا۔ جیسے معتزلہ اور شیعہ وغیرہ ہیں۔ تو نتیجہ یہ کہ اول فی النار ہوں گے۔ پھر ان کے لئے وہاں سے نکالے جانے کی امید ہے اور دوم یہ کہ دین توحید ہی سے خارج ہو گیا۔ جیسے بعضے روافض جو حضرت علی رضی اللہ عنہ میں الوہیت کہتے ہیں۔ اور جیسے لاجیہ فقیر اور بعضے مرجیہ جو نفاق اقراری کو ایمان کہتے ہیں۔ حالانکہ دل میں کچھ بھی نہیں ہے۔ تو یہ کفار ہیں ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ سنت کے طریقہ پر اوسط چال سے عبادت کرنا بدعت کے طریقہ پر بہت کوشش کی عبادت سے بہتر ہے۔ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ راہ حق و طریقہ رسالت کو لازم پکڑنا تم پر واجب ہے کیونکہ جس بندہ نے طریقہ حق تعالیٰ و سنت رسول اللہ ﷺ پر قائم ہو کر اللہ تعالیٰ الرحمن الرحیم کو یاد کیا اس کے خوف سے اس بندہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے تو یہ نہ ہوگا کہ اس کو آگ چھو جائے۔ اور راہ الہی و سنت رسالت پناہی پر اعتدال کی عبادت کرنا

بہت بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ برخلاف سبیل و سنت کے کوشش کرے۔
فائدہ:- اگر ایک شخص رات دن نمازیں پڑھے اور وہ طریقہ سنت پر نہ ہو تو اس سے وہ شخص بہت بہتر ہے جو ظاہر و باطن میں طریقہ سنت کے موافق فرائض و سنتیں ادا کرتا ہو۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ جو کوئی طریقہ سنت پر ہو کہ بدعت سے منع کرتا ہو اور طریقہ رسالت کی وصیت کرتا ہو تو ایسے شخص کو دیکھنا عبادت ہے۔
فائدہ:- کیونکہ یہ ولی ہے۔ اس کو دیکھنے سے اللہ تعالیٰ یاد آوے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کی یاد اچھی عبادت ہے۔

ابو العالیہؒ تابعی نے فرمایا کہ تم پر واجب ہے کہ وہ پہلا طریقہ اختیار کرو جس پر اہل ایمان پھوٹ پڑنے سے پہلے متفق تھے۔ عاصمؓ نے کہا کہ میں نے ابو العالیہ کا یہ قول حسن بصریؒ سے بیان کیا تو کہا کہ طریقہ سنت پر اپنے جی کو تھامے رہ اور جہاں صحابہ رضی اللہ عنہم ٹھہر گئے تو بھی وہاں ٹھہر جا اور جہاں انہوں نے کلام کیا وہاں تو کلام کر اور جس چیز سے وہ رک رہے تو بھی رک رہ اور اپنے دین کے سلف صالحین (صحابہؓ) کی راہ چل کیونکہ جہاں ان کی سائی ہو گئی وہاں تیری بھی سائی ہوگی۔

فائدہ:- یعنی تو جنت عالیہ میں ان کے ساتھ پہنچ جائے گا۔
 امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی کہا کہ میں نے رب العزت جل جلالہ کو خواب میں دیکھا مجھ سے فرمایا کہ اے عبدالرحمنؓ تو ہی میری راہ میں نیک باتوں کی تاکید کرتا ہے۔ اور بری باتوں سے منع کرتا ہے۔ تو میں نے عرض کیا کہ اے رب یہ تیرے ہی فضل سے مجھے نصیب ہوا ہے۔ اور میں نے التجا کی کہ اے رب تو مجھے اسلام پر موت دے۔ فرمایا لکھ اسلام اور سنت پر۔

فائدہ:- یعنی اسلام و سنت پر موت کی آرزو کر۔ کیونکہ میں تجھے اپنے پسندیدہ دین اسلام پر اپنے حبیب رسول اللہ ﷺ کے طریقہ سنت پر وفات دوں گا۔
 سفیان الثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ کوئی قول ٹھیک نہیں جب تک اس کے ساتھ عمل نہ ہو۔ پھر کوئی قول و عمل ٹھیک نہیں ہو تا جب تک نیت صحیح نہ ہو۔ اور کوئی قول و عمل و نیت ٹھیک نہیں ہوتی جب تک کہ رسول اللہ ﷺ کے طریقہ سنت سے مطابق نہ ہو۔

فائدہ:- صحابہؓ کے بعد حدیث شریف سے طریقہ رسالت معلوم ہوتا

ہے اور یہ متقی ظاہر و باطن کی موافقت سے ہوگا۔ حتیٰ کہ اگر خالی ظاہری اعمال موافق ہو اور باطنی خوف و عظمت الہی و شوق آخرت اور دائمی یاد سے غافل ہو تو گویا بے نیت ہے اور ایسے لوگ ہمیشہ سے بہت کم ہیں۔

یوسف بن اسباط نے کہا کہ مجھ سے سفیان ثوریؒ نے فرمایا اے یوسف اگر تجھے خبر ملے کہ فلاں شخص سرحد مشرق میں سنت کے طریقہ پر مستقیم ہے تو اس کو سلام بھیج اور اگر تجھے خبر ملے کہ ایک شخص دیگر سرحد مغرب میں طریقہ سنت پر مستقیم ہے تو اس کو سلام بھیج کہ اہل سنت والجماعت بہت کم رہ گئے ہیں۔ ایوب سختیانی نے کہا کہ میں طریقہ نبوت پر عمل کرنے والوں میں سے جب کسی کے مرنے کی خبر سنتا ہوں تو اس کا جاتا رہتا ہوں۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے گویا میرے بدن کا کوئی حصہ جاتا رہا۔ ایوبؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ عرب اور عجم دونوں کی نیک بختی کے آثار میں سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان میں اہل السنۃ کا عالم عطا فرمادے۔

فائدہ:- یعنی ایسا عالم ان کا پیشوا کرے جو طریقہ رسالت کا عالم ہو سنت پر مستقیم ہو اس زمانہ میں لوگ عالم کی تعظیم و اقتدار کرتے تھے اب تو ربانی عالم کے دشمن ہو جاتے ہیں اور شیطانی، مکار، جاہل، طالب دنیا کی پیروی کرتے ہیں۔

عبداللہ بن شاذبؒ نے کہا کہ نوجوان جب طاعت الہی پر متوجہ ہو تو اس پر اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت یہ ہے کہ اس کا بھائی چارہ ایسے مرد صالح سے کر دے جو طریق سنت پر مستقیم ہو تاکہ وہ صاحب سنت اس نوجوان کو بھی طریق سنت پر ابھار لے جاوے۔ یوسف بن اسباط نے کہا کہ میرا باپ قدری معتزلی تھا۔ اور میرے انھیال کے لوگ رافضی تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے امام سفیان الثوریؒ کے ذریعہ سے مجھے ان دونوں گمراہ فرقوں سے نکال کر نجات دی۔ معتمر بن سلیمان التیمی نے کہا کہ میں اپنے والد کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت میں شکستہ خاطر تھا۔ مجھ سے فرمایا کہ تیرا کیا حال ہے۔ میں نے عرض کیا کہ میرا ایک دوست انتقال کر گیا۔ مجھ سے پوچھا کہ کیا وہ طریق سنت پر مرا ہے۔ میں نے کہا جی ہاں۔ فرمایا کہ پھر تو کچھ غم نہ کر یعنی وہ اللہ کی رحمت میں کیا۔

امام سفیان الثوریؒ نے (اپنے علماء شاگردوں سے) فرمایا کہ اہل سنت کے حق میں بھلائی کرنے کی وصیت قبول کرو کہ یہ پر دہیسی پچارے بہت کم ہیں۔ امام ابو بکر بن عیاش نے فرمایا کہ جس طرح شرک و باطل دینوں کی بہ نسبت اسلام نادر و عزیز ہے۔

اسی طرح اسلام میں بدعتی فرقوں کی بہ نسبت فریق سنت نادر عزیز بلکہ بہت نادر عزیز ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے تھے کہ جب میں کسی شخص کو جو حدیث و سنت والا ہو دیکھتا ہوں تو ایسا ہے گویا میں نے رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں سے کسی کو دیکھ لیا۔ شیخ جنیدؒ فرماتے تھے کہ راہیں سب خلق پر بند ہیں سوائے اس شخص کے جس نے رسول اللہ ﷺ کے نشان قدم کی پیروی کی پس جس نے سنت رسول اللہ ﷺ کی پیروی کی اور آپ کا طریقہ لازم پکڑا تو نیکیوں کی سب راہیں اس پر کھلی ہیں۔ شیخ جنیدؒ سے دوسری روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف تقرب حاصل کرنے کی راہ سب خلق پر مسدود ہے، سوائے ان مومنوں کے جو رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرنے والے اور آپ کے طریقہ سنت کے تابع ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:-

(یعنی بے شک تمہارے واسطے نیک طریقہ رسول اللہ ﷺ کی پیروی میں ہے)

﴿باب دوم﴾

ہر قسم کی بدعت و بدعتیوں کی مذمت کے بیان میں

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس کسی نے ہمارے امر (دین) میں ایسی چیز نکالی جو اس دین میں نہیں ہے تو وہ رد ہے۔

فائدہ:- یعنی اسی نکانے والے بدعتی پر الٹی پھینک ماری گئی اللہ تعالیٰ ایسی بدعت سے بغض رکھتا ہے۔ تو جائے رضائے الہی کے وہ مردود کیا گیا یہ حدیث دوسری اسناد سے بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس کسی نے ایسا کام کیا کہ جس پر ہمارا حکم نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔ یحییٰ بن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے روایت کی کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس کسی نے میرے طریق سنت سے بے رغبتی کی تو وہ مجھ سے نہیں ہے۔ (صحیح بخاری)

عبدالرحمن بن عمرو اسلمی اور حجر بن حجر الکلاعی نے عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی۔ یہ عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ ان صحابہ میں سے ہیں۔ جن کے حق میں اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا:-

ولا على الذين اذا ما اتوك لتحملهم قلت لا اجد ما احملكم عليه۔

(توبہ پ ۱۰ آیت ۹۲)

(ترجمہ) ان محتاج مومنوں پر بھی جہاد میں ساتھ نہ جانے میں کچھ حرج نہیں کہ جو تیری خدمت میں اس امید پر آئے تھے کہ تو ان کو سواریاں عطا فرمائے تو نے ان سے کہا کہ میرے پاس ایسی چیز نہیں ہے کہ تمہاری سواری کا انتظام کروں۔ تو وہ اس غم میں آنکھوں سے آنسو بہاتے ہوئے لوٹے کہ ان کے پاس ایسی مالیت نہیں کہ جس کو راہ الہی میں خرچ کرتے۔ ”یعنی یہ صحابی اللہ تعالیٰ کی گواہی سے سچے مسلمان تھے۔“ پس ہم نے عرباض رضی اللہ عنہ سے سلام کر کے کہا کہ ہم لوگ آپ کی خدمت میں اس نیت سے آئے ہیں کہ آپ کے دیدار سے مشرف ہوں اور آپ سے فیوض علمی حاصل کر کے لے جاویں۔ عرباض رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے صبح کی نماز پڑھی۔ پھر ہم لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور ایسی نصیحت بلغ کرنے لگے جس کو سن

کر آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے اور دل خوف الہی سے لرزنے لگے۔ (پھر صحابہ میں سے) کسی کہنے والے نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ یہ نصیحت گویا الوداعی (رخصتی) نصیحت ہے۔ پس آپ ہماری پرداخت کے واسطے ہم پر کیا عہد رکھتے ہیں۔ یعنی (ہم کو وصیت فرما دیجئے) فرمایا کہ میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ رکھنا اور اپنے امام کا حکم سننا اور فرمانبرداری کرنا اگرچہ تمہارا امام کوئی حبشی غلام ہو۔ کیونکہ میرے بعد جو کوئی تم میں سے جیتا رہے گا۔ وہ بھڑت اختلاف اور پھوٹ دیکھے گا۔ پس تم پر واجب ہے کہ میرا طریقہ اور میرے بعد خلفائے راشدین مہدین کا طریقہ لازم پکڑنا۔ اس کو ہاتھوں سے مضبوط پکڑنا بلکہ اس کو دانتوں سے سخت پکڑے رہنا۔ اور خبردار خبردار تم نئی نکالی ہوئی باتوں سے بہت چٹنا۔ کیونکہ ہر نئی نکالی ہوئی چیز بدعت ہے۔ اور ہر بدعت گمراہی ہے (اور ہر گمراہی جہنم میں ہے) امام ترمذیؒ نے اس حدیث کی روایت کے بعد کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

فائدہ:- خلفائے راشدین بلا اتفاق حضرت ابو بکر و عمر و علی رضی اللہ عنہم ہیں کیونکہ حدیث صحیح میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میری خلافت میرے بعد تیس برس تک ہے۔ پھر سلطنت کی خلافت ہوگی۔ اس مدت میں چھ مہینے باقی رہے تھے۔ کہ حضرت سیدنا امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے شہادت پائی۔ پھر حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے چھ مہینے خلافت کر کے خلافت نبوت پوری کی۔ ٹھیک ۴۰ھ کے بعد شروع سال میں خلافت میں خلافت چھوڑ کر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق و دستبردار ہوئے۔ پس ان خلفائے راشدین کی سنت بھی طریقہ نبوت میں شامل ہے۔ کیونکہ یہ نبوت کی خلافت تھی۔ یعنی نبی ﷺ کا دین سب جہان کو پہنچانے کے لئے اور اسلام کا طریقہ طاعت و بغاوت پورا ظاہر کرنے کے لئے یہ کبار اصحاب آپ کی جگہ خلیفہ تھے۔ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو سب لوگ خلیفہ رسول اللہ کہا کرتے تھے جان رکھو کہ اہل معرفت کے نزدیک مومن کا ہر کام دین ہے۔ لیکن عوام کے سمجھانے کے لئے علماء نے کہا کہ دین میں جو کوئی نئی بات نکالے وہ بدعت نکالنے والا بدعتی ہے اس پر قیامت تک اس بدعت پر عمل کرنے والوں کا عذاب بھی لکھا جاوے گا۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں حوض کوثر پر تمہارا امیر منزل ہوں گا۔ اور ضرور کچھ قومیں آویں گی۔ وہ مجھ تک پہنچنے سے پہلے ہی روک لی جائیں گی تو میں کہوں گا کہ اے رب یہ تو میرے اصحاب ہیں تو مجھ

سے کہا جائے گا کہ تجھے معلوم نہیں ہے کہ انہوں نے تیرے بعد کیا نیا طریقہ نکالا تھا یہ حدیث صحیحین میں ہے۔

فائدہ:۔ اس حدیث کے اکثر طرق میں یہ مضمون ہے کہ جب وہ لوگ دور ہی سے گرفتار کر لئے جاویں گے تو آپ ﷺ فرمادیں گے کہ اے رب یہ لوگ تو کچھ دیر میری صحبت میں رہے تھے۔ ارشاد ہو گا کہ تجھے یہ معلوم نہیں کہ تیرے بعد انہوں نے کیا براطریقہ اختیار کیا۔ یہ لوگ برابر الٹے پاؤں مرتد ہوتے گئے۔ علمائے امت سب متفق ہیں کہ یہ وہی قومیں ہیں جو آپ کی وفات کے بعد مرتد ہو گئیں۔ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اصحاب و مہاجرین و انصار سے مشورہ کیا۔ جمیع اصحاب نے ان قوموں کی کثرت دیکھ کر یہ رائے دی کہ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیجئے۔ ہم لوگ کیونکر ان سے مقابلہ کر سکتے ہیں۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے نہ مانا اور کہا کہ اگر کوئی میرا ساتھ نہ دے تو بھی میں تنہا لڑوں گا۔ یہاں تک کہ یہ لوگ اسلام میں پھر آویں یا میں مارا جاؤں۔ تاکہ جناب باری تعالیٰ میں عذر ہو کہ میں نے تیری راہ میں جہاد سے دریغ نہیں کیا۔ آخر صحابہؓ آپ کا حکم ماننے پر مجبور ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے لشکروں کو ایسی فتح و نصرت دی کہ تھوڑے ہی دنوں میں سب مسلمان ہوئے اور بہت سے مرتد مارے گئے۔ اس وقت صحابہؓ نے آپ کی خلافت کو اسلام پر اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم جانا اور بہت شکر گزار ہوئے۔

عبداللہ بن محیریزؓ نے کہا کہ دین ایک ایک سنت کر کے جاتا رہے گا۔ جیسے رسی ایک ایک بل ٹوٹ کر جاتی رہتی ہے۔ جو (بدعت نکلی اس کی شامت سے ایک سنت اٹھالی جاتی ہے)۔

معمرؓ کہتے ہیں کہ طاؤسؓ (تابعی) بیٹھے تھے اور ان کے پاس ان کا بیٹا بیٹھا تھا۔ اتنے میں ایک شخص فرقہ معززہ میں سے آیا اور ایک شرعی بات میں بد اعتقادی کی گفتگو کرنے لگا۔ طاؤس نے اپنے دونوں کانوں میں اپنی انگلیاں دے لیں۔ اور بیٹے سے کہا کہ اے فرزند تو بھی اپنی دونوں انگلیاں اپنے کانوں میں دے لے۔ تاکہ تو اس کی گفتگو کچھ نہ سنے۔ اس لئے کہ یہ دل ضعیف ہے پھر کہا کہ اے فرزند خوب زور سے کان بند کر لے۔ پھر برابر یہی کہتے رہے کہ اے فرزند خوب زور سے کان بند کئے رہنا یہاں تک کہ وہ معزلی گمراہ اٹھ کر چلا گیا۔ عیسیٰ بن محل النصیبی نے کہا کہ ایک شخص ہمارے ساتھ ابراہیمؑ کی خدمت میں جایا کرتا تھا۔ پھر ابراہیمؑ کو خبر ملی کہ وہ شخص مرجیہ کے

گروہ میں شامل ہوا ہے۔ تو ابراہیمؑ نے اس سے فرمایا کہ اب جو تو ہمارے پاس سے جاتا ہے تو پھر ہمارے یہاں نہ آتا۔

فائدہ:- مرجیہ گمراہ بدعتی فرقہ تھا جس نے اپنی رائے سے دین نکالا تھا کہ قرآن شریف میں جہنم کے عذاب کی آیتیں فقط دھمکانے کے لئے ہیں اور جس نے خالی زبان سے لا الہ الا اللہ کا اقرار کر لیا تو وہ جنتی ہے، چاہے دل میں اعتقاد نہ ہو اور چاہے نماز وغیرہ نہ پڑھے اور اس کے گناہ کچھ نہیں لکھے جاویں گے۔ بلکہ نیکیاں لکھی جاویں گی۔ اور اسی قسم کے باطل اعتقادات نکالے ہیں۔

محمد بن داؤد الحداد کہتے ہیں کہ میں نے سفیان بن عیینہؒ سے ذکر کیا کہ یہ شخص جس کا نام ابراہیم بن ابی یحییٰ ہے، تقدیر کے معاملہ میں کلام کرتا ہے تو ابن عیینہؒ نے مجھ سے فرمایا کہ لوگوں کو اس کے حال سے ہوشیار کر دو اور اپنے رب عزوجل سے عافیت مانگو۔

فائدہ:- تاکہ اس شخص کے دھوکے وقفہ سے محفوظ رہو۔ واضح ہو کہ شافعیؒ نے ابراہیم بن یحییٰ کی تعریف کی ہے۔ شاید اس نے قدر یہ مذہب جو خوارج معتزلہ کا اعتقاد ہے کہ بندہ اپنے افعال پیدا کرتا ہے اور جیسا کرے ویسا ہو جاتا ہے یہ نتیجہ عقیدہ نہیں نکالا تھا۔ بلکہ تقدیر کے معاملہ میں مباحثہ کیا تھا۔ لیکن بالافتقار محققین محدثین کے نزدیک اس کی روایت ضعیف ہے۔

صالحؒ نے کہا کہ میں ابن سیرینؒ کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک شخص آیا اور تقدیر کے دروازوں میں سے ایک دروازہ گفتگو کرنے کے لئے کھولا تو ابن سیرینؒ نے اس سے فرمایا کہ تو اٹھ جائیامیں ہی جاؤں۔ ابن ابی مطیع سے روایت ہے کہ ایک بدعتی نے کہا کہ آپ سے ایک کلمہ کہوں فرمایا کہ نہیں بلکہ آدھا بھی مت کہو۔ ایوب سختیانیؒ (تابعی) نے فرمایا کہ بدعتی جس قدر جدوجہد زیادہ کرتا ہے اسی قدر اللہ تعالیٰ سے زیادہ دور ہوتا جاتا ہے۔

فائدہ:- یہ نہایت عمدہ نکتہ معرفت ہے اس لئے کہ جب تقدیر اللہ تعالیٰ کے علم حکمت سے ہے جس کا ایک قطرہ بھی تمام مخلوقات آسمان وزمین کو نہیں ملا ہے تو جس قدر زیادہ غور کرے گا اسی قدرت زیادہ شیطان کی گمراہی میں پڑے گا۔ اسی طرح جو مشرک مانند مت پرست یا نصرانی وغیرہ کے جس قدر زیادہ کلمہ شرک کا ورد کرے گا اسی قدر گناہ کی زیادہ کثرت اور اللہ تعالیٰ سے دوری ہوگی۔

سفیان ثوریؒ نے فرمایا کہ اہلیس کو گناہ کی نسبت بدعت زیادہ پسند ہے اس لئے کہ گناہ سے توبہ کی جاتی ہے (یعنی گناہ گار خود اس کو گناہ جانتا ہے تو اس سے توبہ کرنے پر آمادہ رہتا ہے) اور بدعت ایسی گمراہی ہے کہ اس سے توبہ کی جاتی (کیونکہ بدعتی مانند معتزلی و نجاشی و رافضی کے اپنے آپ کو حق پر جانتا ہے)۔ موکل بن اسماعیلؒ نے کہا کہ عبد العزیز بن ابی رواد نے انتقال کیا میں ان کے جنازہ میں شریک تھا۔ ان کا جنازہ باب الصفا پر لا کر رکھا گیا۔ وہاں لوگوں نے نماز کے لئے صفیں جمائیں۔ اتنے میں سفیان ثوریؒ نمودار ہوئے۔ لوگوں نے کہا وہ سفیان ثوریؒ آئے ہیں۔ میں نے سفیان ثوریؒ کو آتے دیکھا لیکن وہ آئے اور صفوں کو چیرتے ہوئے جنازہ سے آگے بڑھے چلے گئے یعنی نماز نہیں پڑھی اور لوگ دیکھتے رہ گئے اس لئے کہ یہ شخص مرجیہ سمجھا جاتا تھا۔

فائدہ :- عبد العزیز بن ابی رواد سے مرجیہ کا عقیدہ ثبوت نہیں ہوا شاید ان میں مرجیہ کے دوسرے معنی یہ ہوں کہ اعمال کو ایمان کا رکن نہیں کہتے تھے واللہ اعلم۔ اور مصنف کا مطلب یہ ہے کہ سفیان الثوریؒ نے لوگوں کو دکھلا کر نماز نہ پڑھی۔ تاکہ لوگ بدعت کی تہمت سے بھی دور رہیں۔

سفیان ثوریؒ فرماتے تھے کہ جس شخص نے بدعتی سے علم سنا تو اس سے اللہ تعالیٰ اس کو نفع نہ دے گا اور جس نے بدعتی سے مصافحہ کیا تو اس نے اسلام کی دستکی توڑی (صدمہ پہنچایا) سعید الکریزیؒ نے بیان کیا کہ سلیمان التیمیؒ ہمارے ہوئے تو حالت مرض میں بہت کثرت سے رونا شروع کیا۔ آخر آپ سے عرض کیا گیا کہ یا حضرت آپ کیوں روتے ہیں کیا موت سے اس قدر گھبراہٹ ہے؟ فرمایا کہ نہیں بلکہ یہ بات ہے کہ ایک روز میرا گزر ایک بدعتی کی طرف ہوا تھا جو تقدیر سے منکر اور مخلوق کو قادر کہتا تھا۔ میں نے اس بدعتی کو سلام کر لیا تھا تو اب مجھے سخت خوف ہے کہ میرا پروردگار کہیں مجھ سے اس کا حساب نہ کرے۔ فضیل بن عیاضؒ فرماتے تھے کہ جو کوئی کسی بدعتی کے پاس بیٹھا ہو تم اس سے بچ رہنا۔ فضیل بن عیاضؒ فرمایا کرتے تھے کہ جس کسی نے کسی بدعتی سے محبت کی تو اللہ تعالیٰ اس کے نیک اعمال مٹا دیتا ہے۔ اور اسلام کا نور اس کے دل سے نکال دیتا ہے۔ (اس مقام سے خیال کرو کہ خود بدعتی کا کیا حال ہوگا)۔ فضیلؒ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ جب توبہ بدعتی کو رستہ میں دیکھے تو اپنے واسطے دوسرا رستہ اختیار کر لے۔ اور بدعتی کا کوئی عمل بھی اللہ تعالیٰ کی جناب میں بلند نہیں کیا جاتا ہے۔ اور جس کسی نے بدعتی کی اعانت کی تو خوب یاد رکھو کہ اس نے اسلام کے ڈھانے پر مدد کی۔ اور

میں نے سنا کہ کسی نے فضیلؒ سے کہا کہ جس نے اپنی دختر کسی فاسق (بدعتی) سے بیاہی تو اس نے قرامت پداری کا ناتا اس قطع کر دیا؟ اس پر فضیلؒ نے اسے جواب دیا کہ جس شخص نے اپنی لڑکی کو بدعتی سے بیاہ دیا تو اس نے قرامت پداری کا ناتا اس قطع کر دیا۔ اور جو کوئی بدعتی کے پاس بیٹھا تو اس کو حکمت (دینی معرفت) نہیں دی جاتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جس بندہ کو جانتا ہے کہ وہ بدعتی سے بغض رکھتا ہے تو میں امیدوار ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کے گناہ بخش دے۔

مصنفؒ نے فرمایا کہ اس میں سے تھوڑا کلام حدیث میں روایت کیا گیا ہے۔ چنانچہ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس کسی نے بدعتی کی توقیر کی تو اس نے اسلام کی بنیاد ڈھانے میں مدد دی۔ محمد بن النصر الجاریؒ نے فرمایا کہ جس شخص نے بدعتی کی بات سننے کو کان لگائے تو اس سے حفاظت الہی نکال لی جاتی ہے اور وہ اپنے نفس کے بھروسے پر چھوڑا جاتا ہے۔ لیث بن سعدؒ فرماتے تھے کہ اگر میں بدعتی کو دیکھوں کہ پانی پر چلتا ہے تو بھی اس کو قبول نہ کروں۔ امام شافعیؒ نے جب امام لیث کا یہ کلام حکمت سنا تو فرمایا کہ امام لیثؒ نے پھر کم کہا اور میں تو اگر بدعتی کو دیکھوں کہ ہوا پر اڑتا پھرتا ہے تو بھی اس کو قبول نہ کروں۔ بصر الحافیؒ فرماتے تھے کہ میں نے مرہبی (بدعتی پیشوا) کے مرنے کی خبر پچ بازار میں سنی۔ اگر وہ مقام شہرت نہ ہوتا تو یہ موقع تھا کہ میں شکر کر کے اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتا کہ الحمد للہ الذی اماتہ یعنی اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ جس نے اس مفسد بدعتی کو موت دی۔ اور تم لوگ بھی ایسا ہی کہا کرو۔

مصنفؒ نے کہا کہ مجھ سے بیان کیا گیا کہ محمد بن سہل البخاری نے کہا کہ ہم لوگ امام غزالیؒ کے پاس تھے۔ انہوں نے بدعتیوں کی مذمت شروع کی۔ تو ایک نے عرض کیا کہ اگر آپ یہ ذکر چھوڑ کر ہم کو حدیث سناتے تو ہم کو زیادہ پسند تھا۔ امام غزالیؒ نے یہ سن کر بہت غصہ ہو گئے اور فرمایا کہ یہ بدعتیوں کی تردید میں میرا کلام کرنا مجھے ساٹھ برس کی عبادت سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

فصل:- مصنفؒ نے کہا کہ اگر یہاں کوئی ہم سے پوچھے کہ آپ نے طریق سنت کی تعریف فرمائی۔ اور بدعت کی مذمت بیان کی تو ہم کو بتلائے کہ سنت کیا ہے اور بدعت کیا ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بدعتی اپنے آپ کو اہل سنت میں سے جانتا

ہے۔

جواب :- اس کا یہ ہے کہ سنت کے معنی راہ کے ہیں اور کچھ شک نہیں کہ جو لوگ اہل حدیث و آثار ہیں کہ بذریعہ ثقات اولیاء کی روایات کے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب و خلفائے راشدینؓ کے نشان قدم کی پیروی کرتے ہیں یہی لوگ اہل السنہ ہیں۔ کیونکہ یہی اس راہ و طریقہ پر ہیں جس سے کوئی نئی نکالی ہوئی بات شامل نہیں ہونے پائی اس لئے کہ بدعتیں اور نئے طریقے تو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب کے طریقہ کے بعد نکلے ہیں۔ اور بدعت اس فعل بد کو کہتے ہیں جو نیا نکل آیا اور پہلے نہیں تھا اور اکثر بدعات کا یہ حال ہے کہ وہ شریعت کی مخالفت سے شریعت کو دور ہم برہم کرتی ہیں۔ یا جب بدعت پر عملدرآمد عام ہو تو شریعت میں کمی پڑتی ہو جاتی ہے اور اگر کوئی ایسی بدعت نکالی جاوے جو شریعت سے مخالف نہیں ہے اور نہ اس پر عملدرآمد سے نقص یا زیادتی لازم آتی ہے تو ایسی بدعت سے بھی عموماً بزرگان سلف کراہت کرتے اور عموماً ہر قسم کے بدعتی سے نفرت کیا کرتے تھے۔ اگرچہ وہ جائز ہوتا کہ اصل جو کہ اتباع سلف ہے محفوظ رہے تم دیکھو کہ جب حضرت ابو بکرؓ نے اپنی خلافت میں اور حضرت عمرؓ نے زید بن ثابتؓ سے فرمایا کہ قرآن شریف جمع کرو تو زید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ دونوں صاحب کیونکر ایسا کام کرنے پر آمادہ ہوئے جس کو رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا ہے۔ عبد اللہ بن ابی سلمہؓ نے کہا کہ سعد بن مالکؓ (ابن ابی وقاص) نے ایک حاجی سے سنا کہ وہ تبلیہ میں یہ لفظ کہتا ہے لَبِیکَ ذَا الْمَعَارِجِ تو فرمایا کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں یہ لفظ نہیں کہتے تھے۔ (یعنی اس کو منع نہ کیا لیکن بتلادیا کہ یہ بدعت ہے) ابو الحسنؒ نے بیان کیا کہ ایک شخص نے عبد اللہ بن مسعودؓ سے ذکر کیا کہ یہاں مسجد میں مغرب کے بعد کچھ لوگ (حلقہ کر کے) بیٹھتے ہیں۔ ان میں ایک شخص کہتا جاتا ہے کہ اتنی مرتبہ اللہ تعالیٰ کی تکبیر کہو۔ اور اتنی مرتبہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھو۔ اور اتنی مرتبہ اللہ تعالیٰ کی حمد کرو۔ (یہ لوگ اس کے کہنے کے موافق کرتے جاتے ہیں) عبد اللہ بن مسعودؓ نے یہ سن کر کہا کہ جب تو ان کو ایسا کرتے دیکھے تو میرے پاس آکر مجھے خبر کر دینا کہ اب وہ لوگ بیٹھے ہیں (اس نے وقت پر خبر دی) تو عبد اللہ بن مسعودؓ ان کی مجلس میں جا کر نزدیک بیٹھ گئے۔ جب ان کا ذکر کرنا بطور مذکورہ بالا سن لیا تو کھڑے ہو گئے۔ اور ان مسعودؓ سخت آدمی تھے۔ پھر فرمایا کہ میں ہوں عبد اللہ بن مسعودؓ قسم ہے اس پاک معبود کی جس کے سوائے کوئی معبود نہیں ہے کہ تم

لوگوں نے بے جا ظلم سے ایک بدعت نکالی ہے اور تم اصحاب محمد ﷺ سے بھی (اپنے نزدیک) علم میں بڑھ چلے ہو۔ پھر عمرو بن عتبہ نے کہا استغفر اللہ تم پر واجب ہے کہ طریق رسول اللہ ﷺ و اصحاب کو پہچان کر اسی کو لازم پکڑو اور اگر تم ادھر ادھر پڑے پھرے تو بڑی گمراہی میں پڑ جاؤ گے۔

فائدہ:- مترجم کہتا ہے کہ اس حدیث کو امام دارمی نے اس سے زیادہ طویل روایت کیا ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ ابن مسعودؓ نے ایسے کلمات کہے کہ ہنوز رسول اللہ ﷺ کے کھانے پینے کے برتن سلامت موجود ہیں کہ تم نے یہ بدعت نکالی اور فرمایا کہ اگر تم لوگ اتنی دیر تک ہر ایک اپنے لئے استغفار کرتا تو اس سے بہت بہتر ہوتا۔ راوی نے بیان کیا کہ واللہ ہم نے اس کے بعد دیکھا اس جماعت والوں میں سے اکثر خراجیوں کے ساتھ ہو گئے تھے۔

ابن عوف سے روایت ہے کہ ہم لوگ ابراہیمؒ ٹھٹی کے پاس بیٹھے تھے۔ اتنے میں ایک شخص نے آکر کہا کہ اے ابو عمر ان آپ میرے لئے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے شفاعت عطا کرے۔ تو میں نے دیکھا کہ ابراہیمؒ ٹھٹی کو اس کلمہ سے سخت کراہت پیدا ہوئی۔ حتیٰ کہ ہم نے ان کے چہرے سے اس کے آثار دیکھے اور ابراہیمؒ ٹھٹی نے طریقہ سنت کا ذکر فرما کر اسی کی رغبت دلائی۔ اور لوگوں نے جو بدعت نکالی ہے اس کو ذکر کر کے اس سے کراہت ظاہر کی، اور اس کی مذمت فرمائی۔ ذوالنون مصریؒ کے پاس محدثین علماء میں سے لوگ آئے اور ذوالنونؒ سے نفسانی خطرے اور شیطانی وسوسوں کو دریافت کیا (یعنی اس کی کیا حقیقت ہے) تو شیخ ذوالنونؒ نے فرمایا کہ میں اس معاملہ میں کچھ گفتگو نہیں کرتا ہوں۔ کیونکہ ایسی گفتگو نئی نکالی ہوئی (بدعت) ہے۔ تم مجھ سے کچھ نماز یا حدیث سے متعلق پوچھو۔ ذوالنونؒ نے اپنے بچے کو سرخ موزہ پہنے دیکھ کر فرمایا اے فرزند یہ شہرت کی چیز ہے۔ اس کو رسول اللہ ﷺ نے نہیں پہنا بلکہ اپنے سادے سیاہ موزے پہنے ہیں۔

فصل:- مصنف نے کہا کہ ہم نے یہ بات بیان کر دی کہ پیشوایان سلف و خلف ہر بدعت سے احتراز کرتے تھے۔ اگرچہ وہ ایسی بدعت نکالی گئی ہو کہ اس میں بظاہر کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ اس سے ان کی غرض یہ تھی کہ شریعت میں ایسی بات ہی پیدا نہ ہونے پائے جس کا وجود پہلے نہ تھا۔ تاہم ایسی چند باتیں جاری ہو گئیں جن سے شریعت

کو صدمہ نہیں پہنچا۔ اور نہ ان پر عملدرآمد عام سے کچھ تغیر ہے۔ تو ان پر عمل کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں دیکھتے تھے۔ چنانچہ روایت ہے کہ ماہ رمضان کی راتوں میں کچھ لوگ تنہا ایک ایک اپنی اپنی نماز پڑھا کرتے تھے۔ اور کہیں ایک نمازی کے پیچھے کچھ لوگ اقتداء کر کے اس کی امامت سے نماز پڑھتے تھے۔ پس حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے سب کو ایک امام ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں جمع کر دیا۔ پھر ایک رات نکلے تو ان (مقتدیوں) کو دیکھ کر فرمایا کہ یہ اچھی بدعت ہے۔ حسن بصریؒ نے اسی طرح مجلس وعظ کی نسبت فرمایا کہ یہ بدعت ہے لیکن اچھی بدعت ہے کہ اس مجلس میں بہت سے دینی دوست مل جاتے ہیں۔ اور اکثر دعائیں مقبول حاصل ہو جاتی ہیں۔ مصنف نے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سب کو ابی بن کعبؒ کے پیچھے جماعت میں اس لئے جمع کر دیا کہ شرع میں جماعت سے نماز ثابت ہے اور حسن بصریؒ نے وعظ کو اس لئے بدعت حسنہ فرمایا کہ وعظ خود مشروع ہے اور کلیہ قاعدہ یہ ہے کہ جو نئی بات کسی شرعی اصل پر مبنی ہو وہ مذموم نہیں ہوتی ہے اور اگر کوئی بدعت ایسے طریقے سے نکالی جاوے کہ گویا وہ کسی امر خیر کو پورا کرنے والی سمجھی جاوے تو شریعت کے ناقص ہونے کا اعتقاد ہوا۔ (یہ بدتر اعتقاد ہے) پھر اگر وہ کسی شرعی اصل سے مخالف ہو تو نہایت بدتر ہو گئی۔

اصل اس میں حدیث صحیح ہے کہ جو ایسی بات نکالے جو ہمارے اس دین میں نہ ہو تو بدعت مردود ہے اور خود اسی حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں مسجد میں بعض لوگ تو ایک شخص کی امامت سے تراویح پڑھتے تھے اور کچھ لوگ تنہا فردا فردا پڑھتے تھے تو حضرت عمرؓ نے فقط یہ کیا کہ جو فرد فرد تھے ان کو بھی ایک ہی امام کے پیچھے جمع کر دیا۔ لیکن تنہا پڑھنے سے منع نہیں فرمایا۔ چنانچہ اسی حدیث میں ہے کہ عشرہ اخیرہ میں حضرت ابی بن کعبؒ نے خود آنا چھوڑ دیا تھا۔ نیز اس زمانہ میں صحابہؓ کے واسطے جماعت سے ادا کرنے کے لئے شرعی اصل موجود تھی کہ خود آنحضرت ﷺ نے چند روز ان کو جماعت سے پڑھائی تھی۔ بلکہ جب حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ خلافت نبوت پر تھے۔ اور رسول اللہ ﷺ نے ان کے طریقہ کو بھی سنت قرار دیا ہے تو ہمارے لئے۔ یہی اصل کافی ہے ہم کو اس میں عٹ کرنے کی ضرورت ہی نہ رہی بلکہ جو بات ان کے طریقہ کے علاوہ ہو وہ عٹ میں آوے گی۔ اور حضرت عمرؓ نے اس کو بدعت فقط اس وجہ سے فرمایا کہ زمانہ رسول اللہ ﷺ میں عموماً

شب رمضان میں ایسا نہیں ہوتا تھا۔ فافہم۔

مصنفؒ نے کہا کہ ہمارے بیان مذکورہ بالا سے واضح ہو گیا ہے کہ اہل سنت وہی لوگ ہیں جو آثار رسول اللہ ﷺ و خلفائے راشدینؓ کی اتباع کرتے ہیں۔ (جو طبقہ صحابہؓ و تابعینؓ و مابعد میں متواتر ظاہر چلے آئے ہیں) اور اہل بدعت وہ لوگ ہیں جو جماعت کا متواتر طریقہ چھوڑ کر ایسی چیز ظاہر کرتے رہتے ہیں جو پہلے زمانہ میں نہ تھی۔ اور نہ وہ کسی اصل شرعی پر مبنی ہے اسی وجہ سے بدعتی لوگوں کو دیکھو گے کہ اپنی بدعت کو چھپاتے رہتے ہیں۔ برخلاف ان کے اہل السنہ اپنے مذہب کو نہیں چھپاتے اور ان کا کلمہ ظاہر اور ان کا مذہب متواتر مشہور چلا آتا ہے۔ اور عاقبت ان ہی کے لئے ہے والحمد للہ رب العالمین۔ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہمیشہ میری امت میں سے ایک قوم لوگوں پر ظاہر (غالب) رہے گی۔ یہاں تک کہ جب امر الہی آوے گا جب بھی یہ قوم ظاہر ہوگی۔ یہ حدیث صحیحین میں ہے۔ ثوبانؓ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ہمیشہ میری امت میں سے ایک گروہ حق پر ظاہر ہوگا۔ ان کو کچھ مضرت نہ ہوگا اگر کوئی ان کی مدد نہ کرے (وہ برابر بہ نصرت الہی غالب رہیں گے) یہاں تک کہ امر الہی آجائے (رواہ مسلم فقط)۔ واضح ہو کہ اس معنی کو آنحضرت ﷺ سے جابر بن عبد اللہ و معاویہ و قرہ رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذیؒ نے امام بخاریؒ سے نقل کیا کہ حضرت علی بن المدینیؒ فرماتے تھے کہ حدیث شریف میں جس قوم کا ذکر ہے یہ اہل حدیث (احادیث پر عمل کرنے والے) ہیں۔

فائدہ:- علی بن المدینیؒ کے زمانہ میں مامون بن الرشید کی وجہ سے معتزلہ فرقہ نے بہت زور باندھا اور صد ہا عالم اس فتنہ میں مقتول ہوا۔ لیکن آخر کو اہل حدیث ہی غالب ہوئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے بعد اس امتحان کے انہیں کو احترام و عزت عطا کی۔ اور واضح ہو کہ آنحضرت ﷺ نے طریقہ نبوت پر آخرت کو چاہنے والے امتی پانچ سو برس تک اپنی امت میں سے فرمائے ہیں جیسا کہ صحیح الاسناد حدیث سنن ابی داؤد میں مصرح ہے۔ اور یہی واقعہ ہوا پھر آپ کے معجزہ بیانی کے مطابق دشمنوں کے دلوں سے اس امت کی ہیبت جاتی رہی اور تداعی الامم کا واقعہ پیش آیا۔ اہل روم ارض و البق میں اترے۔ اور خراسان کی طرف ترکوں کے ہاتھوں بلا بل پیش آئے۔ لیکن اہل السنۃ جو اس وقت شام و مصر میں اور کچھ ہندوستان میں منحصر تھے اس وقت بھی غالب رہے۔

چنانچہ کتب توارخ میں صاف ان معجزات کے مطابق ظہور ہوا ہے۔

فصل :- اہل بدعت کے اقسام کا بیان۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہودی تو اکثر (۷۱) فرقوں میں متفرق ہوئے تھے یا بہتر (۷۲) فرقوں میں اور اسی قدر فرقوں میں نصاریٰ متفرق ہوئے۔ اور میری امت تہتر (۷۳) فرقوں میں متفرق ہوگی۔ امام ترمذیؒ نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

مصنفؒ نے کہا کہ ہم نے اس حدیث کو سابق میں ذکر کیا ہے۔ اس روایت میں اس قدر زائد ہے کہ یہ سب فرقے فی النار ہیں سوائے ایک فریق کے۔ تو اصحاب رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ اس نجات پانے والے فریق کی کیا نشانی ہو گی؟ فرمایا کہ وہ فریق اسی بات پر ہوگا جس پر آج میں اور میرے اصحاب ہیں۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل باہمی اختلاف سے پھوٹ کر اکثر (۷۱) فرقے ہو گئے جن میں سے ستر (۷۰) فرقے ہلاکت (جہنم) میں پڑے۔ اور ایک فرقہ عذاب سے چھوٹا۔ اور تھوڑے دنوں بعد میری امت کے بہتر (۷۲) فرقے ہو جائیں گے۔ جن میں سے اکثر (۷۱) ہلاکت میں پڑیں گے اور فقط ایک فرقہ نجات پاوے گا۔ اصحابؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ یہ فریق کیا ہوگا؟ فرمایا کہ وہ جماعت ہوگا۔

فائدہ :- یعنی اسی طریقہ نبوت پر جمع رہیں گے جس پر آج اصحابؓ مجتمع ہیں۔ اور واضح ہو کہ محققین علماء نے بیان کیا کہ ایمان توحید آدمی کی نجات کا اصل اصول ہے چنانچہ حضرت امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ جب بعد وفات رسول اللہ ﷺ کے سخت غمناک اور متحیر ہو گئے حتیٰ کہ خلیفہ رسول اللہ ﷺ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو اٹھالیا اور ہم یہ پوچھنے نہ پائے کہ اس امر کی نجات کیونکر ہے، تو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں پوچھ چکا ہوں۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرے مال باپ آپؐ پر فدا ہوں۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے ایسے کمال سے سرفراز کیا ہے، آپ ہم کو آگاہ کیجئے۔ تو حضرت صدیقؓ نے بیان کیا کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے اس کو پوچھا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ نجات کا مدار اس کلمہ پر ہے جو میں نے اپنے چچا ابو طالب پر پیش کیا تھا اور ابو طالب نے اس کے قبول کرنے سے انکار کیا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اصل نجات اعتقاد توحید ہے۔ لا الہ

الا اللہ محمد رسول اللہ۔ اور جب یہ اعتقاد دل میں سچا ہو گا۔ یعنی نفس کا دھوکہ نہ ہو گا تو پہچان یہ ہے کہ آدمی اپنے جی کی ہندگی چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی ہندگی کرے گا۔ اور نماز و روزہ و زکوٰۃ و حج وغیرہ پر عامل ہو گا۔ بعض محققین نے کہا یہ اعمال بمقابلہ ایمان توحید کے ایسے ہیں جیسے ذرہ برابر دنیا میں سے ایک آدمی کا گھر بمقابلہ عرش اعظم کے حقیر ہے تو معلوم ہوا کہ جو کوئی اس اعتقاد توحید پر ہو جو آنحضرت ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو تعلیم فرمایا تھا۔ اور اپنے آپ کو دین حق کے لئے وقف کرے، اسلام سچا لاوے کہ اللہ تعالیٰ رب العالمین کے واسطے گردن جھکا دے جو کچھ رسول اللہ ﷺ نے بتلایا اس پر یقین لاوے اور جس طریق پر آپ چلتے تھے اسی طریق سنت کو راہ حق جانے تو یہ نجات کی راہ ہے۔ اور اگر اس اعتقاد میں خارجی یا رافضی یا معتزلی کی طرح مخالفت کی تو نجات کی راہ سے بھٹک گیا۔ اور شرک کی بدبو اس میں آنے لگی۔ تو جہنم میں آگ سے ظاہر و باطن جلے گا۔ بے طیکہ اس ضلالت میں یہاں تک نہ پہنچا ہو کہ دین حق سے خارج ہی ہو گیا ہو تو پھر کافروں و مشرکوں کے ساتھ ہمیشہ جہنم کی بستی میں رہے گا اور دیکھو اگر کلمہ توحید و طریق سنت پر سچ اعتقاد ہو لیکن وہ بدکاری کی شامت میں پھنسا۔ اور ظاہر میں اتنے حصہ میں نفس کی پیروی کی اور یہاں تک ہوا کہ آخرت میں حرارت آفتاب سے سر کو بھجاا بلنے اور ہولناک تکلیفوں سے بھی کفارہ نہ ہو ابلیس جہنم میں ڈالا گیا تو اس کا عذاب گمراہ فرقہ کی طرح نہ ہو گا۔ جیسے امیر المومنین علیؑ سے روایت ہے کہ اہل توحید میں سے جو جہنم میں گیا تو اوپر کے طبقہ میں رہے گا۔ اور وہاں پہنچتے ہی مردے کی مثل ہو جائے گا اور اس کے دل کو آگ نہ جلاوے گی۔ یہ پوری روایت جامع صغیرہ وغیرہ میں ہے۔ اس بیان سے حدیث شریف کے معنی حل ہو گئے کہ گمراہ فرقے فی النار ہوں گے اور جس فرقہ سنت و جماعت کو نجات ہے وہی نجات کے واسطے ہے، واللہ تعالیٰ الحمد والمنة۔

مصنفؒ نے کہا اگر پوچھا جائے کہ بھلا اس امت کے یہ گمراہ فرقے جن کی خبر حدیث میں دی گئی ہے تمہاری پہچان میں بھی آگئے ہیں؟ تو جواب یہ ہے کہ اتنی بات تو ہم نے قطعی پہچان لی کہ پھوٹ پڑ گئی (یعنی صحابہؓ جس اتفاق و جماعت پر تھے اس جماعت سے پہلے پہل خارجیوں کے ٹکڑے پھوٹ کے علیحدہ ہو گئے۔ پھر معتزلہ و روافض وغیرہ کی ٹکڑیوں نے جماعت کو چھوڑ کر اپنی ٹکڑی علیحدہ کر لی تو یہ معجزہ تو ہم نے صاف دیکھ لیا۔ کہ جماعت سے پھوٹ ہوئی) اور ہم کو ان پھوٹے ہوئے فرقوں کی

اصلیں بھی پہچانی پڑتی ہیں۔ بلکہ یہ بھی پہچان لیا گیا کہ خود ہر فرقہ جو جماعت اعظم سے پھوٹ کر جدا ہوا تھا خود اس کے ٹکڑے در ٹکڑے ہو گئے اگرچہ ہم کو ان سب فرقوں کے نام اور گمراہی کے مذہب الگ الگ تفصیل کے ساتھ معلوم نہ ہوں۔ اور دیکھو کہ بدعتی فرقوں کی اصولوں میں سے مفصلہ ذیل فرقے ہم کو ظاہر میں معلوم ہو گئے ہیں۔ حروریہ و قدریہ و جہمیہ و مرجیہ و رافضہ و جبریہ۔ (یہ چھ ظاہر ہیں) اور بعض اہل علم نے کہا کہ بدعت و ضلالت کی جڑ یہی چھ فرقے ہیں۔ اور ہر فرقے کی بارہ شاخیں ہیں۔ توکل بہتر (۷۲) شاخیں ہوئیں جو جماعت سے پھوٹ کر فرقہ فرقہ ہو گئے۔

فائدہ:- اللہ تعالیٰ جل شانہ کی عجب قدرت و تمام رحمت اس دین اسلام پر یہ ہے کہ ان گمراہ فرقوں کی باوجود یکہ اس کثرت سے شاخیں ہو گئیں اور فریق جماعت فقط ایک فریق ہے لیکن ہر زمانہ اور ہر صدی میں ابتداء سے اس وقت تک فریق جماعت بکثرت زائد رہتا چلا آیا حتیٰ کہ جب فریق جماعت دس کروڑ مانا جاوے تو اس وقت میں یہ بہتر (۷۲) گمراہ فرقے ایک کروڑ بھی ہر گز نہ ہوئے بلکہ آدھا کروڑ بھی نہ تھے۔ بلکہ شاید دس لاکھ ہوں۔ تاکہ اللہ تعالیٰ کا دین حق ہمیشہ ہدایاں حق اہل توحید سے متواتر چلا جاوے۔ کیونکہ جب تک فریق جماعت اس قدر زائد ہو تب تک قطعی متواتر نہیں رہ سکتا تھا بلکہ دو تین صدی کے بعد ان بدعتیوں کے بہت سے فرقے تو کالعدم ہو گئے۔

مصنف نے فرمایا کہ فرقہ حروریہ کی بارہ (۱۲) شاخیں ہیں (ہر ایک خارجی فرقہ کا عجب مختلف گمراہ اعتقاد ہے) چنانچہ شاخ اول ازرقیہ ہے (اس کا بانی ابو راشد نافع بن ازرق خارجی تھا) یہ فرقہ زعم رکھتا تھا کہ اس کو تو کوئی آدمی مومن دکھائی نہیں دیتا۔ سوائے اس کے شخص جو اس فرقہ کے قول پر ہو۔ انہوں نے اہل قبلہ کو کافر قرار دیا۔ اس زمانہ میں ایک جماعت صحابہؓ و بکثرت اکابر تابعین کی موجودگی کے باوجود اس ظالم گمراہ فرقہ کا قول دیکھو) شاخ دوم لباضیہ ہے (اس کا بانی عبد اللہ ابن لباض تھا) جس کا قول یہ تھا کہ جو کوئی ہمارے کہنے پر ہو تو وہ مومن ہے۔ اور جو ہم سے منہ پھیرے وہ منافق ہے (نہ مومن ہے نہ کافر ہے) شاخ سوم ثعلبیہ ہے۔ (اس کا بانی ثعلبہ بن مٹکان تھا) جس گمراہ فرقہ کا اعتقاد یہ تھا کہ خدا نے نہ کچھ جاری کیا اور نہ کچھ تقدیر میں مقدر کیا۔

فائدہ:- خارجی فرقہ حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ اور آپ کے اصحاب کو جن میں مہاجرین و انصار و اہل بدر و بیعتہ الرضوان وغیرہ بھرت شامل تھے، سب کو کافر کہتا تھا۔ تو اس فرقہ سے کہا گیا کہ ابھی آنحضرت رسول اللہ ﷺ کو وفات پائے چالیس برس نہیں گزرے اور حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی طرح سے حضرت عثمان و حضرت علی اور یہ اصحاب رضی اللہ عنہم آپ کے اکابر مقرب صحابہ میں سے ہیں یہ سب زمانہ متواتر جانتا ہے کیا تم انکار کر سکتے ہو۔ خارجیوں نے کہا کہ بے شک یہ تو سب ہی جانتے ہیں اور جو بات آفتاب کی طرح روشن ہے ہم اس سے کیونکر انکار کریں گے۔ تو کہا گیا کہ پھر جب اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو مومنین صادقین اور مومنون مفلحین فرمایا ہے تو یہ اصحاب کبار سب سے پہلے اس صفت میں داخل ہو گئے۔ خارجی فرقہ نے کہا کہ ہاں اس وقت بے شک داخل ہو گئے تھے۔ پھر اس کے بعد ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما نے بے شک اسی طریقہ پر رہے لیکن عثمان و علیؓ نے ہماری رائے میں وہ طریقہ بالا تو اس صفت سے خارج ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ نے اس وقت کے مطابق ان لوگوں کو جنتی کہا تھا۔ پھر جب وہ حال نہ رہا تو سب باتیں جاتی رہیں۔ تب خارجی فرقہ کو جواب دیا گیا کہ یہ تم نے بڑی غلطی کھائی کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جنتی ہونا مقدر کیا تھا تو قضائے مقدر پوری ہو گئی۔ اب اس میں تغیر ممکن ہے۔ خارجی نے کہا کہ ہم اپنے نزدیک ضرور جانتے ہیں کہ یہ لوگ کافر ہو گئے اور ہم یہ نہیں مانیں گے کہ خدا نے کچھ مقدر کیا ہے بلکہ تقدیر کچھ چیز نہیں ہے۔ لیکن جو کوئی جیسا کرے ویسا ہوتا جاوے گا اور تقدیر ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ مترجم کہتا ہے کہ دیکھو اس بدخت فرقہ نے متواتر اعتقاد کو چھوڑ کر کفر اختیار کرنا منظور کر لیا اور وہ عداوت جو اکابر اصحاب رضی اللہ عنہم سے اس کے جی میں بیٹھ گئی تھی وہ نہ چھوڑی۔ یہی حال روافض وغیرہ کا ہے۔ نعوذ باللہ من الضلال۔

شاخ چہارم حازمیہ (اس کا بانی حازم بن علی تھا) ان کا یہ قول ہے کہ ہم نہیں جان سکتے کہ ایمان کیا چیز ہے؟ اور مخلوق بے چارے سب معذور ہیں (ان کو معاف ہے جب کہ ایمان پہچانا محال ہے)

شاخ پنجم خلیفہ (اس کا بانی خلف خارجی تھا) نے یہ قول نکالا کہ جس کسی نے جہاد چھوڑا، وہ کافر ہے، چاہے مرد ہو یا عورت۔ شاخ ششم کوزیہ نے نکالا کہ کسی کو کسی کا چھوننا نہیں ہے۔ کیونکہ ہم کو پاک کو نجس کی شناخت واقعی نہیں ہو سکتی اور جب تک

ہمارے سامنے کوئی نہا کر توبہ نہ کرے تب تک اس کے ساتھ کھانا جائز نہیں ہے۔
فائدہ:- دیکھو اس پاکیزگی کے مکر سے کس طرح شیطان نے اس احمق فرقہ کو دھوکہ دیا جس سے لوگوں میں بے انتہا پھوٹ و جدائی پڑ جاوے حالانکہ شرع میں باہم میل جول و اتفاق کی بہت تاکید کی گئی ہے۔

شاخ ہفتم کنزیہ کا یہ قول ہے کہ کسی کو کچھ مال دینا حلال نہیں ہے کیونکہ شاید یہ شخص اس مال کے پانے کا مستحق نہ ہو (تو غیر مستحق کو دینا ظلم ہو گا۔ تو اس گناہ سے کفر ہو جاوے گا۔ بلکہ واجب یہ ہے کہ مال کو خزانہ کر کے زمین میں دفن کر دے۔ پھر جب قطعی یقینی دلیل سے کوئی شخص سب سے زیادہ مستحق معلوم ہو تو اس کو دے (پھر جو کوئی اس طرح دوسرے درجہ کا مستحق ہو اس کو دے و علیٰ ہذا القیاس۔ یعنی اس مکر سے کبھی زکوٰۃ دینا نہ پڑے۔

شاخ ہشتم شمر اخیہ۔ اس خبیث فرقہ کا یہ قول ہے کہ اجنبی عورتوں کو چھونے و مساس کرنے میں کچھ ڈر نہیں ہے اس لئے کہ عورتیں تو ریا حین بنائی گئی ہیں (ریا حین کی خوشبو سو گھنا اور چھونا روا ہوتا ہے۔ شاخ نہم اخسیہ کا یہ قول ہے کہ مرنے کے بعد میت کو کچھ بھلائی یا برائی لاحق نہیں ہوئی ہے (یعنی عذاب و ثواب سے انکار کرتے ہیں) شاخ دہم حمیہ کہتے ہیں کہ جو کوئی کسی مخلوق کی طرف فیصلہ چاہنے جائے تو وہ کافر ہے (اسی وجہ سے جب حضرت علیؓ و اہل شام میں عائشہ فیصلہ قرار پایا تو اس خارجی فرقہ نے امیر المومنین کے لشکر سے جدا ہو کر دونوں فریق کو کافر کہنا شروع کیا) شاخ یازدہم معتزلہ یعنی حرور یہ میں سے معتزلہ یہ وہ فرقہ ہے جو کہتے ہیں کہ علی بن ابی طالب و معاویہ کا معاملہ ہم پر مشتبہ ہوا۔ یعنی حکم صاف نہیں کھلتا ہے۔ اس لئے ہم دونوں فریق سے بیزاری و تبرا کرتے ہیں۔ شاخ دوازدہم میمونہ (اس کا بانی میمون بن خالد تھا) یہ فرقہ کہتا ہے کہ کوئی امام نہیں ہو سکتا جب تک ہمارے چاہنے والے اس سے راضی نہ ہوں۔

فرقہ قدر یہ بھی بارہ شاخوں میں منقسم ہوا۔ احمر یہ جس کا قول یہ ہے (اللہ تعالیٰ پر عدل جاری کرنا فرض ہے اور) اللہ تعالیٰ کے عدل میں شرط یہ ہے کہ اپنے ہندوں کو ان کے کاموں کا مختار کرے اور ان کے گناہوں کے درمیان میں حائل ہو کر روکے۔ فرقہ ثمو یہ کہتا ہے کہ بھلائی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیدا ہوتی ہے اور برائی ابلیس پیدا کرتا ہے۔ معتزلہ کہتا ہے کہ یہ قرآن پیدا کیا ہوا ہے اور آخرت میں خدا کا

دیدار محال ہے (سب بدعتی گمراہ فرقے اللہ تعالیٰ کے دیدار کو محال کہتے ہیں۔ اس میں خوارج و دروافض وغیرہ سب یکساں ہیں) کیسا نبیہ جو کہتے ہیں کہ ہم کو نہیں معلوم ہوتا کہ یہ افعال آیا اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیدا ہوتے ہیں یا بندوں سے پیدا ہوتے ہیں اور یہ بھی ہم نہیں جانتے کہ ہندو بعد موت کے ثواب پاویں گے یا عذاب پاویں گے۔ شیطانیہ جس کا یہ قول ہے کہ خدا نے شیطان کو نہیں پیدا کیا ہے۔ شریحیہ جو کہتے ہیں کہ سب برائیاں مقدور ہیں سوائے کفر کے وہم یہ کہتے ہیں کہ مخلوق کے افعال کی ذات نہیں ہے اور نہ نیکی و بدی کی ذات ہے ربو یہ (راوندیہ) کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کتابیں اتری ہیں تو ان پر عمل کرنا فرض ہے خواہ کوئی اس کو ناسخ کہے یا منسوخ کہے۔

فائدہ:- اس نفس پرست فرقہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر آدم کے وقت میں بہن بھائی کا نکاح دو بطن مختلف سے جائز تھا تو اب بھی یہ لوگ اس پر عمل کریں گے۔ اسی طرح حضرت یعقوب علیہ السلام کے وقت میں دو بہنوں کا نکاح اور مابعد شراب خوری وغیرہ سب عمل میں لاویں گے۔ بتر یہ کہتے ہیں کہ جس نے گناہ کر کے توبہ کی تو اس کی توبہ قبول نہ ہوگی ثالثیہ فرقہ کہتا ہے کہ جس نے رسول اللہ ﷺ کی بیعت توڑ دی تو اس پر گناہ نہیں ہے قاسطیہ کہتے ہیں کہ دنیا میں زاہد ہونے سے یہ افضل ہے کہ دنیا تلاش کرنے میں کوشش کرے۔ نظامیہ جس نے ابراہیم نظام کی پیروی میں یہ کہا کہ جو کوئی اللہ تعالیٰ کو شے کے تودہ کا فر ہے۔

فائدہ:- یہ بھی فرقہ اعتقاد معتزلہ پر گمراہ ہے اور یہ ایک بات اس گمراہی پر اور زیادہ بڑھائی ہے اسی طرح ان سب فرقوں میں باہم مخالفت ہے اور سب خلاف طریقہ رسالت ہیں۔

چھٹی فرقہ میں بھی بارہ شاخیں ہیں۔ معطلہ جو کہتے ہیں کہ جس چیز پر انسان کا وہم پڑے وہ مخلوق ہے۔ اور جو کوئی دعویٰ کرے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار ممکن ہے تو وہ کافر ہے مرسیہ (مریہ) فرقہ گمراہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اکثر صفات مخلوق ہیں۔ ملتزقہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے۔

فائدہ:- تعجب ہے کہ اسی گمراہ فرقہ کا یہ اعتقاد اکثر عوام اہل السنہ میں پھیل گیا اور یہ لوگ بھی کہنے لگے کہ خدا ہر جگہ موجود ہے شاید اس کا سبب یہ ہوا کہ محکمہ عدالت و قضا میں قسم لینے کا یہ طریقہ تھا کہ خدا کو حاضر و ناظر جان کر قسم کھا دیا

گواہی دو تو عوام اپنی بے علمی سے یہ سمجھے کہ خدا حاضر موجود ہے۔ حالانکہ قاضی کا مطلب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ عالم و ناظر ہے اور یہی عربی محاورہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ تجھ کو دیکھتا اور علیم و خبیر ہے۔ یہ یاد کر کے سچی قسم کھائے گا۔ عوام نے اپنی سمجھ سے حاضر کے یہ معنی لگائے جیسے آپس میں بولا کرتے ہیں۔ لہذا علماء پر فرض ہے کہ وعظ میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت و اعتقاد حق کو اول بیان کیا کریں تاکہ آئندہ ان کی نصیحت سچے ایمان والوں کو مفید ہو۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ ہو الموفق۔ وارد یہ کہتے ہیں کہ جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا وہ جہنم میں نہ جائے گا اور جو کوئی جہنم میں گیا وہ کبھی وہاں سے نہیں نکالا جائے گا۔

فائدہ:- اس فرقہ جاہل کے نفس نے ان کو یہ یقین دلایا کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کے پہچاننے والے ہو۔ اور اس جاہل نے اپنے نفس کا غرہ بے دلیل مان لیا۔ زنادقہ کہتے ہیں کہ کسی کے واسطے یہ ممکن نہیں ہے کہ اپنی ذات کے واسطے کوئی رب (پروردگار) ثابت کرے۔ اس لئے کہ ثابت کرنا جب ہی ہو سکتا ہے کہ اس سے اور اک کر لے۔ حالانکہ یہ اور اک ممکن نہیں ہے تو یہ حواس کے اور اک کرنے کا آلہ نہیں ہو سکتے ہیں تو پھر جو چیز اور اک ہی نہیں ہو سکتی ہے تو ثابت بھی نہیں ہو سکتی ہے۔

فائدہ:- یہ دلیل محض غلط اور بالکل خطہ ہے اور سرے سے یہی غلط ہے کہ رب کو ثابت کرے۔ اس لئے کہ پہچانا اور ہے اور ثابت کرنا اور ہے اسی واسطے مصنف نے ان احمقوں کی دلیل بھی نقل کر دی تاکہ لوگ سمجھ لیں کہ یہ فرقہ کیسا بے وقوف ہے۔

حرقہ فرقہ کا قول ہے کہ کافر کو (جب جہنم میں ڈالا جائے گا) آگ ایک بار جلا کر کوئلہ کر دے گی پھر وہ ہمیشہ کوئلہ پڑا رہے گا۔ اس کو آگ کی جلن محسوس نہ ہوگی۔ مخلوق یہ کہتا ہے کہ یہ قرآن مخلوق ہے۔ فانیہ فرقہ کا قول ہے کہ جنت و دوزخ دونوں فنا ہونے والی ہیں۔ اور ان میں سے بعضے کہتے ہیں کہ ہنوز وہ دونوں پیدا ہی نہیں ہوئی ہیں۔ عربیہ (غیر یہ) نے پیغمبروں سے انکار کیا۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے نہیں ہیں۔ بلکہ وہ لوگ صرف عقلاء تھے۔

فائدہ:- یہ قول محض کفر ہے۔ اور یہ اس زمانہ میں نیچر یہ فرقہ کا قول ہے جو سر سید احمد خاں کی کتاب میں جو تفسیر کی نام سے لکھی ہے صاف مذکور ہے۔

واقفیت کہتے ہیں کہ ہم توقف کرتے ہیں نہ یہ کہتے ہیں کہ قرآن مخلوق ہے اور نہ یہ کہ مخلوق نہیں ہے۔ قبر یہ کہتا ہے کہ قبر میں عذاب (ثواب) نہیں ہے۔ اور نہ آخرت میں شفاعت ہے۔ لفظی فرقہ کہتا ہے کہ قرآن کے ساتھ ہمارا تلفظ کرنا مخلوق ہے۔

اسی طرح مرجیہ فرقہ کی بھی بارہ قسمیں ہیں۔ تاریکیہ فرقہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے واسطے مخلوق پر کوئی عمل فرض نہیں ہے سوائے ایمان کے۔ پس جب بندہ اس پر ایمان لایا اور اس کو پہچانا تو پھر جو چاہے وہ کرے۔ سائبیہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خلق کو پیدا کر کے چھوڑ دیا ہے کہ جو چاہیں کریں۔ یہ بھی کہنا چاہیے تھا کہ پھر جو کچھ کریں گے اس کا عوض آخرت میں پاویں گے۔ لیکن اس گمراہ فرقہ نے اس سے انکار کیا۔ راجیہ کہتا ہے کہ ہم کسی بدکار کو عاصی و نافرمان نہیں کہہ سکتے اور نہ کسی نیکو کار کو طاب و فرمانبردار کہہ سکیں۔ کیونکہ ہم کو یہ معلوم نہیں کہ اس کے لئے عند اللہ کیا ہے۔ **فائدہ:-** اس فرقہ کا یہ مطلب نہیں کہ ہم انجام نہیں جانتے ہیں۔ اس لئے کہ انجام کو کوئی نہیں جانتا لیکن جو حالت یا فعل موجود ہے یہ ظاہر ہے۔ تو یہ فرقہ اس سے بھی منکر ہے گویا کہتا ہے کہ اس بدکار کی بدکاری شائد پسندیدہ ہو، یہ قبیح گمراہی ہے۔

شاکیہ کہتا ہے کہ نیک اعمال و طاعات ایمان میں سے نہیں ہیں۔ بھیسیہ کہتا ہے کہ ایمان علم ہے اور جس نے حق کو باطل سے تمیز کرنا اور حلال کو حرام سے تمیز کرنا نہ جانا وہ کافر ہے۔ عملیہ کہتا ہے کہ ایمان فقط عمل ہے۔ مستحبیہ نے ایمان سے استثناء (یہ کہنا کہ میں مومن ہوں انشاء اللہ) سے انکار کیا۔ شبہ کہتے ہیں کہ خدا کی آنکھ میری آنکھ جیسی ہے۔ اور میرے ہاتھ کی طرح اس کا ہاتھ ہے (اور عرش پر اس طرح مستوی ہے جیسے ہم لوگ تخت پر بیٹھتے ہیں) حشویہ نے سب احادیث کا ایک حکم ٹھہرایا۔ چنانچہ ان کے نزدیک فرض ترک کرنے کا حکم ویسا ہی ہے جیسے نفل ترک کرنے کا۔

فائدہ:- حشویہ نام اس لئے ہوا کہ یہ فرقہ کہتا ہے کہ قرآن مجید میں الم اور طس اور حم وغیرہ حروف مقطعات صرف زائد حروف بے معنی ہیں۔ اور جو آیتیں عذاب کا خوف دلانے والی ہیں وہ فقط دھمکی ہے۔ نعوذ باللہ من کفر ہم۔

ظاہر یہ جو شرعی مسائل میں قیاس سے حکم اجتہادی نکالنے سے انکار کرتے ہیں۔ بدعیہ اس فرقہ نے اول اول اس امت میں بدعت کا احداث شروع کیا۔ منقوصیہ

یہ کہتے ہیں کہ ایمان گھٹتا بڑھتا نہیں ہے (بعض نے کہا کہ ان کا یہ اعتقاد ہے کہ جب ہم نے ایمان کا اقرار کیا تو جو کچھ نیکی کریں وہ مقبول ہے۔ اور جو برائیاں مانند زنا اور چوری وغیرہ کے عمل میں لاویں وہ بخش جاتی ہیں۔ چاہے توبہ کرے یا نہ کرے واللہ اعلم۔

فرقہ رافضیہ کی بھی بارہ شاخیں ہیں۔ علویہ کہتا ہے کہ رسول بنانے کا پیغام اصل میں جبریل علیہ السلام کے ہاتھ حضرت علیؑ کی طرف بھیجا گیا تھا۔ اور جبریل علیہ السلام نے غلطی کر کے وہ دوسری جگہ پہنچا دیا۔ (جیسے یہود کہتے تھے کہ جبریلؑ نے ہماری عداوت سے بنی اسرائیل کو چھوڑ کر بنی اسمعیل میں وحی اتاری ہے۔ یہ لوگ کافر ہیں) امر یہ یہ فرقہ کہتا ہے کہ کار نبوت میں محمد ﷺ کے ساتھ علی رضی اللہ عنہ شریک ہیں۔ (یہ بھی کفر ہے) شیعہ فرقہ کہتا ہے کہ علیؑ وصی رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے بعد خلیفہ تھے اور امت نے دوسرے کی بیعت کر کے کفر کیا۔

فائدہ:- امام ذہبیؒ وغیرہ نے لکھا ہے کہ قدیم شیعہ فرقہ کا قول فقط یہ ہے کہ علی رضی اللہ عنہ عثمان رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں اور جس نے ان سے لڑائی کی اس نے گناہ کمایا۔ پھر اس فرقہ میں بعض بڑھ کر کہنے لگے بلکہ علیؑ سب سے افضل ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ابو بکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کو پہلے خلیفہ اس لئے کر دیا تاکہ خلافت کا خاتمہ علی رضی اللہ عنہ پر ہو۔ اور آپ کی اولاد میں قیامت تک باقی رہے۔ جیسے نبوت آنحضرت ﷺ پر ختم ہوئی۔ اور جو قول مصنفؒ نے میان کیا یہ رافضیہ فرقہ کا عقیدہ ہے جو آخر میں پیدا ہوا۔

اسحاقیہ فرقہ کہتا ہے کہ نبوت تا قیامت ہوتی چلی جائے گی۔ اور جو کوئی اہل بیت کا علم جانے وہی نبی ہوتا رہے گا۔ تا دوسرے فرقہ کہتا ہے کہ حضرت علیؑ سب امت سے افضل ہیں۔ پس جو کوئی کسی دوسرے صحابی کو آپ پر فضیلت دے وہ کافر ہو گیا امامیہ فرقہ کہتا ہے کہ دنیا کبھی ایک امام سے خالی نہ ہوگی اور وہ امام اولاد حسین رضی اللہ عنہ سے ہوگا۔ اور اس کو جبرائیل علیہ السلام تعلیم کرتے رہیں گے۔ جب وہ مرے گا تو بجائے اس کے دوسرا اس کی مثل قائم مقام ہوگا (اس زمانہ میں جس فرقہ نے امامیہ اپنا نام رکھا ہے وہ تا دوسرے درافضیہ وغیرہ کا مجموعہ مرکب ہے)۔ زیدیہ فرقہ کہتا ہے کہ نماز کے امام کل اولاد حسینؑ ہیں۔ تو جب تک ان میں سے کوئی ہو تو کسی غیر کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے۔ خواہ وہ پرہیزگار ہو یا اس کے افعال خلاف شرع ہوں۔ عباسیہ فرقہ کا یہ زعم ہے کہ سب سے زیادہ حقدار خلافت عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب تھے۔

متناسخ فرقہ کا قول ہے کہ روحیں ایک بدن سے نکل کر دوسرے بدن میں جاتی ہیں۔ چنانچہ اگر وہ شخص نیکو کار تھا تو اس کی روح نکل کر ایسے بدن میں پڑ جاتی ہے جو دنیا میں عیش سے رہنے والا ہے۔ اور اگر بدکار تھا تو ایسے بدن میں پڑتی ہے جو دنیا میں کوفت و تکلیف سے زندہ بسر کرے گا۔ رجویہ فرقہ کا زعم یہ ہے کہ حضرت علیؑ اور آپ کے اصحاب دنیا میں دوبارہ لوٹ آویں گے۔ اور یہاں اپنے دشمنوں سے اپنا بدلہ لیں گے۔ لاعنیہ فرقہ وہ ہے جو حضرت عثمان و طلحہ و زبیر و معاویہ و ابو موسیٰ اشعری و ام المومنین عائشہ وغیرہ رضی اللہ عنہم پر لعنت کرتے ہیں۔ مترہصہ ایک فرقہ ہے کہ عابد فقیروں کا لباس پہنتے ہیں اور ہر وقت میں ایک شخص کو مقرر کر کے رکھتے ہیں کہ یہ ہی اس عصر میں صاحب الامر ہے۔ اور یہی اس امت کا مہدی ہے پھر جب وہ مرا تو دوسرے کو اسی طرح مقرر کر لیتے ہیں۔

جبریہ فرقہ بھی بارہ قسموں میں منقسم ہوا ہے۔ مضطربہ فرقہ کہتا ہے کہ آدمی کچھ بھی نہیں کر سکتا بلکہ جو کچھ کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے۔ افعالیہ فرقہ کہتا ہے کہ ہمارے افعال تو ہم سے صادر ہوتے ہیں۔ لیکن ہم کو اس کے کرنے یا نہ کرنے میں استطاعت خود نہیں ہے۔ بلکہ ہم لوگ بمنزلہ جانوروں کے ہیں کہ وہ رسی سے باندھ کر جدھر چاہتے ہیں ہانکتے جاتے ہیں۔ مفروغیہ فرقہ کہتا ہے کہ کل چیزیں پیدا ہو چکیں اب کچھ پیدا نہیں ہوتا ہے۔ نجاریہ فرقہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ان کے نیک و بد افعال پر عذاب نہیں کرتا بلکہ اپنے فعل پر عذاب کرتا ہے۔ مبائیہ (متانیہ) فرقہ کہتا ہے کہ تجھ پر لازم فقط وہ ہے جو تیرے دل میں آئے۔ پس جس دلی خطرہ سے تجھے بہتری نظر آئے اس پر عمل کر۔ حسیہ فرقہ کہتا ہے کہ ہندہ کچھ ثواب یا عذاب نہیں کماتا ہے سابقہ وہ فرقہ ہے جو کہتا ہے کہ جس کا جی چاہے نیک کام کرے اور جس کا جی چاہے نہ کرے اس لئے کہ جو نیک خست ہے اس کو گناہوں سے کچھ ضرر نہیں ہوگا۔ اور جو بد خست ہے اس کو نیکیوں سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ حبیہ فرقہ کہتا ہے کہ جس نے شراب محبت الہی کا پیالہ پیا اس سے ارکان عبادت ساقط ہو جاتے ہیں۔ خوفیہ فرقہ کہتا ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ سے محبت کی تو اس کو روا نہیں کہ اللہ تعالیٰ سے خوف کرے اس لئے کہ محبت اپنے محبوب سے خوف نہیں کر سکتا۔ فکریہ فرقہ کہتا ہے کہ جس قدر علم معرفت بڑھے اس قدر عبادت اس کے ذمہ سے ساقط ہو جاتی ہے۔ حسیہ فرقہ کہتا ہے کہ دنیا سب لوگوں میں برابر مشترک ہے۔ کسی کو دوسرے پر زیادتی نہیں

ہے کیونکہ وہ ان کے باپ آدم علیہ السلام کی میراث ہے۔ معیہ فرقہ کرتا ہے کہ یہ افعال ہم سے صادر ہوتے ہیں اور ہم کو ان کی استطاعت و قدرت حاصل ہے۔

باب سوم

ایلیس کی مکاری، چالوں اور فتنوں سے بچنے کی تاکید کا بیان

انسان میں خواہش نفسانی و شہوات مرکب ہیں جن کی وجہ سے وہ ایسی چیزیں تلاش کر لاتا ہے جن کو اپنے جی میں آرام و نفع پہنچانے والی جانتا ہے اور انسان میں غضب (غصہ) بھی رکھا گیا ہے۔ جس سے وہ ایذا دینے والی چیزیں دفع کرتا ہے۔ اور اس کو عقل بھی عطا ہوئی ہے جو اس کے طفیل نفس کے واسطے گویا دُب دینے والی معلم ہے۔ کہ اس کو سکھاتی رہتی ہے کہ جو چیزیں حاصل کرے یا جن کو دفع کرے سب اعتدال کے ساتھ ہوں۔ اور شیطان اس کا دشمن پیدا کیا گیا ہے۔ جو گمراہ کو ابھارتا رہتا ہے کہ حاصل کرنے اور دفع کرنے میں حد بڑھ جائے۔ حکمائے ربانیہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا کہ عاقل پر لازم ہے کہ ایسے دشمن سے ہر وقت بچا رہے جس کی عداوت انسان کے ساتھ زمانہ آدم علیہ السلام سے صاف ظاہر ہو چکی ہے۔ جس نے اپنے آپ کو تمام عمر اسی واسطے وقف کر دیا ہے کہ ہر حال میں اولاد آدم علیہ السلام کی بربادی میں اپنی پوری کوشش صرف کرے گا۔ اور اللہ عزوجل نے انسان کو (اگر یہ قوت نہیں دی کہ شیاطین کو دیکھیں تو اس کے عوض میں آگئی دے دی اور) اس دشمن سے بچے رہنے کی تاکید فرمائی۔ بقول تعالیٰ لا تتبعوا خطوات الشیطان انه لکم عدو مبین۔ (البقرہ پ ۲ آیت ۱۶۸) یعنی اے اہل ایمان تم لوگ شیطان کے قدموں کے نشان پر نہ چلو وہ تمہارا اٹھلا ہوا دشمن ہے۔ وہ تم کو بری باتوں اور بد کرداریوں ہی کی تاکید کرتا رہتا ہے۔ اور نیز اس امر کی کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کی شان میں ایسی بات نہ کہو جس کا علم تم کو نہیں ہے۔ بقولہ تعالیٰ الشیطان یعدکم الفقر و یامرکم بالفحشاء (البقرہ پ ۳ آیت ۲۶۸) یعنی شیطان تم کو محتاج ہو جانے سے ڈراتا ہے اور قبیح بد کاریوں کی تاکید کرتا رہتا ہے۔

فائدہ:- یہ معجزہ آنکھوں دیکھا ہے کہ راہ خیر میں خرچ کرتے وقت یہ وسوسہ پیدا ہوتا ہے کہ بال بچوں کا ساتھ ہے۔ اور پھر یہی شخص بال بچوں کے ختنہ وغیرہ میں فحش و قباغ میں اسراف کے ساتھ خرچ مگر کرتا ہے یہ بالکل شیطان کی اتباع ہے۔

بقولہ تعالیٰ ویرید الشیطان ان یضلہم ضلالا بعیدا۔ (النساء پ ۵ آیت ۶۰) یعنی شیطان یہ چاہتا ہے کہ انسان کو دور کی گمراہی میں بھٹکا دے۔ وبقولہ تعالیٰ انما

یرید الشیطان ان یوقع بینکم العداوہ والبعنا فی الخمر والمیسر (المائدہ پ ۷ آیت ۹۱) یعنی شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب و قمار بازی سے تم لوگوں میں باہمی عداوت اور بغض ڈال دے۔ اور تم کو یاد الہی و نماز سے روک رکھے۔ اب تو تم ان کاموں سے باز رہو گے۔ وبقولہ تعالیٰ انہ عدو مظل مبین (القصص پ ۲۰ آیت ۱۵) یعنی شیطان بے شک تمہارا دشمن ہے تو تم بھی اس کو دشمن بنائے رکھو۔ وہ اپنے گروہ کو اس لئے بلاتا ہے کہ تاکہ وہ لوگ بھی جہنم میں رہنے والے ہو جائیں۔ وبقولہ تعالیٰ ولا یغرنکم باللہ الغرور (لقمان پ ۲۱ آیت ۳۳) یعنی شیطان تم کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ دھوکہ میں نہ ڈالے (اس سے بچ رہو) اور قرآن مجید میں اس قسم کی آیات بکثرت وارد ہیں۔

فصل :- جان لینا چاہیے کہ یہ ابلیس جس کا یہی کام ہے کہ اپنے ہم جنس مخلوقات کو تلمیس و شبہ میں ڈالتا رہے۔ سب سے پہلے وہ خود شبہ میں پڑا ہے اور امر الہی سے مشتبہ ہو کر صریح حکم سجدے سے پہلے جو بالکل صحیح تھا منہ موڑ کر قیاس دوڑانے لگا۔ اور خلقت کے عناصر میں فضیلت دینے لگا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو آگاہ فرمایا خلقتنی من نار و خلقہ من طین (الاعراف پ ۸ آیت ۱۲) یعنی ابلیس نے کہا کہ تو نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو تو نے گوند ہی مٹی سے پیدا کیا ہے۔ پھر اس نافرمانی کے بعد مالک حکیم عزوجل کی جناب میں اعتراض لایا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اربابک هذا الذی کرم علی (بنی اسرائیل پ ۱۵ آیت ۶۲) یعنی مجھے آگاہ کر دے کہ آخر تو نے اس کو کیوں مجھ پر فضیلت دی؟ اس اعتراض کی تہ میں اس کی یہ جہالت ہے کہ تو نے جو اس کو مجھ پر فضیلت دی تو یہ کچھ حکمت نہیں ہے، پھر اس کے بعد تکبر کرنے لگا کہ انا خیر منہ یعنی میں اس سے بہتر ہوں، پھر سجدہ بجالانے سے باز رہا۔ اس سے کچھ نہ ہوا۔ سوائے اس کے شیطان نے خود اپنے نفس کو دائمی لعنت و عذاب سے خوار کیا۔ حالانکہ اپنے نزدیک وہ اپنے نفس کی بزرگی کرنا چاہتا تھا۔ پھر جب شیطان کسی انسان پر کوئی بات رچا دے تو انسان کو سخت پرہیز کے ساتھ شیطان دشمن سے ڈرنا چاہیے۔ اور جب وہ ہر بات کہے تو اس کو جواب دے کہ اے شیطان جو کچھ تو مجھ سے کہتا ہے اس میں میری خیر خواہی بس یہی ہے کہ جو کچھ میری خواہش ہے وہ مجھے حاصل ہو جائے لیکن جس نے اپنی ذات کی خیر خواہی نہ کی وہ دوسرے کی سچی خیر خواہی کیونکر کرے گا۔ اس کے علاوہ میں خالص دشمن کی خیر خواہی پر کیونکر بھروسہ کروں لہذا تو

اپنی راہ لے کیونکہ میرے نزدیک تیری بات کارگر ہونے والی نہیں ہے۔ اب شیطان کو کوئی حیلہ باقی نہ رہے گا۔ سوائے اس کے کہ وہ انسان کے نفس امارہ سے مدد لے۔ کیونکہ وہ آدمی کے جی کو اس کی دل پسند چیز پر ابھارے گا تو اس وقت عقل کو بلانا چاہیے۔ تاکہ وہ ثابت قدم ہو کر گناہ کے انجام کار میں فکر کرے۔ امید ہے کہ توفیق اپنا مددی لشکر عزم بھیج دے کہ اسکی مردانہ ہمت سے لشکر شیطانی و نفسانی بھاگ کھڑے ہوں گے۔

عیاض بن حمادؓ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے مجھ کو حکم دیا ہے کہ تم کو وہ باتیں بتاؤں جو تم نہیں جانتے۔ اور اللہ تعالیٰ نے مجھ کو آج ہی بتائی ہیں۔ وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو مال میں نے اپنے ہندے کو بخش دیا وہ اس کو حلال ہے اور میں نے اپنے تمام ہندوں کو ایک سچے دین پر پیدا کیا۔ پھر شیاطین ان کے پاس آئے اور ان کو ان کے دین سے پھیر دیا۔ اور ان کو حکم دیا کہ میرے ساتھ ان چیزوں کو شریک کریں جن کے بارے میں میں نے کوئی برہان نہیں نازل کی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اہل زمین کو عرب سے لے کر عجم تک دیکھا تو سوائے چند بقایائے اہل کتاب کے سب پر غصہ فرمایا۔

عیاض بن حمادؓ سے (ایک دوسرے سلسلہ سند سے روایت ہے کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے خطبہ پڑھا اور اس خطبہ میں فرمایا کہ میرے پروردگار عزوجل نے مجھ کو ارشاد فرمایا کہ تم کو وہ باتیں تعلیم کروں جو تم نہیں جانتے اور مجھ کو آج ہی اللہ تعالیٰ نے تعلیم فرمائی ہیں۔ (پھر وہی حدیث بیان فرمائی جو نقل ہو چکی ہے)

جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایلیس لعین اپنا تخت پانی پر رکھتا ہے۔ پھر اپنے لشکروں کو بھیجتا ہے۔ ان لشکروں میں سے شیطان کے نزدیک زیادہ مقرب وہ ہوتا ہے جو بڑے سے بڑا فتنہ برپا کرتا ہے۔ پھر ان میں سے ایک آتا ہے اور بیان کرتا ہے کہ میں نے ایسا کیا اور ویسا کیا۔ شیطان جواب دیتا ہے کہ تو نے تو کچھ بھی نہیں کیا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ان میں سے ایک آکر کہتا کہ میں نے فلاں شخص اور اس کے اہل میں تفرقہ ڈال دیا۔ یہ سن کر شیطان اس کو اپنے قریب بٹھاتا ہے، یا یہ فرمایا کہ بغل میں لے لیتا ہے اور کہتا ہے کہ ہاں بے شک تو اچھا ہے اور تو نے بڑا کام کیا۔

جابرؓ نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شیطان اس بات سے ناامید ہو گیا ہے کہ نمازی لوگ اس کی پرستش کریں لیکن ان کے درمیان لڑائی جھگڑا ڈالنے میں ان

پر قابو پائے گا۔

یہ اخیر کی دونوں حدیثیں فقط مسلم نے روایت کی ہیں اور ان کی روایت میں اس طرح ہے کہ شیطان کو اس سے ناامیدی ہو گئی کہ جزیرہ عرب میں نمازی لوگ اس کی عبادت کریں انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شیطان اپنی سوئڈ کو فرزند آدم علیہ السلام کے دل پر رکھے ہوئے ہے اگر وہ خدا تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے تو سوئڈ پیچھے ہٹا لیتا ہے۔ اور اگر خدا کو بھول جاتا ہے تو اس کے دل کو نگل جاتا ہے۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ شیطان کا گزر ایک جماعت پر ہوا جو ذکر الہی میں مشغول تھی اس نے ان کو فتنہ میں ڈالنا چاہا۔ مگر تفرقہ پردازی نہ کر سکا۔ پھر ایک اور لوگوں میں آیا۔ جو دنیا کی باتیں کر رہے تھے ان کو بھکایا۔ یہاں تک کہ کشت و خون ہونے لگا۔ خدا کا ذکر کرنے والے لوگ ان میں پیچ چھاؤ کرنے کے لئے اٹھے۔ اس طور پر ان میں تفرقہ پڑ گیا۔

قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابلیس کے پاس ایک شیطان ہے جس کو ققب کہتے ہیں۔ اس کے منہ پر چالیس برس سے لگام چڑھا رکھی ہے (یعنی اس سے کوئی کام نہیں لیا تاکہ تکرار ہے) جب لڑکا اس رستے میں آتا ہے تو اس شیطان سے کہتا ہے کہ لڑکے کو پکڑ لے اسی کے لئے میں نے تیرے منہ پر لگام چڑھائی تھی۔ اس پر غلبہ کر اور اس کو فتنہ میں ڈال۔

مات بنانی کہتے ہیں کہ ہم کو یہ حدیث پہنچی کہ ابلیس حضرت یحییٰ علیہ السلام پر ظاہر ہوا۔ انہوں نے دیکھا کہ اس پر ہر قسم کے (لفکن) ہیں۔ پوچھا کہ اے ابلیس یہ لفکن کیسے ہیں جو تجھ پر نظر آتے ہیں کہنے لگا کہ یہ دنیا کی شہوتیں ہیں جن میں میں فرزند آدم کو مبتلا کرتا ہوں۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ کیا ان میں میرے واسطے بھی کچھ ہے؟ بولا کہ جب آپ شکم سیر ہوتے ہیں تو نماز کا پڑھنا آپ پر گراں کر دیتا ہوں اور ذکر الہی آپ پر بار ہو جاتا ہے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے کہا خدا کی قسم میں اب کبھی ہرگز پیٹ بھر کر کھانا نہ کھاؤں گا۔ ابلیس بولا خدا کی قسم میں اب کبھی کسی مسلمان کی خیر خواہی نہیں کروں گا۔

حارث بن قیس سے روایت ہے کہ جب نماز پڑھنے کی حالت میں تیرے پاس شیطان آوے اور کہے کہ تو ریا کر رہا ہے۔ تو نماز کو خوب طویل کر دے۔

ابن عامر نے عبید بن رفاعہ سے سنا وہ رسول اللہ ﷺ تک سند پہنچا کر روایت

کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں ایک راہب تھا۔ اس کے زمانے میں شیطان نے آکر ایک لڑکی کا گلابیا اور اس لڑکی کے گھر والوں کے دل میں ڈال دیا کہ اس کی دواراہب کے پاس ہے وہ لوگ اس لڑکی کو لے کر راہب کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ اس کو اپنے پاس رکھو الغرض وہ لڑکی راہب کے پاس رہنے لگی۔ پھر اس کے پاس شیطان آیا اور کہا کہ اب تو رسوا ہو جائے گا۔ لڑکی کے گھر والے آکر تجھ کو مار ڈالیں گے۔ تو اس لڑکی کو مار ڈال۔ جب وہ لوگ تیرے پاس آئیں تو کہہ دینا کہ مر گئی۔ راہب نے اس کو قتل کیا اور دفن دیا۔ اس کے بعد شیطان لڑکی کے گھر والوں کے پاس آیا اور ان کے دلوں میں وسوسہ ڈالا کہ راہب نے اس کو پیٹ رکھوایا اور فضیحت کے خوف سے اسے قتل کر ڈالا۔ لڑکی کے گھر والے آئے اور پوچھا۔ راہب نے کہا لڑکی مر گئی۔ لوگوں نے راہب کو پکڑا۔ شیطان راہب کے پاس آیا اور کہا کہ دیکھ میں نے ہی اس لڑکی کا گلابیا تھا اور میں نے ہی اس کے گھر والوں کے دلوں میں یہ بات ڈالی تھی اور میں نے ہی تجھ کو اس بلا میں پھنسیا ہے۔ اب میرا کہا مان تو نجات ہو گی۔ مجھ کو دو سجدے کر لے راہب نے شیطان کو دوبار سجدہ کیا۔

اسی کا ذکر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ کمثل الشیطان اذ قال للانسان اکفر (الحشر پ ۲۸ آیت ۱۶) یعنی شیطان کی مثال ہے کہ آدمی سے کہتا ہے کافر ہو جا۔ پھر جب وہ کافر ہو گیا تو کہتا ہے میں تجھ سے الگ ہوں۔ میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔ ہم کو اس حدیث کی روایت ایک اور طرز پر بھی پہنچی ہے۔ وہ بن مہر کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں ایک عابد تھا کہ اس کے زمانے میں کوئی عابد اس کا مقابل نہ تھا۔ اس کے وقت میں تین بھائی تھے۔ ان کی ایک بہن تھی جو باکرہ تھی۔ اس کے سوائے وہ اور بہن نہ رکھتے تھے۔ اتفاقاً ان تینوں بھائیوں کو کہیں لڑائی پر جانا پڑا ان کو کوئی ایسا شخص نظر نہ آیا جس کے پاس اپنی بہن کو چھوڑ کر جائیں اور اس پر بھروسہ کریں۔ لہذا سب نے اس رائے پر اتفاق کیا کہ اس کو عابد کے سپرد کر جائیں وہ عابد ان کے خیال کے موافق تمام بنی اسرائیل میں ثقہ و پرہیزگار تھا۔ اس کے پاس آئے۔ اور اپنی بہن کو حوالہ کرنے کی درخواست کی کہ جب تک ہم لڑائی سے واپس آئیں ہماری بہن آپ کے سایہ عاطفت میں رہے۔ عابد نے انکار کیا اور ان سے اور ان کی بہن سے خدا کی پناہ مانگی انہوں نے نہ مانا۔ حتیٰ کہ راہب نے منظور کر لیا اور کہا کہ اپنی بہن کو میرے عبادت خانہ کے سامنے کسی گھر میں چھوڑ جاؤ۔ انہوں نے ایک مکان میں اس کو لاتا اور چلے

گئے۔ وہ لڑکی عابد کے قریب ایک مدت تک رہتی رہی۔ عابد اس کے لئے کھانے کے لئے کھانا لے کر چلتا تھا اور اپنے عبادت خانہ کے دروازے پر رکھ کر کواڑ بند کر لیتا تھا۔ اور اندر واپس چلا جاتا تھا اور لڑکی کو آواز دیتا تھا وہ اپنے گھر سے آکر کھانا لے جاتی تھی۔ راوی نے کہا کہ پھر شیطان نے عابد کو نرمایا اور اس کو خیر کی ترغیب دیتا رہا اور لڑکی کا دل میں کھانا لینے کے لئے گھر سے نکلے اور کوئی شخص اس کو دیکھ کر اس کی عصمت میں رخنہ انداز ہو بہتر یہ ہے کہ اس کا کھانا لے کر اس کے دروازے پر رکھ آیا کرے۔ اس میں اجر عظیم ملے گا۔ غرضیکہ عابد کھانا لے کر اس کے گھر جانے لگا۔ بعد ایک مدت کے پھر شیطان اس کے پاس آیا اور اس کو خیر کی ترغیب دی۔ اور اس بات پر ابھارا کہ اگر تو اس لڑکی سے بات چیت کیا کرے تو تیرے کلام سے یہ مانوس ہو۔ کیونکہ اس کو سخت وحشت ہوتی ہے شیطان نے اس کا پیچھانہ چھوڑا حتیٰ کہ راہب اس سے بات چیت کرنے لگا۔ اپنے عبادت خانہ سے اتر کر اس کے پاس آنے لگا۔ پھر شیطان اس کے پاس آیا اور اس سے کہا کہ بہتر یہ ہے کہ تو عبادت خانہ کے در پر اور وہ اپنے گھر کے دروازے پر بیٹھے۔ اور دونوں باہم باتیں کرو تا کہ اس کو انس ہو۔ آخر کار شیطان نے اس کو صومعہ سے اتار کر دروازے پر لا بیٹھایا۔ لڑکی بھی گھر سے دروازے پر آئی۔ عابد باتیں کرنے لگا۔ ایک زمانے تک یہ حال رہا۔ پھر شیطان نے عابد کو کاسر خیر کی رغبت دی اور کہا بہتر ہے کہ تو خود لڑکی کے گھر جا کر بیٹھے اور بمکلائی کرے۔ اس میں زیادہ دل داری ہے۔ عابد نے ایسا ہی کیا۔ شیطان نے پھر تحصیل ثواب کی رغبت دی اور کہا کہ اگر لڑکی کے دروازے سے قریب ہو جائے تو بہتر ہے تاکہ اس کو دروازے تک آنے کی بھی تکلیف نہ اٹھانی پڑے۔ عابد نے یہی کیا کہ اپنے صومعہ سے لڑکی کے دروازے پر آکر بیٹھتا تھا۔ اور باتیں کرتا تھا۔ ایک عرصہ تک یہی کیفیت رہی۔ شیطان نے پھر عابد کو ابھارا کہ عین گھر کے اندر جا کر باتیں کیا کرے تو بہتر ہے تاکہ لڑکی باہر نہ آوے اور کوئی اس کا چہرہ نہ دیکھ پائے غرض عابد نے یہ شیوہ اختیار کیا کہ لڑکی کے گھر کے اندر جا کر دن بھر اس سے باتیں کیا کرتا اور رات کو اپنے صومعہ میں چلا آتا۔ اس کے بعد پھر شیطان اس کے پاس آیا اور لڑکی کی خوبصورتی اس پر ظاہر کرتا رہا۔ یہاں تک کہ عابد نے لڑکی کے زانو پر ہاتھ مارا اس کے رخسار کا بوسہ لیا۔ پھر روز بروز شیطان لڑکی کو اس کی نظروں میں آرائش دیتا رہا۔ اور اس کے دل پر غلبہ کرتا رہا۔ حتیٰ کہ وہ اس سے ملوث ہو گیا اور لڑکی نے حاملہ ہو کر ایک لڑکا جنم۔ پھر شیطان عابد کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اب یہ بتاؤ کہ اگر اس لڑکی

کے بھائی آگئے اور اس چہ کو دیکھا تو تم کیا کرو گے۔ میں ڈرتا ہوں کہ تم ذلیل ہو جاؤ یا وہ تمہیں رسوا کریں۔ تم اس چہ کو لو اور زمین میں گاڑ دو۔ یہ لڑکی ضرور اس معاملہ کو اپنے بھائیوں سے چھپائے گی۔ اس خوف سے کہ کہیں وہ نہ جان لیں کہ تم نے اس کے ساتھ کیا حرکت کی۔ عابد نے ایسا ہی کیا۔ پھر شیطان نے اس سے کہا کہ کیا تم یقین کرتے ہو کہ یہ لڑکی تمہاری ناشاکہ حرکت کو اپنے بھائیوں سے پوشیدہ رکھے گی۔ ہرگز نہیں۔ تم اس کو بھی پکڑو اور ذبح کر کے بچے کے ساتھ دفن کر دو۔ غرض عابد نے لڑکی کو بھی ذبح کیا اور بچے سمیت گڑھے میں ڈال کر اس پر ایک بڑا بھاری پتھر رکھ دیا۔ اور زمین کو برابر کر کے اپنے عبادت خانہ میں جا کر عبادت کرنے لگا۔ ایک مدت گزرنے کے بعد عورت کے بھائی لڑائی سے واپس آئے اور عابد کے پاس جا کر اپنی بہن کا حال پوچھا۔ عابد نے ان کو اس کے مرنے کی خبر دی۔ اور افسوس ظاہر کر کے رونے لگا اور کہا کہ وہ بڑی نیک بی بی تھی۔ دیکھو یہ اس کی قبر ہے بھائی قبر پر آئے اور اس کے لئے دعائے خیر کی اور روئے اور چند روز اس کی قبر پر رہ کر اپنے لوگوں میں آئے۔ راوی نے کہا جب رات ہوئی اور وہ اپنے بستر پر سوئے، شیطان ان کو خواب میں ایک مسافر آدمی کی صورت بن کر نظر آیا۔ پہلے بڑے بھائی کے پاس گیا اور اس کی بہن کا حال پوچھا۔ اس نے عابد کا اس کے مرنے کی خبر دینا اور اس پر افسوس کرنا اور مقام قبر دکھانا بیان کیا۔ شیطان نے کہا سب جھوٹ ہے۔ تم نے کیونکر اپنی بہن کا معاملہ سچ مان لیا۔ عابد نے تمہاری بہن سے فعل بد کیا وہ حاملہ ہو کر ایک چہ جنی۔ عابد نے تمہارے ڈر کے مارے اس چہ کو اس کی ماں سمیت ذبح کیا۔ اور ایک گڑھا کھود کر دونوں کو ڈال دیا۔ جس گھر میں وہ تھی اس کے اندر داخل ہونے میں گڑھا داہنی جانب پڑتا ہے۔ تم چلو اور اس گھر میں جاؤ تم کو وہاں دونوں ماں بیٹا ایک جگہ ملیں گے۔ جیسا کہ میں تم سے بیان کرتا ہوں۔ پھر شیطان بچھے بھائی کے خواب میں آیا اس سے بھی ایسا ہی کہا۔ پھر چھوٹے کے پاس گیا۔ اس سے بھی یہی گفتگو کی جب صبح ہوئی تو سب لوگ بیدار ہوئے اور یہ تینوں اپنے اپنے خواب سے تعجب میں تھے۔ ہر ایک آپس میں ایک دوسرے سے بیان کرنے لگا۔ کہ میں نے رات عجیب خواب دیکھا۔ سب نے باہم جو کچھ دیکھا تھا بیان کیا بڑے بھائی نے کہا یہ خواب فقط خیال ہے اور کچھ نہیں یہ ذکر چھوڑ دو اور اپنا کام کرو۔ چھوٹا کہنے لگا کہ میں تو جب تک اس مقام کو نہ دیکھ لوں گا باز نہ آؤں گا۔ تینوں بھائی چلے جس گھر میں ان کی بہن رہتی تھی آئے۔ دروازہ کھولا اور جو جگہ ان کو خواب میں بتائی گئی تھی تلاش

کی۔ اور جیسا ان سے کہا گیا تھا اپنی بہن اور اس کے بچے کو ایک گڑھے میں ذبح کیا ہوا پایا۔ انہوں نے عابد سے کل کیفیت دریافت کی عابد نے شیطان کے قول کی اپنے فعل کے بارے میں تصدیق کی۔ انہوں نے اپنے بادشاہ سے جا کر ناش کی عابد صومعے سے نکالا گیا اور اس کو دار پر کھینچنے کے لئے لے چلے۔ جب اس کو دار پر کھڑا کیا گیا شیطان اس کے پاس آیا اور کہا کہ تم نے مجھے پہچانا؟ میں ہی تمہارا وہ ساتھی ہوں جس نے تم کو عورت کے فتنے میں ڈال دیا۔ یہاں تک کہ تم نے اس کو حاملہ کر دیا اور ذبح کر ڈالا۔ اب اگر تم میرا کہنا مانو اور جس خدا نے تم کو پیدا کیا ہے اس کی نافرمانی کرو تو میں تم کو اس بلا سے نجات دوں۔ راوی نے کہا کہ عابد خدا تعالیٰ سے کافر ہو گیا۔ پھر جب عابد نے کفر باللہ کیا شیطان اس کو اس کے ساتھیوں کے قبضہ میں چھوڑ کر چلا گیا۔ انہوں نے اس کو دار پر کھینچا۔ اسی بارے میں یہ آیت نازل ہوئی: کمثل الشیطان اذ قال للانسان اکفر (الحشر پ ۲۸ آیت ۱۶) یعنی شیطان کی مثال ہے کہ انسان سے کہتا ہے کفر کر۔ جب وہ کافر ہو گیا تو کہنے لگا میں تجھ سے الگ ہوں میں اللہ رب العالمین سے خوف کرتا ہوں۔ اس شیطان اور اس کافر دونوں کا انجام یہی ہے کہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور ظلم کرنے والوں کی یہی سزا ہے۔

وہب بن منبہ سے روایت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ایک راہب اپنے صومعے میں خلوت گزیں تھا۔ ابلیس نے اس کا ارادہ کیا تو کچھ قابو نہ چلا اور اس کے پاس ہر ڈھب سے آیا لیکن کسی طرح اس پر قابو نہیں چلا یہاں تک کہ اس کے پاس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شبیہ بن کر آیا۔ راہب نے کہا کہ اگر تو عیسیٰ علیہ السلام ہے تو مجھے تیری کوئی ضرورت نہیں۔ کیا تو نے ہم کو عبادت کرنے کا حکم نہیں کیا اور قیامت کا وعدہ نہیں دیا۔ چل اور اپنا کام کر مجھے تجھ سے کچھ کام نہیں۔ ابلیس لعین چلا گیا اور اسے چھوڑ دیا۔

سالم بن عبد اللہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت نوح علیہ السلام کشتی میں سوار ہوئے تو اس میں ایک انجان بڑھے کو دیکھا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اس سے کہا تو یہاں کیوں آیا؟ اس نے جواب دیا کہ میں تمہارے یاروں کے دلوں کو قابو کرنے آیا ہوں تاکہ ان کے دل میرے ساتھ ہوں اور جسم تمہارے ساتھ۔ حضرت نوح علیہ السلام نے کہا کہ اے خدا کے دشمن نکل جا۔ ابلیس بولا کہ پانچ چیزیں ہیں جن سے میں لوگوں کو ہلاک کرتا ہوں ان میں سے تین تمہیں بتاؤں گا اور دو

تم سے نہ کہوں گا۔ حضرت نوح علیہ السلام کو وحی ہوئی اس سے کہو مجھے تین کی حاجت نہیں وہ دو بیان کر۔ اہلیس نے کہا انہی دو سے میں آدمیوں کو ہلاک کرتا ہوں اور ان کو کوئی جھوٹ نہیں کہہ سکتا۔ ایک حسد کہ اسی کی وجہ سے میں ملعون ہوا اور شیطان مردود کہلایا۔ دوسری حرص کہ آدم کے لئے تمام جنت مباح کر دی گئی۔ میں نے حرص کی بدولت ان سے اپنا کام نکال لیا۔

راوی نے کہا کہ اہلیس حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملا اور کہنے لگا اے موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ نے تم کو اپنی رسالت کے لئے برگزیدہ فرمایا ہے اور تم سے ہم کلام ہوا ہے۔ میں بھی خدا کی مخلوق میں شامل ہوں اور مجھ سے ایک گناہ سرزد ہو گیا۔ اب میں توبہ کرنا چاہتا ہوں۔ آپ میرے پروردگار عزوجل کے پاس میری سفارش کیجئے کہ میری توبہ قبول کرے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ حکم ہوا کہ اے موسیٰ ہم تمہاری حاجت بر لائے۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام شیطان سے ملے اور کہا کہ مجھے ارشاد ہوا ہے کہ تو حضرت آدمؑ کی قبر کو سجدہ کرے۔ تو تیری توبہ قبول ہو۔ شیطان نے انکار کیا اور غصے میں آکر کہنے لگا کہ جب میں نے آدمؑ کو ان کی زندگی میں سجدہ نہ کیا تو اب مرنے پر کیا سجدہ کروں گا۔ پھر شیطان نے کہا کہ اے موسیٰ تم نے جو اپنے پروردگار کے پاس میری سفارش کی ہے اس لئے تمہارا مجھ پر ایک حق ہے تم مجھ کو تین حالتوں میں یاد کیا کرو۔ ایسا نہ ہو کہ تم کو ان تین وقتوں میں ہلاک کر دوں۔ ایک تو غصہ کے وقت مجھ کو یاد کرو کیونکہ میرا دوسرا تمہارے دل میں ہے اور میری آنکھ تمہاری آنکھ میں ہے اور میں تمہارے رگ و پوست میں خون کی طرح دوڑتا پھرتا ہوں۔ دوسرے جہاد و غزائے کی حالت میں میرا خیال کیا کرو کیونکہ میں فرزند آدمی کے پاس اس وقت جاتا ہوں جب وہ کفار سے مقابلہ کرتا ہے اور اس کے بال بچے بی بی گھر والے یاد دلاتا ہوں۔ یہاں تک کہ جہاد سے بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔ تیسرے غیر محرم عورت کے پاس بیٹھنے سے چھتے رہو۔ کیونکہ میں تمہارے پاس اس کا قصد ہوں اور اس کے پاس تمہارا پیا مبر ہوں۔

سعید بن مسیب سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو مبعوث نہیں فرمایا مگر یہ کہ شیطان اس بات سے ناامید نہیں ہوا کہ اس کو عورتوں کے ذریعہ ہلاک کر دے۔

فضیل بن عیاضؒ کہتے ہیں ہم کو اپنے بعض مشائخ سے یہ حدیث پہنچی کہ اہلیس

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس گیا۔ اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے باتیں کرتے تھے شیطان سے فرشتے نے کہا وائے ہو تجھ پر اس حالت میں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے پروردگار سے باتیں کر رہے ہیں تو ان سے کیا خواہش رکھتا ہے۔ جواب دیا کہ میں ان سے وہی خواہش رکھتا ہوں جو اس کے باپ آدم سے بہشت میں چاہا تھا۔

عبدالرحمن بن زیادؓ سے روایت ہے کہ ایک وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کسی مجلس میں بیٹھے تھے اتنے میں ایلین ان کے پاس آیا اور اس کے سر پر کلہ دار ٹوپی تھی۔ جس میں طرح طرح کے رنگ تھے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے قریب ہوا تو ٹوپی اتار ڈالی اور سامنے رکھ لی۔ پھر آکر سلام علیک کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا تو کون ہے؟ بولا میں ایلین ہوں۔ موسیٰ علیہ السلام بولے خدا تجھے زندہ نہ رکھے تو کیوں آیا؟ کہنے لگا میں آپ کو سلام کرنے آیا تھا۔ کیونکہ آپ کا مرتبہ اور آپ کی منزلت اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ وہ کیا چیز ہے جو میں نے تیرے سر پر دیکھتی تھی۔ کہا کہ اس سے اولاد آدم کے دلوں کو لبھالیتا ہوں۔ پوچھا کہ بھلا یہ تو تاکہ وہ کون سا کام ہے جس کے مرتکب ہونے سے تو انسان پر غالب آجاتا ہے۔ جواب دیا کہ جب آدمی اپنی ذات کو بہتر جانتا ہے اور اپنے عمل کو بہت کچھ خیال کرتا ہے اور اپنے گناہوں کو بھول جاتا ہے۔ اے موسیٰ میں تم کو تین باتوں سے ڈراتا ہوں۔ ایک تو غیر محرم عورت کے ساتھ تنہائی میں نہ بیٹھنا۔ کیونکہ جب کوئی شخص غیر محرم کے ساتھ خلوت میں ہوتا ہے تو اس کے ساتھ میں بذات خود ہوتا ہوں میرے ساتھی نہیں ہوتے۔ یہاں تک کہ اس عورت کے ساتھ اس کو فتنے میں ڈال دیتا ہوں۔ دوسرے اللہ تعالیٰ سے جو عہد کرو اس کو پورا کیا کرو۔ کیونکہ جب کوئی اللہ تعالیٰ سے عہد کرتا ہے تو اس کا ہمراہی اپنے ساتھیوں کو چھوڑ کر میں خود ہوتا ہوں یہاں تک کہ اس شخص اور وفاء عہد کے درمیان حائل ہو جاتا ہوں۔ تیسرے جو صدقہ نکالا کرو اسے جاری کر دیا کرو۔ کیونکہ جب کوئی صدقہ نکالتا ہے اور اسے جاری نہیں کرتا تو میں اس صدقہ اور اس کے پورا کرنے کے بیچ میں حائل ہو جاتا ہوں۔ اور یہ کام بذات خود کرتا ہوں۔ اپنے ساتھ والوں سے نہیں لیتا یہ کہہ کر شیطان چل دیا۔ اور تین بار کہا ہائے افسوس موسیٰ نے وہ باتیں جان لیں جن سے بنی آدم کو ڈرائے گا۔ حسن بن صالحؒ کہتے ہیں میں نے سنا ہے کہ شیطان عورت سے کہتا ہے تو

میرا آدھا لشکر ہے اور تو میرے لئے ایسا تیر ہے کہ جس کو مارتا ہوں نشانہ خطا نہیں کرتا۔ اور تو میری بھید کی چیز ہے۔ اور تو میری حاجت بر لانے میں قاصد کا کام دیتی ہے۔

عقیل بن مفضلؒ نے کہا میں نے وہب بن منبہ سے سنا کہ ایک راہب پر شیطان ظاہر ہوا۔ اس نے اس سے پوچھا کہ اولاد آدم علیہ السلام کی کونسی ایسی خصلت ہے جو ان کے بارے میں تیری بہت معاون ہوتی ہے۔ شیطان نے جواب دیا کہ تیزی غضب، جب انسان تند مزاج ہوتا ہے تو ہم شیاطین اس کو اس طرح اٹتے پٹتے ہیں جیسے لڑکے گیند کو لڑھکاتے پھرتے ہیں۔

ثالثؒ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے تو ابلیس اعمین نے اپنے شیاطین کو اصحاب رضی اللہ عنہم کے پاس بھجنا شروع کیا وہ سب کے سب نامر اولوئے اور اپنی کارروائی کے دفتر اسی طرح سادہ لے گئے کچھ ان میں نہیں لکھا تھا۔ شیطان نے ان سے کہا تم کو کیا ہو گیا۔ اس قوم پر کچھ بھی حملہ نہ کر سکے۔ انہوں نے جواب دیا ہم نے ایسے لوگ آج تک نہیں دیکھے ابلیس نے کہا خیر اس وقت ان کو جانے دو۔ اور درگزر کرو۔ عنقریب دنیاوی فتوحات ان کو حاصل ہوں گی اس وقت تم ان سے خاطر خواہ اپنا مطلب نکال لو گے۔

ابو موسیٰ اشعریؒ سے مروی ہے کہ جب صبح ہوتی ہے ابلیس اپنے لشکروں کو منتشر کر دیتا ہے پھر کہتا ہے کہ جو تم میں سے کسی مسلمان کو گمراہ کرے گا میں اس کو تاج پہناؤں گا۔ راوی نے کہا کہ ایک ان میں سے آکر بیان کرتا ہے کہ میں نے فلاں مسلمان سے اس کی بی بی کو طلاق ہی دلو اور چھوڑا۔ ابلیس کہتا ہے عجب نہیں کہ دوسری کر لے ایک اور بیان کرتا ہے کہ میں نے فلاں مسلمان سے اس کے ماں باپ کی نافرمانی ہی کر اور چھوڑی۔ شیطان کہتا ہے عجب نہیں کہ وہ پھر ان کی خدمت کرے گا۔ ایک اور بیان کرتا ہے کہ میں نے فلاں کو شراب پلا کر چھوڑی۔ شیطان کہتا ہے تو نے بڑا کام کیا۔ ایک اور بیان کرتا ہے کہ میں نے فلاں مسلمان کو زنا کر اور چھوڑا۔ شیطان کہتا ہے تو نے بھی بڑا کام کیا۔ ایک اور کہتا ہے کہ میں فلاں سے قتل ہی کر اور چھوڑا۔ شیطان کہتا ہے تو نے بہت ہی بڑا کام کیا۔

حسن کہتے ہیں کہ ایک درخت تھا جس کی لوگ خدا کو چھوڑ کر عبادت کیا کرتے تھے اس درخت پاس ایک آدمی آیا اور کہا کہ میں اس درخت کو ضرور کاٹ ڈالوں

گا۔ یہ کہہ کر خدا کے خوف سے اس نے درخت کاٹنے کا قصد کیا۔ اتنے میں شیطان ایک انسان کی صورت اختیار کر کے اس کے سامنے آیا اور کہا کہ تمہارا کیا ارادہ ہے؟ اس شخص نے جواب دیا کہ اس درخت کو کاٹنا چاہتا ہوں جس کو لوگ خدا چھوڑ کر پوجتے ہیں۔ شیطان نے کہا کہ جب تم اس درخت کی پرستش نہیں کرتے تو دوسروں کی عبادت کرنے سے تمہارا کیا نقصان ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں اس کو ضرور کاٹوں گا۔ شیطان نے کہا کیا تم ایسی چیز چاہتے ہو جو تمہارے لئے بہتر ہو؟ اس درخت کو مت کاٹو۔ تم کو ہر روز علی الصبح دو دینار تکیہ کے نیچے سے ملا کریں گے۔ اس نے کہا تمہاری بات کا ضامن کون ہے؟ شیطان بولا میں خود ذمہ دار ہوں۔ وہ شخص واپس لوٹ آیا۔ اگلے روز صبح کو دو دینار اپنے سر ہانے پائے۔ پھر جو دوسرے دن صبح کو اٹھا تو اسے کچھ نہ ملا۔ غصہ میں آکر درخت کو کاٹنے کے لئے اٹھا۔ شیطان اس کے پاس آدمی کی صورت میں آیا تو کہا تو کیا چاہتا ہے؟ اس نے کہا اس درخت کو کاٹنا چاہتا ہوں۔ جس کی خدا کو چھوڑ عبادت کی جاتی ہے۔ شیطان نے کہا تو جھوٹا ہے تو خدا کے خوف سے اس کو نہیں کاٹتا۔ وہ شخص درخت کو کاٹنے لگا۔ شیطان نے اس کو زمین پر دے مارا۔ اور اس کا گلا گھونٹ دیا۔ قریب تھا کہ اس کا دم نکل جاوے۔ پھر اس سے کہا تو مجھے جانتا ہے کہ میں کون ہوں؟ مجھ کو شیطان کہتے ہیں۔ پہلی بار تو خدا کے واسطے غصہ سے بھرا ہوا آیا تھا تو میں تجھ پر قابو نہ پاسکا۔ اس لئے تجھ کو فریب دیا کہ دو دینار ملا کریں گے۔ تو نے اس کو چھوڑ دیا۔ اب جب کہ تو دیناروں کے لئے غصہ کر کے آیا تو میں تجھ پر غالب ہوا۔

زید بن مجاہد نے کہا کہ ایلیس کی اولاد میں سے پانچ ہیں جن میں سے ہر ایک کو ایک کام پر جس کا اس نے حکم کیا ہے مقرر کر رکھا ہے۔ اور ان کے نام یہ ہیں۔ شبر، اعرور، مسبوط (مسوب)، داسم، زکنبور۔ شبر کے اختیار میں تو مصیبتوں کا کاروبار ہے۔ جن میں لوگ ہائے واویلا کرتے ہیں اور گریبان پھاڑتے ہیں۔ اور اعرور کا حکم ہے لوگوں کو زنا کا مرتکب کرتا ہے اور اسے اچھا کر کے دکھاتا ہے۔ اور مسبوط (مسوب) اس کذب و دروغ پر مامور ہے جسے لوگ کان لگا کر سنیں۔ ایک انسان سے ملا ہے جھوٹی خبر اس کو دیتا ہے۔ وہ شخص لوگوں کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے ایک انسان کو دیکھا جس کی صورت پہچانتا ہوں مگر نام نہیں جانتا مجھ سے ایسا ایسا کہتا تھا۔ اور داسم کا کام یہ ہے کہ آدمی کے ساتھ اس کے گھر میں داخل ہوتا ہے اور گھر والوں کے عیب اس کو دکھاتا ہے اور اس کو ان پر غضب ناک کرتا ہے۔ اور زکنبور بازار کا مختار ہے۔ بازار میں آکر اپنا

جھنڈا گاڑتا ہے۔

مخلد بن حسینؒ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بندوں کو کسی شے کی طرف نہیں بلاتا مگر یہ کہ شیطان اس میں دخل دے کر دو میں سے ایک کام کر گزرتا ہے یا تو وہ اس شے میں افراط کرتے ہیں یا اس سے کوتاہی کرتے ہیں۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ شیطان سب سے نیچے والی زمین میں جکڑا ہوا ہے۔ پھر جب وہ جنبش کرتا ہے تو زمین پر سب شر و فساد جو کہ دو یا زیادہ شخصوں میں پیدا ہوتا ہے وہ اس کی حرکت سے ہوتا ہے۔

مصنفؒ نے کہا میں کہتا ہوں کہ شیطان کے مکر اور فتنے بہت ہیں۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ اس کتاب میں اپنے اپنے موقع پر بیان ہوں گے۔ اور چونکہ شیطان کے فتنے بھرت ہیں اور دلوں کو گھیرے ہوئے ہیں۔ اس لئے انسان کو اس کے مکائد سے بچنا مشکل ہے کیونکہ جو شخص آدمی کو اس کی مرغوب الطبع چیز پر ابھارتا ہے تو وہ ایسا ہے جیسے کشتی کے لئے بہاؤ دہریا کا ہوتا ہے۔ دیکھو کس تیزی سے کشتی رواں ہوتی ہے۔ اور جب کہ ہاروت و ماروت میں خواہش نفسانی کا مادہ پیدا کر دیا گیا تو وہ ضبط نہ کر سکے۔ لہذا جب فرشتے کسی مسلمان کو ایمان پر مارتا ہوا دیکھتے ہیں تو اس کے سلامت بچنے سے تعجب کرتے ہیں۔

عبدالعزیز بن رفیع کہتے ہیں کہ جب بندہ مومن کی روح آسمان پر لے جاتے ہیں تو فرشتے کہتے ہیں سبحان اللہ اس بندے کو خدا نے شیطان سے نجات دی۔ تعجب ہے کہ یہ بے چارہ کیونکر بچ گیا۔

ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان ہے

ان قسیط کہتے ہیں کہ عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ ایک رات رسول اللہ ﷺ ان کے پاس سے اٹھ کر باہر تشریف لے گئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کہتی ہیں مجھ کو رشک ہوا۔ پھر آپ ﷺ میرے پاس آئے تو مجھ کو سوچ میں پایا۔ فرمایا اے عائشہ رضی اللہ عنہا تجھ کو کیا ہوا کیا تجھے رشک ہوا؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ بھلا مجھ ایسی عورت کو آپ ایسے کے بارے میں کیونکر رشک نہ ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے عائشہؓ کیا تجھ پر تیرا شیطان غالب آیا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا میرے ساتھ شیطان ہے؟ فرمایا ہاں

میں نے عرض کیا اور کہا ہر آدمی کے ساتھ شیطان ہے؟ فرمایا ہاں۔ میں نے عرض کیا اور آپ کے ساتھ یا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہاں میرے ساتھ بھی ہے۔ مگر میرے پروردگار عزوجل نے مجھ کو اس پر غالب کر دیا حتیٰ کہ وہ مسلمان ہو گیا۔

مصنف نے کہا یہ حدیث فقط مسلم میں ہے۔ اور دوسرے لفظ میں یوں آئی ہے کہ خدا تعالیٰ نے مجھ کو اس پر غالب کر دیا۔ اس لئے میں اس کے شر سے بچا رہتا ہوں۔ ابو سلیمان خطابی نے کہا عامہ رواۃ لفظ فاسلم کو بصیغہ ماضی غائب کہے ہیں۔ یعنی وہ شیطان مسلمان ہو گیا، مگر سفیان بن عیینہ فاسلم بصیغہ مضارع متکلم کہتے ہیں۔ یعنی میں اس کے شر سے بچا رہتا ہوں۔ سفیان کا قول ہے کہ شیطان مسلمان نہیں ہوتا۔

مصنف نے کہا میں کہتا ہوں کہ ابن عیینہ کا قول حسن ہے اور اس سے ریاضت و محنت کشی کا اثر ظاہر ہوتا ہے کیونکہ شیطان اس کے مخالف ہے۔ لیکن بظاہر عبد اللہ بن مسعودؓ کی حدیث ابن عیینہ کے قول کو رد کرتی ہے۔ چنانچہ عبد اللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی فرد بشر نہیں مگر اس کے ساتھ ایک ہمارا ہی جن اور ایک ہمارا ہی فرشتہ موکل ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ اور آپ ﷺ کے ساتھ یا رسول اللہ ﷺ؟ فرمایا میرے ساتھ بھی۔ مگر اللہ عزوجل نے اس پر مجھے غالب کر دیا اس لئے مجھ کو حق بات کے سوا نہیں بتاتا۔

سالم اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر ایک آدمی کے ساتھ اس کا قرین موکل ہے۔ لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ آپ ﷺ کے ساتھ؟ فرمایا میرے ساتھ بھی ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے مجھ کو اس پر غالب کر دیا۔ لہذا وہ اسلام لے آیا تو اب مجھے نیک کام کے سوا نہیں بتاتا مصنف نے کہا کہ یہ حدیث فقط مسلم میں ہے۔ اور سالم راوی حدیث ابو الجعد کے بیٹے ہیں اور ابو الجعد کا نام رافع ہے۔ حدیث کے ظاہر الفاظ سے شیطان کا اسلام مانا پایا جاتا ہے اور احتمال دوسرے قول کا بھی ہے۔

شیطان آدمی کی رگوں میں خون کی طرح دوڑتا ہے

حضرت ام المومنین صفیہ رضی اللہ عنہا بنت حبشی نے کہا کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ اعکاف میں تھے۔ میں رات کو آپ ﷺ کی زیارت کے لئے گئی اور آپ ﷺ سے باتیں کر کے واپس آنے لگی۔ آپ ﷺ میرے ساتھ مجھ کو گھر پہنچانے کے

لئے ہو لئے۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا مکان اسماء بن زیدؓ کے احاطہ میں تھا۔ اتنے میں دو انصار کے آدمی نمودار ہوئے۔ انہوں نے جب رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تو تیزی کے ساتھ آگے بڑھے۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا ٹھہرو ٹھہرو میرے ساتھ صفیہؓ ہے وہ عرض کرنے لگی یا رسول اللہ ﷺ یہ آپ ﷺ کیا فرماتے ہیں؟ ارشاد فرمایا کہ شیطان انسان کے جسم میں خون کی طرح دوڑتا ہے، میں اس بات سے ڈرا کہ کہیں تمہارے دلوں میں ”خیال فاسد“ یا فرمایا ”کوئی بات“ نہ ڈال دے۔ یہ حدیث صحیحین میں ہے۔ ابو سلیمان خطابی نے کہا کہ اس حدیث میں فقہی بات یہ ہے کہ انسان کو ہر ایسے امر مکروہ سے چپنا مستحب ہے جس سے بدگمانیاں پیدا ہوں اور دلوں میں خطرے گزریں۔ اور چاہیے کہ عیب سے اپنی برائت ظاہر کر کے لوگوں کے طعن سے بچنے کی کوشش کرے۔ اسی بارے میں امام شافعیؒ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اس کا خوف ہوا کہ کہیں ان دونوں انصاریوں کے دل میں کوئی خیال ناقص نہ آوے جس کی وجہ سے وہ کافر ہو جائیں اور یہ آپ ﷺ کا فرمانا ان کی بہتری کے لئے تھا۔ کچھ اپنے نفع کے واسطے نہیں۔

شیطان سے پناہ مانگنے کا بیان

مصنف کہتے ہیں کہ اللہ عز و جل نے ایک تو تلاوت قرآن مجید کے وقت شیطان سے پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا واذا قرأت القرآن فاستعذ بالله الخ (النحل پ ۱۴ آیت ۹۸) یعنی جب تم قرآن شریف پڑھا کرو تو شیطان مردود سے خدا کی پناہ مانگو۔ دوسرے جادو کئے جانے کے وقت چنانچہ ارشاد فرمایا قل اعوذ برب الفلق الخ جب کہ ان دو موقعوں میں شیطان کے شر سے بچنے کا حکم فرمایا تو دوسرے موقعوں کا تو کیا ذکر ہے۔

ابو التیاح کہتے ہیں میں نے عبدالرحمن بن خنیش سے کہا کہ کیا تم نے رسول اللہ ﷺ کی صحبت اٹھائی ہے۔ وہ بولے ہاں۔ میں نے کہا بھلا یہ تو بتاؤ جس رات رسول اللہ ﷺ کے واسطے شیاطین نے مہر گانٹھا تھا تو آپ ﷺ نے کیا کیا تھا؟ انہوں نے جواب دیا کہ شیاطین جنگل کی ٹالیوں سے اور پہاڑوں کی گھاٹیوں سے رسول اللہ ﷺ پر ٹوٹ پڑے تھے۔ اور ان میں سے ایک شیطان اپنے ہاتھ میں آگ کا شعلہ لئے ہوئے تھا۔ چاہتے تھے کہ آپ ﷺ کے چہرہ مبارک کو جلا دے۔ اتنے میں آپ ﷺ کے پاس

حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور کہا یا رسول اللہ ﷺ کہئے۔ فرمایا کیا کہوں کہا یہ دعا پڑھے۔ اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ وَذَرَاءَ وَبِرَّاءٍ وَمِنْ شَرِّ مَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمِنْ شَرِّ مَا يَرْجِعُ فِيْهَا وَمِنْ شَرِّ نَفْسٍ لَّيْلٍ وَالنَّهَارِ وَمِنْ شَرِّ كُلِّ طَارِقٍ الْاُطَارِقَا يَطْرُقُ بِخَيْرٍ يٰ اَرْحَمَ الرَّحْمٰنِ راوی نے بیان کیا کہ اس دعا کے پڑھنے سے شیاطین کی آگ بجھ گئی۔ اور خدا نے ان کو شکست دی۔

عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے ایک کے پاس شیطان آتا ہے اور پوچھتا ہے کہ تم کو کس نے پیدا کیا وہ کہتا ہے خدا نے پھر پوچھتا ہے کہ خدا کو کس نے بنایا۔ پس جب تم میں کسی کے دل میں یہ خیال آئے تو یوں کہنا چاہیے امنت باللہ و رسلہ اس کے کہنے سے یہ خیال جاتا رہے گا۔

عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ فرزند آدم کو شیطان بھی چھوتا ہے اور فرشتہ بھی مس کرتا ہے تو نیکی کی طرف جھکتا ہے اور حق کی تصدیق کرتا ہے۔ جب تمہارے دل میں خیال نیک آئے تو سمجھ لو خدا کی طرف سے ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا شکر کرو۔ اور جب بری بات جی میں آئے تو شیطان سے پناہ مانگو۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی الشیطان یعدکم الفقر و یامرکم بالفحشاء (البقرہ پ ۳ آیت ۲۶۸) الخ شیطان تم کو محتاجی کا وعدہ دیتا ہے اور بری باتیں بتاتا ہے۔ مصنفؒ نے کہا کہ اس حدیث کو جریر نے عطا سے اور عطاء نے ابن مسعودؓ سے موقوفاً روایت کیا ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا رسول اللہ ﷺ حضرت امام حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے لئے تعویذ فرماتے تھے اور اس طرح کہتے تھے اعیذکما بکلمات اللہ التامہ من کل شیطان و ہامتہ و من کل عین لامتہ پھر فرماتے تھے کہ اسی طرح مجھے بے باپ ابراہیم علیہ السلام بھی اسمعیل و اسحاق کے لئے پناہ مانگا کرتے تھے۔ یہ حدیث یحییٰ میں ہے۔ ابو بکر انباری نے کہا ہامہ ہوام کا واحد ہے۔ اور ہامہ اس مخلوق کو کہتے ہیں جو بدی کا قصد کرے اور لامہ معنی ملامہ ہے۔ یعنی رنج دینے والی اور حدیث میں لامہ فقط ہامہ کی مناسبت سے آیا ہے۔ اور زبان پر خفیف ہے۔

ثابتؒ سے روایت ہے کہ مطرف نے کہا کہ میں نے نظر اٹھائی تو دیکھا کہ فرزند آدم اللہ عز و جل اور البیس کے درمیان میں پڑا ہے۔ اگر خدا چاہتا ہے کہ اس کو محفوظ رکھے تو چاہتا ہے اور اگر چھوڑ دیتا ہے تو شیطان اس کو لے جاتا ہے۔

بعض سلف سے حکایت منقول ہے کہ انہوں نے اپنے شاگرد سے کہا کہ جب شیطان گناہ کو تیری نظروں میں آرائش دے گا تو کیا کرے گا؟ اس نے جواب دیا کہ میں اس کو محنت میں ڈالوں گا۔ ان بزرگ نے پھر دو مرتبہ کہا اگر پھر وہ ایسا کرے گا تو تو کیا کرے گا۔ شاگرد نے دونوں مرتبہ کہا اس کو مشقت میں ڈالوں گا۔ بزرگ نے فرمایا کہ یہ بات بہت بڑی ہے یہ بتا کہ اگر تو کسی بحر یوں کے گلے پر گزرے اور گلے کا کتا تجھ پر حملہ کرے اور تجھ کو چلنے سے باز رکھے تو تو کیا کرے گا؟ اس نے کہا میں کتے کو ماروں گا اور بقدر امکان ہٹاؤں گا۔ بزرگ نے کہا یہ تیرے لئے بڑا کام ہے تم کو چاہیے کہ گلے کے مالک کو پکارا کرو وہ تم کو کتے کے شر سے چائے گا۔

مصنف نے کہا میں کہتا ہوں کہ جاننا چاہیے کہ ابلیس کی مثال متقی اور دنیا دار کے ساتھ ایسی ہے جیسے ایک آدمی بیٹھا ہو اور اس کے سامنے کھانا نہ ہو اس پر کتے کا گزر ہو اور اس نے اس کو دھتکارا تو وہ جھٹ چل دیا۔ پھر دوسرے شخص پر گزر اور اس کے آگے کھانا اور گوشت ہے جب وہ اس کو ڈانٹتا ہے تو وہ بھاگتا نہیں۔ پہلی مثال متقی کی ہے کہ اس کے پاس شیطان آتا ہے تو اس کے دور کرنے کے لئے فقط ذکر خدا کافی ہے اور دوسری مثال دنیا دار کی ہے کہ اس سے شیطان جدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ ہر ایک سے ملا جلا رہتا ہے۔

﴿باب چہارم﴾

تلمیس اور غرور کے معانی کا بیان

مصنفؒ نے کہا کہ تلمیس کے معنی باطل کو حق کی صورت میں ظاہر کرنا ہے۔ اور غرور ایک قسم کی نادانی ہے جس کی وجہ سے فاسد عقیدہ صحیح معلوم ہوتا ہے اور ناقص چیز اچھی معلوم ہوتی ہے اور اس نادانی کا سبب فقط کسی ایسے شبہ کا وجود ہے جس سے یہ بات پیدا ہوئی اور ابلیس اپنے حتی المقدور لوگوں کے پاس آتا ہے اور ان پر قابو پانا چاہتا ہے اور اس کا غالب ہونا آدمیوں کی عقل و دانش اور جہل و علم کے موافق کم و بیش ہوتا ہے اور جاننا چاہیے کہ انسان کا دل مثل قلعے کے ہے اور اس قلعے کی ایک چار دیواری ہے۔ اور چار دیواری میں دروازے ہیں اور روزن ہیں۔ اس میں عقل رہتی ہے۔ اور فرشتے اس قلعے میں آتے جاتے رہتے ہیں اور قلعے کے ایک طرف پناہ گاہ ہے۔ اس میں خواہشات اور شیاطین آتے جاتے رہتے ہیں جن کو کوئی نہیں روکتا۔ قلعے والوں اور پناہ گاہ والوں میں لڑائی ہوتی ہے۔ اور شیاطین قلعے کے گرد اگر دگھومتے رہتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ پاسبان غافل ہو جاوے یا کسی روزن سے آڑھٹ جائے تو قلعے میں گھس پڑیں۔ لہذا پاسبانوں کو چاہیے کہ ان کو قلعے کے جن جن دروازوں کے لئے مقرر کیا ہے ان کی خبر گیری رکھیں اور تمام روزنوں کا خیال رکھیں۔ اور پاسبانی سے ایک لحاظ بے خبر نہ ہوں کیونکہ دشمن موقعہ کا منتظر ہے اور بے خبر نہیں۔ (کسی شخص نے حسن بصریؒ سے پوچھا کہ یا حضرت کیا کبھی شیطان سوتا بھی ہے؟ جواب دیا کہ شیطان کو نیند آتی تو ہم لوگوں کو بہت راحت ملتی) پھر وہ قلعہ ذکر خدا سے روشن اور ایمان سے پر نور ہے۔ اس میں ایک جلا کیا ہوا آئینہ ہے جس میں صورتیں نظر آتی ہیں۔ جب شیاطین پناہ گاہ میں بیٹھتے ہیں تو پہلے دھواں کثرت سے کرتے ہیں جس سے قلعے کی دیواریں سیاہ ہو جاتی ہیں۔ اور آئینہ زنگ آلود ہو جاتا ہے۔ یہ دھواں فکر کی ہوا سے زائل ہوتا ہے اور آئینہ پر ذکر الہی صیقل کا کام کرتا ہے۔ دشمن کا حملہ کئی طرح سے ہوتا ہے۔ کبھی تو قلعہ کے اندر آنے لگتا ہے تو پاسبان اس پر حملہ کرتا ہے۔ اور کبھی داخل ہو کر چھپ رہتا ہے۔ اور کبھی پاسبان کی غفلت سے قلعے میں قیام کرتا ہے۔ بسا اوقات دھوئیں کو اڑا دینے والی ہوا ٹھہر جاتی ہے تو قلعے کی دیواریں سیاہ رہتی ہیں اور آئینہ میں زنگ ہوتا ہے تو شیطان

جلد آتا ہے اور اس کو کوئی نہیں جانتا۔ اور اکثر اوقات پاسبان اپنی غفلت کی وجہ سے باہر چلا جاتا ہے، تو قید کر لیا جاتا ہے، اور اس سے شیاطین خدمت لیتے ہیں، اور وہ ہوائے نفسانی کی موافقت کر کے خوش دلی سے لشکر شیاطین میں رہ جاتا ہے اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ شر و فساد کا گرد گھنٹال بن جاتا ہے۔

کسی بزرگ نے کہا میں نے شیطان کو دیکھا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ ایک زمانہ وہ تھا کہ میں لوگوں سے ملتا تھا تو ان کو تعلیم دیتا تھا۔ اب یہ حالت ہے کہ ان سے ملتا ہوں اور خود تعلیم لیتا ہوں۔ اور اکثر اوقات شیطان ہوشمند اور عاقل آدمی پر ہجوم کرتا ہے۔ اور خواہش نفسانی کو ایک دہسن کی صورت میں اس کی نظروں میں جلوہ گر کرتا ہے۔ وہ شخص اس کو دیکھ کر شیطان کی قید میں پھنس جاتا ہے اور زیادہ قوی دشمن جس کی زنجیر میں آدمی جکڑ جاتا ہے جمل و نادانی ہے۔ اس سے کم خواہش نفسانی ہے۔ اس کے بعد ایک دشمن ضعیف غفلت ہے۔ جب تک ایمان کی زرہ مومنوں پر رہتی ہے۔ اس وقت تک دشمن کا تیر کار گر نہیں ہوتا۔

حسن بن صالحؒ کہتے ہیں کہ شیطان آدمی کے لئے ننانوے دروازے نیکی کے کھول دیتا ہے جس سے ایک دروازہ برائی کا مقصود ہوتا ہے۔

اعلمش نے کہا کہ مجھ سے ایک شخص نے بیان کیا جو جنوں سے باتیں کرتا تھا کہ شیاطین باہم گفتگو کرتے تھے کہ جو لوگ سنت نبوی ﷺ کے تابع ہیں۔ وہ ہمارے لئے نہایت سخت ہیں۔ لیکن جو خواہش نفسانی کے بندے ہیں ان کے ساتھ تو ہم کھیلتے ہیں۔

﴿باب پنجم﴾

شیطان کا عقائد و دیانات تلمیس کرنا
سوفسطائیہ کیلئے شیطان کی تلمیس کا بیان

مصنف نے کہا سوفسطائیہ ایک قوم ہے جو ایک شخص کی طرف منسوب ہیں جن کو سوفسطا کہتے ہیں۔ اس قوم کا خیال یہ ہے کہ اشیاء کی کوئی حقیقت نہیں۔ کیونکہ جو چیز ہم دور سے دیکھتے ہیں ممکن ہے کہ جیسی ہم دیکھتے ہیں ویسی ہی ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کے خلاف ہو۔ علماء نے ان پر اعتراض کیا ہے اور پوچھا ہے کہ تمہارے اس قول کی کوئی حقیقت ہے یا نہیں۔ اگر تم کو کچھ حقیقت نہیں اور اس کے بطلان کو جائز رکھو تو ایسا دعویٰ جس کی کوئی حقیقت نہیں کیونکر جائز ہو سکتا ہے۔ اس لئے کہ تم اس قول سے اقرار کرتے ہو کہ تمہاری بات قابل تسلیم نہیں۔ اور اگر تم یہ کہو کہ اس قول کی حقیقت ہے تو تم نے اپنے مذہب کو چھوڑ دیا۔ ان لوگوں کے مذہب کا تذکرہ ابو محمد حسین بن موسیٰ نوبختی نے کتاب ال آراء والدیانات میں کیا ہے اور کہا ہے کہ میں نے اکثر علماء متکلمین کو دیکھا کہ اس جماعت کے بارے میں انہوں نے صریح غلطی کی۔ کیونکہ انہوں نے اس قوم سے بحث و مباحثہ کیا۔ اور دلائل و مناظر سے ان کی تردید کی۔ حالانکہ یہ لوگ حقیقت اور امر اور مشاہدہ ہی کو ثابت نہیں کرتے۔ پھر ایسے شخص سے کیونکر کلام کرے جو کہتا ہے کہ مجھے نہیں معلوم تم مجھ سے کلام کرتے ہو یا نہیں۔ اور ایسا آدمی کس طرح مناظرہ کرتا ہے جو اتنا نہیں جانتا کہ وہ خود موجود ہے یا معدوم۔ اور ایسا انسان کیسے خطاب کرتا ہے جو خطاب کو بمنزلہ سکوت سمجھنے کا دعویٰ کرتا ہے۔ اور صحیح کو مثل فاسد کے خیال کرتا ہے۔ نوبختی نے کہا پھر مناظرہ وہی شخص کرتا ہے جو ایک کا مقرر ہو اور ایک امر کا معترف ہو۔ اور جس کا وہ مقرر ہو اس کو ایسی چیز کی صحت کا سبب قرار دے۔ جس سے وہ منکر ہو۔ لیکن جو شخص اس کا معترف نہ ہو اس کا مجادلہ اعتبار سے ساقط ہے۔

مصنف نے کہا میں کہتا ہوں کہ اس کلام کا ابو الوفاء بن عقیل نے رد کیا اور کہا کہ ایک جماعت کا قول ہے کہ ہم سوفسطائیوں سے کلام کیا کریں۔ کیونکہ زیادہ سے زیادہ یہی ہو سکتا ہے کہ مباحثہ کرنے والا معقول کو محسوس سے ملائے اور شاہد کو پیش

کر کے اس کی وجہ سے غائب پر دلیل لائے۔ حالانکہ یہ لوگ سرے سے محسوسات ہی کے قائل نہیں۔ ابو الوفاء کہتے ہیں اور یہ کلام تنگ حوصلگی ہے۔ یہ نہ چاہیے کہ ان لوگوں کے معالجہ سے مایوس ہو کر فارغ ہو جائیں۔ کیونکہ ان کو جو کچھ خبط ہوا ہے وہ فقط وسوساں سے زیادہ نہیں۔ لہذا ایسا زیبا نہیں کہ ان کے تعرض سے حوصلہ تنگ کیا جاوے۔ کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں۔ جن کو بد گشتی مزاج کا عارضہ لاحق ہو گیا ہے ہماری اور ان کی مثال ایسی ہے جیسے کسی کو خدا نے بھیگا پناہ بخشا۔ وہ ہمیشہ ایک چاند کو دو چاند دیکھتا ہے۔ حتیٰ کہ اس کو اس امر میں کوئی شک و شبہ نہیں رہتا۔ کہ آسمان پر دو چاند ہیں۔ اس سے اس کا باپ کہتا ہے کہ چاند ایک ہی ہے۔ صرف قصور تیری آنکھ کا ہے۔ اپنی عیب دار آنکھ بند کر کے دیکھ۔ جب وہ لڑکا اس طرح کرتا تو کہتا ہے کہ میں ایک چاند اس وجہ سے دیکھتا ہوں کہ ایک آنکھ بند کئے ہوں۔ دوسرا چاند غائب ہو گیا۔ اب اس قول سے ایک اور شبہ پیدا ہو گیا۔ پھر اس کے باپ نے کہا کہ تیرے قول کے مطابق اس وجہ سے ایک چاند جاتا رہا تو اچھی آنکھ بند کر کے نظر کر۔ جب اس نے ایسا کیا تو دو چاند دکھائی دیئے۔ اب اس نے اپنے باپ کی بات کو درست جانا۔

محمد بن عیسیٰ نظام نے کہا کہ صالح بن عبد القدوس کا ایک بیٹا مر گیا۔ اس کے پاس ابو الہذیل کا گزر ہوا۔ میں بھی ان کے ہمراہ تھا۔ اور اس زمانے میں میں لڑکا تھا۔ صالح نے دردناک آواز سے گفتگو کی۔ اس کی حالت متغیر دیکھ کر ابو الہذیل نے کہا کہ مجھ پر تمہارے رنج و غم کی کوئی وجہ نہیں کھلتی۔ کیونکہ تمہارے نزدیک آدمی ایسے ہیں جیسے کھیتی۔ صالح نے جواب دیا کہ اے ابو الہذیل میں بیٹے کا غم محض اس لئے کرتا ہوں کہ اس نے کتاب الشکوہ کو نہ پڑھا۔ ابو الہذیل نے پوچھا کتاب الشکوہ کیا ہے؟ کہنے لگا ایک کتاب ہے جو میں نے تصنیف کی ہے۔ جو اس کو پڑھتا ہے اس کو ہو چکی ہوئی چیزوں میں شک پڑتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کو وہم ہو جاتا ہے کہ نہیں ہوئیں اور جو باتیں نہیں ہوئیں ان میں شبہ ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ خیال کر لیتا ہے کہ ہو چکیں۔ نظام کہتے ہیں میں نے صالح سے کہا کہ پھر اب تم بھی اپنے بیٹے کے مرنے میں شک کرو اور اس پر عمل کرو کہ وہ نہیں مر اگو کہ مر چکا۔ اور شبہ میں پڑ جاؤ کہ اس نے کتاب الشکوہ پڑھ لی اگرچہ نہیں پڑھی۔

ابو القاسم بلخی حکایت کرتے ہیں کہ ایک سوفسطائی شخص کسی متکلم کے پاس آیا جایا کرتا تھا۔ ایک بار ان کے پاس آیا اور مناظرہ کیا۔ ان عالم نے کسی سے کہہ دیا کہ اس

شخص کی سواری کہیں لے جاؤ۔ جب وہ سوفسطائی باہر آیا تو سواری کو نہ پایا۔ عالم کے پاس گیا اور کہنے لگا کہ میری سواری چوری ہو گئی۔ عالم نے جواب دیا کہ یہ کیا کہتے ہو۔ شاید تم سواری پر نہ آئے ہو گے۔ اس نے کہا کیوں نہیں۔ عالم بولے سچ بولو۔ وہ کہنے لگا میں اس امر کا یقین کرتا ہوں علام نے بار بار کہنا شروع کر دیا کہ یاد کر لو۔ وہ کہنے لگا آپ کیا فرماتے ہیں۔ یہ کچھ یاد کرنے کی بات نہیں۔ مجھ کو کامل یقین ہے کہ میں سوار ہو کر آیا ہوں۔ پھر عالم نے کہا پھر تم کیونکر دعویٰ کرتے ہو کہ اشیاء کی کوئی حقیقت نہیں کیونکہ حالت ہیداری اور حالت خواب یکساں ہے سوفسطائی لا جواب ہو اور اپنے مذہب سے رجوع کیا۔

ابو محمد نوبختی نے کہا کہ ایک نادانوں کا گروہ خیال کرتا ہے۔ کہ اشیاء کی حقیقت خاص نہیں بلکہ ہر شے کی حقیقت ہر قوم کے نزدیک ان کے اعتقاد کے موافق ہے مثلاً شہد صفراوی مزاج والے کو تلخ معلوم ہوتا ہے۔ اور دوسروں کو شیریں۔ اسی طرح عالم کو بھی جو لوگ قدیم مانتے ہیں ان کے نزدیک قدیم ہے اور جو حادث جانتے ہیں ان کے نزدیک حادث ہے۔ اور رنگ کو جو لوگ جسم فرض کرتے ہیں ان کے نزدیک جسم ہے۔ اور جو لوگ عارض سمجھتے ہیں ان کے نزدیک عارض ہے۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ اب اگر ہم اعتقاد رکھنے والوں کو بھی معدوم خیال کریں تو یہ اعتقاد رکھنے والے کے وجود پر موقوف ہوگا۔ نوبختی نے کہا یہ لوگ بھی سوفسطائی کی قسم سے ہیں۔ ان کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ یہ تمہارا قول صحیح ہے۔ تو وہ کہیں گے کہ ہاں ہمارے نزدیک صحیح ہے۔ اور ہمارے مخالف کے نزدیک باطل ہے۔ ہم جواب دیں گے کہ تمہارے قول کا صحیح ہونا مردود ہے۔ اور تمہارا یہ اقرار کرنا کہ تمہارا مذہب تمہارے مخالف کے نزدیک باطل ہے تم پر حجت ہے۔ اور جو کسی وجہ سے اپنے قول کے باطل ہونے پر حجت لائے تو اس کا مخالف اس کے فساد مذہب کے ظاہر کرنے میں کافی و غالب ہو جائے گا اور ایک دوسرا جواب اس قوم کا یہ ہے کہ ان سے پوچھا جاوے تم مشاہدہ کے لئے کوئی حقیقت ثابت کرتے ہو یا نہیں۔ اگر وہ کہیں کہ نہیں تو اس کا جواب اول الذکر جماعت میں مذکور ہو چکا اور اگر کہیں کہ مشاہدہ کی حقیقت اعتقاد پر موقوف ہے۔ تو انہوں نے اس سے نفس حقیقت کی نفی کر دی۔ اب ان کے ساتھ وہی کلام ہو گا جو پہلے فرقہ کے ساتھ تھا۔ نوبختی نے کہا اس قوم سے بعض ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ عالم پچھلتا رہتا ہے۔ اور بہتا رہتا ہے۔ ان کا قول ہے کہ انسان ایک شے کو

دوبار ذہن میں نہیں لاسکتا۔ کیونکہ اشیاء ہمیشہ متغیر ہوتی رہتی ہیں۔ ان کو جواب دیا جاتا ہے کہ تم کو یہ علم کہاں سے آگیا حالانکہ تم خود اسی بات کا انکار کرتے ہو جس کی وجہ سے یہ علم آیا۔ دوسرے جب ہم تم میں سے کسی کو جواب دیں گے تو وہ شخص اب نہ ہوگا جس سے ہم نے کلام کیا تھا۔

دہریہ پر شیطان کی تلمیس کا ذکر

مصنفؒ نے کہا ابلیس نے بہت سی مخلوق کو اس وہم میں ڈال دیا ہے کہ نعوذ باللہ کوئی معبود اور صانع نہیں۔ اور یہ اشیاء بغیر کسی موجود کنندہ کے وجود میں آگئیں۔ ان لوگوں نے جب کہ صانع کو حس کے ذریعے سے نہ پایا اور اس کی معرفت کے لئے عقل کو کام میں نہ لائے تو اس کی ہستی کا انکار کر بیٹھے۔ کیا بھلا کوئی عاقل آدمی صانع کے وجود میں شک لاسکتا ہے۔ اگر انسان کا گزر کسی میدان میں ہوتا ہے جہاں کوئی عمارت نہ ہو پھر کبھی دوبارہ وہاں دیوار کھڑی دیکھے تو یقیناً جانے گا کہ اس دیوار کا کوئی بنانے والا ہے۔ پھر کیا یہ فرش زمین اور یہ آسمان بلند اور یہ عجب بنیادیں اور حکمت کے موافق جاری قوانین صانع مطلق پر دلالت نہیں کرتے۔ کسی عرب نے کیا خوب کہا ہے۔ ان البعرة تدل على البعير فھیکل علوی بھدہ اللطافۃ و مرکز سفیلی بھدہ الکشافۃ اما یدلان على اللطیف الخبیر یعنی اونٹ کی مینگنی اونٹ پر دلالت کرتی ہے۔ پھر پیکر علوی اس لطافت سے اور مرکز سفلی اس کثافت سے کیا لطیف و خبیر پر دلالت نہیں کرتے۔ پھر اگر انسان اپنے نفس میں تامل کرے تو اس کے واسطے ایک کافی وشافی دلیل موجود ہے۔ کیونکہ اس جسم انسانی میں حکمتیں ہیں جن کے بیان کی کتاب میں گنجائش نہیں جو شخص غور کرے گا کہ دانت اس لئے تیز ہیں تاکہ ٹکڑے کریں داڑھیں اس لئے چوڑی ہیں کہ پیس ڈالیں اور زبان لقمہ کو الٹی پلٹتی ہے اور جگر طعام پر مسلط ہے۔ اسے پکاتا ہے پھر ہر خارجی حصہ کو بقدر ضرورت غذا پہنچاتا ہے۔ اور ان انگلیوں میں اس لئے گرھیں ہیں تاکہ کھلیں اور بند ہو جائیں اور کام کر سکیں۔ پھر انگلیوں کو ہڈی سے خالی نہ آگوشٹ ہی نہ رکھا۔ کیونکہ اگر پولی ہوتیں تو مضبوط چیز سے انہیں صدمہ پہنچتا اور ٹوٹ جاتیں۔ پھر کوئی انگلی بڑی کوئی چھوٹی بنائی۔ جب سب مل جاتی ہیں تو برابر ہو جاتی ہیں۔ اور بدن انسانی میں اس چیز کو پوشیدہ کیا جس سے بدن قائم ہے۔ وہ نفس ہے جس کے نکل جانے سے بدن فاسد ہو جاتا ہے۔ اور عقل ہے جو مصلحتوں کی ہدایت کرتی

ہے۔ ان چیزوں سے ہر ایک پہ آواز بلند پکار کر کہتی ہے افی اللہ شک کیا خدا کی ہستی میں کوئی شبہ ہے۔ منکرین فقط اس وجہ سے بے راہ ہو گئے کہ انہوں نے خدا کو حس ظاہری کے ذریعے سے طلب کیا۔ بعض لوگوں نے خدا کا اس لئے انکار کیا کہ جس کا وجود اجمالی طور پر ثابت کیا گیا۔ انہوں نے شہابی حیثیت سے اس کا اور اک نہ کیا لہذا اصل ہی سے منکر ہو گئے اور اگر یہ لوگ اپنے غور و فکر کو کام میں لاتے تو جان لیتے کہ خود ہم میں ایسی چیزیں ہیں جن کا اور اک ہم اجمالی طور پر کرتے ہیں جیسے نفس اور عقل۔ حالانکہ کوئی ان کا وجود ثابت کرنے سے باز نہیں رہا اور زیادہ سے زیادہ اتنا ہے کہ خالق کا وجود مجمل طور پر ثابت کیا جاتا ہے۔ اور یہ کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ وہ کیسا ہے وہ کیا ہے۔ جب کہ ان اس کی کوئی کیفیت ہے نہ ماہیت۔ اللہ تعالیٰ کے وجود کے قطعی دلائل میں سے ایک یہ ہے کہ عالم حادث ہے۔ کیونکہ وہ حوادث سے خالی نہیں۔ اور جو چیز کہ حوادث سے نہ جچی ہو وہ حادث ہے۔ اب اس حادث کے حدوث کا کوئی سبب ہونا ضروری ہے۔ وہی سبب خالق سبحانہ و تعالیٰ ہے۔

محدثین زبان درازی سے ہمارے اس قول پر اعتراض کرتے ہیں کہ صنعت کے لئے کوئی صانع ضرور ہوتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ تمہارا اس بارے میں اس دلیل پر دار و مدار ہے اور اسی دلیل سے تم فیصلہ کرتے ہو۔ ہم کہیں گے کہ جس طرح صنعت کے لئے صانع کا ہونا ضروری ہے اسی طرح اس صورت کے لئے جو صانع نے بنائی ایک مادہ کا ہونا ضروری ہے جس میں وہ صورت واقع ہو۔ جیسے لکڑی دروازے کی صورت کے لئے، لوہا کلباڑی کی صورت کے لئے محدین کہتے ہیں کہ اب جس دلیل سے تم نے صانع کا وجود ثابت کیا تھا۔ اسی دلیل سے عالم کا قدیم ہونا لازمی آتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ ہم کو مادہ کی کوئی حاجت نہیں بلکہ ہم کہتے ہیں کہ صانع نے اشیاء کی ایجاد و اختراع کی ہے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ جسم میں صورتیں اور اشکال متحدہ جیسے دولاہ کی صورت اس میں کوئی مادہ نہیں۔ حالانکہ صانع نے اس صورت کو اختراع کیا ہے۔ اور اس کے لئے مصور کا ہونا ضروری ہے۔ اب ہم نے آپ کو ایک ایسی صورت دکھادی جس کا وجود عدم محض سے ہوا۔ اور تم ہم کو کوئی ایسی صنعت نہیں دکھا سکتے جو بغیر کسی صانع کے ظہور میں آئی ہو۔

طبعیات والوں (طبا'عین) پر شیطان کی تلمیس کا ذکر

مصنفؒ نے کہا کہ جب شیطان نے دیکھا کہ صانع کا انکار کرنے میں اس کی بات کم مانی جاتی ہے۔ کیونکہ عقلیں اس بات کی شاہد ہیں کہ مصنوع کے لئے صانع کا ہونا لازم ہے تو چند اقوام کی نگاہوں میں اس عقیدہ کی زینت دی کہ یہ تمام مخلوقات صرف طبیعت کا فعل ہے اور سمجھایا کہ دنیا میں جو اشیاء ہیں وہ سب چاروں طبیعتوں کے اجتماع سے پیدا ہوتی ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ وہ طبیعتیں ہی غافل ہیں۔ جواب اس کا یہ ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ طبا'ع بغیر اجتماع اور باہمی آمیزش کے فعل نہیں کرتیں۔ اور یہ امر خود طبا'ع کی طبیعت کے خلاف ہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ طبا'ع مجبور و مقبور ہیں۔ اور یہ امر مسلم ہے کہ طبا'ع میں حیات اور علم اور قدرت نہیں ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ایک با انتظام اور با قاعدہ فعل کسی عالم و دانا ہی سے سرزد ہوگا۔ پھر جب کوئی چیز خود عالم نہیں وہ دوسرے عالم کا فاعل کب ہو سکتی ہے۔ اور جس میں خود قدرت نہیں وہ ایک قادر کا فاعل کیا ہوگی اگر منکرین کہیں کہ فاعل اگر حکیم و دانا ہوتا تو اس کی عمارت میں خلل نہ پایا جاتا اور یہ موزی حیوانات نہ ہوتے، معلوم ہوا کہ سب کچھ طبیعت سے ہے۔ ہم جواب دیں گے کہ یہ اعتراض تمہیں پر لوٹتا ہے کہ اس سے جو امور با انتظام اور استوار صادر ہوئے۔ طبیعت سے ایسے امور صادر نہیں ہو سکتے۔ اور خلل جو تم کہتے ہو تو ممکن ہے کہ امتحان اور تنبیہ اور سزا کی غرض سے ہو یا اس خلل میں ایسے منافع پوشیدہ ہوں جنہیں ہم نہیں جانتے۔ پھر ہم پوچھتے ہیں کہ ماہ نیسان میں آفتاب کی طبیعت کا اثر کہاں چلا جاتا ہے۔ کہ انواع و اقسام کے غلوں اور میوؤں پر طلوع ہوتا ہے۔ پھر غورہ انگور وغیرہ کو تر کرتا ہے۔ اور گیہوں کا عرق کھینچ کر اس کو خشک کر دیتا ہے۔ اگر آفتاب کا فعل طبعاً ہوتا تو سب کو خشک کر دیتا یا تر کر دیتا۔ اب فاعل مختار کے سوا کوئی نہ رہا جس نے اپنی مرضی کے موافق آفتاب سے کام لیا کہ ایک کو ذخیرہ کے لئے خشک کر دیا اور دوسرے کو کھانے کے لئے تر رکھا۔ اور لطف یہ ہے کہ جس کو حرارت آفتاب نے خشکی پہنچائی ہے وہ غلاف میں ہوتا ہے۔ اور اس کے جسم سے حرارت ملتی نہیں ہوتی۔ اور جس کے جسم سے ملی ہوتی ہے اس کو تر رکھا۔ یعنی گیہوں کو خشک کر دیا اور انگور کو تر پہنچائی۔ پھر وہی حرارت خشکاش کے پھول کو سفید کرتی ہے اور گل لالہ کو سرخ بناتی ہے اور انار کو کھٹ مٹھا رکھتی ہے۔ اور انگور کو ترشی پہنچاتی ہے حالانکہ پانی ایک ہی ہے۔

اور اس کی طرف اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ یسقی بماء واحد و نفضل بعضها علی بعض فی الاکل (الرعد پ ۱۳ آیت ۴) یعنی میوہ جات ایک ہی پانی سے سیراب ہوتے ہیں اور ہم کھانے میں بعض کو بعض پر فوقیت دیتے ہیں۔

شویہ پر شیطان کی تلمیس کا ذکر

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا شویہ وہ قوم ہے۔ جس کا مقولہ ہے کہ صانع عالم دو ہیں ایک فاعل خیر جو نور ہے۔ دوسرا فاعل شر جو ظلمت ہے۔ اور یہ دونوں قدیم ہیں۔ ہمیشہ سے ہیں۔ اور ہمیشہ رہیں گے۔ دونوں قوس حساس سمیع و بصیر ہیں۔ اور دونوں نفس اور صورت میں مختلف ہیں۔ فعل اور تدبیر میں باہم برعکس ہیں۔ جو جو ہر نور ہے وہ صاحب فضل و حسن اوصاف ہے۔ خوشبو اور خوبصورت ہے۔ اور اس کی ذات خیرات و برکت والی اور جو دو کرم والی اور دانا اور نفع رسا ہے۔ اسی سے خیر اور لذت اور سرور اور بہتری ظاہر ہوتی ہے۔ اس میں کسی قسم کی زیاں رسانی اور برائی نہیں۔ جو جو ہر ظلمت ہے وہ اس کے برخلاف ہے۔ اس میں کدورت اور نقص اور گندگی اور بد نمائی ہے۔ اور اس کی ذات مفسد اور کنجوس اور نادان اور زیاں دہ ہے۔ اسی سے جھگڑا اور فساد نکلتا ہے۔ شویہ کا خیال ہے کہ نور ہمیشہ ظلمت کے اوپر رہتا ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ ایک دوسرے کی جانب ہے۔ اور اکثر یہ کہتے ہیں کہ نور ہمیشہ جانب شمال بند ہو تا رہا اور ظلمت جانب جنوب گرتی رہی۔ اور دونوں ہمیشہ ایک دوسرے سے علیحدہ رہے۔ نوبختی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ شویہ کا مقولہ ہے کہ یہ دونوں خدا پانچ پانچ جنس پر منقسم ہیں۔ جن میں سے چار جسم ہیں اور پانچویں روح۔ نور کے چاروں جسم یہ ہیں۔ نار، نور، ہوا، پانی اور روح روشنی ہے۔ جو ان بدنوں میں ہمیشہ متحرک رہتی ہے۔ ظلمت کے چار جسم یہ ہیں۔ سوزش تاریکی، باد، سموم، غبار اور روح دھواں ہے۔ انہوں نے نور کے اجسام کا نام ملائکہ رکھا ہے۔ اور ظلمت کے اجسام کا نام شیاطین رکھا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ظلمت سے شیاطین پیدا ہوتے ہیں اور نور سے ملائکہ تولد پاتے ہیں۔ اور نور کو شر پر قدرت نہیں اور نہ شر اس سے ممکن ہے۔ ظلمت خیر پر قادر نہیں اور نہ خیر اس سے ممکن ہے۔ نوبختی نے ان کے مذاہب نور اور ظلمت کے متعلق مختلف بیان کئے اور لہجہ عقائد ذکر کئے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ ان پر محنت و مشقت فرض ہے اور دن کی خوراک سے زیادہ ذخیرہ نہ جمع کریں۔ بعض کہتے ہیں کہ انسان پر

عمر کے ساتویں حصے کی مدت کے روزے رکھنا اور جھوٹ اور مظل اور جادو اور بت پرستی اور زنا اور چوری چھوڑ دینا فرض ہے۔ اور کسی ذی روح کو ایذا نہ دینی چاہیے۔ اس بارے میں ان کے مذاہب ہیں۔ جو انہوں نے اپنے خیالات ناقصہ سے ایجاد کر لئے ہیں۔

یحییٰ بن بشر نہادندی نے ذکر کیا ہے کہ ان میں سے ایک قوم ہے۔ جن کو دیصانیہ کہتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ عالم کی طینت سخت و درشت تھی۔ وہ طینت ایک زمانے تک جسم باری تعالیٰ میں جس کو تار کہتے ہیں۔ حلول کئے رہی۔ باری تعالیٰ نے اس سے تکلیف پائی۔ جب اس کو ایک زمانہ گزرا تو اس نے اپنے جسم سے اس طینت کو جدا کرنا چاہا وہ جسم طینت میں مل گیا اور گڈ ہو گیا۔ اسی جسم اور طینت سے یہ عالم مرکب ہوا جو کہ نوری اور ظلمی ہے۔ اب جو کچھ صلاح کی قسم سے ہوتا ہے وہ نور کی طرف سے ہے اور جو فساد کی قسم سے ہو وہ ظلمت کی جانب سے ہوتا ہے۔ جن لوگوں کا یہ عقیدہ ہے وہ آدمیوں کو قتل کرتے اور آزار پہنچاتے ہیں۔ اور اپنے لچر مذہب کی رو سے خیال کرتے ہیں کہ اس حرکت سے نور کو ظلمت سے جدا کرتے ہیں۔ ان کو اس عقیدہ پر جس نے مجبور کیا وہ یہ ہے کہ انہوں نے عالم میں شر اور اختلاف دیکھا۔ لہذا سمجھ گئے کہ ایک اصل سے دو متضاد چیزیں ظاہر نہیں ہو سکتیں اور جس طرح آگ میں گرمی اور سردی جمع نہیں ہو سکتیں۔ علماء نے ان کے اس کے قول کا کہ صانع عالم دو ہیں یوں رد کیا ہے کہ اگر خدا دو ہوتے تو ضرور ہے کہ دونوں یا قادر ہوتے یا عاجز یا ایک قادر ہوتا اور دوسرا عاجز۔ اب یہ تو ممکن نہیں کہ دونوں عاجز ہوں کیونکہ عجز کے ساتھ الہیت کا ثبوت نہیں ہو سکتا اور یہ بھی جائز نہیں کہ دونوں میں سے ایک عاجز ہو۔ لہذا ایک صورت باقی رہ گئی کہ دونوں قادر ہوں۔ اب ذہن میں آتا ہے کہ دونوں میں سے ایک قادر کسی جسم میں ایک حالت میں حرکت دینا چاہتا ہے اور دوسرا اس کے سکوں کا خواہاں ہے۔ یہ دونوں جس امر کا ارادہ کرتے ہیں۔ اس کا ظہور میں آنا محال ہے۔ کیونکہ اگر ایک مراد پوری ہوگی تو دوسرے کا عجز ثابت ہوگا۔ ثبوت یہ کے اس مقولہ کا کہ فاعل خیر نور ہے اور فاعل شر ظلمت ہے، علماء نے یوں رد کیا ہے کہ اگر کوئی مظلوم بھاگ کر ظلمت سے پناہ لے تو یہ خیر ہے جو شر سے صادر ہوئی۔ اس قوم سے کلام کرنے میں نفس کو راغب نہ کرنا چاہیے کیونکہ ان کے مذہب محض خرافات ہیں۔ جن کی اصل نہیں ہے۔

فلاسفہ اور ان کے تابعین پر شیطان کی تلمیس کا ذکر

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ شیطان نے فلاسفہ کو دھوکہ دینے پر اس جہت سے قابو پایا کہ یہ لوگ فقط اپنی رایوں اور عقلوں کے ہو رہے۔ اور اپنے خیالات کے مطابق گفتگو کی۔ انبیاء علیہم السلام کی طرف متوجہ نہیں ہوئے۔ ان میں سے بعض وہ ہیں جو دھریہ فرقہ کے ہم مشرب ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ عالم کا کوئی صانع نہیں۔ فلاسفہ کا یہ مقولہ نوبختی وغیرہ نے ان کی کتابوں سے نقل کیا۔

یحییٰ بن بثر نہاوندی نے ذکر کیا اور ارسطاطالیس اور اس کے اصحاب کا خیال ہے کہ زمین ایک ستارہ ہے جو کہ آسمان کے جوف میں ہے اور ہر ایک ستارے میں اس زمین کی طرح کے عالم ہیں اور درخت اور نہریں ہیں جیسے کہ زمین میں ہے اور یہ فرقہ صانع نہیں مانتا اور ان میں سے اکثر وہ ہیں جو عالم کے لئے علت قدیمہ ثابت کرتے ہیں۔ پھر عالم کو قدیم کہتے ہیں اور قائل ہیں کہ عالم ہمیشہ خدا تعالیٰ کے ساتھ موجود اور اس کا معمول رہا۔ اس کے وجود سے پیچھے نہیں ہٹا۔ اس کے ساتھ ساتھ ایسا رہا جیسے کہ معلول علت کے ساتھ رہنا اور نور شمس کے ساتھ لازم ہے اور یہ لزوم بالزمان نہیں۔ بلکہ بالذات اور بالرتبہ ہے۔ اس گروہ کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ تم قدیم ارادہ کی جہت سے عالم کے حادث ہونے کا انکار کیوں کرتے ہو۔ کیونکہ ارادہ قدیمہ اس عالم کے اسی وقت موجود ہونے کو چاہتا تھا۔ جس وقت یہ عالم پایا گیا۔ پھر اگر وہ کہیں کہ اس سے لازم آتا ہے کہ وجود باری اور وجود مخلوقات میں ایک زمانہ ہو تو ہم جواب دیں گے کہ زمانہ خود مخلوق ہے اور زمانہ سے پہلے کوئی زمانہ نہیں۔ پھر اس قوم سے کہا جاتا ہے کہ تم یہ بتاؤ کہ آیا خدا میں یہ قدرت ہے کہ آسمان کے دل کو موجودہ بلندی سے ایک آدھ ہاتھ کم زیادہ کر دے۔ اگر وہ یہ کہیں کہ یہ بات ممکن نہیں تو یہ ایک تو خدا کے عاجز بنانا ہے دوسرے جس چیز کا بڑھنا گھٹنا ممکن نہ ہو اس کا اپنی اصلی حالت پر موجود رہنا واجب ہے۔ نہ ممکن۔ اور جو چیز واجب ہوتی ہے وہ علت سے مستغنی ہے۔ ان لوگوں نے جو یوں کہا کہ خدا تعالیٰ عالم کا صانع ہے تو دراصل اپنا مذہب چھپانا ہے۔ عالم کا مصنوع ہونا ان کے خیال میں جائز ہے حقیقت میں نہیں کیونکہ فاعل اپنے فعل میں ارادہ کرنے والا ہوتا ہے۔ اور ان کے نزدیک عالم کا ظہور ضروری ہے۔ خدا کے فعل سے نہیں ہے۔ اس فرقہ کے مذاہب میں سے یہ بھی ہے کہ عالم ہمیشہ رہے گا جس طرح اس کی ابتدا

نہیں اسی طرح اس کی انتہا بھی نہیں ہے۔ کیونکہ عالم علت قدیمہ کا معلول ہے۔ اور معلول اپنی علت کے ساتھ پایا جاتا ہے اور جب عالم ممکن الوجود ہوا تو نہ قدیم ہوگا اور نہ معلول ہوگا۔ جالینوس نے کہا ہے کہ مثلاً فرض کرو اگر آفتاب قابل انعدام تو اس قدر مدت دراز میں اس پر پڑمردگی ظاہر ہوتی ہے۔ اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ بہت سی چیزوں میں پڑمردگی نہیں آتی۔ بلکہ یکایک فاسد ہو جاتی ہے۔ علاوہ ازیں تم نے کیونکر جان لیا کہ آفتاب میں پڑمردگی اور کمی نہیں آئی۔ کیونکہ آفتاب فلاسفہ کے نزدیک زمین سے ایک سو ستر حصے یا اس سے کم و بیش بڑا ہے۔ پھر اگر اس میں سے پہاڑوں کے برابر کم بھی ہو جائے تو وہ حس سے معلوم نہ ہوگا۔ پھر ہم جانتے ہیں کہ یا قوت اور سونا فاسد ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ برسوں تک باقی رہتے ہیں۔ اور ان کا نقصان محسوس نہیں ہوتا۔ پس ظاہر ہوا کہ ایجاد اور اعدام اسی قادر کے ارادہ سے ہے جو اپنی ذات میں تغیر سے پاک ہے اور اس کی کوئی صفت حادث نہیں، فقط اس کا فعل متغیر ہوتا ہے۔ جو ارادہ قدیمہ کے متعلق ہے۔

ابو محمد نوبختی نے کتاب الاروالدیانات میں نقل کیا ہے کہ سقراط کا خیال ہے کہ اشیاء کے اصول تین ہیں۔ علت فاعلی، عنصر اور صورت۔ وہ کہتا ہے کہ اللہ عزوجل تو عقل ہے اور عنصر کون و فساد کا موضوع اول ہے۔ اور صورت جسم نہیں بلکہ جوہر ہے۔ اسی فرقہ میں سے دوسرے کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ علت فاعلی ہے اور عنصر منفعل ہے۔ تیسرا کہتا ہے کہ عقل نے اشیاء کو اسی ترتیب کے ساتھ مرتب کیا ہے۔ چوتھے کا مقولہ ہے کہ عقل نے ترتیب نہیں دی بلکہ طبیعت کا فعل ہے۔

یحییٰ بن بکر نہماندی نے نقل کیا کہ فلاسفہ میں سے ایک قوم کا قول ہے کہ جب ہم نے عالم کو مجتمع اور متفرق اور متحرک اور ساکن دیکھا تو جان لیا کہ وہ حادث ہے اور حادث کے لئے کسی محدث کا ہونا ضروری ہے۔ پھر ہم نے دیکھا کہ آدمی پانی میں جا گرتا ہے اور اچھی طرح تیرنا نہیں جانتا۔ لہذا اس صانع و مدبر سے فریاد کرتا ہے۔ مگر وہ اس کی فریاد سی نہیں کرتا۔ اسی طرح کوئی آگ میں گر پڑتا ہے تو ہم نے معلوم کر لیا کہ صانع معدوم ہے۔ یحییٰ نے کہا کہ عدم صانع کے بارے میں یہ لوگ تین فریق ہیں۔ ایک فرقہ کا تو خیال ہے کہ جب صانع نے عالم کو کامل اور تمام کر دیا تو اس کو اچھا معلوم ہوا۔ اس لئے وہ ڈر کر کہیں اس میں زیادتی یا کمی نہ آجائے۔ جس سے وہ فاسد ہو جائے۔ اس خوف سے اس نے اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالا۔ اور عالم اس سے خالی ہو گیا۔ اور تمام

احکام حیوانات اور عالم کے مطبوعات میں جاری حسب اتفاق باقی رہ گئے۔ دوسرا فرقہ کہتا ہے کہ ایسا نہیں بلکہ باری تعالیٰ کی ذات میں ایک شور و غوغا ظاہر ہوا۔ اس لئے اس کی قوت مجذب ہوتی رہی۔ اور نور گھٹتا رہا حتیٰ کہ وہ نور اور قوت اس شور و فریاد میں آ گئے۔ اسی شور کو عالم کہتے ہیں۔ باری تعالیٰ کا نور بجو گیا اور اس میں سے ایک محدود رہ گیا۔ اور ان لوگوں کا گمان ہے کہ عالم میں سے نور جذب ہو کر اسی کی طرف جائے گا۔ پھر وہ جیسا تھا ویسا ہی ہو جائے گا۔ اور چونکہ وہ اپنی مخلوقات کی کارپردازی سے کمزور تھا، اس لئے ان کا کاروبار مہمل چھوڑ دیا۔ اس لئے جو رد ظلم شائع ہو گیا۔ تیسرا فرقہ گمان کرتا ہے، یوں نہیں بلکہ باری تعالیٰ نے جب عالم کو استوار کیا تو اس کے اجزاء عالم میں متفرق ہو گئے۔ اور عالم میں جو قوت ہے، وہ جو ہر لا ہوتی سے ہے۔

مصنفؒ نے کہا، یہاں تک جو کچھ ذکر ہوا وہ یحییٰ بن بشر نے بیان کیا ہے، جس کو میں نے نظامیہ میں ایک نسخہ سے نقل کیا، جو دو سو بیس برس قبل لکھا گیا تھا اور اس کے نقل کرنے سے اہلیس کی تلمیس کا بیان مقصود نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ کی تعظیم کے سبب سے اس بیان سے روگردانی بہتر ہوتی۔ ایسے ناشائستہ عقائد کا ذکر کرنا زیبا نہیں۔ لیکن ہم نے اس کے ذکر کرنے میں فائدہ کی صورت بیان کر دی۔

اکثر فلاسفہ اس طرف گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو کچھ علم نہیں فقط اپنی ذات کا علم ہے حالانکہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ مخلوق کو اپنی ذات کا علم ہے اور اپنے خالق کا بھی علم ہے تو گویا انہوں نے مخلوق کا رتبہ خالق سے بڑھا دیا۔ مصنف نے کہا اتنی ہی بات سے اس عقیدہ کی رسوائی ظاہر ہو گئی۔ زیادہ کلام کرنے کی ضرورت نہیں۔ غور کا مقام ہے کہ ان احمقوں کو اہلیس نے ایسا فریب دیا۔ بلا جودیکہ یہ لوگ کمال عقل کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اس عقیدہ میں شیخ ابو علی سینا ان کے خلاف ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یہ بات نہیں بلکہ خدا کو اپنے نفس کا علم ہے اور اشیاء کلیہ کا بھی علم ہے۔ لیکن جزئیات کا علم نہیں۔ اس مذہب کو معتزلہ نے بھی ان لوگوں سے لیا ہے۔ گویا انہوں نے معلومات زیادہ مبہم پہنچائیں۔ الحمد للہ کہ خدا تعالیٰ نے ہم کو اس جماعت میں داخل کیا۔ جو ذات باری تعالیٰ سے جہل اور نقص کو دور کرتی ہے اور ہم اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پر ایمان لائے لا یعلم من خلق (الملک پ ۲۹ آیت ۱۱۴) یعنی کیا اللہ تعالیٰ کو مخلوق کا علم نہیں۔ وقولہ و یعلم ما فی البر والبحر (الانعام پ ۷۹ آیت ۵۹) یعنی اللہ تعالیٰ کو بحر و بر کی ہر چیز کا علم ہے۔ کوئی پتہ درخت سے نہیں گرتا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور معتزلہ اس طرف

گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا علم اور اس کی قدرت خود اس کی ذات ہی ہے۔ یہ عقیدہ اسی لئے رکھا تاکہ دو قدیم ثابت نہ کرنا پڑیں۔ جواب اس قوم کا یہ ہے کہ قدیم فقط ایک ذات ہے۔ جو صفات کمالیہ سے موصوف ہے۔

مصنفؒ نے کہا کہ مرنے کے بعد اٹھنے سے اور روحوں کے بدنوں میں اوثائے جانے سے اور بہشت و دوزخ کے جسمانی ہونے سے فلاسفہ نے انکار کیا ہے اور کہتے ہیں کہ یہ فقط مثالیں ہیں۔ جو عوام الناس کے لئے بیان کی گئی ہیں۔ تاکہ عذاب و ثواب روحانی سمجھ میں آجائے اور خیال کیا ہے کہ نفس بعد موت کے ہمیشہ کے لئے زندہ رہتا ہے۔ یا تو ایسی لذت میں ہوتا ہے جو بیان میں نہیں آسکتی وہ کامل نفوس ہیں جو گناہوں میں آلودہ ہوتے ہیں اور اس تکلیف کے درجے لوگوں کے اندازوں کے موافق کم و بیش ہوا کرتے ہیں اور کبھی بعض نفوس سے یہ تکلیف مٹ بھی جاتی اور دور بھی ہو جاتی ہے اس قوم کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ موت کے بعد وجود نفس کے ہم منکر نہیں اور اسی واسطے نفس کے عود کو اعادہ کہتے ہیں اور نہ اس سے انکار کرتے ہیں کہ نفس کے لئے راحت اور رنج ہے۔ مگر یہ بتاؤ کہ حشر اجساد کو کونسی چیز مانع ہے اور ہم بہشت و دوزخ میں لذات جسمانی کا کیونکر انکار کریں۔ جب کہ شریعت نے ہم کو اس کی تعلیم دی۔ لہذا ہم سعادت و شقاوت روحانی و جسمانی دونوں پر ایمان لاتے ہیں اور لیکن تم جو حقائق کو مقام امثال میں قائم کرتے ہو۔ یہ بلا دلیل زبردستی ہے۔ پھر اگر وہ کہیں کہ ابدان کا بعد ریزہ ریزہ اور معدوم ہونے کے پایا جانا محال ہے تو ہم جواب دیں گے کہ قدرت کے سامنے کوئی بات بعید نہیں۔ علاوہ اس کے انسان اپنی ذات میں انسان ہے اب اگر اس خاک کے سوا جس سے وہ پیدا ہوا ہے دوسری خاک کا بدن اس کے لئے بنا دیا جاوے تو انسان انسانیت سے خارج نہیں ہوگا۔ چنانچہ اس کے اجزاء خوردی سے بزرگی کی طرف اور لاغری سے فرہی کی جانب بدلتے رہتے ہیں اور اگر وہ کہیں کہ بدن وہ بدن نہیں رہا جب کہ ایک حالت سے دوسری حالت میں ترقی کر گیا حتیٰ کہ رگ و پوست بن گیا تو ہم جواب دیں گے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت مفہوم مشاہد پر موقوف نہیں۔

مصنفؒ نے کہا کہ ہم کو ہمارے نبی ﷺ نے خبر دی ہے کہ اجساد قبل از بعث قبروں سے اگیں گے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دونوں نفخوں کے درمیان چالیس دن کا زمانہ ہوگا۔ لوگوں نے کہا اے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کیا چالیس دن کا زمانہ ہوگا؟ جواب دیا مجھے یاد نہیں۔ پوچھا گیا

چالیس مہینے ہوں گے؟ کہا، خیال نہیں۔ سوال کیا، کیا چالیس برس کی مدت ہوگی؟ جواب دیا، مجھے دھیان نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی برسائے گا تو تم اس طرح آگے جیسے سبزہ اگتا ہے اور فرمایا کہ انسان کو ہر چیز بوسیدہ ہو جاتی ہے مگر صرف ایک ہڈی باقی رہتی ہے اور وہ ہڈی دم گزے کی ہے (کمر کا آخری حصہ) اسی سے قیامت کے دن خلقت مرکب ہوگی یہ حدیث بخاری و مسلم میں ہے۔

مصنفؒ نے کہا کہ ایلیس نے ہمارے مذہب والوں میں سے چند قوموں پر تلپیس کی تو ان پر ان کی ذکاوت اور ذہن اور عقول کی راہ میں سے داخل ہوا۔ ان کو سمجھایا کہ فلاسفہ ہی کی پیروی ثواب ہے۔ کیونکہ ان لوگوں سے ایسے ایسے افعال اور اقوال صادر ہوئے جو نہایت ذکا اور کمال عقل پر دلالت کرتے ہیں۔ یہ لوگ ہمیشہ سقراط و بقراط و افلاطون و ارسطاطالیس و جالینوس کی حکمت میں پڑے رہتے ہیں۔ حالانکہ ان علماء پر فقط علوم ہندسہ و منطق و طبیعیات کا دار و مدار ہے۔ اور انہوں نے اپنی عقل سے پوشیدہ امور نکالے ہیں۔ لیکن جب انہوں نے الہیات میں گفتگو کی تو گڈمڈ کر دیا اور اسی وجہ سے ان میں اختلاف پڑا اور حساب و ہندسہ میں خلاف نہ ہوا۔ ہم نے ان کی تخلیط کامیان ان کے عقائد میں کیا ہے اور ان کی تخلیط کا سبب یہ ہے کہ بھری قوتیں علوم الہیہ کو فقط اجمالی طور پر اور اک کر سکتی ہیں اور اس اور اک کے لئے شرائع کی جانب رجوع کرنا پڑتا ہے اور ان متاخرین کے لئے امثال میں بیان کیا گیا کہ حکماء متقدمین صانع کے منکر تھے اور شرائع کو دور کر دیتے تھے بلکہ ان کو ابلہ فریبی اور دھوکہ دہی سمجھتے تھے۔ پس متاخرین نے ان کے خیالات کی تصدیق کی انہوں نے شعار دین کو چھوڑ دیا۔ نمازوں کو مہمل اور بیکار سمجھا۔ ممنوعات کے مرتکب ہوئے اور حدود شریعت کو ناچیز جانا اور اسلام کی پابندی ترک کر دی۔ ان لوگوں کی بہ نسبت یہود و نصاریٰ اپنے عقائد میں معذور ہیں کیونکہ وہ اپنی شرائع کے پابند ہیں۔ جن پر معجزات دلالت کرتے ہیں۔ اور اہل بدعت بھی معذور ہیں کیونکہ وہ اولیٰ شریعہ میں غور و فکر کا دعویٰ کرتے ہیں اور ان لوگوں کے کفریات کی کچھ بھی سند نہیں ہے۔ بجز اس کے کہ وہ جانتے ہیں کہ فلاسفہ حکماء تھے۔ افسوس ان کو یہ خبر نہیں ہے کہ انبیاء علیہم السلام حکماء بھی ہیں اور حکماء سے زیادہ بھی ہیں اور ان لوگوں کو جو حکماء سے انکار صانع کی خبر ملی ہے تو محض دروغ اور محال ہے کیونکہ ان میں سے صانع کو ثابت کرتے ہیں اور نبوتوں کے منکر نہیں۔ الا آنکہ اس میں غور کرنا بیکار جانا۔ ان میں سے معدودے چند بچے کہ دہریہ کے

تابع ہو گئے۔ جن کی فہموں کا فساد کئی مرتبہ ظاہر کیا جا چکا ہے۔ کہ ہم نے اپنی امت کے تفلسف پیشوں میں سے اکثر کو دیکھا کہ ان کے اس تفلسف سے بجز سرگردانی کے کچھ حاصل نہیں ہوا۔ اب نہ وہ مقتضائے فلسفہ ہی سمجھتے ہیں اور نہ مقتضائے اسلام جانتے ہیں۔ بلکہ بہت سے ان میں ایسے ہیں جو روزہ رکھتے ہیں نماز پڑھتے ہیں اور پھر خالق اور نبوتوں پر اعتراض کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اور حشر اجساد کے انکار میں بحث کرتے ہیں اور جس کو دیکھئے کہ فقر و فاقہ کی مصیبت میں گرفتار ہے۔ وہ عام طور پر قضا و قدرت سے ناراض ہے حتیٰ کہ مجھ سے بعض متفلسف نے کہا کہ ہم تو اسی سے محاصمہ کرتے ہیں۔ جو آسمان پر ہے اور اس بارے میں بہت سے اشعار پڑھتا تھا۔ چنانچہ ان میں سے ایک شعر کا ترجمہ یہ ہے۔ جو دنیا کی صف میں ہے کیا تم دنیا کو کسی صانع کی صنعت خیال کرتے ہو یا تم اس کو ایسا تیر سمجھتے ہو۔ جس کا کوئی پھینکنے والا نہیں۔ انہی میں سے چند شعروں کا ترجمہ یہ ہے کہ افسوس دنیا میں ہمارے لئے بھلائی کا نہ اختیار پیش کرتا ہے۔ نہ علم سے حاصل ہوتی ہے۔ پھر تحصیل سے کیا فائدہ ہے۔ ہم زمانے کے ہاتھوں سے ایسی مصیبت میں گرفتار ہیں جس سے نہ عقل ہی نجات دے سکتی ہے اور نہ نرمی اور نہ تند خوئی۔ ہم ایسی تاریکیوں میں پڑے ہیں جن میں نہ کوئی چاند چمکتا ہے نہ آفتاب روشن ہے اور نہ کوئی چنگاری سلگتی ہے۔ ہم سر اسیمہ و حیران ہیں۔ جمل نے ہم کو گھیر رکھا ہے جو کہ ہم پر ترش روئی کرتا ہے۔ بے شک زمانے میں عمل کرنا محض بیکار ہے اور کسی قسم کی گفتگو کرنا بالکل ہوس ہے۔

چونکہ ہمارے زمانے سے فلاسفہ اور رہبان دونوں کا زمانہ قریب ہے۔ لہذا ہمارے اہل سنت میں سے بعض نے تو ان کا دامن پکڑ لیا اور بعض نے ان کی اطاعت کی اسی لئے تم اکثر احمقوں کو دیکھتے ہو کہ جب وہ اعتقاد کے باب میں غور کرتے ہیں تو تفلسف میں پڑ جاتے ہیں اور جب زہد کے بارے میں فکر کرتے ہیں تو راہب بن جاتے ہیں۔ پس ہم اللہ تعالیٰ سے التجا کرتے ہیں کہ ہم کو ہمارے مذہب پر قائم رکھے اور ہمارے دشمن سے ہمیں بچائے۔

ہیکل پرستوں پر ابلیس کی تلمیس کا بیان

ہیکل پرست وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ علوی روحانیت میں سے ہر ایک روحانی کے لئے ایک پیکر ہے۔ یعنی اجرام فلکی میں سے ایک جرم اس کی صورت ہے۔

اور ایک روحانی کی طرف جو اس کے ساتھ مختص ہے۔ منسوب ہے۔ جس طرح ہماری روحوں کی نسبت ہمارے لبدان کی جانب ہے۔ وہی روحانی اس کا مدبر ہے۔ اور وہی اس میں تصرف کرتا ہے۔ منجملہ ہیاکل علویہ کے ثلثت اور سیارے ہیں۔ اس گروہ کا قول ہے کہ ہماری رسائی خاص روحانی تک نہیں ہو سکتی۔ اس لئے ہم اس کے پیکر کی پرستش کرتے ہیں۔ اور اس پر چڑھاوے چڑھاتے ہیں۔ اس قوم کا دوسرا فریق کہتا ہے کہ ہر پیکر آسمانی کے لئے اسی کی صورت اور جوہر کا ایک شخص اشخاص سفلی میں سے ہے۔ لہذا اس فریق نے صورتیں بنائی ہیں اور مت تراشے ہیں اور ان کے لئے مکان تیار کئے ہیں۔

یجی بن بشیر نہادندی نے ذکر کیا ایک قوم کا قول ہے کہ سات ستارے زحل، مشتری، مریخ، شمس، زہرہ، عطارد اور قمر اس عالم کے مدبر ہیں۔ اور ملاء اعلیٰ کے حکم سے صدور پاتے ہیں۔ اس قوم نے ان ستاروں کی صورتوں پر بت نصب کئے ہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک کے لئے ایک حیوان کا جو اس سے مشابہ ہے چڑھاوا مقرر کیا ہے۔

زحل کے واسطے ایک بت کو رچشم سسے کا بنایا ہے۔ اس پر ایک بوڑھا بیل چڑھایا جاتا ہے۔ اس بیل کو ایک گڑھے کے پاس لاتے ہیں جو نیچے کھودا ہوتا ہے۔ اس گڑھے کے اوپر لوہے کی درازیں ہوتی ہیں بیل کو مارتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ اس گڑھے میں داخل ہوتا ہے اور ان درازوں پر چلتا ہے جس سے اس کے ہاتھ پاؤں جکڑ جاتے ہیں۔ پھر اس کے تلے آگ روشن کی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ بیل جل کر رہ جاتا ہے۔ نیاز چڑھانے والے کہتے ہیں کہ اے معبود نابینا تو پاک ہے۔ تیری طبیعت میں وہ شر ہے کہ کبھی نیکی نہیں کرتا۔ ہم نے تجھ پر وہ چیز چڑھائی جو تجھ سے مشابہ ہے۔ ہم سے اس کو قبول کر اور اپنے شر اور اپنے ارواح خبیثہ کی برائی سے ہم کو بچا۔

مشتری پر ایک شیر خوار لڑکا چڑھاتے ہیں۔ اس کا طریق یہ ہے کہ ایک لونڈی خریدتے ہیں۔ اس سے ساتوں بتوں کے مجاور و طی کرتے ہیں۔ وہ حاملہ ہو جاتی ہے۔ وضع حمل تک اس کو نہیں چھیڑتے۔ اس کے بعد ملاتے ہیں۔ آٹھ روز کا بچہ اس کی گود میں ہوتا ہے۔ اس بچے کے جسم میں سوئیاں اور کانٹے چھوتے ہیں۔ وہ لونڈی ندامت کے مارے روتی ہے۔ یہ نیاز چڑھا کر کہتے ہیں کہ اے معبود خیر جو کہ شر سے ناواقف ہے ہم نے تجھ پر ایسے شخص کو چڑھایا ہے جو شر کو مطلق نہیں جانتا۔ طبیعت میں تیرا ہم جنس ہے۔ ہماری نیاز قبول کر اور اپنی ارواح نیک کی خیر ہم کو نصیب کر۔

مریخ پر ایک آدمی بھورے رنگ کا سفید داغوں والا جس کا سر بھورے پن کی

وجہ سے سفید ہوتا ہے۔ چڑھاتے ہیں۔ اس آدمی کو لاتے ہیں اور ایک بڑے حوض میں داخل کرتے ہیں اور حوض کی تہ میں میخیں گاڑ کر اس سے باندھ دیتے ہیں۔ پھر حوض کو روغن زیتون سے بھر دیتے ہیں۔ وہ شخص اس میں گلے تک ڈوبا ہوا کھڑا رہتا ہے اور زیتون میں ایسی دوائیں ملائے ہیں جو اعصاب کو قوت پہنچائیں اور جسم پر گوشت بڑھائیں۔ جب ایک سال گزر جاتا ہے اور فریبی خوش غذاؤں سے موٹا تازہ ہو جاتا ہے تو اس کی چرملی کھال سے جدا کرتے ہیں اور اس کے سر کے نیچے پلپٹتے ہیں پھر اس بت کے پاس لاتے ہیں جو مرتع کی صورت پر ہے اور کہتے ہیں کہ اے معبود شریر صاحب فتنہ و فساد ہم نے تجھ پر وہ نیاز چڑھائی جو تیرے مشابہ ہے ہماری نیاز قبول کر اور ہم کو اپنے اور اپنی ارواح شریر و خبیثہ کے شر سے محفوظ رکھ۔ ان کا خیال ہے کہ اس کے سر پر سات دن تک حیات باقی رہتی ہے اور وہ ان سے گفتگو کرتا ہے۔ اور اس سال جو خیر و شر ان کو پہنچنے والا ہے وہ جانتا ہے۔ شمس پر اس عورت کو چڑھاتے ہیں۔ جس کے بچے کو مشتری کے لئے مار ڈالا تھا۔ شمس کی صورت کا طواف کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے نورانی معبود تو قابل مدح و ثناء ہے۔ ہم نے تجھ پر وہ چڑھاوا چڑھایا ہے۔ جو تیرے مشابہ ہے۔ ہماری نذر قبول کر اور اپنی خیر نصیب کر اور اپنی برائی سے پناہ دے۔

زہرہ پر ایک بے باک ادھیڑ بڑھیا چڑھائی جاتی ہے۔ اس طرح کہ اس ادھیڑ عورت کو زہرہ کے روبرو کر کے اس کے گرد پکارتے ہیں کہ اے بے باک معبود ہم تیرے لئے وہ قربانی کرتے ہیں۔ جس کی سفیدی تیری سفیدی کے مشابہ ہے جس کی بیباکی تیری بیباکی سے ملتی ہے جس کی نظربازی تیری نظربازی کے مانند ہے۔ ہماری قربانی قبول کر پھر لکڑی لاتے ہیں اور اس عورت کے گرد انبار لگا کر آگ سلگاتے ہیں حتیٰ کہ عورت جل کر خاک ہو جاتی ہے اور اس کی راکھ لے کر اس بت کے منہ پر ملتے ہیں۔

عطارد پر ایک جوان آدمی خوش خرام، لکھا پڑھا، حساب داں، آداب سے واقف چڑھاتے ہیں اس کو کسی حیلہ سے پھانس لاتے ہیں اور ہر ایک کو جس قدر مذکور ہوئے اس طرح مکرو فریب میں پھانتے ہیں اور لالچ دیتے ہیں اور ایسی دوائیں کھلاتے ہیں جس سے عقل زائل اور زبان بند ہو جاتی ہے اور اس جوان کو عطارد کے روبرو کر کے کہتے ہیں کہ اے ظریف معبود ہم تیرے پاس ایک شخص ظریف لائے ہیں۔ اور ہم نے تیری طبیعت کو پہچان لیا۔ اب ہم سے اس نیاز کو قبول کر لے۔ پھر اس جوان کو چیر کر دو

ٹکڑے پھر چار ٹکڑے کر ڈالتے ہیں۔ اور مت مذکور کے گرد چار لکڑیوں پر بٹھلایا جاتا ہے۔ (یعنی ہر ٹکڑا ایک لکڑی پر ہوتا ہے) پھر ہر لکڑی میں آگ لگاتے ہیں۔ وہ جلنے لگتی ہے اس کے ساتھ چوتھائی ٹکڑا بھی جل جاتا ہے۔ اس کی خاک لے کر مت کے منہ پر ملتے ہیں۔

قمر کے لئے ایک مرد گندم گول بڑے چرے والا چڑھاتے ہیں اور اس طرح پکارتے ہیں کہ اے معبودوں کے ہر کارے اور بالائی اجرام کے بلکے۔

بت پرستوں پر تلمیس کا بیان

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ہر امتحان جس سے ابلیس نے لوگوں پر شبہ ڈالا تو اس کا سبب یہ کہ خواہش جو اس کی طرف جھکے اور عقل جس امر کو مقتضی ہے۔ اس سے منہ پھیر لیا اور حواس کا میدان اپنے مثل کی طرف ہوا کرتا ہے۔ لہذا ابلیس نے بھڑت مخلوق کو صورتوں کی پوجا کرنے کی طرف بلایا۔ اور ان لوگوں میں عقل کا عمل ایکبارگی مٹایا پس ان میں سے بعض کو تو یہ سمجھایا کہ یہی صورت خود تمہاری معبود ہے۔ اور وہ احمق مان گئے اور بعض میں کچھ تھوڑی سی دانائی تھی۔ جس سے وہ جانتا تھا کہ یہ لوگ مجھ سے اس بات پر موافقت نہ کریں گے۔ تو ان کے لئے یہ رچایا کہ اس صورت کی بندگی کرو تو تم کو خالق کی جناب میں تقرب دلا دے گی۔ چنانچہ قرآن مجید میں ان کا مقولہ ہے۔ مانعبدہم الا لیقربونا الی اللہ زلفی (الزمر پ ۲۳ آیت ۳) (ترجمہ) ہم ان کو نہیں پوجتے مگر اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ ہم کو تقرب دلا دیں۔

بت پرستوں پر ابلیس کی ابتدائی تلمیس کا بیان

ہشام بن محمد بن السائب الکلبی نے کہا کہ میرے باپ نے مجھے خبر دی کہ بت پرستی کی بنیاد اس طرح شروع ہوئی کہ جب آدم علیہ السلام نے انتقال کیا تو شیث بن آدم کی اولاد نے ان کی لاش اس پہاڑ کے غار میں رکھی جس پر جنت سے اتارے گئے تھے۔ وہ پہاڑ سرزمین ہندوستان میں ہے۔ اور اس کا نام نود ہے۔ اور وہ روئے زمین کے پہاڑوں سے زیادہ سرسبز ہے۔ ہشام نے کہا پھر میرے باپ نے مجھے یہ خبر دی بروایت عن ابی صالح عن ابن عباس کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے تھے کہ شیث کی اولاد اس پہاڑ کے غار میں آدم کی لاش کے پاس جایا کرتی۔ پس اس کی تعظیم کرتے اور اس پر

ترحم کرتے تھے۔ یہ دیکھ کر قابیل کی اولاد میں سے ایک نے کہا کہ اے بنی قابیل دیکھو کہ بنی شیث کے پاس ایک شے ایسی ہے۔ جس کے گرد گھومتے اور اس کی تعظیم کرتے ہیں۔ اور تمہارے پاس کچھ نہیں ہے۔ پھر ان کے لئے ایک مورت گھڑی اور یہی پہلا شخص ہے جس نے مورت بنائی۔ ہشام نے کہا کہ میرے باپ نے مجھے خبر دی کہ وہ سواع، یغوث یعوق اور نسر یہ سب ہند گان صالح تھے۔ ایک ہی مینے میں سب نے انتقال کیا۔ تو ان کی بروری والوں کو ان کی وفات سے بڑا صدمہ ہوا۔ پس بنی قابیل میں سے ایک نے ان سے کہا کہ اے قوم کیا تم چاہتے ہو کہ میں ان کی صورتوں کی پانچ مورتیں تم کو گھڑ دوں (تو گویا وہ تمہارے سامنے ہوں گے) سو اتنی بات کے کہ مجھے یہ قدرت نہیں کہ ان کی روحیں ان میں پہناؤں۔ انہوں نے کہا کہ ہاں ہم چاہتے ہیں۔ پس اس نے ان کے لئے پانچ بت بنا دیئے جو ان کی صورتوں کے موافق تھے اور وہاں نصب کر دیئے۔ پس آدمی اپنے بھائی و چچا و چچیرے بھائی کی مورت کے پاس آتا اور اس کی تعظیم کرتا اور اس کے گرد پھرتا۔ اس کی ابتدا ازمانہ یردی بن صلائیل بن قینان بن انوش ابن شیث بن آدم علیہ السلام ہوئی تھی۔ پھر یہ پہلی قرن گزر گئی اور دوسری قرن آئی تو اول قرن سے بڑھ کر انہوں نے ان مورتوں کی تعظیم و تکریم کی۔ پھر ان کے بعد تیسری قرن آئی تو کہنے لگے کہ ہم سے اگلے لوگ جو ہمارے بزرگ تھے بے فائدہ ان کی تعظیم نہیں کرتے تھے۔ بلکہ اس لئے تعظیم کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کی شفاعت (سفارش) کے امیدوار تھے۔ پس یہ لوگ ان مورتوں کو پوجنے لگے اور ان کی شان بزرگ قرار دی اور کفر شدید ہوا۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف اور یس علیہ السلام کو رسول بنا کر بھیجا۔ اور یس نے ان کو توحید کی طرف بلایا۔ تو انہوں نے اور یس کو جھٹلایا اور اللہ تعالیٰ نے اور یس کو مقام بلند میں اٹھالیا۔ کلبی کی روایت اہل صالح عن عباس رضی اللہ عنہ میں ہے کہ بت پرستوں کا معاملہ سخت ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ نوح علیہ السلام کا زمانہ آیا۔ اور وہ چار سو اسی (۴۸۰) برس کے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو پیغمبری عطا کی۔ پس نوح علیہ السلام نے ان کو ایک سو پچیس برس تک اپنی نبوت کے زمانے میں اللہ تعالیٰ کی جانب بلایا۔ انہوں نے نہ مانا اور نوح علیہ السلام کو جھوٹا ٹھہرایا۔ پس اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو حکم دیا کہ کشتی بناوے۔ پھر جب نوح کشتی بنا کر فارغ ہوئے اور اس پر سوار ہو چکے تو چھ سو برس کا فرق تھا۔ اور پانی کا طوفان ان بتوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ اور ایک زمین سے دوسری زمین تک اچھالتا پھرا۔ یہاں تک

کہ پانی کے تھپڑوں نے ان کو جدہ میں لا کر ڈالا۔ جب پانی خشک ہوا تو یہ مور تیں کنارے ساحل پر پڑی رہیں۔ اور ہوا کے جھونکوں سے ریگ ہیلان اڑ کر اس قدر ان پر پڑی کہ یہ ریگ کے نیچے دب گئے۔

کلبی نے کہا کہ عمرو بن لُحی ایک کاہن تھا۔ اس کی کنیت ابو ثمامہ تھی۔ اور ایک جن اس کا موکل تھا۔ اس نے کاہنوں کے لہجہ میں اس سے کہا کہ: عجل بالمسیرو الظعن من تھامہ، بالسعدو السلامہ، ایت صف جدہ، 'تجد فیہا اصناما معدہ'، فاوردھا تھامہ ولا تھاب (سادتھا) ثم ادع العرب الی عبادتھا (تجواب) یعنی تھامہ سے کجاوہ کس کے جلد اپنے آپ کو سعد و سلامہ میں پہنچا۔ پھر جدہ کے کنارے جا۔ وہاں تجھ کو رکھی ہوئی مور تیں ملیں گی۔ ان کو تھامہ میں لے آ۔ اور یہاں کے سرداروں سے خوف نہ کھا۔ پھر عرب کو ان کی عبادت کیلئے بلا۔ عمرو بن لُحی نے جا کر نہر جدہ سے نشان ڈھونڈ کر ان کو نکالا پھر لاد کر تھامہ لایا۔ اور جب حج کا موسم آیا تو۔ عمرو بن لُحی نے سب اہل عرب کو بتوں کی پرستش کی جانب بلایا۔ پس عوف بن عذرہ بن زید اللات نے اس کا کہنا مان لیا۔ تو اس نے عوف مذکور کو ونام بت حوالہ کیا۔ وہ ”ود“ کو لے گیا اور وادی القری کے قریب دو متہ الجندل میں رکھا۔ اور اسی کے نام سے منسوب کر کے اپنے بیٹے کے نام عبدود رکھا۔ اور یہی شخص سب سے پہلے اس بت کے نام سے منسوب ہو۔ اعوف نے اپنے دوسرے بیٹے عامر کو اس بت کا دربان (مجاور) مقرر کیا۔ اس وقت اس کی اولاد برابر اس بت کی پرستش کا دین رکھتی آئی۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام بھیجا۔ کلبی نے کہا کہ محمد سے مالک ابن حارثہ نے بیان کیا کہ میں نے ود کو دیکھا تھا۔ اور میرا باپ میرے ہاتھ دودھ بھیجا کرتا تھا کہ یہ لے جا کر اپنے معبود کو پلا۔ تو میں اس کو خود پی جاتا تھا پھر اس کے بعد میں نے دیکھا کہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ صورت یہ ہوئی تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوہ تبوک سے خالد بن ولید کو اس بت کے منہدم کرنے کے لئے روانہ کیا تھا۔ وہاں عبدود کی اولاد اور عامر کی اولاد نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اس کے توڑنے سے روکا۔ اور مانع ہوئے۔ پس خالد نے ان سے قتال کر کے اس بت کو منہدم کر کے توڑ ڈالا۔ اس لڑائی میں خالد نے بنی عبدود میں سے ایک مرد کو قتل کیا تھا۔ جس کا نام قطن بن شریح تھا۔ تو اس کی مال یہ کہتی ہوئی دوڑی آئی۔ (ترجمہ) ”آگاہ رہو کہ یہ الفت ہمیشہ پائیدار نہیں رہتی۔ اور زمانے میں کوئی نعمت باقی نہیں رہے گی۔ اور پہاڑی بڑ غالبہ زمانے میں نہیں چلتا۔ اور اس

کی ماں چوٹی پر بے تاب ہے۔“ پھر اس نے کہا اے میرے دل و جان کے جمع کرنے والے + اے کاش تیری ماں پیدا نہ ہوتی۔ اور تجھ کو نہ جنتی۔“ اور پھر اس کی لاش پر اوندھی گر کر لیٹی۔ اور زور سے ایک نعرہ لگا کر مر گئی۔ کلبی نے کہا کہ میں نے مالک بن حارث سے کہا کہ وہ کی مورت کو ایسی عبارت میں ظاہر کیجئے۔ کہ گویا میں اس کو دیکھ رہا ہوں۔ مالک نے کہا کہ ایک مرد کی صورت تھا جو بڑے سے بڑا ہو سکتا ہے۔ اور اس پر دو حلے بنائے گئے تھے۔ ایک ازار کی طرح تھا۔ اور دوسرا اوڑھے تھا۔ اور اوھر سے ایک تلوار لٹکائے اور کندھے پر کمان لگائے ہوئے اور آگے ایک نیزہ بطور جھنڈا کے لئے ہوئے تھا۔ اور ترکش میں تیر ہے۔“

کلبی نے کہا کہ مضربن نزار نے بھی عمرو بن لُحی کا کنماں لیا۔ تو اس نے ہذیل کے ایک شخص کو جس کا نام حارث بن تمیم بن سعد بن ہذیل بن مدر کہ بن الیاس بن مضرب تھا ایک مت دیا جس کو سواع کہتے تھے۔ اور وہ بطن خذلہ کی زمین رباط میں تھا۔ اور اس کے قرب و جوار کے مضرب اس کی عبادت کرتے تھے۔ چنانچہ عرب کے ایک شاعر کے اشعار سے ظاہر ہوتا ہے۔ (ترجمہ) تو ان کو دیکھے کہ اپنے قبیلہ کے گرد عبادت میں ایسے جھکے ہیں جیسے کہ ہذیل کے لوگ سواع کے گرد پوجا کے لئے جھکتے رہتے تھے۔ ہمیشہ اس کی درگاہ پر انبار دیکھو۔ کہ ہر ایک راعی کے ذخیرہ کے نفائس ہیں۔“

کلبی نے کہا کہ مذجج نے بھی اس کا کنماں قبول کیا تو اس نے انعم بن عمرو المرادی کو وہ مت دیا جس کا نام یغوث تھا۔ وہ یمن کے ایک ٹیلہ پر تھا۔ اور مذجج اور اس کے حلیف قبائل اس مت کی پرستش کیا کرتے تھے۔

ہمدان نے اس کا کنماں لیا تو اس نے مالک بن مرثد بن جشم کو وہ مت دیا جس کا نام یعوق تھا۔ وہ ایک گاؤں میں رکھا گیا جس کا نام خیوان تھا۔ اس کو قبیلہ ہمدان اور اس کے یمنی حلیف پوجا کرتے تھے۔

قبیلہ حمیر نے اس کا کنماں تو اس نے ذی رعیین کے ایک شخص کو جس کا نام معد یکرب تھا۔ ایک مت دیا جس کا نام نسر تھا۔ یہ مت زمین سبا کے موضع بلخ میں تھا جس کو قبیلہ حمیر اور اس کے حلیف دوست پوجتے تھے۔ اور برابر اس مت کی پرستش کرتے رہے۔ یہاں تک کہ جب اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ تو آپ نے (غلبہ پاکر) ان کے منہم کرنے کا حکم فرمایا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جنم میرے سامنے کی گئی۔ تو میں نے عمرو بن لُحی کو دیکھا۔ کہ

ایک شخص پست قد سرخ رنگ کر نجا ہے وہ آگ میں اپنی آنتیں گھسیتا پھرتا ہے۔ میں نے پوچھا یہ کون شخص ہے۔ تو مجھ سے کہا گیا کہ یہی تو عمرو بن لُحی ہے۔ جس نے سب سے اول حمیرہ اور وصیلہ اور سائبہ اور حامی کو نکالا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا دین بگاڑا اور عرب کو بت پرستی کی طرف بلایا۔

فائدہ :- بتوں کے نام پر حمیرہ کان پھاڑ کر چھوڑتے اور وصیلہ نروادہ جننے والی یا دوزخ کے بعد تیسری مادہ یا برعکس جنتی قوم کے نام پر چھوڑتے۔ اور اس کی دوسری صورتیں بھی تفسیر میں مذکور ہیں۔ اور سائبہ جیسے سائبہ ہے۔ اور حامی ایک مدت تک نزاونٹ کی جعتی لینے یا دلانے کے بعد بت کے نام پر آزاد کرتے۔

ہشام ابن کلبی نے کہا کہ مجھ سے میرے باپ محمد بن السائب اور دوسروں نے بیان کیا کہ جب اسماعیل مکہ میں سکونت پذیر ہوئے۔ اور ان کے بال بچے پیدا ہو کر بڑے ہوئے تو مکہ کے مالک ہو گئے اور وہاں سے قوم عمالکہ کو نکال دیا تو کثرت ہونے سے مکہ میں ان کی گنجائش نہ رہی باہم ان میں لڑائیاں اور عداوت واقع ہوئی۔ اور بعض نے بعض کو نکال دیا۔ آخر دوسرے بلاد میں پھیلے اور روزی کی تلاش میں بھی نکلے۔ پھر جس سبب سے انہوں نے اول بتوں اور پتھروں کی پرستش شروع کی یہ ہے کہ ان میں سے جو کوئی مکہ سے باہر جاتا تو وہ ضرور اپنے ساتھ حرم سے ایک پتھر لے جاتا کیونکہ وہ لوگ حرم مکہ کی تعظیم کرتے تھے۔ تو جہاں کہیں منزل اختیار کرتے وہاں ایک پتھر کو رکھ لیتے۔ اور طواف کعبہ کی طرح اس کا طواف کرتے۔ کیونکہ اس کو تبرک سمجھتے اس لئے کہ حرم کو مصنون جانتے۔ اور اس سے محبت کرتے تھے۔ باوجودیکہ ان میں مکہ و کعبہ کی تعظیم بدستور باقی تھی۔ چنانچہ حضرت ابراہیم واسماعیل کی شریعت پر خانہ کعبہ کا حج اور عمرہ کیا کرتے تھے۔ پھر رفتہ رفتہ اپنی پسند کے موافق پوجنے لگے اور طریقہ قدیم کو بھول گئے۔ اور دین اسماعیل و ابراہیم کے بدلے دوسرا دین اختیار کر لیا۔ اور بتوں کی پوجا کرنے لگے۔ اور ان کا بھی وہی حال ہوا جو ان سے پہلی امتوں کا ہو چکا تھا۔ انہوں نے وہ بت نکالے جن کو نوح علیہ السلام کی قوم پوجتی تھی۔ باوجودیکہ ان میں بعض امور شریعت ابراہیم واسماعیل سے ایسے باقی رہے جن کو نہیں چھوڑا۔ جیسے بیت اللہ کی تعظیم اور اس کا طواف کرنا۔ حج و عمرہ اور وقوف عرفات و مزدلفہ اور اونٹ وغیرہ قربانی کا ہدیہ بھیجنا اور حج و عمرہ کے لئے تلبیہ کہنا۔ قبیلہ نزار کے لوگ جب احرام باندھتے تو تلبیہ اس طرح کہتے تھے۔ لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ إِلَّا شَرِيكَاهُ وَلَكَ مَلَكُ

وما ملک۔ یعنی لبیک اللہ لبیک، لبیک تیرا کوئی شریک نہیں ہے سوائے ایسے شریک کے کہ وہ تیرا ہی ہے۔ تو ہی اس کا اور اس کی مملوک چیزوں کا مالک ہے۔

فائدہ:- قولہ سوائے ایسے الخ یہ فقرہ اپنی طرف سے ملا کر شریک کر لیا۔ پھر سب سے پہلے جس نے دین اسماعیل کو بدلا اور بت کھڑے کئے اور ساڈھ چھوڑے اور وصیلہ کی رسم نکالی وہ عمرو بن ربیعہ ہے اور ربیعہ ہی لُحی بن حارثہ ہے۔ اور یہی حارثہ قبیلہ خزاعہ کا جد اعلیٰ ہے۔ عمرو بن لُحی کی ماں فہیرہ بنت عمرو بن الحارثہ ہے۔ اور یہی خاندان کعبہ کا متولی تھا۔ پھر جب عمرو بن لُحی بالغ ہوا تو متولی ہونے میں حارثہ سے جھگڑا کرنے لگا۔ آخر قبیلہ بنی جرہم نے اولاد اسماعیل سے قتال کیا۔ اور فتح یاب ہو کر ان کو کعبہ کے متولی ہونے سے بلحاہ بلاد مکہ سے خارج کر دیا۔ ان کے بعد خود متولی بن بیٹھا۔

پھر عمرو بن لُحی سخت بیمار ہوا۔ تو اس سے کہا گیا کہ بقاء شام میں ایک گرم چشمہ ہے۔ اگر تو اس میں جا کر نہائے تو اچھا ہو جائے۔ وہ منحوس وہاں جا کر نہایا اور اچھا ہو گیا۔ اور دیکھا کہ وہاں کے لوگ مور تیں پوجتے ہیں۔ ان سے پوچھا یہ کیا چیزیں ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہم ان سے بارش پاتے ہیں۔ ان کی مدد سے دشمنوں پر غالب ہو جاتے ہیں۔ ان لُحی نے ان سے ایک بت مانگا۔ انہوں نے دیدیا۔ وہ اس کو مکہ میں لایا۔ اور خانہ کعبہ کے گرد بیٹھا دیا۔ اس طرح اہل عرب نے بتوں کو معبود بنالیا۔ سب سے پرانا بت مناتہ تھا۔ وہ بحر قلزم کے کنارے مثلث کے ایک جانب قدیمہ میں مکہ مدینہ کے درمیان میں بنایا گیا تھا۔ عرب سب اس کی تعظیم کرتے اور اوس و خزرج اور جو کوئی مدینہ اور مکہ اور اس کے قریب و جوار کے مواضع میں رہتا سب اس کی تعظیم کرتے۔ اور اس کے لئے قربانی کرتے اور اس کے لئے ہدیے بھیجتے رہتے تھے۔ اور یوں تو سب لوگ اس کی تعظیم کرتے ولیکن اوس و خزرج سے بڑھ کر کوئی اس کی تعظیم نہ کرتا۔ ابو عبیدہ بن عبد اللہ نے کہا کہ اوس و خزرج اور جو کوئی ان کے مسلک پر چلتا خواہ (یشرب) کے مدینہ کا ہو یا دوسری جگہ کا ہو۔ یہ لوگ حج کرنے آیا کرتے۔ اور ہر ایک موقف میں لوگوں کے ساتھ کھڑے ہوتے۔ لیکن اپنا سر نہیں منڈاتے تھے۔ پھر جب مکہ سے روانہ ہوتے تو منہ کے یہاں جا کر اس کے پاس اپنا سر منڈاتے اور وہاں ٹھہرتے تھے۔ اور بدون اس کے اپنا حج پورا نہیں جانتے تھے۔ اور بت مناتہ قبیلہ ہذیل و خزاعہ کا تھا۔ فتح مکہ کے سال میں رسول خدا ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ حضرت علیؑ نے

اس کو توڑ کر منہدم کر دیا۔ منات کے بعد لوگوں نے لات کو نکالا تھا۔ وہ منات کی نسبت جدید تھا۔ اور طائف میں ایک بڑے مربع پتھر پر بنایا گیا تھا۔ اس کے دربان قبیلہ ثقیف کے لوگ تھے۔ انہوں نے اس پر عمارتیں بنائی تھیں۔ قریش اور تمام عرب اس کی تعظیم کرتے تھے۔ عرب اس کی نسبت سے زید اللات اور تیم اللات وغیرہ نام رکھتے تھے۔ اور اب جہاں مسجد طائف ہے۔ اس کے بائیں منارہ کے مقام پر تھا۔ پس وہ برابر اسی حالت پر رہا۔ یہاں تک کہ بنو ثقیف مسلمان ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ انہوں نے اس کو منہدم کر کے آگ سے پھونک دیا۔

ہمت عززی کو ظالم بن اسعد نے لیا۔ اور ذات عرق سے اوپر نخلہ شامیہ کی وادی میں نصب کر کے اس پر کوٹھری بنائی۔ یہ لوگ اس سے آواز سناتے تھے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ عززی ایک شیطانہ عورت تھی۔ جو بطن نخلہ کے تین درخت کیکر پر آیا کرتی تھی۔ پھر جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ فتح کیا تو خالد بن الولید سے فرمایا کہ تو یہ بطن نخلہ میں جا وہاں تجھے کیکر کے تین درخت ملیں گے۔ ان میں سے اول درخت کو جڑ سے کاٹ ڈالنا۔ خالد نے وہاں جا کر ایک درخت کو جڑ سے کھود پھینکا۔ اور واپس آئے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تو نے کچھ دیکھا تھا۔ خالی رضی اللہ عنہ نے کہا جی نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ پھر جا کر دوسرے کو جڑ سے کاٹ دے۔ خالد نے حکم کی تعمیل کی۔ جب واپس آئے تو پھر آپ نے پوچھا کہ تو نے کچھ دیکھا تھا۔ عرض کی جی نہیں آپ نے فرمایا کہ پھر جا کر تیسرے درخت کو بھی جڑ سے کاٹ دے۔ خالد رضی اللہ عنہ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ وہ بال بھیرے اپنے دونوں ہاتھ دونوں کندھوں پر رکھے۔ اپنے دانت نکالتا ہے اور اس کے پیچھے دیہ اسمعی کھڑا ہے جو اس کا دربان ہے خالد نے کہا۔ یا عزر کفرانک لا سبحانک انی رایت اللہ قد اهانک (ترجمہ) اے عز! تجھ سے کفر ہے نہ تعریف کیونکہ میں نے دیکھ لیا کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے خوار کیا پھر اس کو تلوار ماری تو اس کا سر دو ٹکڑے ہو گیا۔ دیکھا تو وہ کوئلہ ہے۔ پھر خالد رضی اللہ عنہ نے مذکورہ درخت کاٹ ڈالا۔ اور دیہ دربان کو بھی قتل کر ڈالا۔ پھر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہی عز تھی اب آئندہ عرب کے واسطے عز نہ ہوگی۔

ہشام بن الکلبی نے بیان کیا کہ قریش کے بہت سے بت خانہ کعبہ کے اندر اور اس کے گرد باہر تھے۔ اور سب سے بڑا ان کے نزدیک ہبل تھا۔ اور مجھے خبر ملی

ہے کہ وہ سرخ یا قوت کا تھا آدمی کی شکل جیسا بنا ہوا تھا۔ جس کا دلیاں ہاتھ ٹوٹا ہوا تھا۔ قریش نے اس صورت سے اس کو پایا تھا۔ پھر اس کا ہاتھ سونے کا بنا کر لگایا۔ سب سے پہلے اس مت کو خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر نے نصب کیا تھا۔ اور یہ پچ کعبہ میں تھا۔ اس کے آگے سات لکڑیاں بے پھل کے تیر کی شکل کی پڑی تھیں۔ ایک میں صریح اور دوسرے میں مصلح لکھا ہوا تھا۔ لوگ جب کسی چہ میں شک کرتے ہبل کے نام چڑھا والے جاتے۔ پھر ان تیروں سے پانسہ پھینکتے تھے۔ اگر صریح نکلتا تو اس چہ کو الفت سے لیتے۔ اور اگر مصلح نکلتا تو دفع کرتے۔ اسی طرح جب کسی امر پر جھگڑتے یا سفر کا قصد کرتے تو ہبل کے پاس جا کر پانسہ پھینکتے تھے۔ ابو سفیان بن حرب نے احد کی لڑائی کی دن اسی مت کو کہا تھا کہ اعلیٰ ہبل یعنی اے ہبل تیرا دین بلند ہو۔ اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس کو جواب دو واللہ اعلیٰ واجل یعنی اللہ تعالیٰ بڑا اور بزرگ تر ہے۔

مصنفؒ نے کہا کہ مشرکوں کے بتوں میں سے اساف اور نائلہ بھی تھے۔ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ اساف اور نائلہ قبیلہ جرہم میں سے ایک مرد و عورت تھے۔ ان کو اساف بن یعلیٰ اور نائلہ بنت زید کہتے تھے۔ یہ دونوں جرہم کی نسل سے تھے۔ اور دونوں کا عشق زمین یمن سے شروع ہوا تھا۔ پھر قافلہ کے ساتھ دونوں حج کو آئے۔ اور ایک رات دونوں خانہ کعبہ میں داخل ہوئے تو وہاں خالی گھر پایا۔ کوئی آدمی نہ تھا۔ پس اساف نے نائلہ سے بدکاری کی تو مسخ ہو کر پتھر ہو گئے۔ صبح کو لوگوں نے ان کو مسخ پا کر خانہ کعبہ سے باہر نکال کر قائم کیا۔ بعد ازاں قریش و خزاعہ و دیگر عرب نے جوج کو آتے تھے ان دونوں کو پوجنا شروع کیا۔ ہشام بن الکلبی نے کہا کہ جب دونوں مسخ ہو کر پتھر ہو گئے تو کعبہ سے باہر اس غرض سے رکھے گئے کہ لوگوں کو عبرت ہو۔ جب زیادہ مدت گزری اور بتوں کی پوجا شروع ہوئی تو بتوں کے ساتھ ان کی بھی پوجا ہونے لگی۔ پہلے ایک تو کعبہ سے متصل تھا۔ اور دوسرا زمزم کے مقام پر تھا۔ پھر قریش نے کعبہ کے پاس والا بھی اٹھا کر دوسرے سے ملا دیا۔ اور ان کے پاس قربانی کی بھیٹ چڑھایا کرتے منجملہ بتوں کے ایک ذوالخلصہ تھا۔ سفید دودھیا پتھر کا بنا ہوا تھا۔ اور اس پر تاج کی سی صورت نقش تھی۔ اور مکہ سے سات روز کے فاصلے پر یمن اور مکہ کے درمیان ایک مکان میں رکھا تھا۔ اس کی بھی تعظیم ہوتی اور چڑھاوے کی قربانی بھیجی جاتی تھی۔ خشم اور حیلہ اس کی تعظیم کرتے تھے اس پر قربانی چڑھاتے تھے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے جریر بن عبد اللہ مخبلیؓ سے فرمایا کہ تو مجھے اس ذوالخلصہ سے کفایت نہیں کرتا۔ پس جریرؓ سواران

احس لے کر روانہ ہوئے تو خشم و باہلہ دونوں قبیلوں نے جریر کو روکا۔ جریر نے مقابلہ میں ان کو بھگا دیا۔ اور ذوالخصلہ کی عمارت کو آگ لگا دی۔ اور منہدم کر ڈالی۔ ذوالخصلہ اب مسجد تالہ کا چوکھٹ ہے۔ یعنی اس بات کی جگہ کو چوکھٹ بنا دیا گیا۔

قبیلہ دوس کا ایک بت تھا۔ جس کو ذوالنھین کہا کرتے تھے۔ جب وہ لوگ اسلام لائے تو رسول اللہ ﷺ نے طفیل بن عمرو کو بھیجا۔ انہوں نے اس کو جلادیا۔ بنی حارث بن بشکر کا ایک بت تھا۔ جس کو ذوالشری کہتے تھے۔

قزاعہ و لحم و جذام و عاملہ کا ایک بت مشارف شام (دیہات) میں تھا۔ اس کو قصیر کہتے تھے۔ مزینہ کا ایک بت بنام نہم تھا۔ اور اسی کے نام پر اس کے پوجنے والوں کے نام ”عبد نہم“ لیے جاتے تھے۔

قبیلہ غزہ کے بت کا نام سعیر تھا۔

قبیلہ ملی کے بت کو فلس کہتے تھے۔

مکہ کی ہر وادی میں بت رہتا تھا۔ اس کو اسی علاقہ والے پوجتے تھے۔ اور جب ان میں سے کوئی سفر کو جانا چاہتا تو سب سے پہلے کام اس کا یہ تھا کہ اس بت کو چھوئے۔ اور جب سفر سے آتا تو سب سے پہلے اس احاطہ میں داخل ہو کر یہ کام کرتا کہ اس بت کو چھوتا۔ بعض ان میں سے ایسے تھے کہ انہوں نے بت کا گھر بنایا تھا۔ یعنی بت کو کوٹھری میں رکھا تھا۔ اور بعض جس کے پاس کوئی مورت نہ تھی۔ اس نے اپنی نظر سے کوئی اچھا پتھر ہی تلاش کر کے رکھ لیا تھا۔ پھر اس کا طواف کرتا تھا۔ مشرکین ان کو انصاب کہتے تھے۔ جب کوئی مشرک سفر کو جاتا اور کسی منزل پر اترتا تو چار پتھر تلاش کر کے دیتا۔ ان میں سے جو پتھر اس کو اچھا معلوم ہوتا اس کو اپنا رب بنا لیتا۔ اور باقی سے اپنی ہانڈی کا چولہا بنا لیتا۔ اور جب وہاں سے کوچ کرتا تو اس کو چھوڑ جاتا۔ پھر جب وہ دوسری منزل پر اترتا تو وہاں بھی ایسا ہی کرتا۔

جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ فتح کیا تو مسجد الحرام میں گئے۔ وہاں خانہ کعبہ کے گرد مورتیں رکھی ہوئی تھیں۔ اور آپ ﷺ کمان کی نوک سے ان کی آنکھوں اور چہروں پر مارتے جاتے اور یہ کہتے جاتے۔ جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقا (بنی اسرائیل پ ۱۵ آیت ۸۱) یعنی حق آگیا اور باطل مٹا اور باطل تو ہمیشہ ہی نیست ہوتا ہے۔ پھر حکم فرمایا گیا تو سب بت اوندھے گرائے گئے۔ پھر مسجد سے نکلوا کر جلادے گئے۔

فائدہ:- بعض کتب اسیر میں ہے کہ جس بت کی طرف اشارہ فرماتے وہ اوندھا کر جاتا تھا۔ اور یہ اقرب ہے۔ اگرچہ اسناد میں کچھ کلام ہے۔
 ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک زمانہ آوے گا۔ کہ بت پرست لوگ لوٹائے جائیں گے۔ یعنی زیادہ ہوں گے۔ پھر جو پھرنے والے ہیں۔ دین اسلام سے پھر جائیں گے۔

ممدی بن میمون نے کہا کہ میں نے ابو رجاء الطاروی سے سنا وہ کہتے تھے کہ جب رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے ہم نے آپ ﷺ کی بعثت کی خبر سن لی۔ پھر مسلمانہ کذاب سے ملے تو آگ میں ملے۔ ابو رجاء نے بیان کیا کہ ہم لوگ زمانہ جاہلیت میں پتھروں کی پوجا کرتے تھے۔ پھر جب ہم ایک پتھر سے بہتر دوسرا پتھر خوبصورت پاتے تو پہلے پتھر کو پھینک دیتے۔ اور دوسرے کو پوجنے لگتے تھے۔ اور جب ہم کسی مقام پر پتھر نہ پاتے تو ریگ کا تودہ جمع کر لیتے اور ایک بھیر لاکر اس پر کھڑی کر کے وہاں اس کا دودھ دودھ لیتے۔ پھر اس تودہ کے گرد طواف کیا کرتے۔

ابو رجاء الطاروی سے مروی ہے کہ ہم بالولے کر اس کو جمع کر کے اس پر دودھ دھو لیتے پھر اس کو پوجتے۔ اور سپید پتھر لے کر ایک مدت تک اس کو پوجتے پھر اسے پھینک دیتے۔

ابو عثمان النہدی سے روایت ہے کہ ہم لوگ زمانہ جاہلیت میں پتھر پوجتے تھے۔ ایک دفعہ ہم نے سنا کہ ایک پکارنے والا پکارتا ہے کہ اے قوم والو تمہارا رب تباہ و ہلاک ہو گیا ہے۔ اب کوئی دوسرا رب تلاش کرو۔ تو ہم لوگ نکل کر ہر طرف اونچے نیچے میدان میں ڈھونڈتے پھرتے تھے۔ کہ اتنے میں ایک پکارنے والے نے آواز دی۔ کہ ہم نے تمہارا رب پایا (یا اسی طرح کوئی اور لفظ کہا) پھر ہم لوگ لوٹ آئے تو دیکھا کہ ایک پتھر پایا پھر اس پر اونٹوں کی قربانی کی گئی۔ عمرو بن عبسہ نے کہا کہ میں بھی ان لوگوں میں سے تھا جو پتھر پوجتے تھے۔ پھر جب گروہ (قبیلہ) جا کر کہیں (پانی پر) اترتے اور ان کے ساتھ معبود (پتھر) نہیں ہوتے تو ایک آدمی ان میں سے نکل کر جاتا اور چار پتھر لاتا۔ پھر تین پتھروں سے ہانڈی کا چولہا بناتا اور چوتھا جو سب سے اچھا ہوتا اس کو معبود بنا کر رکھتا۔ اس کی پوجا کرتا۔ پھر اسی پانی پر بسیر اڈالنے کے زمانہ ہی میں شاید وہ کبھی اس سے خوب صورت پتھر پاتا تو پہلے کو پھینک دیتا اور دوسرے کو معبود بنا لیتا۔

سفیان بن عیینہ پوچھا گیا کہ اہل عرب نے پتھروں اور بتوں کی پوجا کیونکر

شروع کی تو فرمایا کہ وہ لوگ اصل میں پتھروں کی عبادت کرتے تھے۔ اور اس کی وجہ یہ ہوئی کہ انہوں نے کمائیت اللہ پتھر ہے تو ہم جہاں کوئی پتھر رکھ لیں وہی ممنزہ بیت اللہ کے ہو جاوے گا۔

ابو معشرؓ نے کہا کہ بہت سے ہندوؤں کا اعتقاد یہ ہے کہ رب بے شک ہے۔ اور یہ بھی اقرار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ملائکہ بھی ہیں لیکن وہ لوگ اللہ تعالیٰ کو سب سے اچھی صورت تصور کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ملائکہ کو بھی خوب صورت اجسام بیان کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ خدا اور ملائکہ نے آسمان سے مخلوق سے پوشیدگی کر لی ہے۔ اور اپنے نزدیک خدا کی صورت پر مت بنائے۔ اور ملائکہ کی صورتوں کے مت بنائے اور ان کی پوجا کرتے ہیں۔ بعض کے خیال میں یہ سمایا کہ ستارے اور آسمان بہ نسبت دیگر اجسام کے خالق سے زیادہ نزدیک ہیں۔ اس خیال سے ان چیزوں کی تعظیم کرنے لگے۔ اور ان کے لئے چڑھاوے چڑھانے لگے۔ پھر ان کے نام کے مت بنائے۔

مت سے پرانے زمانے کے لوگوں نے بتوں کے واسطے گھر (مندر) بنائے تھے۔ ازاں جملہ اصفہان میں پہاڑ کی چوٹی پر ایک گھر تھا۔ جس میں بت رکھے تھے۔ پھر جب گشتاسپ مجوسی ہو گیا تو اس نے اس کو آتش خانہ بنا دیا۔ دوم و سوم دو گھر ہندوستان میں تھے۔ چہارم شہر بلخ میں تھا۔ جس کو ہوشہر نے بنایا تھا۔ پھر جب اسلام کا غلبہ ہوا تو بلخ کے مسلمانوں نے اس کو برباد کر ڈالا۔ پنجم مت خانہ شہر صنعاء میں تھا جس کو ضحاک نے زہرہ ستارے کے نام پر بنوایا تھا۔ اس کو عثمان بن عفانؓ نے برباد کر دیا۔ ششم شہر فرغانہ میں قابوس بادشاہ نے آفتاب کے نام پر بنایا تھا۔ جس کو خلیفہ معتمد عباسی نے اجاڑ دیا۔

نہاوندی نے لکھا ہے کہ ہندوستان کا دین وہاں کے لوگوں کے لئے ایک برہمن نے بنایا تھا۔ ان کے لئے مت خانے بنائے گئے۔ اور سب سے بڑا مت خانہ اس نے ملتان میں بنایا تھا اور یہ سندھ کے شہروں میں سے بڑا شہر تھا۔ اسی مت خانہ میں ان کا سب سے بڑا مت تھا۔ جو ہیولائے اکبر کی صورت پر بنایا تھا۔ (یعنی اپنے خیال کے موافق) حجاج ثقفی کے زمانہ میں یہ شہر فتح ہوا اور مسلمانوں نے چاہا کہ اس مت کو توڑ دیں۔ تو مجاوروں اور متولیوں نے کہا کہ اگر تم اس کو باقی رکھو تو جس قدر اس کو چڑھاوا آتا ہے اس کا تہائی ہم تم کو دیں گے۔ پس سپہ سالار نے حجاج کو لکھا اس نے خلیفہ عبدالملک بن مروان کو لکھا۔ اس نے حکم دیا کہ اچھا باقی رکھو۔ لوگ دو ہزار فرسخ سے اس مت کو زیارت کرنے آتے تھے۔ اور زائر کے لئے یہ شرط تھی۔ کہ اس کے نذرانہ

کے لئے سو (۱۰۰) روپے سے دس ہزار (۱۰۰۰۰) ہزار تک کے درمیان جس قدر ہو سکے نذر چڑھاوے۔ اس سے کمی یا زیادتی نہیں ہو سکتی تھی۔ اور جو کوئی اس قدر نذرانہ نہیں لایا تو اس کا مقصد زیارت پورا نہ ہوا۔ پھر جو کوئی مال لئے ہوئے درشن کو آتا وہ مال پہلے ایک بڑے صندوق میں ڈال دیتا جو وہاں رکھا تھا پھر بت کا طواف کرتا۔ جب درشنی لوگ چلے جاتے تو وہ صندوق کھلا جاتا۔ اس میں سے تنائی مال مسلمانوں کا حق تھا۔ اور ایک تنائی اس شہر کے قلعہ جات وغیرہ کی مرمت میں خرچ ہوتا۔ اور باقی ایک تنائی اس کے مجاوروں اور خادموں کا حق تھا۔

مصنفؒ نے کہا کہ ذرا غور کرو کہ کس طرح ان لوگوں کو شیطان نے اپنا مسخرہ بنایا۔ اور ان کی عقلیں گم کیں۔ کہ جس چیز کو اپنے ہاتھوں سے بنایا تھا۔ اسی کی پوجا کرنے لگے اور اللہ تعالیٰ نے ان مسخروں کے بتوں کی بہت اچھی مذمت فرمائی ہے۔ بقول تعالیٰ الھم ارجل یمشون بہا ام الھم اید بیطشون بہا ام الھم اعین عیرون بہا ام الھم اذان یمعون بہا (الاعراف پ ۹ آیت ۱۹۵) یعنی وہ کیا ان بتوں کے پاؤں ہیں جن سے چلتے ہیں۔ یا ان کے ہاتھ ہیں کہ جن سے گرفت کرتے ہیں۔ یا ان کی آنکھیں ہیں جن سے دیکھتے ہیں۔ یا ان کے کان ہیں جن سے سنتے ہیں۔ یہ بت پرستوں کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی تم لوگ پیروں سے چلتے ہو۔ ہاتھوں سے گرفت کر سکتے ہو اور دیکھتے اور سنتے ہو، اور تم لوگ حیوان جاندار ہو تو کیونکر پوری خلقت کے جاندار نے ناقص جمادات کو اپنا معبود بنایا۔ اگر یہ بت پرست ذرا غور کرتے تو اس قدر ضرور جان لیتے کہ معبود خدا تو چیزوں کو بنانے والا ہوتا ہے۔ اور وہ خود نہیں بنایا جاتا ہے۔ اور وہی جمع کرتا ہے۔ وہ خود نہیں جمع کیا جاتا۔ اور کل اشیاء کا قیام اسی کی قدرت سے ہوتا ہے۔ اس کو کوئی قائم نہیں کر سکتا۔ تو اللہ تعالیٰ کی پرستش کرنی چاہیے۔ جو سب صورت سے کامل ہے۔ نہ کہ اس کی جس میں کچھ قدرت نہیں۔ پھر بت پرستوں کے خیال میں جو یہ اعتقاد جم گیا ہے کہ بت ہماری سفارش کیا کرتے ہیں۔ تو یہ محض خیال ہے جس میں کوئی مناسبت بھی بتوں کے ساتھ نہیں ہے۔

آگ و سورج و چاند پوجنے والوں پر ابلیس کی تلبیس کا بیان

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ایک جماعت پر ابلیس نے تلبیس سے یہ رچایا کہ آگ کی عبادت کریں۔ اور کہا کہ آگ ایک ایسا جوہر ہے کہ عالم کو اس سے چارہ نہیں یعنی عالم کے لئے یہ ضروری ہے اور اسی سے آفتاب کی پوجا بھی رچائی۔ امام ابو جعفر بن جریر الطبری نے ذکر کیا کہ جب قابیل نے ہابیل کو قتل کیا اور اپنے باپ آدم علیہ السلام کے پاس سے بھاگ کر یمن کو چلا گیا تو ابلیس نے اس کے پاس آکر کہا ہابیل کا نذرانہ اس وجہ سے قبول ہوا اور آگ نے اس کو کھالیا کہ وہ آگ کی خدمت کرتا تھا۔ اور اس کو پوجتا تھا۔ اب تو بھی آگ مہیا کر تو آئندہ تیرے لئے اور تیری اولاد کے لئے وہ کار ساز ہوگی۔ پس اس نے ایک آتش خانہ بنایا اور آگ کو پوجنے لگا۔

جاہظ نے بیان کیا کہ زراشت جس کو مجوسی اپنا پیغمبر مانتے ہیں۔ وہ بلخ سے آیا۔ اور دعویٰ کیا کہ وہ کوہ سیلان پر تھا۔ وہاں اس پر وحی نازل ہوئی اور یہ ممالک بہت سرد ہیں۔ وہاں کے لوگ سردی کے سوا کچھ نہیں جانتے ہیں اور اقرار کیا کہ وہ فقط ان پہاڑیوں کے سوائے کسی کی طرف پیغمبر کر کے نہیں بھیجا گیا ہے اور جن لوگوں نے اس کو مانا ان کے لئے اس نے ایسے قبیح امور سے شرع مقدر کی جیسے اقسام پیشاب سے وضو کرنا اور ماؤں (ہیٹیوں اور بھوں) سے وطمی کرنا اور آگ کی پوجا وغیرہ کرنا۔ زراشت مذکور کے اقوال میں سے یہ ہے کہ اللہ اکیلا تھا۔ جب تنہائی کو مدت دراز گزری تو اس نے غور و فکر کر کے ابلیس کو پیدا کیا۔ جب ابلیس اس کے روبرو آیا تو خدا نے اس کو قتل کرنا چاہا ابلیس نے روکا اور مانع ہوا۔ تو جب خدا نے دیکھا کہ وہ قابو میں نہیں آتا ہے تو ایک مدت کے لئے اس سے صلح کر لی۔

واضح ہو کہ آتش پرستوں نے آگ کی پوجا کرنے کے لئے بہت سے آتش خانے بنائے۔ چنانچہ سب سے اول افریدون نے آگ کی پوجا کے لئے طرسوس میں آتش خانہ بنایا۔ اور دوسرا خزار میں بنایا۔ اور بہمن نے سیستان میں بنایا اور ابو قہاز نے نواح خزار میں بنایا۔ اور اس کے بعد بخترت آتش خانے بنائے گئے۔ زراشت نے ایک آگ رکھی تھی۔ جس کی نسبت وہ مدعی تھا۔ کہ یہ آسمان سے اتری ہے اور اسی نے ان کے نذرانے کھائے ہیں اس کی صورت یہ ہوئی کہ اس نے ایک احاطہ بنایا اور اس کے درمیان میں ایک شیشہ نصب کیا۔ اور نذرانہ کا جانور ایک لکڑی پر لٹکایا جس پر گندھک

لگادی تھی۔ جب ٹھیک دوپہر کو سورج سر پر آیا اور چھت کے روشندان سے سورج کی کرن اس شیشہ پر پڑی تو گندھک کی تیزی سے لکڑی میں آگ لگ گئی زرا دشت نے کہا کہ اب تم اس آگ کو بجھنے نہ دینا۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ابلیس نے چند اقوام کے خیال میں چاند کی پوجا رچائی اور دوسروں کے خیال میں ستاروں کی پرستش اچھی دکھلائی۔ ان قبیہ نے کہا کہ اسلام سے پہلے جہالت کے زمانے میں ایک قوم نے ستارہ شعری العبور کو پوجا۔ اور اس کی وجہ سے فتنہ میں پڑے۔ اور اس کے واسطے وہ نذرانہ چڑھایا۔ جس کو اپنے زعم میں اس کے مشابہ سمجھے۔

ابو کبشہ جس کی نسبت کر کے رسول اللہ ﷺ کو مشرک لوگ ان ابو کبشہ کہا کرتے تھے۔ وہ پہلا شخص جس نے شعری کو پوجا اور کہا کہ یہ ستارہ آسمان کو چوڑان میں کاٹتا ہے۔ اور سوائے اس کے کوئی ستارہ اس کو عرض میں طے نہیں کرتا۔ اس خیال سے اس کو پوجنا شروع کیا۔ اور قریش کے خیال سے مخالف ہوا۔ لہذا جب رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے اور لوگوں کو اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کی طرف بلایا اور کہا کہ بتوں کو چھوڑ دو تو قریش نے کننا شروع کیا کہ یہ بھی ابو کبشہ کا بیٹا ہے یعنی جس طرح ابو کبشہ نے ہم سے مخالفت کی اسی طرح اس نے مخالفت کی۔ بنی اسرائیل نے اسی محاورہ کے موافق حضرت مریمؑ کو اخت ہارون کہا تھا۔ یعنی ہارون کی طرح نیک سخت صالح ہے۔

جاننا چاہیے کہ شعری دو ہیں۔ ایک یہی شعری عبور ہے اور دوسرے کو شعری غمیصاء کہتے ہیں۔ وہ اس کے مقابل ہے اور دونوں کے درمیان میں بحرہ (ثریا) ہے۔ اور غمیصاء برج اسد میں ذرا مبسوط ہے۔ اور یہ شعری برج جوازا میں ہے۔

ابلیس نے دیگر قوموں پر فرشتوں کی پوجا رچائی اور انہوں نے فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہا تعالیٰ اللہ عما یقولون عدوا کبیرا شیطان نے ایک اور قوم پر گھوڑے اور گائے کی پوجا رچائی۔ سامری گائے پوجنے والوں میں سے تھا۔ چنانچہ اس نے گوسالہ بنایا تھا۔ تعبیر میں آیا ہے کہ فرعون بھی مینڈھا پوجتا تھا۔ ان احمقوں میں کوئی ایسا نہ تھا جس نے فکر و عقل سے کچھ کام لیا ہو۔

اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت والوں

پر ابلیس کی تلمیس کا بیان

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہم نے یہ بیان کر دیا کہ ابلیس نے کیونکر ان لوگوں پر بت پوجنے میں تلمیس کی اور سب سے بدتر اس معاملہ میں اس کی تلمیس ان جاہلوں پر تھی کہ بغیر دلیل کے بے سوچے سمجھے اپنے باپ دادوں کی تقلید کرتے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اذاقیل لہم اتبعوا ما انزل اللہ قالو بل نتبع ما الفینا علیہ آباءنا اولو کان آباء ہم لا یعقلون شیئا ولا یہتدون۔ (البقرہ پ ۲ آیت ۱۷۰) یعنی جب ان لوگوں سے کہا جاوے کہ جو اللہ تعالیٰ نے اتارا ہے اس کی پیروی کرو تو کہیں کہ نہیں بلکہ ہم تو اسی راہ پر چلتے رہیں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے۔ تو کیا باپ دادوں کی تقلید پر اڑے رہیں گے۔ اگرچہ ان کے باپ دادے نہ کچھ سمجھتے اور نہ راہ پاتے تھے۔

اور ان میں سے ایک گروہ پر شیطان نے ایسی تلمیس کی کہ دہریہ کے طریقے اختیار کر لئے خالق کا اور مرے پیچھے جی اٹھنے کا انکار کیا اور کہا کہ کوئی پیدا کرنے والا نہیں اور نہ بھی مردے اٹھائے جائیں گے۔ اسی فرقہ کے حق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ان ہی الا حیاتنا الدنیا وما نحن مبعوثین (الانعام پ ۷ آیت ۲۹) یعنی کچھ نہیں یہی فقط ہماری دنیا کی زندگی ہے اور ہم کبھی اٹھائے نہ جائیں گے۔ وما یہلکنا الا الدھر (الحاشیہ پ ۲۵ آیت ۲۴) اور ہم کو یہی زمانہ کی گردش ہلاک کرتی ہے۔

فائدہ:- اس زمانہ میں تو بخیرت دہریے موجود ہیں۔ لیکن دنیا میں عیش کی زندگی بسر کرنے میں ایک انتظامی قانون کی پابندی ہے۔

ان میں سے ایک فرقہ پر ابلیس نے یہ تلمیس کی کہ خالق کو اپنی رائے سے اقرار کیا مگر رسولوں اور قیامت سے انکار کیا اور ایک فریق پر یہ تلمیس کی کہ ملائکہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اور ایک فرقہ کو دین یسود و نصاریٰ کی طرف مائل کیا اور ایک فرقہ کو مجوسی دین کی طرف مائل کیا اور یہ عقیدہ عرب کے اکثر بنی تہیم میں تھا۔ چنانچہ زرارہ بن جلدیس ابھی اور اس کے بیٹے حاجب کا یہی عقیدہ تھا۔

بعض عرب ایسے تھے کہ خالق کا اقرار کرتے اور کہتے کہ اس نے لہداء میں پیدا

کیا اور موت کے بعد دوبارہ پیدا کرے گا۔ اور ثواب و عذاب بھی ملے گا۔ اس عقیدہ والے عبدالمطلب ابن ہاشم زید بن عمرو بن نفیل قیس بن ساعدہ اور عامر بن الظرب تھے اور روایت ہے کہ عبدالمطلب نے جب ایک ظالم کو دیکھا جس کو دنیا میں اس کے ظلم کی سزا نہیں پہنچی تو کہا کہ خدا کی قسم اس دار دنیا کے علاوہ دوسرا جہان ہے جہاں نیک و بد کو اپنا عوض ملے گا۔ اسی فرقہ میں سے زہیر بن ابی سلمی بھی تھا۔ (جس کا قصیدہ ”سبعہ معلقہ“ میں موجود ہے) اسی کا یہ شعر ہے یوخر فیوضع فی کتاب فیدخر لیوم الحساب او یعجل فینقم یعنی جو خدا کے نزدیک تمہاری بد نیتی معلوم ہے وہ چھپ نہیں سکتی تو دو ہی صورتیں ہیں یا تو وہ عذاب میں تاجیر کرے گا۔ تو نامہ اعمال میں لکھ کر روز حساب کے لئے ذخیرہ رکھی جائے گی۔ یا بالفعل ہی تم سے انتقام لیا جاوے گا۔ کہ عذاب دیا جاوے گا۔

فائدہ:- گویا یہ شخص یہ اعتقاد بھی رکھتا تھا کہ اللہ تعالیٰ دل کے بھید سب جانتا ہے پھر یہ شخص زمانہ اسلام میں مسلمان ہو گیا۔ اسی قسم میں سے زید الفوارس بن حصن تھا اور اسی قسم میں سے قلمس بن لیث الکنتانی تھا یہ شخص کعبہ کے سایہ میں کھڑا ہو کر وعظ سنایا کرتا تھا۔ اور عرب کے قبائل مواسم حج سے بغیر اس کا خطبہ اور وصیت سننے ہوئے واپس نہیں جاتے تھے۔ ایک روز اس نے کہا کہ اے قوم عرب میری بات سنو، اور مانو، تم فلاح پاؤ گے۔ عرب نے کہا کہ وہ کیا بات ہے۔ اس نے کہا کہ تم لوگوں میں سے ہر کنبہ نے الگ الگ بہت ہاتھ لئے ہیں اور جدا جدا ہو گئے ہیں۔ اور میں خوب جانتا ہوں کہ خدا ان سب سے راضی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ اور ان ٹھاکروں کا پروردگار ہے۔ اور وہ یہی چاہتا ہے کہ فقط اسی کی عبادت کی جاوے۔ یہ سن کر عرب کے لوگ اس سال متفرق ہو گئے۔ اور اس کی نصیحت کچھ نہیں سنی۔

عرب میں بعض قوم ایسی تھی جن کا یہ اعتقاد تھا کہ جو شخص مرا اور اس کی قبر پر اس کا اونٹ باندھ دیا گیا اور چھوڑ دیا گیا۔ یہاں تک کہ وہ بھی مر گیا۔ تو یہ شخص حشر میں یہ سواری پاوے گا۔ اور اگر ایسا نہ کیا جاوے تو وہ پیدل حشر میں جائے گا۔ عمرو بن زید الکلبی کا یہی عقیدہ تھا۔

ان میں سے اکثر ایسے تھے کہ برابر شرک پر رہے اور بہت کم ایسے ہوئے کہ انہوں کو چھوڑ کر فقط خدا کو مانا ہو۔ جیسے قس بن ساعدہ اور زید بن عمرو بن نفیل۔ زمانہ جاہلیت کے لوگ ہمیشہ بھرت نئی نئی بدعتیں نکالا کرتے۔ منجملہ ان بدعات کے

نسبھی ہے۔ یعنی حلال مہینہ کو حرام کر دینا۔ اور حرام مہینہ کو حلال کر دینا۔ بات یہ تھی کہ عرب والے ملت الہیہ میں سے چار ماہ (رجب، ذیقعدہ، ذوالحجہ، محرم) کی حرمت پر منسلک رہے۔ لیکن جب قبائل میں خانہ جنگی ہوتی اور محرم میں لڑائی کی ضرورت ہوتی تو اس کو حلال کر لیتے اور اس کی تحریم کو صفر پر نسبھی کرتے۔ یعنی ہٹا کر تاخیر کرتے۔ پھر اگر صفر میں بھی لڑائی ختم نہ ہوتی تو ضرورت سے اس کو آئندہ تاخیر کرتے چلے جاتے، یہاں تک کہ سال پلٹ جاتا۔ ان لوگوں کا یہ حال تھا کہ جب حج کرتے تو تلبیہ اس طرح کہتے لیلیک لا شریک لک الاشریکا ہو لک ملک و ما ملک یعنی لیلیک تیرا کوئی شریک نہیں ہے سوائے ایسے شریک کے جو تیرا ہے۔ تو اس کا اور اس کے مملوکوں کا مالک ہے۔

منجملہ بدعتوں کے مردوں کو خیرات دینا اور عورتوں کو محرم رکھنا۔
منجملہ ان کے یہ کہ جب کوئی مرتا تو اس کی زوجہ کے نکاح کا وارث وہ مرد ہوتا جو میت کے اقربا میں سے سب سے زیادہ قریب ہے۔ (مگر باپ یا بیٹا نہیں بلکہ وہ جس سے نکاح ہو سکتا ہو)

منجملہ ان کے حیرہ کی رسم نکالی۔ یعنی وہ اونٹنی جو پانچ پیٹ جینی۔ پس اگر پانچوں پیٹ مادہ جینی تو اس کے کان پھاڑ دیئے۔ اور عورتوں پر اس کا کھانا حرام کیا۔ سائبہ کی رسم نکالی۔ یعنی اونٹ مگائے بحری کی قسم سے جانور کو آزاد چھوڑ دیتے۔ نہ اس کی پیٹھ پر کوئی سواری لیتا اور نہ کوئی اس کا دودھ دودھ دہ سکتا تھا۔ وکیلہ کی رسم مقرر کی۔ وکیلہ وہ بحری جو سات پیٹ جینی۔ اگر ساتواں پیٹ دوپچے ایک نر اور دوسرا مادہ ہو تو کہتے کہ اس نے مادہ کے ساتھ اس کا بھائی ملا دیا تو وہ ذبح نہیں کی جاتی۔ اور اس کا نفع (دودھ اور بال وغیرہ) فقط مردوں کے لئے ہوتا۔ اس میں عورتوں کے لئے کچھ نہ ہوتا۔ اور اگر مرجاتا تو اس میں مرد عورتیں دونوں شریک ہوتے۔ حام نکالا۔ یعنی وہ نر جس سے جفتی کھلا کر دس پیٹ جنائے تو کہتے ہیں کہ اس نے اپنی پیٹھ کی حمایت کر لی۔ اور اس کو بیٹوں کے نام پر سائڈ کی طرح چھوڑ دیتے۔ اور اس پر کچھ لاد ابھی نہ جاتا پھر مشرکین یہ دعویٰ کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو ان رسموں کا حکم دیا ہے۔ اور یہ جھوٹ تھا اللہ تعالیٰ نے فرمایا لکن الذین کفروا یفترون علی اللہ الکذب (المائدہ پ ۶ آیت ۱۰۳) لیکن جو لوگ کافر رہتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بہتان باندھتے ہیں) پھر مشرکوں نے جو حیرہ و سائبہ و وکیلہ و حام کو حرام ٹھہرایا اور جس قدر حلال بتلایا کہ خالص مردوں کے لئے

حلال ہے عورتوں کے لئے نہیں..... تو اللہ تعالیٰ نے اس کو رد کیا بقولہ قل الذکرین حرام الانثیین الا یہ۔ (الانعام پ ۸ آیت ۱۴۲) یعنی اگر نہ ہونے کی وجہ سے ان جانوروں میں حرمت ہے تو جو جانور نہ ہو گا وہ حرام ہو گا اور اگر مادہ ہونے کی جہت سے حرمت ہے تو جو مادہ جانور ہو حرام ہو گی اور مادہ کے جھول میں آنے سے حرمت ہوتی ہے تو مادہ کے پیٹ میں نہ موادہ دونوں آتے ہیں پس دونوں حرام ہوں گے معلوم ہوا کہ یہ سب مشرکوں کا جاہلانہ افتراء ہے۔

مجملہ قبائح کے ابلیس نے عرب کے گنواروں پر اولاد کا قتل کرنا چاہا۔ چنانچہ ان میں بہت سے ایسے تھے کہ اپنی لڑکیوں کو مار ڈالتے اور کتے کو اس کا گوشت کھلا کر پالتے۔

مجملہ جہالتوں کے جس سے ابلیس نے ان پر تلبیس کی ایک یہ تھا کہ جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا قالوا لو شاء اللہ ما اشرکنا (الانعام پ ۸ آیت ۱۴۸) ”یعنی مشرکوں نے جھگڑا لوپن سے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ہم لوگ شرک نہ کرتے“ یعنی اگر وہ ہمارے شرک سے راضی نہ ہوتا تو ایسا رخنہ ڈال دیتا کہ ہم لوگ اس کے ساتھ شرک نہ کر سکتے۔ دیکھو ان جاہلوں نے اللہ تعالیٰ کی مشیت کو پکڑا۔ اور حکم چھوڑ دیا۔ اور مشیت سب کائنات کو شامل ہے۔ اور حکم سے عام مراد نہیں ہوتی تو حکم خاص آجانے کے بعد کسی کو روا نہیں ہے کہ مشیت کی جہت پکڑے۔ واضح ہو کہ مشرکوں کی بے ہودہ رسمیں اور وہی طریقے جو انہوں نے نکالے تھے۔ وہ بہت کثرت سے ہیں کہاں تک ان کے بیان سے وقت ضائع کیا جاوے۔ اور وہ ایسے بے ہودہ ہیں کہ ان کو رد کرنے میں تکلف کی مطلق حاجت بھی نہیں ہے۔

نبوت سے منکر لوگوں پر تلبیس ابلیس کا بیان

ابلیس نے برہمن و ہندوؤں وغیرہ پر اپنی تلبیس کا پردہ ڈالا تو ان کے لئے یہ رچایا کہ نبوت سے منکر ہوئے۔ تاکہ اس تلبیس سے جو فیض رحمت پہنچتا اس کا راستہ بند کر دیا۔ ہندوؤں کے فرقے بہت سے ہیں۔ بعض شیویہ بعض برہمنوں کے مذہب پر ہیں۔ بعض فقط آدم و ابراہیم علیہما السلام کی نبوت مانتے ہیں۔

شیخ ابو محمد نوبختی نے کتاب الاراء والدیانات میں ذکر کیا ہے۔ کہ ہندوؤں اور برہمنوں کی ایک قوم نے ثابت کیا کہ خالق ہے۔ رسول آئے ہیں اور بہشت و دوزخ

بھی ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کا رسول ایک فرشتہ آیا تھا۔ جو آدمی کی صورت میں تھا۔ لیکن اس کے پاس کوئی کتاب نہ تھی۔ اور چار ہاتھ اور دس سر تھے۔ ان میں سے ایک سر آدمی کے سر کی طرح تھا۔ اور باقی شیر گھوڑے، ہاتھی اور سور وغیرہ حیوانات کے سروں کی طرح تھے۔ اس نے ان کو حکم دیا کہ آگ کی تعظیم کریں اور قتل و ذبح سے منع کیا سوائے اس کے کہ آگ کی تعظیم کے لئے جانور ماریں۔ اور ان کو جھوٹ اور شراب خوری سے منع کیا اور زنانہ پر مباح کر دیا اور ان کو یہ حکم دیا کہ گائے کی پوجا کریں۔ جب ان میں سے کوئی شخص مرتد ہو جاتا ہے تو اس کا سر اور داڑھی اور مونچھیں اور بھوس و پلکیں سب مونڈ ڈالتے ہیں۔ پھر اس کو لے جا کر گائے کا سجدہ کراتے ہیں۔ اسی قسم کی بے ہودہ ہدیان کی باتیں بہت ہیں۔ کہاں تک اس کے بیان سے وقت ضائع کیا جائے۔

ابلیس نے براہمہ (برہمنوں) پر چھ شبہات ڈالے ہیں۔

شبہ اول یہ ہے کہ ایک شخص کا ان چیزوں پر مطمع ہونا از بس بعید ہے جو اور سے مخفی رکھی گئی ہیں۔ چنانچہ وہ کہا کرتے تھے۔ ما هذا الا بشر مشلکم۔ (المومنون پ ۱۸ آیت ۲۲-۳۳) مطلب یہ ہے کہ جو بات دوسروں پر پوشیدہ ہے وہ ایک شخص پر کیونکر ظاہر ہو سکتی ہے۔

اس کا یہ جواب ہے کہ اگر یہ لوگ انسانی عقولوں سے بات کرتے تو ان کو بتلاتے کہ ان کی جنس میں ایک شخص میں ایسے عمدہ خصائل ہوتے ہیں جن کی وجہ سے سب پر فوقیت رکھتا ہے پس ان خاص فضائل کی وجہ سے وہ اس لائق ہو سکتا ہے کہ اس کو وحی حاصل ہو۔ اور ہر ایک آدمی اس لائق نہیں ہو سکتا۔ سب لوگوں کو یہ بات معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مزاج مرکب فرمائے ہیں۔ اور ان میں بہت فرق پیدا کیا ہے۔ اور بہت سی دوائیں پیدا فرمائیں جو بدن کے فساد کو اصلاح پر لاتی ہیں۔ تو جب اللہ تعالیٰ نے نباتات اور پتھروں میں ایسی خاصیتیں پیدا کیں جن سے اس بدن کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ جو حقیقت میں اسی دار فنا میں مٹ جانے کے لئے رکھا گیا ہے۔ تو دار آخرت میں باقی رکھنے کے لئے ضرورت زائد ہے۔ تو کچھ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوقات میں سے کچھ اشخاص کو حکمت بالغہ کے ساتھ خاص کرے۔ جس کے ذریعہ سے وہ مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلائیں۔ اور مخلوقات میں جن کے اندر بسبب بد اعمالیوں اور بد اخلاقیوں کے فساد ہو گیا ہے۔ ان کو اصلاح پر لاویں۔ اور یہ بات معلوم ہے کہ جو لوگ نبوت میں مخالفت کرتے ہیں۔ وہ اس سے انکار نہیں کرتے کہ کچھ قومیں حکمت کے ساتھ

مخصوص ہوں تاکہ شریر طبیعتوں کے جوش کو اچھی نصیحت سے ٹھنڈا کریں۔ تو پھر کیونکر منکر ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو ایسی رسالت و وصیت سے مخصوص فرما دے جس سے وہ لوگ عالم کی اصلاح کریں اور ان کے اخلاق درست کریں۔ اور ان کی سیاست ٹھیک کریں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اس کی جانب اشارہ فرمایا بقولہ اکان للناس عجبان ان اوحینا الی رجل منهم ان انذر الناس الخ (یونس پ ۱۱ آیت ۲) ”یعنی کیا لوگوں کو اس امر سے تعجب ہوا کہ ہم نے ان میں سے ایک مرد کو یہ وحی پہنچی کہ لوگوں کو ڈراؤ۔“

شبہ دوم۔ منکروں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو رسول بنا کر کیوں بھیجا۔ کیونکہ ملائکہ اس سے اقرب ہیں۔ اور ان میں شک ہو نا بہت بعید ہے اور آدمیوں میں یہ خصلت ہے کہ اپنی جنس کے آدمیوں پر سردار ہو جانا پسند کرتے ہیں۔ تو اس سے شک پیدا ہوگا۔

اس کا جواب تین طرح سے دیا گیا ہے۔ (اول) یہ کہ ملائکہ کی قوت میں یہ ہے کہ بڑے پہاڑوں کو الٹ دیں۔ تو ایسا کوئی معجزہ نہیں ہو سکتا جو ان کی سچائی پر دلیل ہو سکے۔ کیونکہ معجزہ وہ ہوتا ہے جو اس جنس کی عادات کے خلاف محال ہو اور ملائکہ کی یہ عادت ہے تو معجزہ صرف کمزور آدمی ہی کے ہاتھوں سے ظاہر ہو کر اس کی نبوت کے صدق و دعویٰ پر دلیل کر سکتا ہے۔ (دوم) یہ کہ ہر جنس کی طرف زیادہ میلان ہوتا ہے تو یہ لائق ہوا کہ لوگوں کی طرف ان کی جنس سے آدمی بھیجا جاوے تاکہ اس سے نفرت نہ کریں اور اس کی باتوں کو سمجھیں پھر اسی ہم جنس کو خاص کر ایسی چیز بطور معجزہ دی جاتی ہے۔ جس سے اس جنس والے عاجز ہوں تاکہ اس کے صدق و دعویٰ پر دلیل ہو جائے۔ (سوم) آدمی کی یہ طاقت نہیں ہے کہ فرشتہ کو دیکھ کر زندہ بچ سکے۔ اور انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ ایک قسم کا خصوصی اور اک نصیب کرتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ولو جعلناه ملکا لجعلناه رجلا (الانعام پ ۷ آیت ۹) یعنی ہم اگر فرشتہ کو رسول بنادیں تو اس کو بھی مرد کی صورت میں بنادیں۔ تاکہ اس کو دیکھ کر مانوس ہو کر اس کی ہدایت کو سمجھیں۔ پھر فرمایا وللیسنا علیہم ما یلبسون یعنی جو شبہ لوگ اپنے اوپر ڈالتے ہیں وہی ہم ان پر ڈالیں۔ یعنی اگر وہ فرشتہ بھورت مرد آدمی ہوگا تو نہ جانیں گے کہ یہ فرشتہ ہے یا آدمی ہے۔

فائدہ:- اور نہ کھائے نہ پیئے اور نہ نکاح کرے تو اس قسم کے شرائع ان کو

کیسے معلوم ہوں اور یہ آدمی کے جامہ میں یہ خواہش اس میں مرکب ہو تو وہی کیفیت ہوگی۔

شبہ سوم۔ منکروں نے کہا کہ انبیاء علیہم السلام جن معجزات کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اور علم الغیب بتلاتے ہیں۔ اور جو وحی ان پر آتی ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ اس قسم کے آثار کا ہنوں و ساحروں سے ظاہر ہوتے ہیں۔ تو کس دلیل سے ہم فرق جانیں کہ یہ معجزہ ہے اور جادو نہیں ہے۔ تو صحیح و فاسد میں فرق کی دلیل نہ رہی۔ جواب یہ ہے کہ کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شبہ دور کرنے کی جھٹیں بیان فرمائیں اور عقلوں کو پابند کیا کہ دونوں میں فرق کر لے۔ تو جادو گر کو یہ قدرت نہیں ہے۔ کہ مردے کو زندہ کر دے یا عصا سے اژدھا نکالے۔ رہا کاہن تو وہ کبھی ٹھیک رہتا ہے تو کبھی غلط برخلاف نبوت کے کہ اس میں کچھ غلطی و خلاف نہیں ہے (اور خصوصاً آسمانی چاند کو دو ٹکڑے کرنا کسی ساحر سے ممکن نہیں ہے۔)

شبہ چہارم۔ منکروں نے کہا کہ انبیاء علیہم السلام جو کچھ لائے وہ عقل کے خلاف ہے تو قبول نہیں ہے اور عقل کے موافق ہے تو عقل ہی کافی ہے۔ جواب یہ ہے کہ ثابت ہو چکا کہ بھرت آدمی اپنے دنیاوی معاملات سیاست سے عاجز ہیں حتیٰ کہ ایک مہتمم جیسے عقلاء و سلاطین کی ضرورت ہوتی ہے۔ تو بھلا امور الہی و آخرت سے کیونکر عاجز نہ ہوں گے۔ (یعنی اس میں سب عاجز ہیں۔ تو وحی الہی کی ضرورت ہے۔)

شبہ پنجم۔ شریعت میں چند چیزیں ایسی آئی ہیں جن سے ہماری عقل نفرت کرتی ہے۔ جیسے جاندار کو قتل کرنا۔ تو یہ شریعت کیسے صحیح ہو سکتی ہے۔ جواب یہ ہے کہ بے شک عقل اس سے منکر ہے کہ ایک حیوان دوسرے حیوان کو دکھ دے۔ اور جب خالق نے ایسا حکم دیا ہو تو عقل کو اعتراض کی جگہ نہیں رہی۔ اس جواب کا مشرح بیان یہ ہے کہ عقل کے نزدیک ثابت ہو گیا کہ خالق عز و جل حکیم ہے اور اس میں کچھ خلل و نقص نہیں ہے۔ اور جب یہ معرفت عقل کو مل گئی تو اس پر لازم ہے کہ خالق کے سب احکام تسلیم کرے۔ اگرچہ بعض کی حکمت اس پر مخفی رہے۔ اور اگر کسی شاخ کی حکمت ہم پر مشتبہ ہو تو بھی یہ جائز نہیں کہ ہم جڑ کے باطل ہونے کا حکم لگا دیں۔ پھر ہم کہتے ہیں کہ اس حکم کی حکمت بھی ظاہر ہو گئی۔ چنانچہ ہم کہتے ہیں کہ جمادات پر حیوانات کو فضیلت ہے۔ اور حیوانات میں غیر ناطق پر ناطق کو فضیلت ہے۔ کیونکہ

ناطق کو فہم و فطنت دی گئی۔ اور نظری و علمی قوتیں عطا کی گئی ہیں۔ اور ناطق کاباقی رہنما بہ نسبت غیر ناطق کے زیادہ اہتمام کے قابل ہے۔ ناطق کی یہ قوتیں باقی رہنے میں گوشت کے قائم مقام اور کوئی چیز نہیں ہے۔ تو کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ کہ جس قسم کا فائدہ عظیم ہے وہ کم فائدہ والے کو کھالے اور کمزور کو قوی تناول کرے۔ یہاں حیوان تو بزرگ حیوانات اشرف المخلوقات کے لئے پیدا ہوتے ہیں۔ پھر اگر یہاں ذبح نہ کئے جاویں تو بہت کثرت سے بڑھ جاویں اور چراگاہ اور کھیتی باڑی کی گنجائش نہ رہے اور مرے تو ان کے مردار کی بدبو سے اشرف المخلوقات کو بہت تکلیف ہو (بلکہ اس کے قوائے عقلیہ میں خلل ہو جاوے) اور یہاں کی ایجاد کا کچھ فائدہ بھی نہ رہے۔ اور یہ جو تم کہتے ہو کہ ذبح کرنے میں دکھ ہے تو یہ بہت خفیف ہے۔ بعض حکماء نے کہا کہ درد بالکل محسوس نہیں ہوتا۔ کیونکہ درد کا محسوس ہونا دماغ کی جھلیوں کو ہوتا ہے۔ اس لئے اسی میں اعصاب حساسہ ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے جب خود دماغ کو صرع یا سکتہ پہنچتا ہے۔ تو انسان کو کچھ درد محسوس نہیں ہوتا۔ اور ذبح میں جب تیزی سے شاہ رگیں کاٹ دی گئیں تو دور ایسے محل میں نہیں پہنچا جس کو حس ہو اسی لئے آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ تم میں سے جب کوئی ذبح کرے تو چھری تیز کر لینا چاہیے اور زخم کو آرام دینا چاہیے۔ فائدہ:۔ اور اگر حیوان کے غذا ہو جانے میں مصیبت ہوتی تو حکیم مطلق عزوجل درندہ جانوروں کو خشکی و تری میں ایسی حقیقت پر پیدا کرتا کہ ساگ پات کھاتے یا ان کے دانت و پنجے نہ ہوتے۔ کیونکہ انسان میں اگر عقل ہے تو درندوں میں نہیں ہے، فافہم۔

شبہ ششم۔ نبوت کے منکروں نے کہا کہ شاید صاحبان شریعت کو بعض پتھر و لکڑی کے کچھ خواص معلوم ہو گئے ہوں یعنی اس کے ذریعہ سے معجزہ بنایا جواب یہ ہے کہ شبہ کرنے والوں کو کچھ شرم کرنی چاہیے تھی۔ اس لئے کہ نباتات کے خواص و منافع مدت دراز سے بخوبی ظاہر ہو چکے اور بھیک کھل چکا ہے۔ پھر اگر کسی شخص کو کوئی پتھر یا لکڑی مل جاتی اور وہ اس کے خاصیت ظاہر کرتا (مثلاً موسیٰ علیہ السلام کے عصا میں کوئی خاصیت ہوتی) تو ان چیزوں کے جاننے والے اسی وقت کہتے کہ یہ آپ کا معجزہ نہیں ہے بلکہ اس لکڑی یا پتھر کی خاصیت ہے۔ پھر معلوم ہے کہ معجزات کچھ ایک ہی قسم کے نہ تھے بلکہ ان کی مختلف اقسام ہیں جیسے پہاڑ سے ناکہ نکالا، موسیٰ علیہ السلام کا عصا بالکل بدل کر اژدھا ہو گیا۔ پتھر سے چشمے جاری ہوئے اور یہ قرآن عظیم معجزہ

کبریٰ ہے کہ قریب چھ سو برس کے ہوئے۔ جب سے نازل ہوا ہے اور کان اس کو سنتے ہیں اور افکار اس میں غور کرتے ہیں اور اس سے تحدی کی گئی کہ اس کی ایک سورۃ کے مثل بنا کر لاؤ۔ اور یہ تحدی قیامت تک باقی ہے۔ پھر کسی کو یہ قدرت نہ ہوئی کہ ایک آیت بھی اس کے علاوہ کہیں سے بنا کر لاتا۔

فائدہ:- بلکہ اب تو عقلاً محال ہو گیا۔ اس لئے کہ عرب عرباء جو کامل فصیح اہل زبان تھے۔ جب لاکھوں نے عاجزی کا اقرار کیا تو اب جو کوئی مدعی ہو وہ قطعاً وہی وکاذب ہے۔ خصوصاً جب کہ اہل زبان سب بھی نہ ہو اور عرب میں یہود و نصاریٰ سب موجود تھے اور عراق و نجران و بنی تغلب مدت تک اسلام نہ لائے اور لڑائیاں لڑے۔

پھر کہاں یہ معجزہ عظیم اور کہاں خاصیت و سحر و شعبہ شیخ ابو الوفاء علی بن عقیلؒ نے کہا کہ ملحدوں کی جبلت کا خمیر یہ ہے کہ دل سے چاہتے ہیں کہ کسی طرح کلمہ حق چھپ جائے اور مخلوقات میں شریعت کا ثبوت نہ رہے۔ اور لوگ اس کے احکام پر عمل نہ کریں۔ انہیں ملحدوں میں سے ابن الروندی فیلوف و ابو العلاء المعری شاعر اور ان کے مانند بہت ہیں (جیسے اکثر دیلمی روافض تھے) اور باوجود اس کوشش کے ان ملحدوں کو اپنی گفتگو کی کچھ قدر نہیں دکھائی دیتی اور نہ کچھ اثر پاتے ہیں۔ بلکہ ان خبیثوں کی امید کے برخلاف جامع مسجدیں لوگوں کی کثرت و اثر و دام سے لبریز ہوتی ہیں اور پانچوں وقت عام مسجدوں میں ہند گان حق کی اذانوں سے ان ملحدوں کے کانوں میں سوراخ ہوتے ہیں کہ ہند گان باری تعالیٰ اس کے رسول ﷺ کی شان والا کی تعظیم کرتے ہیں۔ اور جو نعمت ہدی آپ لائے صاف گواہی سے اس کا اقرار کتے ہیں۔ اور حج میں اپنی جانیں و مال خرچ کرتے ہیں۔ باوجودیکہ سفر میں ہر طرح کے خطرات و مشقت اور آل و اولاد سے مفارقت برداشت کرنی پڑتی ہے۔ لیکن حکم شریعت کی تعظیم ایمانی تصدیق سے سب پر عمل کرتے ہیں۔

پھر ان ملحدوں کے مکر کو دیکھو کہ بعض تو یہ کرتے ہیں کہ علمائے نقل کے یہاں کسی فاجر کو لالچ دے کر جھوٹی اسناد سے فسادِ بات بنا کر ان کی کتابوں میں خفیہ داخل کراتے ہیں۔ اور آنحضرت ﷺ کے زمانہ کے حالات اور صحابہؓ کے واقعات میں جھوٹی خبریں بنا کر اسی طرح علمائے نقل کے یہاں داخل کراتے ہیں۔ اور بعض ملحدوں نے یہ کام اپنے ذمہ لیا ہے کہ معجزات کے مشابہ چیزیں نقل کرتے ہیں کہ بعض ملکوں

اس میں خرق عادت کیا ہوئی۔ کیونکہ یہ تو برابر اس کے مانند ہو تا رہا اور عادت اسی کو کہتے ہیں کہ وہ چیز برابر جاری رہے۔ اور اکثر پائی جائے پھر جب کسی عاقل دیندار نے ان کو ہوشیار کیا کہ اس میں یہ فساد ہے تو صوفی مکار جھگڑنے لگتا ہے کہ کیا اب اولیاء اللہ کی کرامت سے انکار کرتے ہو۔ اور طبعی کہتا ہے کہ کیا تم خواص سے منکر ہو کہ مقناطیس لوہے کو کھینچتا ہے۔ اور شتر مرغ آگ کی انگاری نکل جاتا ہے۔ تو آخر وہ اصل بات واقعی کی وجہ سے ان کی جھوٹی باتوں سے بھی سکوت کرتا ہے۔ تو زمانہ ہے کہ اس میں حق کے معتقد کو ان ملحدوں سے پریشانی ہے اور ایک طرف باطنیہ ملاحدہ ہیں اور ایک منجم ہیں مع ارباب مناصب کے۔ یعنی امراء و سلاطین و وزراء وغیرہ جو حل و عقد کے مالک ہیں۔ اور لوگ ان ہی کی باتوں پر چلتے ہیں۔

باوجود اس فتنہ عظیم کے پاک ہے حق سبحانہ و تعالیٰ جو اس ملت حنیفیہ کی حفاظت فرماتا ہے اور اس کا کلمہ بلند رکھتا ہے یہاں تک کہ یہ سب گروہ اس کے قبر کے نیچے مقبور ہیں کیونکہ حق سبحانہ و تعالیٰ نے نبوت کے احکام کی بھنبانی رکھی اور ملاحدہ حیلہ بازوں کو مردود اور ناپود کیا۔

ہندوستان کے برہمنوں میں سے بعض قوم ہے جس پر شیطان نے یہ رچایا کہ اپنی جان جلا کر خدا کے یہاں تقرب حاصل کریں۔ چنانچہ جب کوئی آمادہ ہوتا ہے تو اس کے لئے ایک گڑھا کھودا جاتا ہے۔ یعنی آگ بھری جاتی ہے اور لوگ بھڑت جمع ہوتے ہیں۔ اس کو خلق سے خوشبودار کرتے ہیں۔ ڈھول و نقارہ جھانجھ جاتے ہوئے یہ کہتے ہوئے لاتے ہیں کہ اس جیو (جان) کو مبارک ہو کہ اب بیکٹھ (جنت) کے اونچے درجے پر چڑھ جائے گا۔ وہ کہتا ہے تمہاری یہ قربانی مقبول ہو اور میرا ثواب جنت ہو۔ پھر وہ اپنے آپ کو اس خندق میں ڈال دیتا ہے اور جل کر خاک سیاہ ہو جاتا ہے اور اگر وہ آگ میں نہ کودا اور بھاگ کھڑا ہوا تو اس کو دھتکار تے ہیں اور اس سے قطع تعلق کر لیتے ہیں۔ آخر وہ لاچار ہو کر پھر جلنا اختیار کرتا ہے۔

بعض کے لئے ایک پتھر سخت گرم کیا جاتا ہے اور اس کے پیٹ پر لگایا جاتا ہے اور اسی طرح دوبارہ کیا جاتا ہے اور برابر اسی طرح اس کے پیٹ سے گرم پتھر لگائے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس کا پیٹ پھٹ جاتا ہے۔ اور آنتیں نکل پڑتی ہیں تب وہ مر جاتا ہے۔

کوئی اس قدر آگ سے نزدیک کھڑا ہوتا ہے کہ اس کی چربی گل کر بہتی

ہے تب اگر کر جل جاتا ہے۔

بعض کی پٹنڈی اور ران سے ٹکڑے کاٹ کر آگ میں ڈالے جاتے ہیں اور لوگ اس کی تعریف کرتے جاتے ہیں اور اس کے مثل مرتبہ مانگتے ہیں آخر وہ مر جاتا ہے۔

کوئی گائے کے گوبر میں (یعنی کنڈوں میں) ساق تک کھڑا ہوتا ہے اور اس میں آگ لگادی جاتی ہے اور جل کر مر جاتا ہے۔

بعض ہنود پانی پوجتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس سے جاندار کی زندگی ہے پس اس کو سجدہ کرتے ہیں۔

بعض کے لئے پانی کے قریب خندقیں کھودی جاتی ہیں تو وہ خندقوں میں گر پڑتا ہے یہاں تک کہ جب آگ مشتعل ہو جاتی ہے تو وہ اٹھ کر پانی میں غوطہ مارتا ہے۔ اور پھر وہ پانی سے خندقوں کی طرف لوٹتا ہے۔ یہاں تک کہ مر جاوے۔ پھر اگر وہ پانی و خندق کے درمیان میں مر گیا تو اس کے آدمی غمگین ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جنت سے محروم رہا اور اگر وہ پانی یا خندق میں مرا تو گواہی دیتے ہیں کہ وہ جنت میں پہنچ گیا۔

کوئی ان میں سے بھوک پیاس سے تڑپ کر جان دیتا ہے پس پہلے تو چلنے سے عاجز ہو کر بیٹھ جاتا ہے پھر بیٹھنے سے عاجز ہو کر مردہ کی طرح لیٹ جاتا ہے۔ پھر بات نہیں نکلتی پھر حواس میں خلل ہو کر تڑپنے لگتا ہے۔ پھر تڑپنا بھی موقوف ہو کر مر جاتا ہے۔

ان میں سے کوئی زمین میں آوارہ ہو کر مجبوظ پھرتا ہے۔ یہاں تک کہ مر جاتا ہے۔ ان میں کوئی اپنے آپ کو دریا میں غرق کر کے مر جاتا ہے۔ بعض ان میں عورت کے پاس نہیں جاتا اور بالکل ننگا پھرتا ہے۔ فقط ایک چٹ سی لنگوٹی باندھے پھرتا ہے۔

ہند میں ایک بلند پہاڑ ہے اس کے نیچے ایک درخت ہے۔ وہاں ایک شخص کتب لئے پڑھتا اور کہتا ہے کہ مبارک ہو اس کو جو پہاڑ پر چڑھ کر اپنا پیٹ پھاڑ کر اپنے ہاتھوں سے اپنی آنتیں نکال ڈالے۔

بعض ان میں وہ ہے جو بڑا پتھر لے کر اپنا بدن کچل کر مر جاتا ہے اور لوگ اس کو مبارک باد دیتے جاتے ہیں۔

ہند میں دو دریا ہیں (گنگا اور جمنا) اور جو فقیر لوگ غاروں وغیرہ میں بیٹھ رہے

ہیں وہ عید کے روز.... نکل کر وہاں آتے ہیں۔ اور کچھ لوگ وہاں مقرر ہیں۔ وہ ان جوگیوں اور عابدوں کے کپڑے وغیرہ اتار لیتے ہیں۔ اور ان کو پٹ لٹا کر دو ٹکڑے کاٹ ڈالتے ہیں۔ ایک ٹکڑا ایک دریا میں اور دوسرا ٹکڑا دوسرے دریا میں ڈال دیتے ہیں ان لوگوں کا دعویٰ یہ ہے کہ یہ دونوں دریا بہہ کر جنت میں جاتے ہیں۔

بعض ان میں نکل کر آفتاب (یا چٹیل میدان) میں جاتا ہے۔ جہاں دھوپ کے سوا سایہ نہیں ہے اور کچھ لوگ اس کے ساتھ دعا دیتے اور مبارک باد کہتے جاتے ہیں۔ جب وہ صحرا میں جاتا ہے تو بیٹھ جاتا ہے اور شکاری چڑیاں ہر طرف اکٹھی ہوتی ہیں۔ پھر وہ ننگا ہو کر لیٹ جاتا ہے اور لوگ اس کو دیکھتے ہیں۔ اور شکاری چڑیاں ہر طرف سے اس پر جھوم کر کے اس کو کھاتی ہیں۔ جب وہ چلی جاتی ہیں تو لوگ آکر اس کی ہڈیاں لے جا کر جلاتے ہیں اور اس کی راکھ بطور تبرک رکھتے ہیں۔

شیخ ابو محمد نوبختیؒ نے اس کے ساتھ بہت طول طویل افعال ذکر کئے ہیں۔ جن کا نقل کرنا تفصیل لوقات ہے۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ ہندوستان سے مسافر لوگ حکمت کی باتیں حاصل کرتے ہیں اور ان میں باریک اعمال ہیں۔ باوجود اس کے پاک ہے حق سبحانہ تعالیٰ کہ جس نے ہندیوں کو ایسا اندھا کر دیا کہ شیطان نے ان کو اس طرح ہانکا جس کا نمونہ بیان کیا گیا ہے۔ ابو محمد نوبختیؒ نے لکھا ہے کہ بعض ہندی دعویٰ کرتے ہیں کہ جنت کے ۳۲ درجات ہیں اور اگر کوئی جنتی اس کے سب کے نیچے درجے میں چار لاکھ تینتیس ہزار چھ سو بیس سال رہا تو اوپر بڑھے گا۔ اور ہر بالائی مرتبہ بہ نسبت اول کے دو چاند ہے اور جہنم کے بھی ۳۲ درجے ہیں۔ از انجملہ ۱۶ مرتبے میں زمیری وغیرہ طرح طرح کے عذاب ہیں۔ اور باقی ۱۶ مرتبے میں جلن اور طرح طرح کے عذاب ہیں۔

یہود پر تلمیس ابلیس کا بیان

مصنفؒ نے کہا کہ ابلیس نے یہود کو بھی طرح طرح کی تلمیس میں گمراہ کیا۔ اس ڈھیری میں سے ایک مٹھی بھر نمونہ ذکر کیا جاتا ہے۔ جس سے باقی پر قیاس دوڑایا جا سکتا ہے۔ از انجملہ یہ کہ یہود نے خالق کو مخلوق سے مشابہ کیا۔ اور یہ نہ سمجھے کہ اگر تشبیہ حق ہوتی تو جو باتیں مخلوق پر جائز ہوتی ہیں وہ اس پر بھی جائز ہوتیں۔ شیخ ابو عبد اللہ بن حامد نے ذکر کیا کہ یہود کا زعم ہے کہ اللہ تعالیٰ معبود ایک نور کا شخص ہے۔ وہ نور کی

کر سی پر نور کا تاج رکھے ہوئے بیٹھا ہے اور آدمیوں کے اعضاء کی طرح اس کے اعضاء ہیں۔

از انجملہ یہود نے دعویٰ کیا کہ عزیر علیہ السلام خدا کا بیٹا ہے۔ اگر یہود سمجھ رکھتے ہوتے کہ فرزند ہونا حقیقت میں اس طرح ہو سکتا ہے کہ بیٹا اپنے باپ کا جزو ہووے تو پھر حماقت میں نہ پڑتے اس لئے کہ خالق عزوجل کی یہ شان نہیں ہے کہ اس کے ٹکڑے ہو سکیں۔ یا بعض بعض ہو سکے اس لئے کہ یہ کچھ مرکب نہیں ہے تو اپنی حماقت سے اس کا بیٹا نہ بناتے۔ پھر بیٹا بھی باپ کے معنی میں ہوتا ہے حالانکہ عزیر علیہ السلام بغیر کھانے پینے کے قائم نہیں رہتے تھے۔ اور اللہ وہ ہے جس سے مخلوق اشیاء کا قیام ہے۔ اور وہ نہیں کہ جس سے اللہ تعالیٰ کا قیام ہے۔ واضح ہو کہ یہودی حقائق سے بھی واقف نہ تھے اور باوجود اس کے یہ قول جو انہوں نے کہا تو اس کا باعث یہ ہوا کہ انہوں نے عزیر علیہ السلام کو دیکھا کہ موت کے سو (۱۰۰) برس بعد زندہ ہو کر آئے اور تمام توریت اپنے حفظ سے سنائی تو (پچھلے زمانہ کے) یہود نے اپنے بے ہودہ قیاس سے (انہوں کی مشابہت کرنے کو) عزیر علیہ السلام کی نسبت یہ کلمہ کہا۔ اور اس قوم کی بھدی سمجھ پر دلیل یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدرت دیکھ لی کہ کس طرح اس نے بنی اسرائیل کے لئے سمندر پھاڑ دیا۔ پھر جب پار ہو کر ایک قوم کے بتوں پر گزر ہوا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ ہمارے لئے بھی ایسے ہی بت بنا دیجئے۔ جیسے ان کے واسطے بت ہیں۔ پھر جب موسیٰ نے ان کو جھڑکا تو چپ رہے کہیں ان کے دلوں میں مخفی خواہش باقی رہ گئی۔ جو سامری کے گوسالہ بنانے پر ان کی عبادت کرنے سے ظاہر ہوئی۔ اور جس چیز نے ان لوگوں کو ایسے افعال پر آمادہ کیا وہ دو باتیں تھیں۔ ایک یہ کہ یہ لوگ اپنے خالق عزوجل کی شان سے جاہل تھے۔ اور دوم یہ کہ انہوں نے چاہا کہ ان کا معبود وہ ہو جو ان کے حواس میں آوے۔ اس لئے کہ حواس پر ان پر غالب تھے اور عقل سے یہ لوگ دور پڑی تھے (یہی حال اب تک جمیع یہود و نصاریٰ میں صاف ظاہر ہے) اور اگر یہ لوگ اپنے معبود سے جاہل نہ ہوتے تو کبھی اس کی شان میں ایسے کلمات ناشائستہ کہنے کی جرات نہ کرتے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں یہود نے کہا ان اللہ فقیر و نحن اغنیاء (آل عمران پ ۴ آیت ۱۸۱) (اللہ بندوں کا محتاج ہے اور ہم بے پرواہ) اور ید اللہ مغلولہ یعنی یہود کو دینے سے اللہ کے ہاتھ بندھے ہیں۔

از انجملہ یہود پر تلبیس نے یہ تلبیس رچائی کہ تم لوگ یہ دعویٰ کرو کہ شریعت منسوخ نہیں ہو سکتی ہے۔ باوجودیکہ یہودی خوب جانتے تھے کہ آدم علیہ السلام کے وقت میں بہوں سے اور محرمات عورتوں سے نکاح روا تھا۔ اور سپنچر کے روز سب مباح کام کرنے جائز تھے۔ پھر موسیٰؑ کی شریعت میں یہ امر منسوخ ہو گیا۔ لیکن یہودیوں نے ابلیس کی پیروی میں یہ دعویٰ کیا کہ جب خدا نے کسی چیز کا حکم دیا تو وہ حکمت ہے۔ پس حکمت کو منسوخ کر دینا جائز نہیں ہے۔ (غرض یہ کہ موسیٰؑ علیہ السلام کی شریعت قیامت تک منسوخ نہ ہوگی۔ ہم ان کو جواب دیتے ہیں کہ بعض اوقات میں اس کو بدل دینا حکمت ہوتا ہے۔ چنانچہ آدمی کو صحت سے مرض کی طرف بدل دینا اور مردہ کو دینا سب حکمت ہے۔ اس طرح تم پر سپنچر کے دن دنیاوی کام کرنا حرام کیا گیا۔ پھر اتوار کے دن اختیار دیا گیا۔ اور یہ اسی قسم کی بات ہے جس سے تم انکار کرتے ہو اور یہ معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنے فرزند کے ذبح کرنے کا حکم دیا تھا پھر اس سے منع کر دیا۔

از انجملہ ابلیس نے یہود پر یہ تلبیس کی کہ یہودیوں نے یہ دعویٰ کیا کہ لن تمسنا النار الا ایاما معدودہ (البقرہ پ آیت ۸۰) ”یعنی ہم لوگوں کو آگ نہیں چھوئے گی۔ سوائے گنتی کے چند دنوں کے“ اور یہ چند دن وہی ہیں جن میں ہم نے گوسالہ کو پوچھا تھا۔ یہودیوں کی ناشائستہ باتیں بہت ہیں۔ بھر ابلیس نے یہودیوں کو خالص عداوت پر آمادہ کیا۔ چنانچہ ان کی کتاب میں جو صفت ہماری نبی ﷺ کی مذکور تھی اس سے جان بوجھ کر انکار کیا اور اس صفت کو بدل ڈالا۔ حالانکہ کتاب توریت میں ان کو تاکید دی تھی کہ اس پیغمبر آخر الزمان پر ایمان لاویں لیکن یہ بدعت آخرت کے عذاب پر راضی ہو گئے۔ پس ان کے پڑھے لکھوں نے دشمنی پر کمر باندھی اور جابلوں نے اپنے عالموں کی تقلید پر اصرار کیا۔ پھر تعجب تو یہ ہے کہ جو کچھ ان کو حکم دیا گیا تھا وہ تو بگاڑ کے بدل ڈالا۔ اور جو کچھ ان کے جی چاہتے تھے اس کو دین بنایا تو بھلا ایسے شخص کے حق میں خدا کی بندگی کہاں رہی جس نے حکم الہی چھوڑ دیا اور اپنے جی کی پیروی کی۔ پھر واضح رہے کہ یہودی تو حضرت موسیٰؑ علیہ السلام سے مخالفت کرتے بلکہ ان کو عیب لگاتے چنانچہ کہتے کہ ان کو فق کا مرض ہے اور اہتمام لگایا کہ انہوں نے ہارون کو قتل کیا ہے اور اسی طرح داؤد کی نسبت اہتمام لگایا کہ ان کی اوریا کی جو رو سے آشنائی ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک روز یہود کے مدرسہ میں تشریف لے گئے اور فرمایا کہ جو تم میں سب سے بڑا عالم ہو اس کو میرے سامنے لاؤ انہوں نے کہا کہ وہ عبد اللہ بن صوریہ ہے آنحضرت ﷺ نے اس کو تنہا بلایا اور الگ اس کو اس کے دین کی قسم دلائی کہ بھوض اس حق کے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر انعام کیا اور من و سلویٰ کھانے کو دیا اور بادل سے ان پر سایہ کیا۔ تو سچ بتلا کہ تو یہ جانتا ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ ہوں۔ عبد اللہ بن صوریہ نے کہا کہ ہاں واللہ میں جانتا ہوں اور یہ قوم سب میری طرح آپ کو پیغمبر پہنچانتے ہیں۔ اور بے شک آپ ﷺ کی صفت و تعریف توریت میں صاف صاف مذکور ہے۔ لیکن یہ لوگ آپ ﷺ سے حسد کرتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے ان صوریہ سے کہا کہ پھر خود تجھ کو کیا چیز مانع ہے۔ اس نے کہا کہ مجھے اپنی قوم سے مخالفت کرنا گوارا نہیں ہے اور امید ہے کہ عنقریب یہ لوگ آپ ﷺ کے تابع ہوں گے اور اسلام لاویں گے تب میں بھی مسلمان ہو جاؤں گا۔

سلمہ بن سلامہ بن وقش سے روایت ہے کہ اسلام سے پہلے بنی عبد الاشمل کے محلہ میں ہمارے پڑوس میں ایک یہودی رہتا تھا۔ ایک دن وہ اپنے گھر سے نکل کر ہمارے پاس آیا اور یہ واقعہ اس وقت کا ہے کہ ابھی نبی ﷺ مبعوث نہیں ہوئے تھے۔ الغرض وہ یہودی بنی عبد الاشمل کی مجلس میں آکھڑا ہوا۔ سلمہ نے کہا کہ وہاں کے لوگوں میں اس وقت میں سب سے چھوٹا تھا اور ایک چادر لپیٹے اپنے لوگوں کے گھر کے صحن میں بیٹھا تھا۔ پس اس یہودی نے موت کے بعد زندہ کر کے اٹھائے جانے کا اور قیامت کا اور میزان و جنت و دوزخ کا ذکر کیا یہ قوم اس زمانے میں اہل شرک و بت پرستی تھی۔ موت کے بعد زندگی کی قائل نہ تھی تو کہنے لگے کہ اے فلاں بھلا تو سمجھتا ہے کہ یہ بات ہونے والی ہے کہ موت کے بعد لوگ زندہ کر کے اٹھائے جاویں گے۔ اور ایسے ملک میں جہاں جنت و دوزخ ہے وہاں اپنے اپنے اعمال کے موافق بدلہ دیئے جاویں گے۔ اس یہودی نے کہا کہ ہاں اور قسم ہے کہ جہنمی اس دن آرزو کرے گا کہ کاش اس جہنم کی آگ سے ایک لحظہ نکال کر ایک بڑے تنور ہی میں ڈالا جاوے۔ تم لوگ یہاں بڑے سے بڑا تنور تصور کرو جس کو تم خوب آگ جلا کر گرم کرو۔ پھر اس کو اس میں ڈال کر اوپر سے ہند کر دو تو وہاں جہنم کی آگ سے بچ کر اس تنور میں ہند ہونے کی آرزو کرے گا۔ قوم نے یہودی سے کہا کہ ارے جو کچھ تو کہتا ہے اس کی کیا دلیل ہے۔ اس نے مکہ و

یمن کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ میں ملکوں سے ایک پیغمبر مبعوث ہونے والا ہے۔ قوم نے کہا کہ تیرے نزدیک وہ کب تک مبعوث ہوگا۔ یہودی نے نظر دوڑا کر مجھے دیکھا کہ میں ان میں سے سب سے چھوٹا تھا تو کہا کہ اگر یہ لڑکا اپنی عمر تک جگ گیا تو اس پیغمبر ﷺ کا زمانہ پالے گا۔ سلمہؑ نے کہا کہ واللہ کچھ بہت دن نہیں گزرے تھے کہ ہم نبی ﷺ پر ایمان لائے اور اس یہودی نے بغاوت و حسد سے انکار کیا تو ہم نے اس سے کہا کہ اے بد مخت کیا تو وہ نہیں ہے جس نے ہم سے فلاں روز اس پیغمبرؑ کے بارہ میں ایسا کہا تھا۔ اسنے کہا ہاں میں نے کہا تو تھا لیکن یہ وہ پیغمبر نہیں ہیں۔

نصاریٰ پر تلبیس ابلیس کا بیان

مصنفؒ نے کہ اکہ ابلیس نے نصاریٰ پر بہت سی تلبیس کر دی ہے۔ ازال جملہ اس نے نصاریٰ کے وہم میں یہ جما دیا کہ خالق سبحانہ و تعالیٰ جوہر ہے۔ چنانچہ نصاریٰ کے فرقہ یعقوبیہ نے (جو یعقوب کے شاگرد ہیں) اور ملکیہ نے جو بادشاہی دین پر کھلائے تھے اور لسطوریہ نے (جو لسطور کے تابع تھے ان سب گمراہوں نے زعم کیا کہ اللہ تعالیٰ جوہر واحد ہے۔ تین اقنوم والا۔ پس وہ جوہر ہونے میں ایک ہے اور اقنوم ہونے میں تین ہے۔ اور ان تین اقنوم میں ایک باپ ہے اور دوسرا بیٹا اور تیسرا روح القدس ہے۔ پھر بعض نے کہا کہ اقنوم خواص ہیں اور بعض نے کہا کہ صفات ہیں اور بعض نے کہا کہ اشخاص ہیں اور ان لوگوں کو یہ نہیں سوچا کہ اگر اللہ تعالیٰ جوہر ہو تا تو جو چیزیں جو اہر کے لوازم ہیں وہ اللہ تعالیٰ پر جائز ہوتیں۔ جیسے کسی مکان میں جگہ پکڑنا اور جنبش کرنا۔ اور ساکن ہونا اور کسی وقت وزمانہ میں ہونا۔ پھر ابلیس نے بعض نصرا نیوں پر یہ تلبیس کی کہ مسیح ہی اللہ ہے۔ شیخ ابو محمد نوبختی نے لکھا کہ ملکیہ اور یعقوبیہ نے کہا کہ مریم نے جس کو جنم دیا وہی اللہ ہے اور بعض پر شیطان نے تلبیس کی کہ مسیح خدا کا بیٹا ہے۔ اور بعض نے کہا کہ مسیح میں دو جوہر ہیں۔ ایک قدیم ہے اور دوسرا حادث ہے۔ اور باوجودیکہ یہ لوگ مسیح کے بارے میں یہ زعم بیان کرتے ہیں پھر بھی اقرار کرتے ہیں کہ اس کو کھانے پانی کی ضرورت تھی اور سب کے سب یہ کہتے ہیں کہ مسیحؑ کو سولی دی گئی اور وہ قتل سے اپنے آپ کو نہ چاسکا اور اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ ناصوت کے ساتھ کیا گیا یعنی جو جزو اس میں مخلوقیت کا تھا وہ سولی دیا گیا۔ یہ جواب رد کیا گیا کہ اس میں جو لاہوت کا جزو تھا اس نے ناصوت سے یہ بلا کیوں نہ دفع کی۔ پھر انجیل میں ہمارے نبی

ﷺ کا ذکر صاف تھا مگر شیطان نے ان پر تلمیس کی توہمت دھرمی سے انکار کر گئے۔
 کنائس میں سے بعض لوگ ہمارے نبی ﷺ کے بارے میں کہنے لگے کہ وہ
 نبی ہیں مگر فقط عرب کے واسطے بھیجے گئے ہیں۔ ابلیس نے ان پر عجب تلمیس کی اور غفلت
 میں ڈبوایا کیونکہ جب معلوم ہوا کہ وہ نبی ہیں تو نبی جھوٹ نہیں بولتا۔ اور بے شک آپ
 نے فرمایا کہ میں تمام جہان کے سب لوگوں کی طرف رسول بھیجا گیا ہوں اور اس میں
 بھی شک نہیں کہ آپ نے قیصر و کسریٰ و دیگر ملوک عجم سب کے نام ہدایت کے فرمان
 لکھے تھے۔

ابلیس نے یہود و نصاریٰ دونوں پر جو تلمیس کی اس میں سے ایک تلمیس یہ ہے کہ ان
 دونوں نے دعویٰ کیا کہ ہمارے بزرگوں کی وجہ سے خدا ہم کو عذاب نہیں دے گا کیونکہ
 ہم میں بنی اسرائیل کے انبیاء و اولیاء گزرے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کا زعم
 قرآن میں فرمایا نحن ابناء الله و احباؤه (المائدہ پ ۶ آیت ۱۸) یعنی ہم تو خدا کے
 بیٹے اور اس کے محبوب ہیں۔ مطلب یہ کہ ہم میں خدا کے بیٹے عزیر علیہما السلام ہیں اور
 عیسیٰ علیہما السلام ہیں۔ اس تلمیس کا پردہ اس طرح کھلتا ہے کہ اگر کسی شخص پر اللہ تعالیٰ
 کے حق کا مطالبہ ہوتا ہے (جیسے نماز روزہ) تو کوئی قرابتی اس کے ذمہ سے خدا کے
 حق کو دفع نہیں کر سکتا اور سمجھنے کی بات ہے کہ اگر کسی شخص سے محبت ہو اور اس کی وجہ
 سے غیر پر جاوے جو محبوب ہے تو عداوت و بغض بھی اسی طرح متعدی ہو گا یعنی جس
 کافر سے بغض ہے وہ بغض بھی اس کے قرابتی پر جاوے۔ اگرچہ وہ مومن ہو۔ یعنی یہ
 صریح باطل ہے اور بے شک ہمارے نبی ﷺ نے اپنی صاحبزادی فاطمہ رضی اللہ عنہا
 سے فرمایا کہ لا اغنی عنك من الله شيئا یعنی میں تجھ سے خدا تعالیٰ کا عذاب نہیں دفع
 کر سکتا ہوں۔ (یعنی شفاعت کی اجازت تو ایمان پر موقوف ہے) اور محبوب کو فضیلت
 تقویٰ پر ہے۔ (شرک و غیرہ سے بچنے) پس جو تقویٰ نہیں کر سکتا اس کے لئے محبت بھی
 نہیں ہے۔ پھر واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ کی محبت ہندہ کے ساتھ کچھ جوش قلب سے نہیں
 ہوئی جیسے آدمیوں کی محبت باہم ہوا کرتی ہے کیونکہ محبت ایسی ہوتی تو امر محتمل تھا۔

صالحی فرقہ پر تلمیس ابلیس کا بیان

مصنفؒ نے کہا کہ صائین کی اصل اس محاورہ سے ہے کہ صبات یہ اس وقت
 کہتے ہیں جب تو ایک چیز سے نکل کر دوسری چیز میں چلا جاوے۔ ”صبات النجوم“ اس

وقت یوں لگتے ہیں جب تارے ظاہر ہو جاویں۔ ”صابانہ“ جب چہ کے دانت نکل آویں۔
 ”صابون“ وہ لوگ جو ایک دن سے نکل کر دوسرے دین میں چلے جاویں۔ صابونوں
 کے مذاہب کے بارے میں علماء کے دس اقوال ہیں۔ قول اول یہ کہ صابیہ ایک قوم
 ہے جو مجوس و نصاریٰ کے درمیان میں ہے۔ اس کو سالم نے سعید بن جبیر سے روایت
 کیا اور لیث بن ابی سلیم نے مجاہد سے روایت کیا۔ قول دوم یہ کہ وہ یہود و مجوس کے
 درمیان قوم ہے اس کو ابن ابی شیبہ نے مجاہد سے روایت کیا۔ قول سوم یہ کہ صابیہ یہود و
 نصاریٰ کے بیچ میں ہیں اس کو قاسم بن ابی یزید نے مجاہد سے روایت کیا۔ چہارم یہ کہ وہ
 نصاریٰ میں سے ایک قوم ہے جن کا قول یہ نسبت نصاریٰ نرم ہے۔ اس کو ابو صالح نے
 ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا۔ پنجم یہ کہ ایک قوم مشرکین میں سے ہے ان
 کے واسطے کوئی کتاب نہیں ہے۔ اس کو بھی قاسم نے مجاہد سے روایت کیا۔ ششم یہ کہ
 صابیہ مثل مجوس کے ہیں۔ یہ حسن بصریؒ کا قول ہے۔ ہفتم یہ کہ اہل کتاب میں سے
 ایک فرقہ جو زیور پڑھتے ہیں۔ یہ ابو العالیہ کا قول ہے۔ ہشتم یہ کہ صابیہ قبلہ کی طرف
 نماز پڑھتے ہیں اور ملائکہ کی عبادت کرتے ہیں اور زیور پڑھتے ہیں۔ یہ قتادہ و مقاتل کا
 قول ہے۔ نہم یہ کہ اہل کتاب میں سے ایک گروہ ہے۔ یہ سعدیؒ کا قول ہے۔ دہم یہ کہ
 یہ فرقہ فقط لا الہ الا اللہ کہتا ہے اور نہ کچھ کام و عمل کرتے ہیں اور نہ ان کے واسطے کوئی
 کتاب ہے اور نہ پیغمبر ہے۔ فقط لا الہ الا اللہ قول ہے۔ یہ ابن زید کا قول ہے۔

مصنفؒ نے کہا کہ یہ اقوال مفسرین مثل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما
 قاسم و حسن وغیرہم سے مروی ہیں اور متکلمین نے کہا کہ صابون کے مذاہب مختلف
 ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ فقط ایک ہیولی ہے۔ وہی ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ بنانے
 والا اسی ہیولی سے عالم کو بناتا ہے۔ اکثر صابیہ کہتے ہیں کہ عالم قدیمی ہے۔ پیدا نہیں ہوا
 ہے اور ستاروں کو یہ لوگ ملائکہ کہتے ہیں اور ان میں سے ایک قوم نے ستاروں کا نام آله
 رکھا اور ان کی عبادت کرتے ہیں اور ان کے لئے عبادت خانے بناتے ہیں اور دعویٰ
 کرتے ہیں کہ ان میں سے ایک خانہ جو زحل کا خانہ ہے وہی خدا کا کعبہ الحرام ہے۔ بعض
 نے زعم کیا کہ خدا کی صفت نفی سے بیان ہو سکتی ہے۔ اثبات سے نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ
 یوں کہہ سکتے ہیں کہ وہ مخلوق نہیں ہے۔ وہ مردہ نہیں ہے وہ جاہل نہیں ہے وہ عاجز
 نہیں ہے اور کہتے ہیں کہ یہ ہم نے اس لئے کہا کہ مشابہت اور نسبت ثابت نہ ہو۔

انہوں نے اپنی عبادت کے طریقے بتا رکھے ہیں۔ از انجملہ کہتے ہیں کہ ان پر

ہر روز تین نمازیں ہیں۔ اول نماز آٹھ رکعات ہیں اور ہر رکعت میں تین سجدے ہیں۔ اس کا وقت طلوع آفتاب کے وقت ختم ہوتا ہے۔ دوم پانچ رکعتیں ہیں اور سوم بھی پانچ رکعتیں ہیں۔ اور ان پر ایک ماہ کے روزے ہیں۔ اور ان کا شروع ماہ آزار کی آٹھ راتیں گزرے ہوتا ہے اور سات دن کے روزے اس وقت ہیں جب کہ کانوں اول کے سات روز باقی رہتے ہیں اور سات دن کے روزے اور ہیں جن کی ابتداء شباط کی آٹھ راتیں ہوتی ہیں۔ اپنے روزوں کے ختم پر صدقہ دیتے اور قربانی کرتے ہیں اور اونٹ کا گوشت حرام رکھتے ہیں اور اسی قسم کے دیگر خرافات ہیں جن کے میان میں تصبیح اوقات ہے۔ صابیہ کا گمان یہ ہے کہ نیک روحیں ثوابت تاروں کی جانب چڑھ جاتی ہیں اور نور میں پہنچتی ہیں اور شریر روحیں زمین اور تاریکی کی طرف اتاری جاتی ہیں۔ بعض صابیہ کہتے ہیں کہ یہ عالم فنا ہو گا اور ثواب و عذاب بذریعہ تناخ کے ملتا ہے یعنی جسے ہندو آواگون کہتے ہیں اور ایسے مذاہب کی تردید میں زیادہ تکلف کی ضرورت نہیں اس لئے کہ یہ سب بلادلیل کے محض دعوے ہیں۔

ابلیس نے بہت سے صائبین کو یہ امر اچھا دکھایا کہ کمال اس طرح حاصل کریں کہ ان میں اور عالم ہلالا کی روحانیت میں بذریعہ طہارتوں کے مناسبت حاصل ہو اور چند قوانین و دعاؤں کا ورد کریں اور یہ لوگ نجوم کی تعلیم و تسخیر میں پڑ گئے اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے درمیان میں کوئی درمیانی واسطہ ضرور ہونا چاہیے جو معارف کی شناخت کرائے اور خوبیوں کی طرف ہدایت کرے لیکن شرط یہ ہے کہ یہ درمیانی واسطہ کوئی جسمانی شخص نہ ہو بلکہ روحانی ہو۔ پس ہم اپنے واسطے اپنے اور خدا کے درمیان مناسبت قدسیہ تلاش و حاصل کرتے ہیں تاکہ وہ ہمارے اور خدا کے درمیان وسیلہ ہو جاوے اور اس تک پہنچاوے۔ یہ لوگ جسمانی حشر سے انکار کرتے ہیں۔

مجوس پر تلبیس ابلیس کا بیان

یحییٰ بن یسر نہاوندیؒ نے کہا کہ مجوس کا پہلا بادشاہ کیومرث تھا اسی نے ان کو یہ دین بتلایا۔ پھر ان میں پے در پے نبوت کے مدعی پیدا ہوئے یہاں تک کہ آخر میں زرادشت مشہور ہوا۔ مجوس کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ (معاذ اللہ) ایک شخص روحانی ہے وہ ظاہر ہوا تو اس کے ساتھ روحانی چیزیں پوری ظاہر ہوئیں۔ پھر اس نے کہا کہ کوئی دوسرا اس طرح ایجاد نہ کر سکے جیسے میں ایجاد کرتا ہوں۔ پس اس نے اپنے فکر سے یہ

تاریکی پیدا کی۔ تاکہ غیر کی قدرت سے انکار ہو سکے۔ پھر اس تاریکی نے اٹھ کر اس پر غلبہ پانا شروع کیا۔ منجملہ ان امور کے جو زراشت نے مجوسیوں اور آتش پرستوں کے لئے نکالے ایک آگ کی پوجا ہے اور آفتاب کی جانب نماز ہے اور اس کی دلیل یہ بیان کرتے ہیں کہ آفتاب اس عالم کا بادشاہ ہے۔ وہی دن کو لاتا اور رات کو لے جاتا ہے۔ اور نباتات کو زندہ کرتا اور حیوانت کو بڑھاتا ہے اور ان کے اجسام میں حرارت کو پھیر لاتا ہے اور مردوں کو تعظیم زمین کی وجہ سے اس میں دفن نہیں کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اس سے حیوانات کی پیدائش ہوتی ہے ہم اس کو گندہ نہیں کریں گے اور پانی کی تعظیم کی وجہ سے اس سے نہاتے نہ تھے اور کہتے تھے کہ اسی سے ہر چیز کی زندگی ہے۔ لیکن اگر اس سے پہلے گائے وغیرہ کا پیشاب استعمال کر لیتے تو پانی استعمال کرتے۔ اور اس میں تھوکتے نہ تھے اور حیوانات کا قتل و ذبح جائز نہ رکھتے تھے۔ اپنا منہ گائے کے پیشاب وغیرہ سے بطور تبرک کے دھوتے۔ اور جس قدر گائے کا پیشاب پرانا ہوتا اسی قدر اس میں زیادہ تبرک سمجھتے تھے۔ اپنی ماں کی فرج اپنے لئے حلال سمجھتے تھے۔ اور کہتے کہ ماں کی شہوت بچھانے کی کوشش کرنے کا حق بیٹے پر زیادہ ہے۔ اور جب شوہر مر جاوے تو بیٹا اس عورت کا زیادہ مستحق ہے۔ اور اگر بیٹا نہ ہو تو میت کے مال سے کوئی مرد کر ایہ پر کر لیا جاتا تھا۔ مرد کے واسطے جائز رکھتے کہ وہ سو عورتوں یا ہزار عورتوں سے نکاح کر لے۔ جب حائضہ عورت غسل کرنا چاہتی تھی تو موبذو (داروغہ آتش خانہ) کو ایک اشرفی دیتی وہ اس کو آتش خانہ میں لے جاتا۔ اور جانور کی طرح چار پاؤں پر اس کو کھڑا کر کے اپنی انگلی سے اس کے اندام شرم میں آمدورفت کرتا۔ یہ قاعدہ بادشاہ قباد کے وقت میں مزدک نے رائج کیا۔ اور عورتیں اس نے ہر مرد کے واسطے مباح کر دیں۔ کہ جو مرد جس عورت سے چاہے وطی کرے۔ قباد نے عورتوں سے خود وطی کی۔ تاکہ باقی سب لوگ اس فعل میں اس کی اقتداء کریں۔ چنانچہ عموماً عورتوں کے ساتھ یہی طریقہ عمل میں آنے لگا۔ یہاں تک کہ جب نو سیرواں کی ماں کا نمبر آیا تو اس نے بادشاہ قباد سے کہا کہ نو سیرواں کی ماں کو میرے پاس بھیج دے۔ اگر تو انکار کرے گا اور میری شہوت پوری نہ ہونے دے گا تو تیرا ایمان درست نہ ہوگا۔ قباد نے قصد کیا کہ اس کو بھیج دے۔ جب یہ خبر نو سیرواں کو پہنچی تو اس نے مزدک کے سامنے رونا شروع کیا اور باپ کے سامنے مزدک کے دونوں ہاتھوں اور پاؤں کو چومتا رہا اور درخواست کی کہ میری ماں کو مجھے بخش دے۔ تو قباد نے مزدک سے کہا کہ آپ کا قول یہ نہیں ہے کہ مومن کو

اس کی شہوت سے روکننا چاہیے۔ کہا ہاں ہے 'تو قباد نے کہا کہ پھر آپ کیوں نوشیرواں کو اس کی شہوت سے روکتے ہیں۔ مزدوک نے کہا کہ اچھا میں نے اس کی ماں اس کو بہہ کر دی۔ پھر مزدوک نے لوگوں کو مردار کھانے کی اجازت دے دی۔ جب قباد کے مرنے کے بعد نوشیرواں بادشاہ ہوا تو اس نے مزدکیوں کو ایک قلم قتل کر کے نیست کر دیا۔

نہاوندی نے لکھا ہے کہ مجوس کے اقوال میں سے یہ بھی ہے کہ زمین کی کچھ انتہاء نیچے کی طرف نہیں ہے اور آسمان جو نظر آتا ہے تو شیاطین کی کھال میں سے ایک کھال ہے اور گرج فقط ان عفریتوں کے خرخرہ کی آواز ہے جو افلاک میں قید ہیں۔ اور لڑائیوں میں قید ہوئے ہیں۔ پہاڑ ان کی ہڈیاں ہیں اور سمندر ان کے پیشاب و خون سے جمع ہوا ہے۔

جب بنی امیہ سے دولت اسلامی منتقل ہو کر بنی عباس کے ہاتھ میں آئی تو اس زمانہ میں ایک شخص مجوس کے دین کا تابع پیدا ہوا۔ اس نے بہت مخلوق کو گمراہ کر دیا۔ اور اس سے متعلق بہت سے دقائق پیش آئے جن کا ذکر طویل ہے اور یہ آخری شخص ہے جس نے مجوس کا دین ظاہر کیا۔ بعض علماء نے بیان کیا کہ مجوس کے واسطے آسمانی کتابیں تھیں جن کی تلاوت کرتے اور پڑھتے پڑھاتے تھے۔ پھر انہوں نے نیادین نکال دیا کہ کتابیں اٹھالی گئیں۔

مجملہ عجائب تیسری کے جو ایلیس نے مجوس پر ڈالیں ایک یہ بھی ہے کہ مجوس نے افعال میں نیک و بد دیکھے۔ پھر ایلیس نے ان کو تیسری میں ڈالا کہ نیکی کا پیدا کرنے والا برائی پیدا نہیں کرتا تو انہوں نے دو خدا ثابت کئے اور دوسرا شیطان ہے۔ وہ تاریکی ہے وہ فقط بدی و برائی پیدا کر سکتا ہے۔ جیسے ہم نے شیوہ کے مذہب کے بیان میں ذکر کیا ہے۔ مصنف نے کہا کہ وہاں میں نے ان کے شبہات و جوابات ذکر کر دیئے ہیں۔ بعض مجوس نے کہا کہ باری تعالیٰ قدیم ہے اس سے سوائے بہتری کے کچھ نہیں ہو سکتا اور شیطان مخلوق ہے۔ اور اس سے سوائے بدی کے کچھ نہیں ہو سکتا۔ جواب یہ ہے کہ ان سے کہا جاوے کہ جب تم نے قرار کیا کہ نور (ایزد) نے شیطان (اہرمن) کو پیدا کیا تو اس نے بدی کا پتلا مجسم پیدا کر دیا (یعنی اس سے زیادہ بدی کیا ہوگی) بعض مجوس نے کہا کہ خالق نور ہے۔ وہ ردی فکر سوچتا ہے۔ چنانچہ اس نے سوچا کہ ایسا نہ ہو کہ میری بادشاہت میں کوئی ایسا پیدا ہو جو میرا مخالف ہو جاوے اور یہ فکر اس کی ردی تھی اس سے ایلیس پیدا ہو گیا۔ پھر بعد شریک ثابت ہونے کے ایلیس فقط اتنی بات پر راضی ہو

گیا کہ وہ ردی چیزوں کی طرف منسوب رہے۔ شیخ نوبختی نے ذکر کیا ہے کہ بعض مجوس نے کہا کہ خالق نے کسی بات میں شک کیا تھا تو اس شک سے شیطان پیدا ہو گیا۔ اور کہا کہ بعض مجوس کا یہ زعم ہے آلہ و شیطان دو جسم قدیم ہیں۔ ان دونوں میں موافقت تھی اور دنیا آفت سے پاک تھی اور شیطان اس سے الگ تھا۔ پھر ابلیس نے چالاکی سے تدبیر نکال کر آسمان پھاڑا اور اپنے لشکروں کو لے کر چڑھ دوڑا تو آلہ ان کی قوت سے خوف کھا کر اپنے فرشتوں کو ساتھ لے کر بھاگا۔ اور ابلیس نے اس کا پیچھا کر کے محاصرہ کر لیا۔ تین ہزار برس تک لڑائی رہی۔ نہ تو ابلیس ہی آلہ تک پہنچ سکا اور نہ آلہ ہی نے اس کو دفع کیا۔ پھر آلہ نے اس شرط پر ابلیس سے صلح کر لی کہ سات ہزار برس تک ابلیس اور اس کے لشکر دنیا میں رہیں۔ اور آلہ نے اس میں بہتری دیکھی کہ ابلیس کے مکروہ وجود کو برابر برداشت کرتا رہے۔ یہاں تک کہ شرط کی میعاد پوری ہو جاوے اور دنیا کے لوگ اس مدت کے گزرنے تک آفات و بلا میں رہیں۔ جب یہ مدت گزر جائے گی تو پھر عیش میں ہو جائیں گے۔ ابلیس نے آلہ سے یہ شرط کر لی تھی کہ اس کو ردی چیزوں پر قابو دے گا۔ تو اس نے اس عالم میں ردی چیزیں رکھ دیں۔ اور یہ مجوسی کہتے ہیں کہ جب آلہ و شیطان ان شرائط سے فارغ ہوئے تو دو عادلوں کو اس پر گوارہ کر لیا اور دونوں نے اپنی تلواریں انہیں دونوں عادلوں کے حوالے کیں۔ اور انہوں نے کہہ دیا کہ تم میں سے جس کسی نے عہد توڑا ہم اسی کو قتل کر دیں گے۔ اسی قسم کی بے ہودہ باتیں بہت سی ذکر کیں جن کے لکھنے میں وقت رائیگاں ہوتا ہے۔ ہم نے ان کو چھوڑ دیا۔ اور ہم اس خط کو بھی بیان نہ کرتے اگر یہ مفاد نہ ہوتا کہ معلوم ہو جائے کہ کہاں تک ابلیس کی تلمیس کا اثر ہوا ہے۔ اور اس قوم احمق پر تعجب یہ ہے کہ یہ لوگ خالق کو خیر و بہتر بتلاتے ہیں۔ پھر کہتے ہیں کہ اس سے فکری ردی سرزد ہوئی جس سے شیطان پیدا ہو گیا۔ یعنی جو بدی کی جڑ ہے۔ ان لوگوں کے قول پر یہ جائز ہوتا ہے کہ ابلیس کے فکر سے فرشتہ پیدا ہو جائے۔ پھر ان لوگوں سے کہا جاوے کہ پھر اس کو باقی رکھنا حکمت کے منافی ہے اور اگر کہیں کہ ہاں وفا کرے گا تو کہا جاوے کہ تم نے اقرار کر لیا کہ عہد پورا کرنے کی اچھی خصلت اس شریر محض سے صادر ہو گئی۔ اسی طرح ان لوگوں سے کہا جاوے کہ جب شیطان نے اپنے خدا ہی کی نافرمانی کی تو پھر ان دونوں درمیانی عادلوں کی اطاعت کیسے کرے گا اور اگر کہا جاوے کہ آلہ پر غلبہ کرنا کیسے جائز ہو سکتا ہے اور یہ سب باتیں خرافات ہیں ان کے ذکر کرنے کا بھی کچھ مطلب نہیں تھا

سوائے اسکے کہ لوگوں پر یہ ظاہر ہو کہ شیطان نے کس طرح عقول پر تسلط کیا ہے۔

فلکیات والوں اور منجموں پر تلخیص ابلیس کا بیان

شیخ ابو محمد نوبختیؒ نے کہا کہ ایک قوم کا مذہب یہ ہے کہ فلک قدیم ہے اس کا بنانا والا کوئی نہیں ہے۔ اور جالینوس نے ایک قوم سے نقل کیا کہ ان کا یہ دعویٰ تھا کہ فقط فلک زحل قدیم ہے۔ اور ایک قوم کا یہ گمان ہے کہ فلک کی پانچویں طبیعت ہے۔ یعنی نہ حرارت ہے نہ رطوبت ہے نہ سردی ہے نہ خشکی ہے۔ بلکہ ان چاروں کے علاوہ پانچویں طبیعت ہے اور نہ بھاری ہے نہ ہلکا ہے۔ بعض کی یہ رائے تھی کہ فلک ایک آتش جوہر ہے اور قوت دورانیہ کے ساتھ وہ زمین سے لیا گیا ہے۔ بعض نے کہا کہ ستارے پتھر کے مشابہ جسم سے بنے ہیں۔ بعض نے کہا یہ بادلوں میں سے ہیں۔ ہر روز دن میں بجھ جاتے ہیں اور رات میں روشن ہو جاتے ہیں۔ جیسے کوئلہ میں آگ لگنے سے شعلہ ہو جاتا ہے اور پھر بجھ جاتا ہے۔ بعض نے کہا کہ قمر کا جسم آگ اور ہوا سے مرکب ہے۔ دوسروں نے کہا کہ فلک پانی اور ہوا اور آگ سے بنا ہے اور وہ ممزج نہ گیند کے ہے۔ وہ دو حرکتیں کرتا ہے ایک مشرق سے مغرب کی طرف ہے اور دوسری مغرب سے مشرق کی طرف ہے۔ ان لوگوں کا قول ہے کہ زحل ستارہ قریب تیس سال میں آسمان کا دور ختم کرتا ہے۔ اور مشتری قریب بارہ سال میں ختم کرتا ہے۔ اور مریخ قریب دو سال کے دور پورا کرتا ہے اور سورج و زہرہ و عطارد ایک سال میں دور کرتے ہیں۔ اور چاند تیس دن میں دور کرتا ہے۔ بعض نے کہا کہ کوکب کے سات افلاک ہیں پس یہ فلک جو ہم سے نزدیک ہے چاند کا فلک ہے۔ پھر فلک عطارد پھر فلک زہرہ پھر فلک آفتاب پھر فلک مریخ پھر فلک مشتری پھر فلک زحل ہے۔ پھر ان جڑے ہوئے (ثابت) ستاروں کا فلک ہے۔ کوکب کی جسامت میں بھی یہ لوگ اختلاف کرتے ہیں۔ اکثر فلاسفر نے کہا کہ آفتاب کا جرم سب سے بڑا ہے۔ اور زمین سے قریب ایک سو ساٹھ گنا زیادہ ہے۔ اور جو کوکب ثابت یعنی بے حرکت جڑے ہوئے ہیں وہ ہر ایک زمین سے قریب چورانوے گنا زیادہ ہے۔ مریخ زمین سے قریب ڈیڑھ گنا بڑا ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ اعلائے فلک کے ہر مقام سے وہاں عود کرنے تک ایک ایک لاکھ ایک ہزار چونسٹھ فرسخ ہیں۔ بعض نے کہا کہ فلک زندہ ہے اور آسمان جاندار ہیں۔ اور ہر ستارہ میں جان ہے۔ پرانے فلاسفر نے کہا کہ ستارے نیکی و بدی کے کام کرتے ہیں اور ہر ایک ستارہ اپنی نیکی یا منحوس طبیعت

کے موافق عطا کرتا ہے یا روکتا ہے۔ جان و جسم میں ان کا اثر ہوتا ہے۔ اور وہ سب زندہ ہیں اپنا اپنا کام کیا کرتے ہیں۔

مردہ ہونے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے سے

منکر لوگوں پر تیس ایلس کا بیان

مصنفؒ نے کہا کہ ایلس نے بہت سے لوگوں پر تیس کی تو انہوں نے موت کے بعد زندگی سے انکار کیا۔ اور سڑ گل جانے کے بعد دوبارہ اعادہ کو محال تصور کیا۔ ایلس نے ان پر دو شبہات ڈال دیئے۔ ایک یہ کہ اس نے ان لوگوں کو مادہ کا ضعیف ہونا دکھلادیا۔ دوم یہ دکھلایا کہ بدن کے اجزائے متفرق زمین کی تہ میں متفرق ہو گئے اور انہوں نے کہا کہ کبھی ایک حیوان دوسرے حیوان کو کھا لیتا ہے تو کیسے اعادہ ہو سکتا ہے۔ قرآن شریف میں ان کے دونوں شبہات مذکور ہیں۔ چنانچہ اول شبہ کی نسبت فرمایا ايعدکم انکم اذا متم وکتمتم ترابا و عظاما انکم مخرجون هیہات هیہات لما نوءدون۔ (المومنون پ ۱۸ آیت ۳۵-۳۶) یعنی کافروں نے آپس میں کہا کہ کیا تم کو وہ پیغمبر یہ وعدہ دیتا ہے کہ جب تم مرے اور خاک ہو گئے اور ہڈیاں ہو گئے تو پھر تم نکالے جاؤ گے جس کا تم وعدہ دیئے جاتے ہو یہ بہت دور ہے۔ اور دوسرے شبہ کی نسبت فرمایا۔ اذا ضللنا فی الارض انا لفی خلق جدید۔ (السجدہ پ ۲۱ آیت ۱۰) یعنی کیا جب ہم زمین میں گم ہو گئے تو کیا ہم نئی خلقت میں پیدا ہوں گے۔ یہی اکثر زمانہ جاہلیت والوں کا مذہب تھا۔ اس میں جاہلیت والوں کے اشعار ہیں۔

یغیرنا الرسول بان سنحیی

وکیف حیاہ اصداء وھام

ہم کو رسول خبر دیتا ہے کہ ہم پھر زندہ کئے جاویں گے بھلا سڑی ہوئی پریشان چیز کیوں کر زندہ ہو سکتی ہے۔ دوسرے جاہل (ابو العلاء المعری) کا شعر ہے۔

حیاہ ثم موت ثم بعث

حدیث خرافہ یا ام عمرو

حیات ہے پھر موت ہے پھر زندگی ہے اے ام عمرو یہ تو بے عقلی کی بات ہے۔ اول شبہ کا جواب یہ ہے کہ دوسری زندگی میں جس مادہ یعنی خاک کو تم ضعیف

ٹھہراتے ہو وہ غلط ہے۔ کیونکہ ابتداء میں انسان نطفہ پھر جما ہوا خون پھر لو تھڑے سے پیدا ہوا تھا پھر آدمیوں کی جو اصل ہے یعنی آدم وہ تو خاک ہی سے بنائے گئے تھے۔ علاوہ بریں اللہ تعالیٰ نے جو خوبصورت خلقت پیدا کی وہ ضرور کسی ضعیف مادہ سے بنائی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آدمی کو نطفہ سے بنایا اور مور کو گول انڈے سے بنایا۔ اور سبزی کا گچھا ایک گندے سڑے دانہ سے نکالا۔ پس چاہیے کہ پیدا کرنے والے کی قوت و قدرت پر نظر ہو اور مادہ کی کمزوری و متفرق ہونے پر نظر نہیں ہونی چاہیے۔ قدرت پر نظر کرنے سے دوسرے شبہ کا بھی جواب نکل آتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ہم کو متفرق ذروں کے جمع ہو جانے کا نمونہ دکھلادیا۔ چنانچہ جب سونے کے ریزے بہت سی خاک میں متفرق ملے ہوتے ہیں تو جب اس پر تھوڑا سا پارہ ڈالا جاوے تو سب سونے کے ذرات جو متفرق تھے جمع ہو جاتے ہیں۔ پھر بھلا قدرت الہیہ میں کیا تردد ہو سکتا ہے۔ جس کے اثر سے بدون کسی چیز کے خلقت موجود ہو جاتی ہے۔ علاوہ بریں اگر یہ فرض کریں کہ دوبارہ پیدا کرنے کی صورت میں اس خاک کے سوائے دوسری خاک سے جسم پیدا ہوں گے تو بھی کچھ مضرت نہیں ہے۔ اس واسطے کہ آدمی تو اس روح کا نام ہے اس بدن کا نام نہیں ہے۔ کیونکہ آدمی بدستور باقی رہتا ہے اور جسم کبھی گل جاتا ہے اور کبھی موتا ہو جاتا ہے اور پھلن سے بوڑھا ہو جاتا ہے۔ حالانکہ وہی آدمی رہتا ہے اور سب سے عجیب و غریب جس سے بعثت ثابت ہوتا ہے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے ہاتھوں سے ایسے امور ثابت فرمائے جو دوبارہ زندگی سے بہت بڑے ہوئے ہیں جیسے موسیٰ علیہ السلام کی لاش کو بدل کر اڑوہا حیوان بنادیا۔ اور پہاڑی کے جوف سے ناقہ عظیم پیدا کر دیا اور عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں سے دوبارہ زندگی حقیقت میں دکھلادی۔

مصنفؒ نے کہا کہ ہم نے فلاسفہ کی تردید میں اس کی کافی توضیح بیان کی ہے۔ بعض اقوام نے خاق سبحانہ تعالیٰ کی قدرت مشاہدہ کی۔ پھر ان کو یہ دونوں مذکورہ شبہات عارض ہوئے تو ان کو دوبارہ زندگی میں تردد ہو گیا۔ چنانچہ ان میں سے ایک نے کہا ولئن رددت الی ربی لا جدن خیرا منها منقلباً (الکہف پ ۱۵ آیت ۳۶) یعنی بطور شک کے کہا اگر میں اپنے رب کے یہاں لوٹایا گیا تو اس سے بہتر مرجع پاؤں گا۔ عاص بن وائل نے کہا کہ لا وتین مالا وولدا یعنی طعنہ سے کہا کہ وہاں بھی میرے واسطے مال و اولاد عنایت ہوں گے یہ ان کا قول جو جبہ شک کے تھا۔ اور البلیس نے ان پر اس معاملہ میں تلمیس ڈال دی اور کہنے لگے کہ اگر وہاں دوبارہ زندگی ہوئی تو ہم ہی

اچھے رہیں گے کیونکہ جس نے ہم کو دنیا میں یہ نعمت مال و اولاد دی ہے وہ آخرت میں بھی ہم کو مکرم رکھے گا۔ مصنفؒ نے کہا کہ یہ چیزیں استدراج و عذاب کے طور پر دی گئی ہوں۔ کیونکہ آدمی کبھی اپنے فرزند کو پرہیز کرتا ہے اور اپنے غلام کو اس کی خواہشوں میں مطلق العنان کر دیتا ہے۔

تناخ (آواگون) والوں پر تلمیس ابلیس کا بیان

مصنفؒ نے کہا کہ ابلیس نے بعض اقوام پر تلمیس کی کہ وہ لوگ آواگون کے قائل ہو گئے کہ نیکوں کی روحیں جب بدن سے نکلتی ہیں تو اچھے بدن میں داخل ہوتی ہیں پس مال و دولت سے عیش کرتی ہیں۔ اور بدکاروں کی روحیں جب نکلتی ہیں تو برے اجسام میں داخل ہوتی ہیں تو ان پر مشقتیں ڈالی جاتی ہیں۔ یہ مذہب زمانہ فرعون و موسیٰ علیہ السلام سے ظاہر ہوا ہے ابو القاسم سلجوقی نے ذکر کیا کہ ان لوگوں نے یہ مذہب اس خیال سے اختیار کیا کہ جب انہوں نے دیکھا کہ بچوں و درندوں و جانوروں کو دکھ حاصل ہوتا ہے تو ان کی سمجھ میں یہ بات کسی طرح نہ آئی کہ ان کے دکھ سے غیروں کا امتحان کیا جائے یا ان کو ثواب و عوض دیا جائے یا کسی غیر معنی سے ہو سوائے اتنی بات کے کہ یہ چیزیں مملوک ہیں تو انہوں نے اپنے زعم میں یہ صحیح سمجھا کہ اس حالت سے پہلے ان سے کچھ گناہ سرزد ہوئے ہیں۔ جن کی یہ سزا ہے۔

یحییٰ بن یثرب بن عمیر النہاوندی کہتے ہیں کہ ہندو کہتے ہیں کہ طبعیتیں چار ہیں مادہ مرکبہ، نفس، عقل، مادہ مطلقہ۔ پس مادہ مرکبہ چھوٹا رب ہے۔ نفس مادہ اصغر ہے۔ عقل رب اکبر بڑا ہے۔ وہی مادہ اکبر بھی ہے۔ نفوس جب دنیا چھوڑتے ہیں تو چھوٹے رب کے پاس جاتے ہیں اور وہی مادہ مرکبہ ہے۔ پس اگر یہ نفس نیک اور صاف ہو وہ اس کو اپنی طبعیت میں قبول کرتا ہے۔ پھر اس کو صاف کر کے مادہ اصغر کے یہاں نکالتا ہے اور وہ نفس ہے۔ یہاں تک کہ وہ رب اکبر کے یہاں چلا جاتا ہے۔ پھر وہ اس کو مادہ اکبر کے یہاں بھیجتا ہے۔ پھر اگر وہ بھیجتا ہے۔ پھر اگر وہ نیکی میں پورا تھا تو عالم بیسط میں اس کے پاس رہتا ہے اور اگر وہ نیکی میں پورا نہ ہوا تو وہ دوبارہ رب اکبر کے پاس واپس کرتا ہے پھر رب اکبر اس کو مادہ اصغر کے پاس بھیجتا ہے۔ پھر مادہ اصغر اس کو رب کے پاس پھیر دیتا ہے تو وہ اس کو نورانیت سے مخلوط نکالتا ہے۔ حتیٰ کہ ایسا ساگ کر دیتا ہے جس کو آدمی کھاتے ہیں۔ تو وہ انسان کی صورت میں بدل جاتا ہے۔ اور دوبارہ اس عالم میں پیدا

ہوتا ہے۔ اور یہی حال اس کا ہر موت کے وقت ہوتا ہے۔ جب وہ یہاں مرتا ہے۔ رہے وہ لوگ جو بد کردار ہیں تو ان کے نفوس جب مادہ اصغر کے پاس بھیجے جاتے ہیں۔ تو الٹ کر گھاس ہو جاتے ہیں۔ لیکن ایسی گھاس پات جس کو جانور کھاتے ہیں تو اس کی روح کسی جانور کی صورت میں جاتی ہے پھر اس جانور کے مرنے پر کسی دوسرے جانور کے اندر ہو جاتی ہے اسی طرح ہمیشہ تناخ سے صورتوں میں پھرتی رہتی ہے اور ہر ہزار برس کے بعد انسانی صورت میں پھر جاتی ہے۔ پھر اگر اس نے انسانی صورت میں نیکی اختیار کی تو نیکیوں میں مل جاتی ہے۔

مصنف نے کہا کہ دیکھو ان گمراہوں کے واسطے کس طرح ایلین نے یہ تلمیسات ترتیب دے کر ان پر ڈالی ہیں کہ بغیر کسی دلیل مستند کے انہوں نے یہ تلمیسات قبول کر لیں۔ حالانکہ عقلی و نقلی سب طرح کی دلیلوں سے یہ مذہب باطل ہے۔ ابو الحسن علی بن نظیف المصنف نے بیان کیا بغداد میں ہمارے پاس فرقہ امامیہ کا ایک پیشوا جس کو ابو بحر بن الفلاس کہتے تھے آیا کرتا تھا اس نے ہم سے بیان کیا کہ میں ایک شخص کے پاس جایا کرتا تھا۔ جس کو میں شیعہ جانتا تھا۔ ایک مدت کے بعد میں نے دیکھا کہ وہ تناخ کا قائل ہو گیا۔ چنانچہ ایک روز میں نے دیکھا کہ اس کے سامنے ایک سیاہ بلی بیٹھی ہے وہ اس کو پیار کرتا اور اس پر ہاتھ پھیرتا اور اس کا سر و آنکھیں سہلاتا ہے۔ اور بلی کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے ہیں۔ جیسے عموماً بلیوں کی عادت ایسی حالت میں یونہی جاری ہے۔ اور وہ شخص بہت روتا ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ آپ کیوں روتے ہیں؟ اس نے کہا کہ واہ کیا تجھے یہ بھی نظر آتا ہے کہ جس قدر میں اس پر ہاتھ پھیرتا ہوں یہ روتی ہے یہ بلا شک میری ماں ہے۔ اور مجھے دیکھ کر حسرت سے روتی ہے اور اس سے اس طرح باتیں کرنے لگا جیسے کوئی اپنے نزدیک سمجھدار سے باتیں کرتا ہے۔ بلی نے آہستہ آہستہ میاؤں میاؤں کرنا شروع کیا میں نے کہا کہ تم جو کچھ کہتے ہو یہ سمجھتی ہے۔ کہنے لگا کہ ہاں میں نے کہا کہ تم بھی اس کی بولی سمجھتے ہو کہا کہ نہیں۔ میں نے کہا کہ پھر تو تجھ میں تناخ ہوا اور وہ (بلی) انسان ہے۔

ہماری امت (مسلمہ) پر عقائد اور

دیانات میں تلمیس ابلیس کا بیان

مصنفؒ نے کہا کہ ابلیس دو طریقوں سے اس امت کے عقائد میں داخل ہوا (ایک) باپ دادوں کی تقلید۔ (دوم) ایسی بات میں خوض کرنا جس کی تمہ نہیں مل سکتی۔ یا غور کرنے والا اس کی تمہ کو نہیں پہنچ سکتا ہے۔ پس ابلیس نے دوسری قسم کے لوگوں کو طرح طرح کے خلط ملط میں ڈال دیا۔ رہا طریق اول (باپ دادوں کی تقلید) تو ابلیس نے ان مقلدوں پر یہ رچایا کہ دلیلیں کبھی مشتبہ ہوتی ہیں اور راہ ثواب مخفی ہو جاتی ہے تو تقلید کر لینا سلامت راہ ہے۔ اس راہ تقلید میں بجز ت مخلوق گمراہ ہوئی۔ اور عموماً اسی سے لوگوں پر تباہی آئی بے شک یہود و نصاریٰ نے اپنے باپ دادوں کی اور اپنے پادریوں کی اور پوپوں کی تقلید کی۔ اور اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت والے بھی اسی قسم کی تقلید میں پڑے ہوئے تھے۔ واضح ہو کہ جس دلیل سے انہوں نے تقلید کی تعریف کی۔ اسی سے اس کی مذمت نکلتی ہے کیونکہ جب دلیلیں مشتبہ ہیں اور راہ ثواب مخفی ہے تو ضرور تقلید کو چھوڑ دینا چاہیے تاکہ ضلالت میں نہ پڑ جاوے۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مذمت فرمائی ہے جو اپنے باپ دادوں کی تقلید میں پڑے تھے۔ بقولہ تعالیٰ بل قالوا انا وجدنا ابائنا علی امہ وانا علی اثارہم مقتدون الایہ۔ (الزخرف پ ۲۵ آیت ۲۳) یعنی کفار نے کہا نہیں بلکہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقہ پر پایا اور ہم ان ہی کے قدم کی اقتداء کرتے ہیں۔ پیغمبر ﷺ نے کہا کیا تم تقلید ہی کئے جاؤ گے اگرچہ میں اس سے بہتر ہدایت لایا ہوں جس پر تم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے یعنی کیا ایسی صورت میں بھی تم ان ہی گمراہوں کی پیروی کرو گے۔ وبقولہ تعالیٰ انہم الفوا آباءہم ضالین الایہ۔ (الصفت پ ۲۳ آیت ۲۹) یعنی کافروں نے اپنے بزرگوں کو گمراہ پایا تھا تو یہ بھی ان کے نشان قدم پر دوڑے جاتے ہیں۔ مصنفؒ نے کہا کہ یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ مقلد نے جس بارے میں تقلید کی اس میں اعتماد پر نہیں ہوتا۔ اور تلقید کرنے میں عقل کی منفعت بھی زائل کرنا لازم ہے۔ اس لئے کہ عقل تو اس لئے پیدا کی گئی ہے کہ غور و تامل کرے۔ اور جس شخص کو خدا نے شمع دی ہو جس سے روشنی ہوتی ہے وہ اگر شمع کو بجھا دے اور اندھیرے میں چلے تو اس کی یہ

حرکت قبیح ہے واضح ہو کہ اکثر اصحاب مذاہب کے ذہن میں جو شخص بھی بڑی نشان کا متصور ہو جاتا ہے تو جو کچھ اس نے کہا اس کو بے سوچے سمجھے مانتے اور اس کی پیروی کرتے ہیں۔ اور یہی عین گمراہی ہے۔ کیونکہ نگاہ درحقیقت بات پر جانی چاہیے۔ بات کہنے والے پر نہیں۔ چنانچہ حادث ابن حوط نے حضرت علیؑ سے کہا تھا کہ کیا آپ گمان کرتے ہیں کہ ہمارا گمان یہ ہے کہ طلحہ و زبیرؓ باطل پر تھے۔ تو حضرت علیؑ نے اس سے فرمایا کہ اے حادث تجھ پر معاملہ مشتبہ ہے۔ حق کو پہچاننا لوگوں سے نہیں ہوتا ہے بلکہ حق کو پہچان لے تو حق والے لوگوں کو بھی پہچان جائے گا امام احمد بن حنبلؒ کہا کرتے تھے کہ آدمی کی تنگی علم سے یہ ہے کہ اپنے اعتقاد میں کسی شخص کی تقلید کر لے اور اسی وجہ سے احمدؒ نے (میراث) جہد کے مسئلے میں ابو بکر الصدیقؓ کا قول چھوڑ دیا اور زید بن ثابتؓ کا قول لے لیا۔ اگر کوئی اعتراض کرے کہ عوام تو دلائل نہیں جانتے ہیں تو کیونکر تقلید نہ کریں گے؟ جواب یہ کہ اعتقاد کی دلیل بالکل ظاہر ہے جیسا کہ ہم نے دہریہ فرقہ کی تردید میں اشارہ کیا ہے اور ایسی واضح دلیل کسی پر مخفی نہیں ہو سکتی جس کو عقل دی گئی ہے۔ رہے مسائل فرعیہ تو یہ چونکہ بکثرت نئے نئے واقع ہوتے ہیں اور عوام پر ان کا پہچانا دشوار ہے اور دھوکا کھانا قریب ہے اس لئے ان مسائل میں عامی کو تقلید کرنا بہتر ہے ایسے شخص کی تقلید کر لے کہ جس کو علم و نظر حاصل ہے۔ علاوہ بریں عامی کا اختیار اس کے ہاتھ میں ہے کہ چاہے کسی شخص عالم کی تقلید کرے۔

جاننا چاہیے کہ دوسرا طریق قابل تفصیل یہ ہے کہ ابلیس نے جس طرح احمقوں کو قابو میں لاکر محض تقلید کے گرداب میں ڈبوایا اور جانوروں کی طرح ان کو ان کے متبوع کے پیچھے ہانک لے گیا۔ تو غبی لوگوں کے برخلاف جن لوگوں میں اس نے کچھ ذہن کی تیزی دیکھی ان کو بھی جتنا جس پر قابو پایا گمراہ کیا۔ چنانچہ بعض کو اس نے سمجھایا کہ محض تقلید پر جم جانا قبیح ہے۔ اور ان کو ارشاد کیا کہ عقائد اسلام میں غور کریں۔ پھر اس نے ان میں سے ہر ایک کو ایک نہ ایک طریقہ سے گمراہی میں ڈالا چنانچہ بعض نے دیکھا کہ ظاہر شریعت پر ٹھہرنا عاجزی ہے۔ تو ابلیس ان لوگوں کو کھینچ کر فلاسفہ کے مذہب میں لے گیا اور برابر ان کے خیالات کو دوڑاتا رہا۔ یہاں تک کہ آخر یہ لوگ اسلام سے نکل گئے۔ فلاسفہ کے رد میں ان کا تذکرہ ہو چکا ہے بعض کے خیال میں یہ رچایا کہ فقط اسی پر اعتماد جماوے جو حواس کے اور اک میں آوے۔ ان گمراہوں سے پوچھا جاوے کہ کیا تم نے حواس سے اپنے قول کی صحت پہچانی ہے اگر کہیں کہ ہاں تو

جھوٹے جھگڑالو ہوں گے کیونکہ ہمارے حواس نے تو اس کو صحیح نہ جانا جو وہ اپنے حواس سے ادراک کرنا بیان کرتے ہیں۔ کیونکہ حواس سے جو چیز پہچانی جاتی ہے اس میں جس قدر لوگ یہ حواس رکھتے ہیں کوئی اختلاف نہیں کرتا ہے۔ اور اگر کہیں کہ ہم نے اس کو حواس کے علاوہ دوسری چیز سے ادراک کیا تو خود انہوں نے اپنے قول کو توڑ دیا۔ بعض کو ابلیس نے تقلید سے نفرت دلائی۔ اور یہ رچایا کہ علم کلام میں خوض کریں اور فلاسفہ کے اوضاع دیکھیں۔ اور وہ اس سے اپنے زعم میں سمجھتا ہے کہ میں عوام کے غول سے نکل آیا۔ فرقہ متکلمین کے حالات طرح طرح سے بگڑے۔ اور اکثر لوگوں کا انجام یہ ہوا کہ کلام سے ان کو دین حق میں شکوک پیدا ہو گئے اور بعض نکل کر ملحد ہو گئے۔ واضح رہے کہ دین اسلام کے قدیم علماء نے جو علم کلام سے سکوت کیا تو عاجزی کی وجہ سے نہیں تھلبکہ انہوں نے کمال عقل سے دیکھ لیا کہ اس سے ہمارا کو صحت نہیں ہوتی اور نہ پیاسے کی پیاس بجھتی ہے۔ لہذا خود اس سے باز رہے اور سب کو اس میں خوض کرنے سے منع کر دیا۔ امام شافعیؒ نے کہا کہ اگر آدمی سوا شرک کے باقی ہر گناہ میں مبتلا رہے تو اس سے بہتر ہے کہ علم کلام میں نظر کرے اور کہا کہ جب تو کسی شخص سے سنے کہ وہ کتا ہے کہ اسم عین مسمی ہے یا غیر مسمی ہے تو سمجھ لے کہ کلام والوں میں سے ہے اور اس کا کوئی دین نہیں ہے۔ اور اہل کلام کے حق میں نقل کیا کہ چھڑیوں سے پیٹے جاویں۔ اور ان کو محلہ محلہ اور قبیلہ قبیلہ میں پھرایا جاوے۔ اور پکارا جاوے کہ یہ ایسے شخص کی سزا ہے۔ جس نے قرآن وحدیث چھوڑ کر علم کلام میں خوض شروع کیا۔ امام احمد بن حنبلؒ نے کہا کہ کلام والا کبھی فلاح نہیں پاوے گا۔ اور کلام جاننے والے ملحد زندیق ہوتے ہیں۔

مصنفؒ نے کہا کہ کیونکر علم الکلام کی مذمت نہ کی جائے تم دیکھتے ہو کہ اس نے معتزلہ کی نوبت یہاں تک پہنچائی کہ ان کا یہ قول ہے کہ اللہ تعالیٰ چیزوں کو مجمل جانتا ہے۔ اور تفصیل سے نہیں جانتا۔ جہم بن صفوان نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا علم و قدرت و حیات سب پیدا ہوئی ہیں ابو محمد نوبختیؒ نے جہم بن صفوان نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کچھ چیز نہیں ہے۔ ابو علی الجبائی اور ابو ہاشم اور ان کے تابعین معتزلہ نے کہا کہ معدوم ایک شے ہے ذات و نفس و جوہر میں اور سفیدی و سرخی و زردی عرض میں۔ اور اللہ تعالیٰ کو یہ قدرت نہیں کہ ذات کو ذات بناوے یا عرض کو عرض بناوے یا جوہر کو جوہر بناوے بلکہ یہ قدرت ہے کہ فقط ذات کو عدم سے وجود میں کر دے۔

قاضی ابو یعلیٰ نے کتاب المقتبس سے نقل کی کہ مجھ سے علاف المعزلی نے کہا کہ جنت والوں کی نعمت کا اور جہنم والوں کے عذاب کا آخر خاتمہ ہے۔ اللہ کا یہ وصف نہیں ہو سکتا کہ وہ اس کو دفع کرنے پر قادر ہے۔ اور ایسی صورت میں اس کی جانب رغبت صحیح نہیں ہے اور نہ اس سے خوف کرنا چاہیے۔ کیونکہ وہ اس صورت میں کسی بھلائی یا برائی پر قدرت نہیں رکھتا اور نہ کسی نفع یا ضرر پر قادر ہے۔ اس نے کہا کہ اہل جنت سب سکوت میں پڑے رہیں گے نہ کوئی کلمہ بول سکیں گے نہ جنبش کریں گے۔ نہ کسی پر قادر ہوں گے۔ اور نہ ان کا رب ان میں سے کسی بات پر قادر ہو گا۔ اس لئے کہ سب حادث کی آخر انتہا ضرور ہے کہ وہاں تک پہنچ کر ختم ہو جائے۔ پھر اس کے بعد کچھ نہ ہو۔

مصنفؒ نے کہا کہ ابو القاسم عبد اللہ بن احمد بن محمد الہللی نے کتاب المقالات میں لکھا ہے کہ ابو الہذیل محمد بن ہذیل علاف نے جو اہل بصرہ میں سے قوم عبد القیس کا غلام تھا۔ اور فرقہ معتزلہ میں سے تھا۔ اس نے تنبیہ قول نکالا کہ اہل جنت کے حرکات ختم ہو جائیں گے تو آخر وہ ساکن ہو کر ہمیشہ کے لئے بت کی طرح سکوت میں پڑے رہیں گے اور اگر اس کی نہایت مقدر نہ ہو تو بالفعل قدرت سے خارج ہو گی اور یہ نہیں ہو سکتا تو غیر متناہی پر قدرت بھی محال ہے اور یہ شخص کہا کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا علم خود اللہ ہے اور اس کی قدرت خود اللہ ہے۔ ابو ہاشم معزلی نے کہا کہ جس شخص نے ہر گناہ سے توبہ کی لیکن اس نے ایک گھونٹ شراب پی تو اس کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے کافروں کی طرح عذاب میں پڑا رہے گا۔ نظام معزلی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کو کسی برائی پر کچھ قدرت نہیں ہے اور ایلیس کو برائی و بھلائی دونوں پر قدرت ہے۔ ہشام القوطی کہتا تھا کہ اللہ کا یہ وصف نہیں ہو سکتا کہ ہمیشہ کے لئے عالم ہے۔ بعض معتزلہ نے کہا کہ خدا سے جھوٹ سرزد ہونا جائز ہے۔ لیکن یہ بات اس سے واقع نہیں ہوئی۔ فرقہ مجیرہ نے کہا کہ آدمی کو کچھ قدرت نہیں ہے۔ بلکہ وہ جمادات کی طرح ہے نہ اس کو کسی فعل پر قدرت ہے نہ اختیار ہے۔ فرقہ مرجیہ نے کہا کہ جس نے اشد ان محمد اعبدہ و رسولہ زبان سے کہا پھر وہ سب قسم کے معاصی کرتا رہا تو وہ ہر گز جہنم میں داخل نہیں ہو سکتا ان لوگوں نے صحیح احادیث سے انکار کیا جن میں مذکور ہے کہ اہل توحید جہنم سے نکالے جاویں گے۔ امام ابن عقیل نے کہا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس نے مرجیہ مذہب نکالا وہ کوئی زندیق تھا اس لئے کہ عالم کی صلاحیت اسی پر موقوف ہے کہ عذاب کی آیات سے

ڈریں اور ثواب کے امیدوار ہوں پس جب مرجیہ نے دیکھا کہ صانع عزوجل سے انکار کرنا ممکن نہیں ہے۔ اس لئے کہ لوگ یہ سن کر نفرت کرتے ہیں اور عقل کے بھی مخالف ہے تو صانع عزوجل کے ثابت کرنے سے جو فائدہ تھا اس کو مٹا دیا۔ پس یہ لوگ اسلام میں سب سے برا گروہ ہے۔

مصنفؒ نے کہا کہ ابو عبد اللہ بن کرام نے تقلید کی تو سب مذاہب میں سے ردی مذہب لیا۔ اور احادیث میں سب سے ضعیف احادیث لیں۔ اور خالق کی مشابہت جائز رکھی۔ بلکہ ذات باری تعالیٰ میں حوادث کا حلول جائز رکھا۔ اور کہا کہ اللہ تعالیٰ کو یہ قدرت نہیں ہے کہ اجسام و جواہر کو دوبارہ پیدا کرے۔ بلکہ فقط ابتداء میں ان کو پیدا کر سکتا ہے۔ سالمیہ فرقہ کا قول ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ہر فرقہ و ہر چیز کیلئے اس کے معنی میں متجلی ہو گا چنانچہ آدمی تو اس کو آدمی دیکھے گا۔ اور جن اسکو جن دیکھے گا۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا بھید ہے کہ اگر اسکو ظاہر کر دے تو تدبیر مٹ جاوے۔

مصنفؒ کہتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ سے ایسے علم سے پناہ مانگتا ہوں جو ایسے فتیج مذاہب کی طرف جاوے۔ متکلمین نے اپنے زعم میں یہ مقرر کیا کہ ایمان ہی پورا نہیں ہوتا جب تک اسے ان کے مرتب کئے ہوئے قواعد سے نہ جانے یہ لوگ بالکل غلطی پر ہیں۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہؓ کو ایمان کا حکم دیا۔ اور متکلمین کی ان محشوں کا حکم نہیں دیا۔ اور صحابہؓ اسی پر تھے جن کا درجہ مطابق شہادت اللہ و رسول کے سب اولین و آخرین سے افضل ہے۔ اور کلام کی مذمت وارد ہوئی ہے۔ جیسا کہ ہم اوپر اشارہ کر چکے ہیں۔ اور ہم سے نقل کیا گیا کہ متکلمین نے اپنے طریقہ سے جس پردہ چلے تھے آخر بیزاری کی اور بالکل الگ ہوئے۔ کیونکہ انہوں نے اس کے فتیج فساد کا انجام دیکھ لیا۔ چنانچہ ہم سے ابن الاشعث نے بیان کیا کہ میں نے احمد بن سنان سے سنا وہ کہتے تھے کہ ولید بن لبان الکرائیسی میرا ماموں تھا۔ جب اس کی موت کا وقت آیا تو اس نے اپنے پیٹوں سے کہا کہ کیا تم لوگ علم کلام میں مجھ سے بڑھ کر کسی کو جانتے ہو انہوں نے کہا نہیں۔ تو اس نے کہا کہ کیا تم مجھے اپنے حق میں دروغ گوئی وغیرہ سے متہم سمجھتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ نہیں۔ اس نے کہا کہ میں تم کو وصیت کرتا ہوں تم میری وصیت قبول کرو گے۔ انہوں نے کہا کہ ہاں۔ تو فرمایا کہ تم پر فرض ہے کہ اس طریقہ کو اختیار کرو جس پر حدیث جاننے والے علماء ہیں۔ کیونکہ میں نے حق انہیں کے ساتھ دیکھا ابو المعالی جوینی (امام غزالی کے استاد) یہ کہتے تھے کہ افسوس میں نے اہل اسلام اور ان کے علوم کو

چھوڑا۔ اور بڑے سمندر میں چلا۔ اور وہاں غوطہ مارا جہاں مجھے منع کیا جاتا تھا۔ یہ سب اس قصد سے کیا تھا کہ حق تلاش کروں اور تقلید سے بھاگوں اور اب میں نے ہر چیز سے منہ پھیر کر کلمہ حق کو لیا۔ اور تم پر واجب ہے کہ بوڑھی عورتوں کے یقین پر جم جاؤ۔ اور اگر حق تعالیٰ نے اپنے لطف و احسان سے مجھے سرفراز نہ کیا کہ میں بوڑھیوں کے دین پر مروں اور موت کے وقت کلمہ اخلاص پر میرا خاتمہ خیر ہو تو جو نبی کے حق میں ہلاکت ہے اور اپنے شاگردوں سے فرماتے تھے کہ تم لوگ علم کلام میں مشغول نہ ہو کیونکہ اگر میں یہ جانتا کہ کلام سے یہاں تک نوبت پہنچے گی۔ جہاں تک پہنچی تو میں کبھی اس میں مشغول نہ ہوتا۔ شیخ ابو الوفا ابن عقیل نے اپنے بعض شاگردوں سے فرمایا کہ ہم قطعاً جانتے ہیں کہ صحابہؓ نے انتقال کیا اور یہ نہ جانتا کہ جو ہر کیا چیز ہے؟ اور عرض کیا چیز ہے۔ پھر اگر تجھے یہ منظور ہو کہ ان کی مثل ہو جائے تو وہی طریقہ اختیار کر۔ اور اگر تیری رائے میں یہ سمائے کہ متکلمین کا طریقہ حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے طریقہ سے بہتر ہے تو تیرے خیال ناقص میں بہت بری بات سمائی ابن عقیلؒ نے کہا کہ میں نے خوب دیکھا کہ علم کلام سے آخر متکلمین کے بعض لوگوں میں شکوک پیدا ہو گئے۔ اور ہجرت ان میں سے ملد ہو گئے۔ پھر انہوں نے متکلمین کے لایعنی کلمات کے ذریعہ سے الحاد کو رواج دینا شروع کیا۔ اصل اس کی یہ ہے کہ انہوں نے اس حد پر قناعت نہ کی جہاں ان کو شریعت نے ٹھہرایا تھا۔ اور بڑھ کر حقائق کو اپنے حواس سے طلب کرنے لگے۔ حالانکہ ان کی عقل میں یہ قوت نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو حکمت ہے اس کو دریافت کر لیں۔ کہ وہ حکمت فقط اللہ تعالیٰ ہی کے واسطے منفرد ہے اور جو حقائق امور وہ جانتا ہے اس نے مخلوق کے لئے اس کے دریافت کا طریقہ پیدا نہیں کیا ہے۔ ابن عقیلؒ نے کہا کہ ابتداء میں بہت مدت تک میں نے کلام میں مبالغہ کیا۔ پھر اٹنے پاؤں لوٹ کر کتابوں کے مذہب پر آگیا اور یہ جو کہا گیا کہ بوڑھی عورتوں کا دین بہت سالم ہے تو اس لئے کہا کہ جب متکلمین اپنی نظر بحث میں انتہاء مدقیق کو پہنچے تو انہوں نے تعلیلات و تاویلات میں ایسی چیز نہ پائی جس کو عقل نکالتی ہے۔ پس شرع کے مراسم پر ٹھہر گئے اور تعلیل کی گفتگو سے رکے اور عقل نے یقین کر لیا کہ اس سے برتر حکمت الہیہ ہے تو انہوں نے گردن جھکا دی۔ ان کا بیان یہ ہے قول نے نیکی کی تو چاہا کہ مذکور ہو تو کسی کہنے والے نے کہا کہ کیا نفع پہنچانے کا شوق شدید تیرے دل میں پیدا ہوا تھا۔ یا کوئی امر دیگر داعی ہوا کہ تو احسان پھیلا دے یہ معلوم ہے کہ شوق وداعی تو

ذات کے عوارض ہیں اور نفس کی خواہشات ہیں اور یہ بات کبھی عقل میں نہیں آتی تو ایسی ذات کے جس میں شوق ایسی چیز حاصل کرنے کا سما جاوے جو اس کو حاصل نہ تھی۔ اور اب اسی ذات کو اس چیز کی احتیاج ہے۔ پھر جب یہ غرض حاصل ہو جاوے تو اس کا شوق ختم جائے گا اور خواہش سست ہو جائے گی اور ایسے حاصل کرنے کو غنی کہتے ہیں۔ ذات باری تعالیٰ قدیم سے موصوف ہے کہ وہ غنی ہے اور مستقل بالذات ہے۔ اس کو کسی مزید کی یا عارض کی کچھ حاجت نہیں ہے۔ پھر جب ہم اس کے انعام میں نظر کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ یہاں فقیری اور دکھ اور ایذائے حیوانات بھری پڑی ہیں پس اگر عقل نے چاہا کہ خلق پیدا کرنے کی علت اس کا انعام بنادے تو تحقیق کی نگاہ نے اگر دیکھا کہ فاعل قادر ہے کہ بالکل صافی انعام دے جس سے بڑھ کر صافی امکان میں نہیں ہے۔ اور وہ فاعل قطعی دلیل عقل سے غلطی سے پاک ہے اور یہی غلطی ایسی چیز تھی کہ جس چیز کو حاصل کرتا ہے اس سے منع کرے اور وہ عاجزی سے پاک ہے کہ جو فساد و خرابی ان موجودات کو عارض ہوتی ہے اس کو دفع نہ کر سکے تو اب یہاں عقل عاجز ہوئی کہ مخلوقات کو پیدا کرنے میں محض انعام کی علت نہیں نکال سکتی ہے۔ پس عقل نے عاجز ہو کر اس علت کو چھوڑا اور اس پر واجب ہوا کہ گردن جھکا دے اور ان لوگوں میں فساد اس وجہ سے داخل ہوا کہ انہوں نے فوائد کا پیدا کرنا اور مضر توں کا دور کرنا صرف اس کی قدرت کے مقتضا پر رکھا اور اگر اس کے ساتھ یہ بھی ملاتے کہ وہ پاک عزوجل حکیم ہے تو ان کے نفس گردن جھکا کر اس کے لئے حکمت کاملہ تسلیم کرتے اور بغیر اعتراض کے وسیع باغ تقویض میں اچھی طرح زندگی بسر کرتے۔

کچھ لوگوں نے ظاہری آیات و احادیث پر وقوف کیا اور ان کو اپنے ظاہری حواس کے مقتضی پر محمول کیا۔ چنانچہ بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ جسم ہے اور یہ ہشام بن الحکم و علی بن منصور و محمد بن الخلیل و یونس بن عبد الرحمن کا مذہب ہے۔ پھر ان لوگوں نے باہم اختلاف کیا بعض نے کہا کہ وہ جسم مانند دیگر اجسام کے ہے۔ اور بعض نے کہا کہ نہیں بلکہ ان اجسام کے مانند نہیں ہے۔ پھر اگر ان اجسام کے مثل نہیں ہے تو کس قسم کا جسم ہے۔ اس میں انہوں نے پھر اختلاف کیا۔ بعض نے کہا کہ وہ نور ہے اور بعض نے کہا کہ سفید چاندی کی مانند ہے یہی ہشام بن الحکم کہا کرتا تھا اور کہتا کہ اللہ اپنی بابت سے سات بابت ہے اور اس کی آنکھ سے شعاع نورانی نکل کر تحت الثریٰ تک پہنچ کر ہر چیز سے متصل ہوتی ہے تو وہ اس کو دیکھتا ہے۔

ابو محمد نوبختیؒ نے جاظے اس نے نظام سے نقل کیا کہ ہشام بن الحکم نے ایک ہی سال میں تشبیہ کے بارے میں پانچ اقوال نکالے۔ آخری قول جس پر اس نے یقین کر لیا وہ یہ ہے کہ خدا اپنی بالشت سے سات بالشت ہے۔ کیونکہ ایک قوم نے کہا تھا کہ وہ گداختہ چاندی کے مثل ڈھلا ہوا ہے۔ اور فریق دیگر نے کہا تھا کہ وہ صاف بلور کے مانند گول ہے جدھر سے دیکھو ایک ہی صورت ہے۔ ہشام نے کہا کہ اس کی ذات محمدؐ دو ہے۔ یہاں تک کہ کہا کہ گھوڑا اس سے بڑا ہے اور کہا کہ اس کی ماہیت کو وہی جانتا ہے۔ مصنفؒ کہتا ہے کہ ماہیت کہنے سے لازم آتا ہے کہ اس کی کیفیت و کمیت بھی ہو اور جب اس کے قائل ہوں تو ان کی توحید کا قول مٹا جاتا ہے۔ اور یہ بات ثابت ہو چکی کہ ماہیت اسی کی ہوتی ہے جو جنس کے تحت میں ہو اور اس کے نظائر ہوں تو وہ فضل سے جدا کرنے کا محتاج ہوتا ہے کہ متمیز ہو جاوے اور حق سبحانہ تعالیٰ جنس والا نہیں ہے اور نہ اس کا مثل اور نہ اس کا وصف متناہی بارادہ ہو سکتا ہے لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ سب طرف بے انتہا چلا گیا ہے بلکہ یہ مراد ہے کہ وہ جسم نہیں اور نہ جوہر ہے جس کو انتہا لازم ہوتی ہے۔ نوبختیؒ نے نقل کیا کہ مقاتل بن سلیمان و نعیم بن حماد اور داؤد الحواری بھی کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے واسطے صورت و اعضا ہیں۔

مصنفؒ نے کہا کہ تم دیکھتے ہو کہ یہ لوگ کس طرح اس کے لئے قدیم ہونا ثابت کرتے ہیں اور آدمیوں کے لئے نہیں ثابت کرتے۔ مرض و تلف وغیرہ جو آدمیوں کے لئے جائز ہے وہ اپنے خدا کے لئے کیوں نہیں جائز رکھتے۔ پھر ہر ایک شخص جس نے جسم ہونے کا دعویٰ کیا اس سے کہا جاوے کہ تو نے کس دلیل سے اجسام کا حادث ہونا ثابت کیا تو اس کا انجام یہ ہو گا کہ آخر پتہ ملے گا کہ جس معبود کو اس نے جسم ثابت کیا ہے وہ حادث ہے قدیم نہیں ہے۔

مجسمہ فرقہ کے اقوال میں سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ٹٹول کر چھو سکتے ہیں تو ان سے کہا جاوے کہ پھر اس سے لازم آتا ہے کہ اس سے معانقہ بھی کیا جائے۔ مجسمہ نے کہا کہ وہ جسم ایک فضا ہے (یعنی خالی جیسے آسمان وزمین کے درمیان نظر آتا ہے) اور جمیع اجسام اسی کے درمیان ہیں۔ بیان ابن سمعان بن عمران کہتا تھا کہ اس کا معبود بالکل نور ہے۔ اور وہ ایک مرد کی صورت پر ہے اور وہ اپنے سب اعضاء کا مالک ہے سوائے چہرے کے۔ اس شخص کو خالد بن عبد اللہ نے قتل کر دیا۔ مغیرہ بن سعد اعجلی کہتا تھا کہ اس کا معبود نور کا ایک مرد ہے۔ جس کے سر پر نور کا تاج ہے اور اس کا اعضاء ہیں اور

اس کے قلب سے حکمت اس طرح جوش مارتی ہے جیسے چشمہ سے پانی ابلتا ہے۔ اور اس کا اعضاء کی صورت ایسی ہے جیسے الف بے کے حرف ہیں۔ یہ شخص اس بات کا بھی قائل ہے کہ محمد بن عبد اللہ بن الحسن بن الحسن امام ہیں۔ زرارہ بن اعین کوئی کہا کرتا تھا کہ ازل میں باری تعالیٰ کو علم و قدرت و حیات کی صفیتیں نہ تھیں۔ پھر اس نے اپنے لئے یہ صفیتیں پیدا کر لیں۔ داؤد الحواری نے کہا کہ وہ جسم ہے اس میں گوشت و خون ہے اور اس کے جوارح و اعضاء ہیں اور منہ سے سینہ تک جوف دار (خول) ہے اور باقی ٹھوس ہے۔

مجملہ ان لوگوں کے جو حواس پر ٹھہر گئے کچھ لوگ ہیں جن کا یہ قول ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر بذات خود اس سے ملا ہوا بیٹھا ہے۔ پھر جب وہاں سے اترتا ہے تو عرش کو چھوڑ کر اتر آتا ہے اور متحرک ہوتا ہے۔ ان لوگوں نے اس کی ذات کو ایک محدود متناہی قرار دیا۔ اور یہ لازم کیا کہ وہ ناپ میں آسکتا ہے اور اس کی مقدار محدود ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے۔ ان لوگوں نے کہا کہ اترنا اسی کے حق میں کہتے ہیں جو اوپر چڑھا ہو۔ اور انہوں نے اترنے کو محسوس چیز پر رکھا جس سے اجسام کا وصف بیان کیا جاتا ہے۔ یہ قوم مشبہ وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی صفات کو محسوس کے موافق قرار دیتے ہیں۔ ہم نے ان کا اکثر کلام اپنی کتاب منہاج الوصول الی علم الاصول میں ذکر کیا ہے۔ بعضے مشبہ اپنے خیال میں قیامت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار اس طرح جہاتے ہیں جیسے اشخاص کو دیکھتے ہیں کہ سامنے ہوا۔ لہذا یہ تصور باندھتے ہیں کہ ایک شخص سامنے نظر آوے گا۔ جس کا حسن سب حسوں سے بڑھا ہوا ہو گا لہذا تم دیکھو کہ یہ شخص اس کے شوق میں ٹھنڈی سانسیں بھرتا ہے اور دیدار کو تصور میں لاتا ہے تو زیادہ جوش میں آتا ہے اور حجاب دور ہونے کو تصور کرتا ہے، تو زیادہ قلق تک نوبت پہنچتی ہے۔ اور دیدار کو یاد کرتا ہے تو اس پر غشی طاری ہو جاتی ہے اور وہ سنتا ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہندہ مومن کو اپنے قریب بلائے گا۔ پس یہ سن کر خیالی نزدیکی۔ تو تصور میں لاتا ہے۔ جیسے ہم جنس آدمی سے ہوتی ہے۔ اس کی یہ سب جمالت اس لئے ظاہر ہوئی کہ وہ اللہ تعالیٰ سے جاہل ہے۔ بعض کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کا چہرہ ہے اور یہ اس کی صفت ذات سے زائد صفت ہے۔ اور دلیل یہ لاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ویسی وجہ ربک انی یہ اس کے واسطے ہاتھ اور انگلیاں بھی ثابت کرتے ہیں۔ کیونکہ حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے

فرمایا کہ یضع السموت علی اصبع یعنی وہ آسمانوں کو ایک انگلی پر رکھے گا اور کہتے ہیں کہ اس کے واسطے قدم بھی ہے اور اسی طرح اور چیزیں بھی ثابت کرتے ہیں جن کا ذکر حدیثوں میں وارد ہوا ہے یعنی ان سب کو اپنے خیالی محسوس پر محمول کرتے ہیں یہ سب انہوں نے حواس کے فہم سے نکالا ہے۔ صحیح و صواب طریقہ یہ تھا کہ وہ آیات کو اور احادیث کو پڑھتے اور ان کی تفسیر نہ کرتے۔ نہ ان میں اپنے حواس سے کچھ کلام کرتے۔ آخر ان لوگوں کو کس نے منع کیا کہ یہ معنی لیتے کہ وجہ سے مراد ذات باری تعالیٰ ہے نہ یہ کہ وہ صفت زائد ہے اور اسی بنیاد پر اہل تحقیق نے آیت کی تفسیر بیان فرمائی ہے چنانچہ وجہ ربک کے یہ معنی کہے کہ یقی ربک یعنی فقط تیرے رب کی ذات باقی رہے گی۔ اور قولہ تعالیٰ یریدون وجہہ (الانعام پ ۷ آیت ۵۲) یعنی یریدونہ یعنی اس کو چاہتے ہیں۔ اور یہ لوگ کیوں نہیں سمجھتے کہ دو انگلیوں میں ہندوں کے دل سے یہ مراد ہو کہ انگلی چونکہ کسی چیز کی پلٹ دینے والی ہے اور جو چیز دو انگلیوں کے درمیان ہو تو انگلیوں والا جس طرح چاہے تصرف کرتا ہے اس لئے یہ لفظ ذکر کیا نہ یہ کہ یہ صفت زائد ہے۔

مصنفؒ نے کہا کہ میرے علم میں اس تفسیر سے بھی سکوت کرنا چاہیے۔ اگرچہ یہ ہو سکتا ہے کہ یہی تفسیر مراد ہو اور یہ جائز نہیں ہے کہ وہاں ایک ذات ہو جس کے اجزاء دو ٹکڑے ہو سکتے ہیں۔

ظاہر یہ کہ سب سے عجیب حالات میں سے یہ ہے کہ سالمیہ فرقہ نے کہا کہ قبر میں مردہ کھاتا پیتا اور نکاح کرتا ہے اس کا باعث یہ ہوا کہ ان لوگوں نے سنا کہ نیک سخت میت کے واسطے وہاں نعمت ہے اور عمدہ عیش ہے۔ اور ان کو عیش سوائے اس کے ظاہر نہ ہوا تو یہ اعتماد جمایا۔ اور اگر یہ لوگ فقط اسی قدر پر اکتفا کرتے جو حدیث میں وارد ہے کہ مومنوں کی روحیں پرندوں کے پوٹوں میں رکھی جاتی ہیں۔ اور جنت کے درختوں سے کھاتی ہیں تو اس خراب اعتقاد سے بچ جاتے۔ لیکن انہوں نے اس کے ساتھ میں جسم کو بھی ملا لیا۔ ان عقلی نے کہا کہ یہ مذہب وہ مرض ہے جو خیالات جاہلیت کے مشابہ ہے جس کو جاہلیت والے ہام و صدا کے بارے میں کہا کرتے تھے، ان لوگوں کے ساتھ مناظرہ کے طور پر مدارات کرنی چاہیے جس سے جاہلیت کے خیالات کو سمجھ کر راہ حق کی طرف آجاویں۔ اور ان سے ضد باندھ کر مخالفت نہ کی جائے کیونکہ اس طریقہ سے یہ لوگ بچ جاویں گے۔ ایلین نے ان لوگوں پر تیس ایلین اس

لئے ڈالی کہ انہوں نے ایسے دلائل سے بحث چھوڑ دی جو شرع و عقل سے منطبق ہیں۔ چنانچہ جب میت کے لئے نعمت عیش یا عذاب وارد ہوا ہے تو معلوم ہو گیا کہ قبر یا جسم کی طرف نسبت کر کے بیان فقط اس لئے ہے کہ میت کی پہچان ہو جائے گویا یہ فرمایا کہ اس قبر میں دفن ہونے والا اور وہ روح جو اس جسم میں تھی وہ جنت کی نعمتوں سے عیش میں ہے یا آگ کے عذاب سے تکلیف میں ہے۔

فصل :- مصنفؒ نے کہا کہ اگر سوال کیا جاوے کہ تم نے اعتقادات کے بارے میں تقلید کرنے والوں پر بھی عیب لگایا اور بے جا خواص کرنے والے متکلمین پر بھی عیب لگایا اب متلاوہ طریقہ کیا ہے جس پر ابلیس کی تمیسی سے بچا جاوے۔ جواب یہ وہ طریقہ ہے جس پر رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابی اور ان کے تابعین بالا حسان تھے۔ یعنی یہ ایمان لاوے کہ حق سبحانہ تعالیٰ برحق ہے۔ اور اس کی وہ سب صفات برحق ہیں جو آیات و احادیث میں وارد ہوئیں بدو ان اس کے کہ ہم ان صفات کے معانی بگاڑیں۔ یا بے جا بحث کر کے ایسی تفسیر و علم کا دعویٰ کریں جو قوت بعرب سے باہر ہے اور یہ کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام غیر مخلوق ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ واللہ میں نے کسی مخلوق کو اپنے اور معاویہؓ کے درمیان حکم نہیں ٹھہرایا بلکہ میں نے تو قرآن کو حکم ٹھہرایا ہے (وہ مخلوق نہیں ہے) اور یہ ایمان لاوے کہ اسکے باوجود قرآن ہمارے سننے میں آتا ہے بدلیل قولہ تعالیٰ حتی یسمع کلام اللہ (التوبہ پ ۱۰ آیت ۶) یعنی اگر کوئی مشرک پناہ مانگے تو اس کو پناہ دے یہاں تک کہ وہ کلام اللہ سے سنے اور یہ کلام اللہ مصاحف میں سے ہے بدلیل قولہ تعالیٰ فی رق منشور (الطور پ ۲ آیت ۳) اور یہ کہ مضمون آیات ادا نہیں ہو سکتا۔ (یعنی بے مثل ہے) اور اس کی تفسیر میں اپنی رائے سے کلام نہیں ہو سکتا۔ امام احمد بن حنبلؒ اس امر سے منع کیا کرتے تھے کہ کوئی کہے کہ قرآن کے ساتھ میرا دلنا مخلوق ہے یا غیر مخلوق ہے تاکہ سلف صالحین کی پیروی سے خارج ہو کر بدعت میں نہ پڑ جائے اور اب تو ایسے لوگوں پر تعجب ہے جو اس امام کی پیروی کا دعویٰ کرتے ہیں اور پھر ایسے مسائل بدعتیہ میں گفتگو کرتے ہیں۔ عمرو بن دینار سے روایت ہے کہ میں نے نو اصحاب رسول اللہ ﷺ کو پایا جو فرماتے تھے کہ جو کوئی کہے کہ قرآن مخلوق ہے وہ کافر ہے امام مالک بن انسؒ نے کہا کہ جو کوئی قرآن کو مخلوق کہے اس سے توبہ کرائی جائے۔ اگر توبہ کرے تو بہتر ورنہ وہ قتل کیا جاوے۔ جعفر بن برقان نے کہا کہ عمر بن عبد العزیزؒ سے کسی نے بدعتوں کو پوچھا تو فرمایا کہ تجھ

پر واجب ہے کہ اس طرح عقیدہ پر جم جا۔ جیسے مکتب میں لڑکے اور دیہات میں اعراب ہوتے ہیں۔ اور ان دونوں کے سوا سب سے غافل ہو جا۔ عمر بن عبدالعزیزؒ سے روایت ہے کہ جب تم کسی گروہ کو دیکھو کہ علانیہ عام لوگوں کو چھوڑ کر خاص طور پر دین میں خفیہ مشورے کرتے ہیں تو جان لو کہ یہ گروہ کسی ضلالت کی بنیاد قائم کرنے کی فکر میں ہے۔ سفیان ثوریؒ نے کہا کہ مجھے حضرت عمرؓ سے یہ روایت پہنچی ہے کہ انہوں نے اپنے بعض عاملوں کو لکھا کہ میں تجھے وصیت کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ رکھ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرو۔ بدعتیں چھوڑے رہنا جو بعد کو بدعتیوں نے نکالی ہیں جن کی محنت سے ان کی کفایت کی گئی تھی۔ اور تو جان رکھ کہ جس کسی کو علم سنن سے واقفیت ہے وہ خوب جانتا ہے کہ طریقہ سنت سے مخالفت اس میں کرید کرنے میں کیسی کیسی غلطی اور لغزشیں ہیں۔ چنانچہ اگلے بزرگوں نے باوجود علم معرفت کے توقف کیا۔ اور باوجود پرکھنے والی نگاہ کے رک گئے۔ دوسری روایت میں عمر (بن عبدالعزیزؒ) نے کہا کہ سلف سابقین ان امور کے ظاہر کرنے میں زیادہ قدرت رکھتے تھے جس نے کوئی بدعت نکالی یہ وہی شخص ہو گا جس نے ان کی راہ چھوڑ کر دوسری راہ اختیار کی اور خود ان کی راہ سے بے رغبت ہو گیا۔ کچھ لوگوں نے ان کے طریقہ سے کوتاہی کی تو اپنے اوپر ظلم کیا۔ اور کچھ لوگوں نے ان کی حد سے زیادہ بڑھ جانے میں غلو کیا (تو یہ گمراہ ہوئے) سفیان الثوریؒ نے کہا کہ تمام لوگوں پر لازم ہے کہ اس عقیدہ و یقین پر رہو جس پر کاشتکار اور گھروں کی عورتیں اور مکتب کے لڑکے رہتے ہی کہ ایمان کا اقرار کرتے اور عمل کئے جاتے ہیں۔

مصنفؒ کہتا ہے کہ اگر کوئی کہے کہ یہ تو کم عقل و عاجز کا کام ہے اور مردوں کا مقام نہیں ہے۔ جواب ہم نے پہلے ہی لکھ دیا اور کہہ دیا کہ عمل پر ٹھہر جانا ضروری ہے اس لئے کہ جن متکلمین نے سمندروں میں غوطہ مارا وہ ہرگز ایسی چیز تک پہنچ سکے جس سے پیاس کی پیاس چھ جاوے اسی لئے انہوں نے سب کو نصیحت کی کہ کنارے پر ٹھہرے رہو۔ چنانچہ ہم نے ان کے اقوال ذکر کر دیئے ہیں۔

خوارج پر تلبیس ابلیس کا بیان

مصنفؒ کہتا ہے کہ خوارج میں سب سے اول اور سب سے بدتر شخص کا نام ذوالنویصرہ تھا۔ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے

یمن سے کمائے ہوئے چمڑے کے تھیلے میں کافی سونا بھجوا۔ یہ سونا خاک میں مخلوط تھا۔ اسے صاف نہیں کیا گیا تھا۔ اس کو آنحضرت ﷺ نے زید الخلیل اقرع بن حابس، عیینہ بن حصن اور علقمہ بن علاشہ یا عامر بن الطفیل چار آدمیوں میں تقسیم کیا عمارہ راوی کو شک ہے کہ علقمہ بن علاشہ کا نام لیا تھا یا عامر بن الطفیل کا اس وجہ سے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم اور انصار وغیرہ کو کچھ آزدگی ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ مجھے امین نہیں سمجھتے حالانکہ میں آسمان والے کا امین ہوں۔ مجھے ہر صبح وشام آسمان سے خبر پہنچتی ہے۔ پھر آپ کے پاس ایک شخص آیا جس کی آنکھیں اندر گھسی ہوئی، پیشانی ابھری ہوئی گالوں کا گوشت چڑھا ہوا تھا، داڑھی کے بال بہت گھنے تھے، پنڈلیوں پر اونچی ازار (لنگی) باندھے اور سر گھٹائے (منڈائے ہوئے) تھا۔ اس نے آکر کہا کہ یا رسول اللہ خدا سے ڈرو (انصاف کرو) آنحضرت ﷺ نے اس کی طرف سر اٹھا کر فرمایا کہ کیا میں خدا تعالیٰ سے تقویٰ کرنے میں سب سے بڑھ کر لائق نہیں ہوں پھر وہ شخص پیٹھ پھیر کر جانے لگا تو خالد بن الولید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یا رسول اللہ کیا میں اس کی گردن نہ مار دوں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ شاید وہ نماز پڑھتا ہو تو خالد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا حضرت ﷺ بعض نمازی ایسے ہوتے ہیں کہ وہ منہ سے وہ کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں ہوتا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ پھر مجھے تو یہ حکم نہیں دیا گیا کہ لوگوں کے دل چیر کر دیکھوں اور نہ ان کے پیٹ پھاڑوں۔ پھر آنحضرت ﷺ نے اس شخص کی طرف نگاہ کی اور وہ پیٹھ پھیرے جا رہا تھا تو فرمایا کہ تم آگاہ ہو کہ اس کے جھتے سے ایک قوم نکلے گی جو قرآن پڑھیں گے وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ اور دین سے ایسے نکل جاویں گے جیسے نشانہ سے تیر نکل جاتا ہے مصنف نے کہا یہ شخص جس نے اس طرح بے ادبی سے کلام کیا تھا اس کا نام ذوالخویرہ تسمی تھا۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ اس نے آکر کہا کہ عدل کرو تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ارے تیرا ہوا ہو اگر میں بھی عدل نہ کروں تو کون شخص عدل کرے گا۔ مصنف نے کہا کہ دین اسلام میں یہ سب سے پہلا خارجی تھا۔ اس کمنٹ پر آفت یہ پڑی کہ وہ اپنے نفس کی رائے پر نازاں ہوا۔ اگر وہ ذرا صبر کرتا تو جان لیتا کہ رسول اللہ ﷺ کی رائے سے بہتر کسی کی رائے نہیں ہو سکتی ہے۔ اسی خارجی شخص کے تابعین وہ لوگ تھے جنہوں نے حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کی تھی۔

اس کا قصہ یہ ہے کہ جب حضرت علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان

لڑائی بہت مدت تک قائم رہی تو معاویہ رضی اللہ عنہ کے اصحاب نے مصاحف بلند کئے اور اصحاب علی رضی اللہ عنہ کو دعوت دی کہ جو کچھ مصاحف مجید میں ہے اس پر ہم اور تم راضی ہو جاؤیں کہا کہ ایک شخص تم اپنے لوگوں میں سے بھجو اور ایک شخص ہم اپنی طرف سے بھجیں اور ان سے عہد لے لیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب پر عمل کریں۔ سب لوگوں نے کہا کہ ہم اس پر راضی ہیں۔ چنانچہ اہل شام نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور ادھر اہل عراق نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ ابو مودیب اشعری رضی اللہ عنہ کو بھیجئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میری رائے نہیں ہے کہ ابو موسیٰ کو بھجو جو سادہ دل ہیں۔ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما موجود ہے ان کو کیوں نہ بھجوں۔ لوگوں نے کہا کہ ان کو ہم نہیں چاہتے۔ کیونکہ یہ تو آپ کی ذات کے مانند آپ کے قریب ہی ہیں۔ آخر آپ نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ اور حکم فیصلہ میں رمضان تک تاخیر ہوئی۔ پس عروہ بن ازیینہ نے کہا کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کے حکم میں لوگوں کو حاکم مانتے ہو۔ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے ان الحکم الا للہ حکم نہیں ہے سوائے اللہ تعالیٰ کے اھ (اور یہ شخصک مع اپنے تابعین کے جماعت سے خارج ہو گیا) جب حضرت علی رضی اللہ عنہ مقام صفین سے واپس ہو کر کوفہ میں داخل ہوئے تو خوارج آپ کے ساتھ کوفہ میں داخل نہ ہوئے۔ بلکہ انہوں نے موضع حروراء کوفہ کے قریب مقام میں اپنا جتھا جمایا۔ حتیٰ کہ وہاں بارہ ہزار خوارج جمع ہو گئے اور کہنے لگے کہ لا حکم الا للہ اور یہی خوارج کے ظاہر ہونے کی ابتدا ہے۔ خوارج کے لشکر میں ان کے منادی نے آواز دی کہ جنگ کے موقع پر ثبٹ بن ربیع تمیمی سردار ہے اور نماز پڑھانے میں عبداللہ بن الکواء پیشمری سردار ہے۔ واضح ہو کہ خارجی لوگ بہت عبادت کیا کرتے تھے مگر ان کی حماقت کا یہ اعتقاد تھا کہ وہ لوگ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر عالم ہیں اور ان کا سخت مملک مرض تھا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کیا کہ جب خوارج الگ ہوئے تو ایک احاطہ میں جمع ہوئے اور وہ یہاں چھ ہزار تھے۔ سب نے اتفاق کیا کہ حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ پر خروج کریں لوگ ایک ایک دو دو بارہ آتے اور خبر دیتے کہ اے امیر المومنین یہ گروہ آپ پر خروج کرنے والا ہے۔ تو حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ فرماتے کہ ان کو چھوڑو میں ان سے قتال نہیں کرتا جب تک وہ مجھ سے قتال نہ کریں۔ یہ وقت قریب ہے کہ جب وہ لوگ ایسا کریں گے۔ پھر ایک

روز نماز ظہر سے پہلے میں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا اے امیر المؤمنین ذرا ظہر کی نماز میں ٹھنڈے وقت تک تاخیر کیجئے گا۔ میرا راہ ہے کہ اس گروہ خوارج میں جا کر ان سے گفتگو کروں۔ آپ مجھ پر کچھ خوف نہ کیجئے۔ اور میں ایک شخص نیک خلق مفلس تھا۔ کسی کو ایذا نہیں دیتا تھا۔ آپ نے مجھے اجازت دی تو میں نے بہتر پیش قیمت حلہ پہنا اور روانہ ہو کر ان خارجیوں کے یہاں پہنچا۔ دوپہر کا وقت تھا میں نے وہاں ایسی قوم کو دیکھا جن سے بڑھ کر عبادت میں کوشش کرنے والی قوم میں نے نہ دیکھی تھی ان کی پیشانیوں پر سجدے کی کثرت سے زخم پڑ گئے تھے ان کے ہاتھ گویا اونٹ کے دست تھے۔ (جو زمین پر ٹپکنے سے غبار آلود ہو جاتے ہیں) ان کے بدن پر حقیر قمیض تھیں۔ ان کی ازاریں ٹخنوں سے بہت اونچی تھیں۔ اور راتوں کو عبادت میں جاگنے سے ان کے چہرے خشک ہو رہے تھے میں نے ان کو سلام کی تو انہوں نے کہا کہ مر حبا اے ابن عباس آپ اس وقت کس غرض سے تشریف لائے ہیں۔ میں نے کہا کہ میں تمہارے پاس مہاجرین و انصار کے پاس سے آیا ہوں۔ اور رسول اللہ ﷺ کے داماد کے پاس سے آیا ہوں۔ انہیں لوگوں پر قرآن نازل ہوا ہے اور یہ لوگ قرآن کے معنی تم سے زیادہ سمجھتے ہیں۔ میری گفتگو سن کر ان میں سے ایک قوم نے کہا کہ (یہ شخص قریش میں سے ہے اور) تم قریش سے مناظرہ مت کرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قریش کے حق میں فرمایا ہے کہ بل ہم قوم خصمون۔ یعنی یہ لوگ جھگڑالو (حجت باز) قوم ہیں۔ پھر ان میں سے دو تین آدمیوں نے کہا کہ نہیں بلکہ ہم ان سے مباحثہ کریں گے۔ تب میں نے کہا تم لوگ وہ الزامات بیان کرو جو تم نے رسول اللہ ﷺ کے داماد پر اور مہاجرین و انصار پر لگائے ہیں حالانکہ انہی لوگوں پر قرآن نازل ہوا ہے اور ان میں سے کوئی بھی تم میں شامل نہیں ہے اور وہ لوگ قرآن کے معانی و مطلب تم سے زیادہ جانتے ہیں۔ خوارج نے کہا کہ وہ تین باتیں ہیں۔ میں نے کہا کہ اچھا ان کو بیان کرو کہنے لگے کہ ایک یہ ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے خدا کے معاملہ میں لوگوں کو ٹاشی (فیصلہ کر نیوالا) بنایا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان الحکم الا للہ یعنی حکم کسی کا نہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے تو اس قول الہی کے بعد آدمی کو حکم سے کیا تعلق رہا۔ میں نے کہا کہ یہ تو ایک ہو اور کیا ہے۔ کہنے لگے کہ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے قتل کیا مگر نہ مخالفوں کو لوٹڈی غلام بنایا اور نہ ان کا مال لے کر غنیمت جمادی ٹھہرایا، تو ہم پوچھتے ہیں کہ جن سے قتل کیا اگر وہ مؤمنین تھے تو ہم کو ان سے لڑنا حلال نہیں اور نہ ان کو لوٹڈی

غلام بنانا حلال ہے۔ تیسرا اعتراض یہ ہے کہ علی رضی اللہ عنہ ثالثی فیصلہ کا عہد نامہ لکھواتے وقت امیر المومنین کا لقب اپنے نام سے منادیا۔ پس وہ اگر امیر المومنین نہیں ہیں تو امیر الکافرین ہوئے یعنی کافروں کے سردار ہیں میں نے پوچھا کیا کچھ اس کے سوا بھی کوئی اعتراض باقی ہے۔ خوارج نے کہا کہ بس یہی (اعتراضات) کافی ہیں۔ میں نے کہا کہ پہلا قول تمہارا یہ کہ امر الہی میں علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حکم بنایا ہے بھلا اگر میں تم پر کتاب الہی سے ایسی آیات تلاوت کروں جن سے تمہارا قول ٹوٹ جائے تو کیا تم اپنے قول سے توبہ کر لو گے۔ کہنے لگے کہ ہاں میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک خرگوش کے معاملہ میں جس کی قیمت چوتھائی درہم ہوتی ہے۔ دو مردوں کے حکم پر اس کا فیصلہ رائج کر دیا۔ اور میں نے یہ آیت پڑھی لا تقتلوا الصيدو انتم حرم الایہ (المائدہ پ ۷ آیت ۹۵) یعنی احرام کی حالت میں شکار کے قتل سے ممانعت فرمائی۔ اور اگر کسی نے جرم کیا مثلاً ایک خرگوش مارا تو فرمایا کہ تم میں دو عادل مرد اس موقع پر جہاں جانور مارا ہے اس کی قیمت کا فیصلہ کریں۔ اور اللہ تعالیٰ نے عورت اور اس کے شوہر کے معاملہ میں فرمایا وان خضتم شقاق بینہما الایہ (النساء پ ۵ آیت ۳۵) یعنی مرد کی برادری سے ایک مرد اور عورت کی برادری سے ایک مرد سمجھو وہ دونوں ان کے معاملہ میں حکم کریں۔ اب میں تم لوگوں کو اللہ کی قسم دلاتا ہوں کہ بھلا مردوں کا حکم لگانا اپنی درمیانی اصلاح حال میں اور خون ریزی روکنے میں افضل ہے۔ یا یہ کہ ایک خرگوش میں اور ایک عورت کے معاملہ میں افضل ہے۔ خوارج نے کہا کہ ہاں بیشک اصلاح ذاتی میں افضل ہے۔ (کہ اس سے بڑی خون ریزی کا سد باب ہوا) میں نے کہا کہ اچھا میں تمہارے اس اعتراض کے جواب سے باہر ہوا (یعنی تم کو جواب مل گیا) کہنے لگے کہ ہاں میں نے کہا کہ رہا تمہارا دوسرا قول کہ علی رضی اللہ عنہ نے قتال کیا اور قیدی و غنیمت حاصل نہ کی۔ تو میں تم سے پوچھتا ہوں کہ کیا تم اپنی ماں ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنی مملوکہ لونڈی بناؤ گے؟ واللہ اگر تم کہو کہ وہ ہماری نہیں ہے تو تم اسلام سے خارج ہوئے۔ اور واللہ اگر تم یہ کہو کہ ہم کو مملوکہ بنا دیں گے یا ان سے بھی وہ بات حلال کریں گے جو دیگر عورتوں سے حلال ہوا کرتی ہے تو واللہ تم اسلام سے خارج ہو گئے تم دو گراہیوں کے پتے میں گھرے ہو۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے النبی اولی بالمومنین من انفسہم وازواجه امہاتہم یعنی مومنوں کے حق میں پیغمبران کی جان سے زیادہ پیار اور تہق دار ہے اور اس کی ازواج مطہرات ان کی مائیں ہیں۔ پھر اب اگر

تم کو کہ ہماری ماں نہیں ہے تو تم اسلام سے خارج ہو۔ اب بتلاؤ کہ میں تمہارے اس اعتراض کے جواب سے بھی باہر ہوا کہ نہیں کہنے لگے کہ جی ہاں میں نے کہا کہ رہا یہ تمہارا یہ تیسرا قول کہ علی رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین کا لفظ اپنے نام سے منادیا تو میں تمہارے پاس ایسے عادل گواہ لاتا ہوں جن کو تم مانتے ہو کہ جب حدیبیہ میں رسول اللہ ﷺ نے مشرکوں کے ساتھ صلح ٹھہرائی تو مشرکوں کے سردار ابو سفیان، صخر بن حرب و سہیل بن عمرو وغیرہ کے ساتھ عہد نامہ لکھوایا اور علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ لکھو ہذا ما صالح علیہ محمد رسول اللہ یعنی یہ وہ صلح نامہ ہے جو محمد رسول اللہ اور انخ تو مشرکوں نے کہا کہ واللہ یہ ہم نہیں جانتے کہ تم رسول اللہ ہو۔ اور اگر ہم بھی جانتے کہ تم رسول اللہ ہو تو ہم تم سے قتال نہ کرتے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ الہی تو جانتا ہے کہ میں رسول اللہ ہوں پھر فرمایا کہ اے علی رضی اللہ عنہ اس کو منادو اور اس کو یوں لکھو کہ یہ وہ صلح نامہ ہے۔ جو محمد ابن عبد اللہ اور اہل مکہ نے لکھا انخ اب تم دیکھو کہ واللہ رسول اللہ ﷺ علی رضی اللہ عنہ سے بہتر ہیں اور رسول اللہ کا لفظ اپنے نام سے محو کرا دیا۔ حالانکہ اس سے وہ رسول اللہ ہونے سے خارج نہیں ہو گئے ان عباس بیان کرتے تھے (اس مکالمہ کے نتیجہ میں) خوارج میں سے دو ہزار آدمی توبہ کر کے واپس آئے اور باقی اپنی گمراہی پر مقتول ہوئے۔

جندب الازدی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جب ہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ خوارج چڑچڑھائی کی اور ان کے لشکر گاہ کے قریب پہنچے تو ان کی تلاوت قرآن کی آوازیں اس کثرت سے آتی تھیں جیسے شد کی مکھیوں کی بھنکناہٹ ہوتی ہے۔ مصنف کہتا ہے کہ دوسری روایت میں ہے کہ جب علی رضی اللہ عنہ ٹاشی فیصلہ ٹھہرایا تو خوارج میں سے زرع بن البرج الطائی اور حرقوص بن زہیر السعدی دونوں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا کہ لا حکم الا للہ۔ حضرت علی نے فرمایا کہ ہاں لا حکم الا للہ۔ تو حرقوص نے کہا کہ آپ اپنے گناہ سے توبہ کیجئے۔ اس ٹاشی نامہ سے رجوع کیجئے اور ہم کو لیکر دشمنوں پر چلے ہم ان سے قتال کریں گے یہاں تک کہ اپنے رب تعالیٰ سے مل جاویں اور اگر آپ یہ لوگوں کا فیصلہ نہ چھوڑیں گے کہ کتاب الہی میں حکم لگا دیں تو ہم خالص رضائے الہی کے واسطے آپ سے قتال کریں گے۔ پھر خوارج عبد اللہ بن وہب الراسی کے گھر میں جمع ہوئے۔ اس نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی پھر کہا کہ جو قوم اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتی ہو اور حکم قرآن پر عامل ہو اس کو نہیں چاہیے کہ اس

دنیا کے واسطے امر معروف اور نہی منکر اور حق بات کہنا چھوڑے۔ اب ہم تم سے چلو نکل کھڑے ہوں۔ (بعد فیصلہ) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو لکھا کہ اب بعد یہ دونوں آدمی جو باہمی رضامندی سے حکم بنائے گئے تھے انہوں نے کتاب الہی کے خلاف کیا اور خواہش نفس کی پیروی کی اور اب ہم اپنی اول حالت پر ہیں۔ خوارج نے جواب دیا کہ آپ کو اپنے رب عزوجل کے واسطے کچھ غیظ نہیں آیا بلکہ یہ اپنے نفس کے واسطے آپ کا غصہ ہے۔ اب اگر آپ اپنے نفس پر گواہی دیں کہ آپ کافر ہو گئے تھے اور نئے سرے سے توبہ کریں تو البتہ ہم اپنے اور آپ کے معاملہ میں غور کریں ورنہ ہم اعلان سے تم کو اطلاع دیتے ہیں کہ ہمارے تمہارے درمیان لڑائی و قتال ہے۔

ایک روز خوارج راستہ میں جاتے تھے تو عبداللہ بن خباب رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی انہوں نے عبداللہ کو گرفتار کر لیا۔ اور کہا کہ تم نے اپنے باپ سے کوئی حدیث سنی جو وہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتا ہو وہ ہم سے بیان کرو۔ عبداللہ نے کہا کہ ہاں میں نے اپنا باپ سے سنا کہ وہ آل حضرت ﷺ سے روایت کرتے تھے کہ نبی ﷺ نے ایسے فتنہ عظیم کا ذکر کیا جس میں بیٹھ جانے والا کھڑے سے بہتر ہو گا اور کھڑا بہ نسبت چلنے والے کے بہتر ہو گا اور چلنے والا بہ نسبت دوڑنے والے کے بہتر ہو گا اگر تجھ کو یہ فتنہ پہنچے تو تجھ کو چاہیے کہ مقبول ہندہ ہو جائے خوارج نے کہا کہ کیا تو نے یہ حدیث اپنے باپ سے سنی جو رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتا تھا عبداللہ نے کہا کہ ہاں۔ تو خوارج نے ان کو نہر کے کنارے کھڑا کر کے گردن مار دی۔ چنانچہ ان کا خون نہر میں اس طرح رواں ہوا جیسے جوتی کا تسمہ ہوتا ہے۔ ان کی بیوی حاملہ تھیں ان کا پیٹ پھاڑ دیا گیا اور آگے بڑھ کر ایک ذمی کے باغ میں اترے اس کے درخت سے پھل گرا اس کو ایک نے اپنے منہ میں ڈال لیا تو دوسرے نے کہا کہ بے حلت اور بغیر داموں کے اس کو کھاتا ہے اس نے فوراً منہ سے نکال پھینکا (یعنی ان جاہلوں کی یہ کم بختی تھی کہ ایک پھل کا یہ لحاظ اور عبداللہ بن خباب کا خون یہاں میں اس قدر بے باکی) پھر ان میں سے ایک نے اپنی تلوار نکال کر ہلائی اور ذمی نصرانیوں کے سوروہاں جاتے تھے اس نے انہیں سورو پر تلوار آزمائی۔ تو دوسروں نے کہا کہ یہ ملک میں فساد کرنا ہوا۔ یعنی حرام ہے تو اس نے جاگز سوروں کے مالک کو تلاش کر کے اس کو جس طرح ہو سکا راضی کر لیا (نعوذ باللہ جہالتہم باللہ من) حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے ان کے پاس آدمی بھیجا کہ جس شخص نے عبداللہ بن خباب کو قتل کیا ہے اس کو

قصاص کے لئے ہمارے حوالہ کرو۔ خوارج نے جواب بھیجا کہ ہم سب نے اس کو قتل کیا ہے۔ حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے ان کو تین مرتبہ اسی طرح آواز دی۔ اور ہر بار خوارج نے یہی جواب دیا تب حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکر سے فرمایا کہ اب تم اس قوم کی خبر لو۔ پس ذرا سی دیر میں سب خوارج مارے گئے۔ (یہ واقعہ نہروان ہے) خوارج لڑائی شروع ہونے کے وقت ایک دوسرے کو وعظ کرتے تھے کہ اپنے رب سے ملنے کے لئے آراستہ ہو اور چلو جنت کو چلو۔ پھر ان خوارج کے مقتول ہونے کے بعد ایک جماعت اور خارج ہوئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک سردار کو اس کے قتال کے واسطے روانہ کیا۔ پھر عبدالرحمان بن ملجم (خارجی) اور اس کے ساتھی جمع ہوئے اور اپنے بھائیوں پر جو نہروان میں مارے گئے تھے۔ رحمت بھیجی اور کہنے لگے کہ ہم کو اب دنیا میں زندگی کا کیا لطف ہے جب کہ ہمارے وہ بھائی مارے گئے جو اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں کسی ملامتی کی ملامت سے نہیں ڈرتے تھے۔ اب ہم کو چاہیے کہ خدا سے اپنی جانیں جنت کے بدلے خریدیں اور موقع تلاش کرتے رہیں۔ جب ان گمراہ سرداروں (حضرت علیؑ و معاویہؓ) کو غافل پادیں تو اپنے بھائیوں کے عوض ان کو قتل کر کے ہمدگان خدا کو راحت محمد بن سعد نے اپنے مشائخ سے روایت کی کہ خوارج کے تین سرداروں نے دیہات میں رہنا اختیار کیا تھا۔ ان کا نام عبدالرحمن بن ملجم اور برک بن عبداللہ اور عمرو بن بجران بھی تھا۔ یہ لوگ مکہ میں (ایام حج میں) جمع ہوئے۔ اور باہم عہد و میثاق باندھا کہ جس طرح ہو سکے تین آدمیوں یعنی علی رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو قتل کریں اور مخلوق کو ان سے راحت پہنچاویں۔ ان میں سے عمرو نے کہا کہ میں عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے قتل کا ضامن ہوں۔ برک نے کہا کہ میں معاویہ رضی اللہ عنہ کے قتل کا ضامن ہوں۔ اور ابن ملجم نے کہا کہ میں علی رضی اللہ عنہ کے قتل کا ضامن ہوں۔ پس سب نے عہد کیا کہ جس نے جس کے قتل کا ذمہ لیا ہے اس میں عہد شکنی نہ کرے گا۔ ابن ملجم کوفہ میں آیا اور جب وہ رات آئی جس میں ابن ملجم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شہید کرنے کا عزم مصمم کر لیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ صبح کی نماز کے واسطے مسجد کی طرف نکلے اور ابن ملجم مردود نے آپ کو تلوار ماری جو آپ کی پیشانی پر پڑی اور دماغ تک پہنچ گئی۔ آپ نے آواز دی کہ یہ شخص چنے نہ پائے۔ پس وہ پکڑا گیا۔ ام کلثوم رضی اللہ عنہا (آپ کی صاحبزادی) نے فرمایا کہ اے دشمن خدا تو نے امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو قتل کیا۔

اس مردود نے کہا کہ میں نے تو فقط تیرے باپ کو مارا ہے۔ ام کلثوم نے فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو اس زخم سے کچھ نقصان نہ ہوگا۔ ابن طلحہ بولا کہ پھر تو کیوں روتی ہے۔ پھر بولا کہ واللہ میں نے اس تلوار کو ایک مہینہ تک زہر میں جھایا ہے اگر اب بھی اس نے کام نہ کیا تو خدا اس کا برا کرے جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انتقال فرمایا تو ابن طلحہ قید خانہ سے نکالا گیا تاکہ قتل کیا جاوے۔ عبد اللہ بن جعفر نے اس کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیئے تو اس نے کچھ جزع (آہ و فریاد) نہ کیا اور نہ بولا۔ پھر گرم سیخ سے اس کی آنکھوں میں سلائی پھیری تو بھی جزع نہ کیا۔ اور اقراء باسم ربك الذی خلق پڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ ختم کر دی اور اس حالت میں اس کی آنکھوں سے مواد جاری تھا۔ پھر اس کی زبان کاٹنے کا قصد کیا گیا تو وہ گھبرانے لگا۔ اس سے پوچھا گیا تو کہا کہ مجھے یہ گوارا نہیں ہوتا کہ دنیا میں کچھ دیر بھی ایسی حالت میں رہوں کہ اللہ کا ذکر نہ کر سکوں۔ ابن طلحہ ایک شخص گندم گوں تھا جس کے چہرہ پر سجدہ کا گہرا نشان تھا۔

مصنف نے کہا کہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے چاہا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لیں تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ پر بھی ایک خارج جراح بن نسان نے خروج کیا۔ اور نیزہ مارا جو آپ کی ران مبارک کی جڑ میں لگا خارجی نے کہا کہ تم نے بھی اپنے باپ کی طرح شرک اختیار کیا۔ الغرض خوارج برابر امرائے اسلام پر خروج کرتے رہے اور ان کے مختلف مذاہب ہیں۔

نافع بن الازرق خارجی کے ساتھ یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ جب تک ہم لوگ مشرک کے ملک میں رہیں تب تک مشرک ہیں۔ اور جب ملک مشرک سے نکل جاویں تو مومن ہیں۔ اور کہتے تھے کہ جو کوئی ہمارے مذہب سے مخالف ہو وہ مشرک ہے اور جس کسی سے گناہ کبیرہ سرزد ہو وہ مشرک ہے اور جو کوئی لڑائی میں ہمارے ساتھ نہ ہو وہ کافر ہے۔ اس فرقہ خوارج نے مسلمان بچوں و عورتوں کا قتل بھی جائز رکھا اور ان کو مشرک قرار دیا۔ اس گروہ میں سے نجدہ بن عامر النخعی تھا اس نے نافع بن الازرق سے صرف اس قدر اختلاف کیا کہ مسلمانوں کی جان و مال حرام ہیں اور دعویٰ کیا کہ اس کی موافقت کرنے والوں میں سے جو گنہگار ہو گا وہ جہنم کی آگ کے سوا دوسری آگ سے عذاب کیا جائے گا اور جہنم میں صرف وہی جائیں گے جو اسکے مذہب سے مخالف ہیں۔

ابراہیم الخارجی نے کہا کہ (دیگر مسلمان) قوم کفار ہیں۔ اور ہم کو اس کے ساتھ نکاح بیاہ کرنا اور میراث کا حصہ بانٹ کرنا جائز ہے جسے ابتداء اسلام میں جائز تھا۔

بعض خوارج کا قول تھا کہ اگر کسی نے یتیم کے مال سے دو پیسے کھائے تو اس پر جہنم کی آگ واجب ہو گئی، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر (یتیم کا مال کھانے پر) آتش جہنم کی وعید فرمائی ہے (اور اگر یتیم کو قتل کرے یا اس کے ہاتھ کاٹے یا پیٹ پھاڑے تو اس پر جہنم واجب نہیں ہے) مصنف نے کہا کہ خارجیوں کے قصص طویل ہیں اور ان کے عجیب عجیب مذاہب ہیں۔ میں نے ان کے ذکر کو طول دینا فضول سمجھا۔ مقصود تو فقط اسی قدر ہے کہ ابلیس نے کس طرح اپنے حیلے و تلمیس ان احمقوں پر ڈالے جس کے باعث اتنی لڑائیاں لڑے اور یہ اعتقاد رکھا کہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ غلطی پر ہیں، اور یہ احمق خوارج راہ ثواب پر ہیں، انہوں نے چوں کا خون یہانا تو حلال سمجھا اور ایک پھل بغیر داموں کے کھانا حلال نہیں جانا۔ اور راتوں کو عبادات میں اور بیداری میں تعب و تکلیف اٹھائی اور انہیں مجرم مردود کو اس کی زبان کاٹے جانے کے وقت اسلئے گھبراہٹ ہوئی کہ ذکر کرنا جاتا رہے گا۔ اور اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قتل کرنا حلال سمجھا تھا۔ پھر انہوں نے مسلمانوں پر تلوار کھینچی۔ اگر ان خوارج نے اپنے علم و اعتقاد پر غرہ کیا کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بڑھے ہیں تو کیا عجب ہے ان سے بڑھ کر ان کا پیشوا ذوالنورین تھا۔ جس نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا تھا کہ تم نے عدل نہیں کیا ہے۔ انصاف کرو۔ ابلیس کو کہاں یہ بے ادبیاں سو جھی تھیں اللہ تعالیٰ بد بختی سے ہم کو پناہ دے۔

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے کہ تم میں ایک قوم ایسی نکلے گی کہ ان کی نماز کے مقابلہ میں تم اپنی نماز حقیر سمجھو گے اور ان کے روزہ کے مقابلہ میں اپنا روزہ حقیر سمجھو گے اور ان کے اعمال کے مقابلہ میں اپنے اعمال حقیر سمجھو گے۔ وہ لوگ قرآن پڑھیں گے تو ان کے حلق سے نہیں اترے گا اور وہ دین سے ایسے نکل جاویں گے جیسے نشانہ سے تیر نکل جاتا ہے۔ چنانچہ صحابہ کرام میں یہ حدیث موجود ہے عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کی کہ خوارج جنہیوں کے کہتے ہیں۔

فصل :- مصنف نے کہا کہ خوارج کی رائے (عقیدہ) یہ بھی ہے کہ امام ہونا ایک شخص میں مخصوص نہیں ہو سکتا۔ مگر جب کہ اس میں علم و ہدایت جمع ہو تب وہ البتہ امام ہو گا اگرچہ وہ عجم کے کسانوں میں سے ہو۔ انہیں خوارج کی رائے سے معزلہ نے یہ قول نکالا کہ خوئی و برائی کا حکم لگانا عقل کے اختیار میں ہے۔ اور عدل وہ ہے جس

کو عقل مقتضی ہو۔ پھر قدریہ فرقہ نکلا۔ اس وقت صحابہ رضی اللہ عنہم موجود تھے۔ معبد الجہنمی و غیلان و دمشقی و جعد بن درہم نے قدریہ کا قول کہا (یعنی ہندہ سب امور کا خود مختار ہے۔ جیسا کرے ویسا ہو جاوے) معبد الجہنمی کی بناوٹ پر واصل بن عطاء نے تانا تبا اور عمرو بن عبید بھی ان میں مل گیا۔ اسی زمانہ میں مرجیہ فرقہ نکلا جن کا قول یہ ہے کہ ایمان کے ساتھ کوئی گناہ ضرر نہیں کرتا۔ جیسے کفر کی حالت میں کوئی بندگی مفید نہیں ہوتی۔ پھر مامون عباسی کے زمانہ میں معتزلہ میں سے ابو الہذیل علاف و نظام و معمروہ و جاحظ وغیرہ نے فلاسفہ کی کتابیں مطالعہ کر کے اس میں سے مانند لفظ جو ہر و عرض و زمان و مکان و کون وغیرہ نکال کر ان کو شرعی مسائل میں ملایا۔ پہلا مسئلہ جو ظاہر کیا گیا وہ قرآن مخلوق ہونے کا مسئلہ ہے اور اسی وقت سے اس فن کا نام علم کلام رکھا گیا۔ ان مسائل کے ساتھ ساتھ مسائل صفات بھی نکالے گئے۔ جیسے علم و قدرت حیات و سننا اور دیکھنا۔ چنانچہ ایک گروہ نے کہا کہ یہ سب ذات کے اوپر زائد معانی ہیں۔ معتزلہ نے اس سے انکار کیا اور کہا کہ وہ اپنی ذات سے عالم ہے اور اپنی ذات سے قادر ہے۔ ابو الحسن الاشعری پہلے جبائی معتزلی کے مذہب پر تھے۔ پھر اس سے جدا ہو کر ان لوگوں میں آ گئے جو صفات ثابت کرتے ہیں۔ پھر بعض صفات ثابت کرنے والوں نے شے ہونے کا اعتقاد نکالنا شروع کیا۔ اور انتقال و نزول کے مسئلہ میں مرکز فرض کر کے اس سے زائل ہونے کا اعتقاد نکالا۔

روافض پر تلبیس ابلیس کا بیان

مصنف نے کہا کہ ابلیس نے خوارج پر تلبیس کی تو انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے قتال کیا۔ اسی طرح ان کے برعکس ایک قوم کو تلبیس میں ڈالا جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت میں یہاں تک غلو کیا کہ حد سے بڑھا دیا۔ چنانچہ بعض روافض نے کہا کہ علی رضی اللہ عنہ الہ ہے۔ بعض نے کہا کہ وہ انبیاء سے افضل ہیں۔ بعض روافض کو شیطان نے ابھارا تو وہ حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کو برا کہنے لگے۔

بلکہ بعض نے ان دونوں کو کافر کہا۔ اور اسی قسم کے بے ہودہ مذاہب باطلہ ان روافض میں بہت ہیں کہاں تک ان کے بیان میں اوقات ضائع کروں۔ میری غرض تو

ہ یہ یہ کہ تلبیس ظاہر کرنے کے لئے مختصر اذکر کردوں۔ اسحاق بن محمد ثقی احمر کہا کرتا تھا کہ علی رضی اللہ عنہ ہی اللہ عزوجل ہے۔ مدائن میں ایک جماعت اسحاقیہ اسی گمراہ کی طرف منسوب ہے۔ خطیب نے کہا کہ مجھے ابو محمد حسن بن یحییٰ النوبختی کی ایک کتاب ہاتھ آئی جس نے غلاہ و افض پر رد کیا تھا۔ اور یہ شخص نوبختی مصنف خود متکلمین سید امامیہ میں سے ہے۔ پس اس نے غلو کرنے والے روافض کے مقالات نقل کرنے شروع کئے یہاں تک کہ اس نے لکھا کہ ہمارے زمانہ میں جس کو غلو کے جنون نے کھینچ لیا ہے وہ ایک شخص اسحاق بن محمد احمر ہے۔ اس کا گمان یہ تھا کہ علی رضی اللہ عنہ ہی اللہ تعالیٰ ہے اور وہی ہر وقت میں ظہور کرتا ہے۔ چنانچہ ایک وقت میں حسن کی شکل میں ظاہر ہوا تھا اور دوسرے وقت حسین کی شکل میں ظاہر ہوا۔ اور اسی نے محمد ﷺ کو پیغمبر کر کے بھیجا تھا۔

مصنف کہتا ہے کہ روافض میں سے ایک فرقہ کا یہ اعتقاد ہے کہ ابو جبر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ کافر تھے۔ بعض نے کہا کہ نہیں بلکہ بعد رسول اللہ ﷺ کے مرتد ہو گئے تھے اور بعض روافض کا یہ قول کہ سوائے علی رضی اللہ عنہ کے سب سے تبرا اور بیزاری کرتے ہیں۔ ہم کو صحیح روایت پہنچی کہ شیعہ نے زید بن علی رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ آپ ان لوگوں سے تبرا کریں جنہوں نے علی رضی اللہ عنہ کی امامت میں مخالفت کی۔ ورنہ ہم آپ کو رفض (ترک) کریں گے۔ آپ نے اس بات سے انکار کیا تو ان شیعوں نے آپ کو چھوڑ دیا۔ اس لئے اس فرقہ کا نام رافضہ ہوا۔ روافض میں سے ایک جماعت کا یہ قول ہے کہ امامت موسیٰ بن جعفر میں تھی۔ پھر آپ کے فرزند علی میں آئی۔ پھر ان کے بیٹے محمد بن علی میں پھر ان کے بیٹے علی بن محمد میں پھر حسن بن محمد الحسری میں پھر ان کے بیٹے محمد میں آئی۔ یہی بارہویں امام مہدی ہیں۔ جن کا انتظار تھا۔ اور کہتے ہیں کہ وہ مرے نہیں بلکہ غار میں چھپ رہے ہیں۔ اور آخر زمانہ میں آئیں گے تو زمین کو عدل سے بھریں گے۔ ابو منصور اعلیٰ کہتا تھا کہ محمد بن علی الباقرا کا انتظار ہے اور دعویٰ کرتا ہے کہ یہی خلیفہ ہیں۔ اور ان کو بالفعل آسمان پر لے گئے ہیں وہاں پر پروردگار نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور قرآن میں جو آسمان سے کسفا ساقطا (ترا ہوا ٹکڑا) آیا ہے وہ یہی ہیں۔

روافض میں سے ایک فرقہ جناحیہ کہلاتا ہے جو عبد اللہ بن معاویہ بن عبد اللہ بن جعفر بن الجناحین کے مریدین تھے۔ ان کا یہ قول تھا کہ اللہ کی روح نے انبیاء کی

پشت میں دورہ کیا۔ یہاں تک کہ عبد اللہ مذکور کی نوبت پہنچی اور یہ شخص مرا نہیں۔ بلکہ اسی مدی کا انتظار ہے۔

انہیں میں سے ایک فرقہ غرابیہ ہے۔ جو اس کے حق میں نبوت کی شراکت ظاہر کرتے ہیں ایک گروہ مفوضہ کہلاتا ہے۔ جو کہتے ہیں کہ خدا نے محمد کو پیدا کر کے باقی عالم کا پیدا کرنا ان کے اختیار میں سپرد کیا۔ ایک گروہ کو ذمہ (ذمائیہ) کہتے ہیں۔ یہ لوگ حضرت جبرئیل کی مذمت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کو حکم تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جی پہنچادیں انہوں نے محمد کو پہنچائی۔ ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا پر ظلم کیا کہ ان کی میراث نہ دی۔

روایت ہے کہ سفاح عباسی نے ایک روز خطبہ شروع کیا۔ تو ایک شخص نے جو اپنے آپ کو آل علی میں سے کہلاتا تھا۔ عرض کیا کہ یا امیر المومنین جس نے مجھ پر ظلم کیا وہ مظلمہ مجھے واپس کرا دیجئے۔ سفاح نے کہا کہ کس نے تجھ پر ظلم کیا ہے اس نے کہا کہ میں اولاد علی رضی اللہ عنہ میں سے ہوں اور مجھ پر ظلم یہ کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فاطمہ کو فدک نہیں دیا (خلاصہ یہ کہ فدک مجھے دلوادو) سفاح نے کہا کہ پھر ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بعد کون شخص ہوا اس نے کہا کہ عمر رضی اللہ عنہ سفاح نے کہا وہ بھی برابر ظلم پر رہے؟ کہا کہ میں ہاں سفاح نے کہا کہ پھر کون شخص خلیفہ ہوا؟ کہا کہ عثمان سفاح نے کہا کہ وہ بھی بدستور ظلم پر رہے؟ کہا کہ ہاں سفاح نے کہا کہ پھر عثمان کے بعد کون شخص ہوا؟ راوی نے کہا کہ اب اس رافضی کو ہوش آیا تو اس نے جواب چھوڑ کر ادھر ادھر دیکھنا شروع کیا کہ میں کس طرف سے بھاگوں۔ (سفاح نے کہا کہ اگر یہ پہلا خطبہ نہ ہوتا تو میں تیرا سراڑا دیتا جس میں تیری دونوں آنکھیں ہیں)

ابن عقیل نے کہا کہ یہ بات ظاہر ہے کہ جس نے رافضی مذہب بنایا ہے اس کی اصلی غرض یہ تھی کہ دین اسلام میں اور اصل نبوت محمدی میں طعن کر کے مٹا دے۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ جو اعتقاد حق لائے وہ ہماری نظر سے غائب چیز ہے۔ (اور ہم نے آپ کی زبان سے کچھ سنا بھی نہیں ہے) بلکہ ہمارا بھروسہ فقط سلف صالحین یعنی صحابہ رضی اللہ عنہ و تابعین بالا حسان کے منقول پر اور دیکھنے والوں کی جودت نظر پر ہے۔ یعنی ان لوگوں نے اپنی خوئی نظر سے ان کو بزرگ پیغمبر پایا تھا تو ان کی جودت نظر پر بھی ہمارا بھروسہ ہے۔ ان دونوں باتوں سے ہمارا یہ حال ہے کہ گویا ہم خود دیکھتے ہیں جب کہ ہمارے لئے ایسے اکابر نے دیکھ لیا تھا جن کی بزرگی دین و کمال عقل و جودت

نظر پر ہمارا ہر دوسہ ہے۔ پس رافضی مذہب کے بانی نے بھکایا کہ جن پر تم یہ وثوق و اعتماد کرتے ہو انہوں نے پیغمبر ﷺ کی وفات کے بعد پہلا کام یہ کیا کہ ان کے خاندان پر خلافت کا ظلم کیا۔ اور ان کی بیٹی پر میراث کا ظلم کیا۔ تو یہ بات جب ہو سکتی ہے کہ جس کے عین حیات میں اس کی نبوت کا اعتقاد تھا وہ ان کی نظر میں ٹھیک شخص نہ تھا اس لئے کہ جن کے حق میں سچا اعتقاد ہوتا ہے خصوصاً انبیاء کے حق میں تو یہ واجب کرتا ہے کہ ان کے مرنے کے بعد ان کے قوانین مقررہ کی حفاظت لازم سمجھی جاوے۔ خصوصاً اس کے اہل و اعیال و اولاد کے حق میں اس کے قواعد کے موافق احترام ضروری ہوتا ہے۔ پس جب فرقہ رافضیہ نے کہا کہ انہوں نے نبی ﷺ کے پاس یہ باتیں حلال سمجھیں تو اس فرقہ نے گویا صاف صاف یہ بھکایا کہ جو شریعت تم کو پہنچی ہے اس کا کچھ اعتبار نہیں ہے اس لئے کہ نبی ﷺ سے ہم کو پہنچنے میں سوائے منقول طریقہ کے دوسرا کوئی طریقہ نہیں ہے یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم نے ہم سے نقل کیا اور ہم نے ان کے بیان پر اعتماد کیا پھر جب رافضی کے اعتقاد پر یہ لوگ جس کو پیغمبر بیان کرتے ہیں، اس کی موت کے بعد ان کے فعل کا محصول یہ ٹھہرا تو ان کے منقول اعتقادات و شریعت پر اعتبار نہ رہا اور جن عقلاء کے اتباع پر اعتماد کر کے شریعت پر جزم کیا گیا تھا اس سے بد اعتقاد ہو جائے گی اور یقین جاتا رہے گا اور یہ دغہ ہو گا کہ جن کے اعتماد پر شریعت کا انحصار ہے شاید انہوں نے ایسی کوئی بات نہ دیکھی جس سے اتباع و ایمان فرض ہو، لیکن یہ مصلحت اس کی زندگی تک رعایت رکھی اور اس کے مرتے ہی اس کی شریعت سے منحرف ہو گئے اور ان بے شمار لوگوں میں سے کوئی تابع نہ رہا۔ سوائے دو چار کے جو اس شخص کے گھروالے تھے تو لا محالہ رافضی کے مکر کا یہی نتیجہ ہے کہ اعتقادات مٹ جاویں اور اصل ایمان کی روایات قبول کرنے سے سب کے جی ست ہو جاویں۔ اور معجزات کی روایات نہ مانیں۔ ابن عقیل نے فرمایا کہ اس مکار فرقہ کا فتنہ بھی اسلام میں سخت مصیبت ہے (مترجم کہتا ہے) ابن عقیل نے جس امر کا اشارہ کیا بہت قوی خیال ہے کہ فرقہ رافضیہ کا بانی اس طرح شیطان کے پنجہ میں احمق ہے کہ اگر اس نے دین اسلام مٹانے کا قصد نہ کیا تو حماقت سے اس نے یہ کام کیا۔ کیونکہ اعتقاد حق بدون قطعی روایت کے ثبوت نہیں ہو سکتا ہے۔ اور جب معدودے چند اہل بیت میں سے بیان کرتے ہیں تو ان کے بیان سے کچھ ثبوت نہیں ہو سکتا کیونکہ افراد ہیں۔ اور خود پیغمبر کو اللہ تعالیٰ معجزات سے قوت دیتا ہے۔ اور رافضی تو ان کے معارضہ میں

باقیوں کے منحرف ہو جانے کا مدعی ہے اور اس پر طرہ یہ ہے کہ قرآن بھی امام مہدی کے ساتھ غائب ہو جانے کا دعویٰ کرتا ہے، تو بالکل دین سے بے نصیب رہ گیا۔ رہا یہ دعویٰ کہ اہل بیت میں سے جو اسلام پر رہے یہ سب معصوم تھے اس یہودہ دعویٰ سے اس نے یہود و نصاریٰ وغیرہ اہل شرک پر کیا ثبوت کیا۔ کیونکہ اگر وہ لوگ دعویٰ مان لیں تو پسلا دعوئی نبوت ہی مان لیں۔ پس اس فرقہ سے زیادہ احمق و دشمن اسلام ظاہر نہیں ہوا۔ نعوذ باللہ من شرھا۔

مصنف نے کہا کہ فرقہ رافضی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ دوستی کا دعویٰ کاذب یہاں تک بڑھایا کہ آپ کے فضائل میں اپنی طرف سے بہت سی روایتیں گھڑ لیں۔ جن میں ان کی نادانی سے بھڑت ایسی ہیں جن سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نماز عصر جاتی رہی پھر ان کے لئے دوبارہ پھیر دیا گیا اور یہ من حیث التقل ایسی حالت میں ہے کہ کسی ثقہ راوی نے اس کو نہیں روایت کیا اور من حیث المعنی بھی باطل ہے اس لئے جب پہلے آفتاب ڈوب گیا تو وقت عصر جاتا رہا پھر اگر وہ دوبارہ طلوع کر دیا گیا تو یہ جدید وقت پیدا کیا گیا۔ از انجملہ یہ کہ حضرت سیدۃ النساء فاطمہ رضی اللہ عنہا نے خود غسل کیا۔ پھر انتقال کا وقت آیا تو وصیت کی کہ میرے لئے اسی غسل پر اکتفاء کیا جائے اور دوبارہ غسل میت نہ دیا جائے۔ یہ موضوع من حیث التقل تو جھوٹ ظاہر ہے۔ اور من حیث المعنی اس فرقہ کی حماقت ہے کیونکہ موت حادث ہونے سے غسل لازم آتا ہے تو بھلا موت سے پہلے غسل سے کیا فائدہ ہوگا۔ پھر اس کے علاوہ ان کے خرافات بہت کثرت سے ہیں جن کے لئے کچھ سند نہیں ہے۔

فقہ میں بھی ان کے مذاہب بدعتیہ عجیب ہیں۔ جو اجماع کے خلاف ہیں۔ چنانچہ ان عقیل کے خط میں نقل کئے جاتے ہیں۔ ان عقیل نے کہا کہ میں نے مرتضیٰ کی کتاب سے ان کو نقل کیا۔ جس نے متفردات امامیہ کے بیان میں لکھا ہے۔ از انجملہ یہ کہ جو چیز زمین و نباتات نہ ہو اس پر سجدہ جائز نہیں ہے۔ اونٹ و بھیڑی وغیرہ کے بال و کھال پر بھی سجدہ روا نہیں ہے ڈھیلے سے استنجاء فقط پانخانہ میں جائز ہے پیشاب میں جائز نہیں ہے سر کا مسح جائز نہیں۔ مگر اسی تری سے جو ہاتھ میں لگی رہ گئی ہے اور اگر جدید پانی لے کر ہاتھ ترکیا تو اس سے سر کا مسح جائز نہیں ہے حتیٰ کہ اگر تری باقی نہ رہی ہو تو دوبارہ وضو شروع کرے اور کہا کہ اگر کسی مرد نے ایک عورت سے جس کا خاوند موجود ہے زنا کیا تو یہ عورت زانی پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو گئی۔ اگر اس کا خاوند اس کو طلاق

دیدے تو بھی زانی اس سے نکاح نہیں کر سکتا ہے اس فرقہ نے کتابیات کو حرام ٹھہرایا۔ اور کہا کہ اگر طلاق کسی شرط پر رکھی اور وہ شرط پائی گئی تو طلاق نہیں پڑے گی اور کہا کہ جب تک دو گواہ عادل موجود نہ ہوں تب تک طلاق نہیں پڑتی اور کہا کہ جو شخص آدھی رات تک بغیر عشاء پڑھے سوتا رہا تو اس پر قضاء واجب ہوگی۔ جاگے تو اس قصور کے واسطے صبح کو روزہ سے اٹھے تاکہ کفارہ ہو۔ عورت نے اگر اپنے بال کاٹے تو اس پر خطا کا کفارہ لازم ہے اور اگر کسی نے اپنی بیٹی یا زوجہ یا شوہر کے مرگ میں کپڑے پھاڑے تو اس پر قسم کا کفارہ ہے۔ جس نے کسی عورت سے نکاح کر لیا حالانکہ اس کا شوہر موجود تھا مگر وہ نہ جانتا تھا تو اس پر پانچ درہم کفارہ لازم ہوگا۔ شراب خوار اگر دو مرتبہ حد مارا گیا تو تیسری مرتبہ قتل کر دیا جائے اور ہو کوئی فقاع پیئے تو اس پر شراب کی طرح حد ماری جائے۔ چور کا ہاتھ انگلیوں کی جڑوں سے کاٹا جائے۔ اور ہتھیلی باقی رکھی جائے اور اگر دوبارہ چوری کرے تو اس کا بایاں پاؤں کاٹا جائے۔ اور اگر تیسری بار پھر چوری کرے تو ہمیشہ کے لئے قید خانہ میں ڈال دیا جائے حتیٰ کہ مر جائے۔ روافض نے بام مچھلی کو اور اہل کتاب کے ذبائح کو حرام رکھا اور ذبح کرنے میں انہوں نے یہ شرط رکھی کہ قبلہ کی طرف منہ کرے اور بہت سے قیود لگائے جن کے ذکر میں بے فائدہ طول ہے۔ اور سب مخالف اجماع ہیں۔ شیطان نے ان کو تلمیس میں لیا کہ بغیر سند کے اور بدون اثر و قیاس کے انہوں نے یہ احکام بنائے ہیں۔ روافض کی قبیح باتیں شمار سے باہر ہیں۔ (مصنف نے تو انہی مسائل پر تعجب کیا اور مابعد کے روافض کے مسائل اگر کوئی سنے تو ان کی ضلالت میں شک کرے بلکہ اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگے) مصنف نے لکھا کہ روافض نماز سے محروم ہوئے۔ کیونکہ وہ وضو میں پاؤں نہیں دھوتے اور جماعت سے محروم ہوئے کیونکہ امام معصوم ڈھونڈتے رہتے ہیں (جس کا ملنا محال ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو برا کہنے کے وبال میں مبتلا ہوئے۔ یمن میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ میرے اصحاب کو برا نہ کہنا کیونکہ اگر تم میں سے کوئی شخص کوہ احد کے برابر سواراہ خدا میں خرچ کرے تو ان کے ایک مد بلکہ نصف کے برابر نہ پہنچے گا۔ عبد الرحمن بن سالم سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے برگزیدہ کیا اور میرے واسطے میرے اصحاب برگزیدہ فرمائے وہ میرے لئے وزیر و انصار و اہل ہمارے توجو کوئی ان کو برا کہے اس پر اللہ تعالیٰ و ملائکہ و سب لوگوں کی لعنت ہے۔ ایسے (بدگو) سے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز صرف وعدل کچھ قبول نہ کرے

گا۔ مصنف نے کہا کہ صرف سے مراد نفل اور عدل سے مرد فریضہ ہے۔

سوید بن غفلہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرا گزر ایک جماعت کی طرف (کوفہ میں) ہوا۔ جو ابو بکرؓ و عمرؓ کا ذکر کرتے اور ان کی شان میں کچھ نقص ظاہر کرتے تھے۔ پس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں گیا اور میں نے بیان کیا کہ یا امیر المؤمنین آپ کے چند لشکریوں کی طرف میرا گزر ہوا تو وہ ابو بکرؓ و عمرؓ کے حق میں ایسی باتیں بیان کر رہے تھے جو ان دونوں بزرگوں کی شان کے لائق نہیں ہیں اور شائد ان کو یہ جرات اس گمان پر ہے کہ آپ کے دل میں بھی ان بزرگوں کی طرف سے یہی خیال ہے ورنہ علانیہ اس طرح کیونکر بیان کرتے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اعوذ باللہ اعوذ باللہ میں خدا کی پناہ لیتا ہوں اللہ کی پناہ اس امر سے کہ میں ان کی طرف سے دل میں کوئی برائی مضمحل کروں۔ بلکہ میں تو ان کی طرف سے دل میں وہی محبت رکھتا ہوں جو نبی ﷺ کی طرف سے ہے اور جو کوئی ان کی طرف سے سوائے بہتر و خوبی کے کوئی بات دل میں مضمحل کرے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔ وہ دونوں تو رسول اللہ ﷺ کے صحابیؓ، امیر اور وزیر تھے اللہ تعالیٰ ان پر رحمت فرمائے۔ پھر اسی طرح ابدیدہ روتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور چل کر مسجد میں داخل ہو کر منبر پر چڑھے اور اچھی طرح تمکین سے اس پر بیٹھ گئے اس وقت اپنی سفید داڑھی ہاتھ میں لئے ہوئے (داڑھی) کی طرف نگاہ رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ لوگ آکر آپ کے گرد جمع ہوئے۔ پھر کھڑے ہو کر مختصر موجز مبلغ خطبہ سے اللہ و رسول ﷺ کی حمد و ثناء کی پھر فرمایا کہ بعض اقوام کی یہ کیا حرکت ہے کہ ابو بکرؓ و عمرؓ کو جو قریش (مہاجرین) کے سردار اور مسلمانوں کے باپ ہیں ایسے نقص سے ذکر کرتے ہیں کہ میں اس سے بری و بیزار ہوں۔ اور ان لوگوں کو ایسی گفتگو پر سزا دوں گا۔ خبردار ہو جاؤ۔ قسم اس پاک عزوجل کی جس نے دانہ اگایا اور انسان پیدا کیا ہے۔ ابو بکرؓ و عمرؓ سے وہی محبت کرے گا جو مومن متقی ہے اور ان دونوں سے وہی بغض رکھے گا جو فاجر ردي ہے ان دونوں نے کامل صدق و وفا کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا متق صحبت ادا کیا پھر کبھی رسول اللہ ﷺ کی رائے و حکم سے تجاوز نہ کیا دار انحالیکہ اسر بالمعروف کرتے رہے اور منکر سے منع کرتے اور غصے بھی ہوتے اور سزا بھی دیتے تھے۔ مگر رسول اللہ ﷺ کی رائے سے تجاوز نہ کرتے اور رسول اللہ ﷺ بھی ان کی رائے کے مثل کسی کی رائے نہیں دیکھتے تھے اور رسول اللہ ﷺ ان دونوں سے جیسی محبت کرتے ویسی کسی سے نہیں رکھتے تھے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اس حالت

میں سفر آخرت اختیار فرمایا کہ ان دونوں سے بہت راضی تھے۔ پھر ان دونوں نے سفر آخرت اختیار کیا اس حالت میں کہ سب مومنین ان سے بہت راضی تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ ہمارے ہوئے (یعنی مرض وفات میں) تو ابو بکر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ مومنوں کو نماز پڑھائیں پس آنحضرت ﷺ کی زندگی میں نودن تک ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مومنوں کو نماز پڑھائی۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر ﷺ کو اٹھالیا اور اپنے یہاں کی نعمت آپ کے لئے پسند فرمائی تو مومنوں نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اپنا متولی و خلیفہ رسول اللہ ﷺ بنایا اور (مثلاً رسول اللہ کے) ابو بکر رضی اللہ عنہ کو زکوٰۃ سپرد کی اور خوشی کے ساتھ ان کے ہاتھ پر بیعت کی جس میں کسی قسم کی زبردستی نہ تھی اور میں بنی عبدالمطلب میں سے پہلا شخص ہوں جس نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کا طریقہ شروع کیا باوجودیکہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کو خود اس خلافت کی خوشی نہ تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ ہم میں سے کوئی شخص اس کام کی کفایت کرے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ کی شان یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد جو لوگ باقی رہے تھے واللہ ابو بکر رضی اللہ عنہ ان سب سے بہتر تھے۔ رحمت کی صفت میں سب سے بڑھ کر رحیم تھے اور راست میں سب سے افضل تھے اور تقویٰ و دیانت میں سب سے بڑھ کر پرہیزگار تھے۔ اور بعد رسول اللہ ﷺ کے سن میں بھی باقیوں سے بڑے تھے۔ اور ایمان لانے میں بھی سب سے مقدم تھے اور راست و رحمت میں ابو بکر رضی اللہ عنہ ایسی فضیلت رکھتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو میکائیل سے مشابہ کیا اور عفو و وقار میں ایسے بہتر تھے کہ آنحضرت ﷺ نے ان کو ابراہیم خلیل اللہ سے مشابہ کیا۔ پھر ابو بکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے قدم بھر رہے یہاں تک کہ اسی طریقہ پر منزل مقصود کو چلے گئے اللہ تعالیٰ ان پر رحمت فرمائے۔ پھر ان کے بعد عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ متولی و خلیفہ ہوئے اور میں ان لوگوں میں تھا جو ان کے خلیفہ ہونے پر (ابتداء سے) راضی ہوئے تھے۔ پس عمر رضی اللہ عنہ نے اس معاملہ کو حضرت رسول اللہ ﷺ اور ان کے یار غار کے طریقہ پر بہت ٹھیک قائم رکھا کہ ہر معاملہ میں انہیں دونوں ساتھین کے نشان قدم پر چلتے رہے۔ جیسے اونٹنی کے پیچھے اس کا چہ قدم بھدم چلتا ہے۔ بے شک واللہ عمر رضی اللہ عنہ کی یہ شان تھی کہ مومنین و ضعیفاء پر نرمی و رحمت رکھنے والے اور مظلوموں کے مددگار تھے اور ظالموں پر سخت و شدید تھے اور اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حق ان کی زبان پر

رواں کیا تھا صدق ان کی ہر شان سے ظاہر فرمایا تھا۔ یہاں تک کہ واللہ ہم لوگ گمان رکھتے تھے کہ کوئی خدائی فرشہ عمر رضی اللہ عنہ کی زبان سے بولتا ہے۔ جب وہ اسلام لائے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے اسلام کو عزت دیدی اور ان کی ہجرت مدینہ سے دین کا قوام ایسا مضبوط ہوا کہ مدینہ کے منافقوں کے دلوں میں ان کی طرف سے خوف سا گیا اور مومنوں کے دلوں میں ان کی محبت بھر گئی اور رسول اللہ ﷺ نے ان کو جبرائیل سے تشبیہ دی کہ دشمنان خدا اور رسول پر بہت سخت و شدید تھے۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں اصحاب پر رحمت فرمائے اور ہم کو ان ہی کے طریقہ پر اپنی منزل مقصود کو پہنچ جانا نصیب کرے۔ اب ان دونوں کی مثل تمہارے واسطے کون ہے آگاہ رہو کہ جو کوئی مجھ سے محبت کرتا ہو وہ ضرور ان دونوں سے محبت کرے اور جو کوئی ان دونوں سے محبت نہ کرے تو واللہ اس نے مجھ سے بغض و دشمنی کی اور میں بھی اس سے بیزار ہوں۔ اگر میں نے پہلے سے یہ بات تم سے کہہ دی ہوتی تو اس وقت جب میں نے بعض لوگوں کی بدگوئی سنی تھی تو بدگو کو سخت سزا دیتا۔ اب خبردار رہو کہ اگر آئندہ میں نے کسی بدگو کا حال سنا اور وہ ثابت ہو گیا تو اس پر وہ سزائے شدید قائم کروں گا جو مفتری کی حد ہے (یعنی پاک و پاکیزہ مرد و عورت کو بہتان لگانے والے کی سزا اسی کوڑے) آگاہ رہو کہ اس امت میں بعد نبی ﷺ کے سب سے بہتر ابو بکر و عمرؓ ہیں۔ پھر ان کے بعد اللہ تعالیٰ جانے کہ بہتر کی کہاں ہے۔ اقول قولی هذا واستغفر اللہ لی ولکم۔

ابو سلیمان ہمدانی کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آخر زمانہ میں ایک قوم ہوگی جو ہمارے شیعہ دوست دار ہونا ظاہر کریں گے بدگوئی کریں گے وہ رافضہ کہلائیں گے وہ لوگ ہر گز ہمارے شیعہ نہیں ہیں۔ ان کی پہچان یہ ہے کہ وہ لوگ حضرت ابو بکر و عمرؓ کو برا کہیں گے ان کو تم جہاں کہیں پاؤ قتل کرنا کیونکہ وہ لوگ مشرک ہیں۔

باطنیہ فرقہ پر تلبیس ابلیس کا بیان

مصنف نے کہا کہ باطنیہ ایک فرقہ ہے جس نے اسلام کے پردے میں اپنے آپ کو چھپایا۔ اور رافضی کی طرف جھکے، ان کے عقائد و اعمال سب اسلام سے بالکل مخالف ہیں چنانچہ ان کے قول کا خلاصہ یہ ہے کہ صانع بے کار ہے، نبوت باطل ہے، عبادات بے فائدہ ہیں۔ اور بحث و حشر دھوکا ہے لیکن وہ لوگ امتداء میں یہ باتیں کہی

سے ظاہر نہیں کرتے بلکہ ظاہر یہ کہتے ہیں کہ اللہ حق ہے۔ اور محمد رسول ہیں۔ اور دین صحیح ہے۔ لیکن باطن میں خفیہ ان سب سے منکر ہیں۔ ایلیس نے ان کو اپنا مسخرہ بنایا ہے اور پورا مسخرہ کر لیا اور عجب طرح کے وافی مذاہب ان پر رچائے ہیں ان کے آٹھ نام ہیں۔

اول باطنیہ۔ یہ نام اس لئے پڑا کہ وہ لوگ کہتے ہیں قرآن وحدیث کے باطنی معنی بھی ہیں۔ اور وہ مغز ہیں اور ظاہری معنی چھلکا ہیں۔ اور قرآن نے اپنی ظاہری صورت سے جاہلوں کو ان مسائل میں پھانسا ہے۔ اور وہ عاقلوں کے نزدیک رموز و اشارات تھا ق خفیہ ہیں اور جس شخص کی عقل ان حقائق تک نہ پہنچے تو وہ ظاہری تکلیفات شرع کے تحت میں گرفتار رہے گا۔ اور جو کوئی علم باطن تک پہنچ گیا اس سے تکلیفات شرعی ساقط ہو جاتی ہیں اور کہتے ہیں کہ قولہ تعالیٰ 'و یضع عنهم اصرهم' الا یہ۔ (الاعراف پ ۹ آیت ۱۵) میں یہی لوگ مراد ہیں۔ اس گمراہ فرقہ کا مطلب یہ ہے کہ اس ذریعہ سے جب ظاہری احکام کا موجب نہ رہا تو شریعت کو مٹانے پر قابو حاصل ہو گا۔

دوم اسماعیلیہ۔ یہ نام اس لئے پڑا کہ ان کا یہ زعم ہے کہ محمد بن اسماعیل بن جعفر کی طرف منسوب ہیں (صحیح نام اسماعیل بن جعفر بن محمد الباقریہ) اور یہ لوگ مدعی ہیں کہ امامت کا دورہ اسی بزرگ پر منتہی ہوا ہے۔ کیونکہ یہ شخص ساتواں ہے اور ساتویں پر خاتمہ ہوتا ہے۔ اس لئے آسمان سات ہیں اور زمین سات اور ہفتہ کے سات دن ہیں تو امامت کا دورہ بھی ساتویں پر تمام ہوا۔ اسی طرح منصور عباسی سے اسی معاملہ کا تعلق ہوا۔ چنانچہ عباس پھر ان کے فرزند عبداللہ رضی اللہ عنہ پھر علی بن عبداللہ پھر محمد بن علی پھر ابراہیم بن محمد پھر سفاح پھر منصور۔ یعنی منصور ساتواں پڑتا ہے۔ ابو جعفر طبری نے تاریخ میں ذکر کیا کہ علی بن محمد نے اپنے باپ سے روایت کی کہ راوند یہ میں سے ایک شخص ان کے پاس آیا اور زعم کیا کہ تو ہی وہ روح ہے جو عیسیٰ سے متعلق ہوئی تھی اور اس شخص کو اہلق کہا کرتے تھے۔ کیونکہ جاجا اس پر برص کے داغ تھے پھر یہ شخص گیا اور راوند یہ کو اس گمراہی کی طرف بلایا۔ اور بیان کیا کہ جو روح عیسیٰ بن مریم میں تھی وہ علی بن ابی طالب میں آئی۔ پھر یکے بعد دیگرے اماموں میں آتی رہی یہاں تک کہ ابراہیم بن محمد میں پہنچی۔ اس فرقہ نے محرمہ عورتوں وغیرہ کو حلال کر لیا حتیٰ کہ ان میں سے بعض شخص ایک جماعت کو دعوت کے لئے اپنے یہاں بلاتا۔ اور ان کو کھانا

کھلا کر شراب پلا کر اپنی عورتوں کے پاس پہنچا دیتا۔ یہ خبر اسد بن عبد اللہ کو پہنچی تو اس نے ان لوگوں کو قتل کر کے سولی دیدی۔ لیکن اب تک ان میں جو لوگ باقی ہیں ان کا یہ ہی طریقہ ہے۔ اور ابو جعفر (منصور) کی ہندگی کرتے ہیں۔ انہوں نے خضر اء پر چڑھ کر وہاں سے ہاتھ پٹھمٹائے، جیسے چڑیاں (اڑنے کے لئے) بازو پھڑکاتی ہیں۔ گویا یہ لوگ اڑتے تھے اور اپنے آپ کو نیچے گر لیا اور ہنوز زمین تک نہ پہنچے تھے کہ مر گئے۔ ان کی جماعت ہتھیار ہند ہو کر لوگوں پر نکلی اور چلانے لگی کہ اے ابو جعفر تم ہو تم ہو۔

میسرانا م سبعیہ۔ ہے یہ لقب دو وجہ سے دیا گیا (ایک) یہ کہ ان کا یہ اعتقاد ہے کہ امامت کا دورہ سات سات ہے۔ جیسا کہ ہم نے سابق میں بیان کیا اور ساتویں پر انتہاء ہوتی ہے اور یہ آخری دورہ ہے اور قیامت سے یہی مراد ہے اور دورے اسی طرح بے انتہا چلے جائیں گے اور قیامتیں ہر سات کے ختم پر ہوتی رہیں گی۔ کہیں خاتمہ نہ ہو گا۔ وجہ دوم یہ کہ ان کا یہ اعتقاد ہے کہ عالم اراضی کی تدبیر سات ستاروں کے حوالے ہے یعنی زحل و مشتری و مریخ و آفتاب و زہرہ و عطارد و قمر اور یہ اسی ترتیب سے ہیں۔

چوتھا نام بابکیہ۔ یہ ان میں سے ایک گردہ کا لقب ہے یہ لوگ بابک خرمی مجوسی کے تابع تھے وہ باطنیہ میں سے تھے۔ اس کی اصلیت یہ تھی کہ وہ ولد الزنا تھا اور آذر بلانجان کے نواح میں ایک پہاڑ میں ۲۰۱ھ میں ظاہر ہوا۔ بھرت خلقت اس کے تابع ہو گئی اور اس کا زور کثرت سے بڑھ گیا اور اس نے ممنوعات کو حلال کر لیا جب اس کو خبر ملتی کہ فلاں کے پاس خوبصورت دختر ہے، یا بہن ہے تو اس سے طلب کرتا۔ اگر اس نے بھیج دی تو خیر۔ ورنہ اس کو گرفتار کر کے مار ڈالتا۔ اور عورت کو لے لیتا۔ اسی حرامزدگی پر بیس برس تک ان پہاڑی قلعوں پر قابض رہا۔ اس نے دو لاکھ بچپن ہزار پانچ سو آدمی قتل کئے۔ سلطان نے اس سے لڑائی کی۔ لیکن اس (بابک) نے بہت سے لشکروں کو بھگا دیا۔ آخر مقتسم نے افشین سردار کو اس کے ساتھ جنگ کرنے پر مامور کیا۔ افشین نے بابک کو گرفت کر کے مع اس کے بھائی کے ۲۲۳ھ میں بغداد روانہ کیا۔ اس وقت اس کے بھائی نے کہا کہ اے بابک تو نے وہ کام کیا جو کسی نے نہیں کیا۔ اب تجھے ایسا ہی صبر بھی کرنا چاہیے جو کسی نے نہ کیا ہو۔ بابک نے کہا کہ اچھا تو میرا صبر دیکھے گا۔ مقتسم نے اس کے ہاتھ پاؤں کاٹے جانے کا حکم دیا تو اس نے خون سے اپنا منہ رنگ لیا۔ اس سے پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ ایسا نہ ہو میرے چہرے پر زردی نظر آوے تو یہ کہا جاوے کہ

بابک موت سے ڈر گیا۔ اس کے چاروں ہاتھ پاؤں کاٹے گئے گردن ماری گئی اور آگ میں جلادیا گیا۔ اس کے بھائی کا بھی یہی انجام ہوا اور باوجود اس سختی کے ان میں سے کسی کے منہ سے جج کی آواز نہیں نکلی۔ مصنف نے کہا کہ بابجہ میں سے ایک جماعت باقی رہی ہے۔ کہتے ہیں کہ سال میں ان کی ایک رات خوشی کی مقرر ہے۔ اس میں عورتیں اور مرد سب ایک مکان میں جمع ہوتے ہیں آخر چراغوں کو گل کر دیے ہیں۔ اور ہر ایک مرد دوڑ کر ایک عورت کو گرفتار کر کے اس کے ساتھ بد فعلی کرتا ہے تاویل یہ کرتا ہے حلال ہونا بطور شکار کے ہے کیونکہ شکار مباح ہے۔

پانچواں نام محمرہ۔ ہے اس لئے کہ انہوں نے بابک کے زمانہ میں اپنے کپڑے سرخ رنگے تھے۔ چھٹا نام قرامطہ ہے۔ اس نام کی وجہ تسمیہ مورخین کے نزدیک دو ہیں ایک یہ کہ خراسان کا ایک شخص سواد کوفہ میں گیا وہاں عابد زابد بن گیا اور لوگوں کو اہل بیت کے امام کی طرف بلایا اور ایک شخص مسمیٰ کرمتیہ کے یہاں اتر اٹھا جس کی آنکھ کی سرخی کی وجہ سے کرمیہ کہتے تھے۔ اس لئے کہ دیہات کی زبان میں اس کے یہی معنی ہیں۔ پھر اس نواح کے سردار نے اس کو گرفتار کر کے قید خانہ میں ڈالا۔ اور قفل کی کنجی اپنے تکیہ کے نیچے رکھ لی۔ سردار کی لونڈی نے ترس کھا کر کنجی نکال کر قید خانہ کھول کر اس کو بھگادیا اور دروازہ بند کر کے کنجی بدستور اپنی جگہ رکھ دی۔ صبح کو جب یہ امر مشہور ہوا تو لوگ زیادہ معتقد ہو کر فتنہ میں پڑے۔ شخص مذکور شام میں پہنچا اور وہاں اپنے میزبان کرمیہ کے نام سے منسوب ہوا۔ (تاکہ سواد کوفہ والے اس نام سے وہاں پہنچ جائیں) رفتہ رفتہ مخفف ہو کر کرمیہ اور مغرب ہو کر قرامطہ ہو گیا۔ اس کے بعد اس کی اولاد واقارب وہاں باقی رہے۔ قول دوم یہ کہ یہ نسبت ایک شخص کی طرف ہے جس کو حمدان قرامطہ کہتے تھے۔ وہ ابتدا میں باطنیہ کا ایک داعی تھا۔ اس کا کننا ایک جماعت نے مان لیا تو وہ قرامطی کہلائے۔ یہ شخص پہلے تو زہد و فقر کی طرف مائل تھا و لیکن جاہل تھا کوفہ کا رہنے والا تھا۔ اتفاقاً وہاں سے ایک گاؤں جاتا تھا۔ اور گاؤں کا قصد رکھتا تھا۔ تو حمدان نے اس باطنی سے جو باطنیہ فرقہ کی طرف لوگوں کو دعوت کیا کرتا تھا پوچھا کہ آپ کہاں جائیں گے۔ اور اس کو یہ نہیں معلوم تھا کہ یہ باطنیہ کا داعی ہے۔ داعی نے اس گاؤں کا نام لیا جس میں حمدان جاتا تھا۔ حمدان نے کہا کہ آپ ان گایوں میں سے کسی گائے پر سوار ہو لیں تاکہ تھک نہ جائیں داعی نے کہا کہ مجھے اس کا حکم نہیں دیا

گیا ہے حمدان نے کہا کہ آپ کو کوئی کام بغیر حکم کے نہیں کرتے۔ پھر آپ کس کے حکم پر عمل کرتے ہیں۔ داعی نے کہا کہ میں اپنے مالک اور تیرے مالک اور دنیا و آخرت کے مالک کے حکم پر عمل کرتا ہوں۔ حمدان نے کہا کہ پھر یہ تو اللہ رب العالمین ہے باطنی کذاب منافق نے کہا کہ ہاں تو نے سچ کہا۔ حمدان نے پوچھا کہ جس گاؤں میں آپ جاتے ہیں وہاں آپ کا کیا مقصد ہے؟ داعی نے کہا کہ وہاں کے لوگوں کو جہالت سے علم کی جانب اور گمراہی سے ہدایت کی جانب اور شقاوت سے سعادت کی جانب لاؤں۔ اور ان کو ذلت و فقر کی گرداب سے نکالوں اور ان کو اس قدر دے دوں جس کی وجہ سے وہ گداگری سے تو نگر ہو جائیں۔ حمدان نے کہا کہ خدا آپ کا بھلا کرے مجھے بھی اس گرداب جہالت و ضلالت سے نکال لیجئے۔ اور ایسے علم کا فیضان مجھ پر فرمائیے جس سے میں زندہ جاوید ہو جاؤں۔ کیونکہ جو کچھ آپ نے ذکر کیا مجھے اس کی اشد ضرورت ہے داعی مکار نے کہا کہ مجھے یہ حکم نہیں ہے کہ حقیقت کا بھید ہر شخص سے ظاہر کروں جب تک اس پر بھروسہ نہ کر لوں اور اس سے عہد نہ لے لوں۔ حمدان نے کہا کہ آپ اپنا عہد ذکر کیجئے میں دل و جان سے اس کو لازم کر لوں گا۔ داعی نے کہا کہ تو میرے لئے اور امام وقت کے لئے اپنی جان پر اللہ تعالیٰ کا عہد و میثاق رکھ کہ تو امام کا بھید جو میں تجھ سے ظاہر کروں وہ کسی سے بیان نہ کر اور میرا بھید بھی کسی سے مت کر۔ حمدان نے اسی طرح عہد و میثاق دیا۔ پھر داعی نے اس کو ضلالت کے فنون سے تعلیم دینا شروع کیا۔ یہاں تک کہ اس کو راہ سے گمراہ کر لیا پھر یہ شخص حمدان خود اس گمراہی کا ایک جاہل پیشوا بن گیا اور اس بدعت کا سرغنہ ہو گیا اس کے تابعین اسی کے نام سے قرمطیہ یا قرامطہ کہلانے لگے اور اس کے بعد برابر اس کی اولاد و نسل سے قائم مقام ہوتے رہے۔ ان میں سے سخت جنگی مکار ایک شخص ابو سعید قرمطی تھا جو ۸۶۲ھ میں ظاہر ہوا۔ اس نے بڑا غلبہ حاصل کیا۔ بیشمار آدمی قتل کئے۔ بہت سی مسجدیں منہدم کیں صد ہا قرآن مجید جلا دیئے۔ حاجیوں کے بہت سے قافلے لوٹ لئے اپنے لوگوں کے لئے نئے نئے طریقے نکالے اور بہت سی محال باتوں کو ان کے ذہن نشین کیا۔ جب لڑائی لڑتا تو کہتا کہ مجھے اسی دم فتح و ظفر کا وعدہ دیا گیا ہے۔ جب وہ مرا تو لوگوں نے اس کی قبر پر قبہ بنایا اور اس پر گچ کی ایک چڑیا بنائی اور لوگوں کو بھکایا کہ جب یہ چڑیاڑے گی تو اس زمانہ میں ابو سعید اپنی قبر سے نکلے گا۔ ان گمراہوں نے اس کی قبر کے پاس گھوڑا جوڑا ہتھیار رکھے تھے۔ ابلیس نے اس گمراہ فرقے کے خیال میں یہ بات جمائی کہ جو مرا اور اس کی قبر کے

پاس گھوڑا بندھا تو وہ جب اٹھے گا تو سوار ہو گا۔ اور اگر گھوڑا نہ باندھا گیا تو پیادہ ٹھو کریں کھائے گا۔ ابو سعید مذکور کے تابعین گمراہ جب اس کا نام آتا تو درود پڑھتے اور رسول اللہ ﷺ کے ذکر مبارک پر درود نہ پڑھتے اور کہتے کہ ہم رزق ابو سعید کا کھائیں تو کیوں ابو القاسم ﷺ پر درود پڑھیں اس کے بعد اس کا بیٹا ابو طاہر قائم مقام ہوا۔ اور اسی کے مانند بدکاریاں کرنے لگا۔ یہاں تک کہ اچانک اس نے کعبہ پر هجوم کیا اور وہاں جو کچھ چڑھاوا تھا۔ سب لوٹ لیا حجر اسود کو اکھاڑ کر اپنے شہر میں لے گیا اور لوگوں کے ذہن میں جمایا کہ وہ خود اللہ ہے۔

ساتواں نام خرمیہ۔ ہے خرم عجمی لفظ ہے جس کے معنی لذیذ عیش کی چیز جس کے واسطے آدمی کا نفس راغب ہوتا ہے۔ اس نام سے قصد یہ تھا کہ لوگ ہر قسم کی لذت و شہوت حاصل کریں جس طرح ان کو حاصل ہو سکے اور شرع میں جس پر ہیزگاری و پاکیزگی کے لئے انسان مہذب کیا گیا ہے یہ سب ترک کر دیا اور بندوں سے شرعی خلعت اتار ڈالے اصل میں یہ لفظ مجوسی مزدکیہ فرقہ کا تھا۔ جنہوں نے مجوس کے ہر قسم کے فواحش مباح کر دیئے تھے یہ لوگ قبادشاہ کے زمانہ میں نکلے تھے۔ دنیا کی سب عورتیں ہر شخص کے لئے مباح کر دی تھیں اور ہر ممنوع چیز حلال کر دی تھی۔ تو انہیں کی مشابہت سے اس فرقہ باطنیہ کا نام رکھا گیا کیونکہ اگرچہ ابتداً تصور میں باطنیہ و مزدکیہ میں اختلاف ہو۔ لیکن ان کے اور ان کے ایمان کا انجام ایک ہی ہے۔

آٹھواں نام تعلیمیہ۔ ہے یہ لقب اس لئے دیا گیا کہ ان کے مذہب کی بنیاد اسی پر ہے کہ عقل کو بالائے طاق رکھیں۔ اور کچھ بھی سمجھ سے کام نہ لیں۔ جو کچھ امام معصوم کے اسی کو قبول کریں اسی کی تعلیم کی طرف خلق کو دعوت دیں اور یہ کہ اسی کی تعلیم کے بغیر علم حاصل نہیں ہوتا۔

فصل :- اس بات کا بیان کہ بہت سے لوگ اس بدعت و ضلالت میں کیوں داخل ہوئے۔ یعنی اس ضلالت کو ایجاد کرنے میں باطنیوں کا کیا مقصد تھا۔ مصنف نے کہا کہ اس قوم نے دین و شریعت سے جدا ہو جانے کا قصد کیا۔ تو اس کے لئے مجوس اور مزدکیہ و شعیہ و ملاحدہ فلاسفہ کے لوگوں سے مل کر مشورہ کیا کہ ایسی کوئی تدبیر نکالیں کہ اس پریشانی سے نجات ہو۔ جو اہل اسلام کے استیلاء سے ان پر طاری ہوئی ہے کیونکہ اہل اسلام نے عمدہ دلائل سے انکار خدا و انکار رسالت و حشر میں ان کی یک زبان

گوئی کردی تھی ان گمراہوں نے دیکھا کہ نبوت و شریعت محمدی کا آوازہ چار دانگ عالم میں شائع ہے۔ اور یہ گمراہ کسی کسی طرح اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو سب نے مل کر یہ تدبیر نکالی کہ اہل اسلام میں سے ایسے فرقہ کو چھانٹو جو عقل سے بد نصیب رائے میں بودا اور محالات کو قبول کرتا ہو۔ اور بغیر سند کے جھوٹی باتوں کے قبول کرنے میں مشہور ہو۔ ایسا فرقہ ان کو یہ روافض مل گیا، تو یہ تدبیر نکالی کہ ظاہر میں روافض کے عقیدے میں شامل ہوں۔ تاکہ قتل عام سے محفوظ ہو جائیں پھر اس فرقہ روافض سے دوستی و چالپوسی پیدا کریں اور غم و گریہ و ماتم ان واقعات مصیبت میں ظاہر کریں جو آل محمد ﷺ پر ظالموں کے ہاتھوں کے سے پیش آئے پس ہمیں اس حیلہ سے بزرگان سلف کو لعن طعن کرنے کا پورا موقع ہاتھ آئے گا جن سے شریعت نقل ہو کر ان کو حاصل ہوئی ہے اور جب انہیں پر لعن طعن کرنا اس فرقہ روافض کے کانوں پر آسان ہو جائے گا تو جو کچھ امر شریعت و قرآن انہوں نے نقل کیا ہے اس کی قدر بھی اس احمق فرقہ کے دل سے کم ہو جائے گی تب بہت آسانی سے یہ موقع ملے گا کہ ان کو شریعت سے نکال کر باہر کیا جائے اور اگر باوجود اس کے بھی ان میں کوئی ایسا رہے گا جو ظاہر قرآن کا پابند ہے تو اس پر یہ جال ڈال کر بھکائیں گے کہ یہ ان خواہر کے اسرار و باطن ہیں اور نقطہ ظاہر پر فریفتہ ہونا حماقت ہے اور دانائی یہ کہ حکمت و فلسفہ کے موافق ان کے اسرار پر اعتقاد ہو۔ پھر ہم اپنے عقائد ان میں داخل کر دیں گے اور کہیں گے کہ ظاہر سے مراد یہی اسرار ہیں اور اس ذریعے سے باقی قرآن سے منحرف کرنا آسان ہو گا۔ پھر انہوں نے عملدرآمد کے واسطے ایسے شخص کو تلاش کیا جو اپنے آپ کو اہل بیت میں سے قرار دے اور اس طریقہ رفض میں ان کا موافق ہو اور دعویٰ عام یہ رکھا جائے کہ تمام امت پر اس کی متابعت واجب ہے کیونکہ وہ خلیفہ رسول اللہ ﷺ ہے۔ اور خطا و لغزش سے معصوم ہے اللہ تعالیٰ نے ہر پیغمبر کی طرح اس کو معصوم کر دیا ہے اور ان لوگوں نے یہ بھی تجویز کیا کہ اس گھڑے ہوئے معصوم خلیفہ کے قرب و جوار میں اس کی فرمانبرداری کی دعوت ظاہر نہ کی جائے۔ کیونکہ جس قدر گھر نزدیک ہو اسی قدر زیادہ پردہ چاک ہوتا ہے اور جب مسافت دراز ہوگی اور تکلیف شدید لازم آئے گی تو جو شخص اس کی دعوت کرنے وہاں گیا ہے۔ کب کسی کو خیال ہو گا کہ داعی کے ساتھ جا کر معصوم امام کا حال دریافت کرے یا اس کی حقیقت حال سے مطلع ہو۔ (بلکہ فلسفی داعی پر اکتفا کریں گے) ان سب باتوں سے اس ملحد فرقہ کا مطلب یہ تھا کہ لوگوں کے مال و

ملک پر مستولی ہو جائیں۔ اور جیسے قدمائے اسلام نے ان ممالک کو فتح کر کے اموال غنیمت ان اقوام سے حاصل کئے اور جہادوں میں ان کے باپ داداے قتل کئے تھے تو اب حیلہ سے ان موجودہ مسلمانوں سے انتقام لیں۔ یہ اس فرقہ کی ابتدا اور ان کے مقصود کی انتہا ہے (مترجم کہتا ہے کہ ممالک ایران وغیرہ میں بعض فرقہ روافض نے اس فرقہ اسماعیلیہ باطنیہ کے بہت سے مسائل و عقائد و خرافات لے کر اپنے یہاں داخل کئے ہیں نفوذ باللہ من ذلک)

فصل :- مصنف نے کہا کہ اس بدکار قوم کے حیلے لوگوں کے پھانسنے میں عجیب ہیں۔ اور ایسے احمق کو جو ان کے دام فریب میں آجائے گا دوسرے سے تمیز کر لیتے ہیں اور جب وہ ان کی کسوٹی پر آیا تو اس جاہل کی طبیعت دیکھتے ہیں اگر دیکھا کہ وہ بد و ترک دنیا کی طرف راغب ہے تو اس کو امانت و صدق گفتار و ترک شہوات کی دعوت کرتے ہیں۔ اور اگر دیکھا کہ وہ بے باکی اور شہوت کی طرف مائل ہے تو اس کو فلسفی الجھاؤ سے قائل کرتے ہیں کہ عبادت بے وقوفی اور تقویٰ حماقت ہے اور دانائی یہ ہے کہ نفس کو ناحق اس دنیا کی لذات سے محروم نہ کرے اور ہر مذہب والے کے نزدیک اس کے مذہب کے موافق تقریریں کر کے قائل کرتے ہیں اور جب یہ جاہل ان کے فریب میں آکر یہ شک کرنے لگتا ہے کہ وہ پہلے کیسے نادانی کے عقیدہ میں پھنسا تھا، تو ان کی دعوت قبول کر لیتا ہے۔ یہ قبول کرنے والا یا تو جلد سخت دل بے وقوف ہوتا ہے یا سائق کے ایرانی بادشاہوں یا مجوس کی اولاد میں سے ہوتا ہے، جس کے باپ داداے کی سلطنت بوجہ اسلام کے چھینی گئی، یا ایسا شخص جس کا دلی شوق یہ ہوتا ہے کہ کسی شہر یا قلعہ پر مسلط ہو جائے، لیکن زمانہ اس کی مساعدت و موافقت نہیں کرتا۔ تو یہ لوگ اس کو وعدہ دیتے ہیں کہ ہم مال و بے باک بہادروں سے تمہاری مدد کریں گے یا وہ ایسا شخص ہوتا ہے جس کے نفس میں عوام الناس کے مراتب سے بڑھ جانے اور افزوں رتبہ ہونے کی خواہش ہوتی ہے اور وہ اپنے خیال میں حالات پر مطلع ہونے کا قصد کرتا ہے یا فلسفی یا مہویہ یا حماقت سے منافقانہ دین میں متحیر ہے، یا وہ شخص ہے جس پر شرعی پابندی یا جھل معلوم ہوتی ہے اور فحش لذات کی چاٹ رکھتا ہے۔ (ایسے لوگ ان باطنیہ ملاحدہ کے دام فریب میں گر افتاد و خوار ہو جاتے ہیں)۔

ملاحظہ باطنیہ کے مذہبی بعض اعتقادات کا ذکر

شیخ ابو حامد الطوسی نے کہا کہ باطنیہ ایک قوم ہے جو منہ سے تو اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں مگر ان کے عقائد و اعمال بالکل اسلام سے مخالف و مبائن ہیں اور ظاہر میں رخص کی طرف مائل ہیں ان کا ایک عقیدہ یہ ہے کہ خدائے قدیم دو ہیں اور زمانہ کے لحاظ سے ان کے وجود کی ابتداء نہیں ہے لیکن باوجود اس کے ایک علت ہے دوسرے کے واسطے اور کہتے ہیں جو سابق ہے اس کو یہ نہیں کہہ سکتے کہ وجود ہے یا عدم ہے نہ موجود ہے نہ معدوم ہے اور نہ مجہول ہے نہ معلوم ہے اور نہ موصوف ہے نہ غیر موصوف ہے اور اسی سابق سے دوسرا پیدا ہوا۔ اور یہ اول موجود ہے پھر نفس کلیہ کا وجود ہوا ان کے نزدیک نبی ایک ایسا شخص ہے جس پر خدائے اول سے بواسطہ خدائے دوم کے قوت قدسیہ صافیہ فائض ہوئی۔ اور کہتے ہیں کہ جبرائیل اس عقل کو کہتے ہیں جو نبی پر فائض ہوئی۔ وہ کوئی ذات نہیں ہے اور کہتے ہیں کہ ہر زمانہ میں اس نبی کے مثل امام معصوم ضرور ہونا چاہیے جو حق کے ساتھ قائم ہو اور وہی ظاہر کی تاویل بتلایا کرے اور کہتے ہیں کہ آخرت و قیامت کوئی چیز نہیں ہے بلکہ کہتے ہیں کہ معاد کے معنی یہ ہیں کہ کوئی چیز اپنی اصل کی طرف عود کرے اور نفس بھی اپنی اصل کی طرف عود کرتا ہے اور رہا شرع سے مکلف ہونا تو کہتے ہیں کہ ہر چیز مطلقاً مباح ہے اور جو چیزیں حرام کہی جاتی ہیں سب مباحات (جائز) ہیں۔ لیکن جب موقع پاتے ہیں تو اس (قول) سے انکار کر کے کہتے ہیں کہ ہمارا قول یہ ہے کہ انسان کے واسطے مکلف ہونا ضرور ہے۔ مگر جب وہ حقائق اشیاء سے ماہر ہو ا جو ان ظاہری نصوص کے باطنی معنی ہیں تب اس پر کوئی تکلیف نہیں رہتی ہے چونکہ وہ لوگوں کو قرآن و حدیث سے منحرف کرنے میں عاجز تھے اس لئے یہ مکر گانٹھا کہ اپنی ملمع کی ہوئی باتوں میں پھنکا کر انہیں قرآن و حدیث سے پھیر دیں۔ اس لئے کہ اگر پہلے ہی سے قرآن و حدیث سے انکار کی تصریح کرتے تو عوام الناس قبول نہ کرتے۔ کہتے ہیں کہ جنات جس سے غسل لازم آتا ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ قبول کرنے والا بھید ظاہر کرے اور غسل سے مراد یہ کہ از سر نو اس خطا سے توبہ کر کے عہد کرے۔ زنا کے معنی یہ کہ علم باطن کا نطفہ ایسے شخص کے پیٹ میں ڈالے جس سے سابق میں عہد لیا گیا ہے اور صوم (روزہ) کے یہ معنی ہیں کہ بھید کھولنے سے جی روک رکھے۔ کعبہ نبی ﷺ ہیں اور باب علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ طوفان

سے مراد طوفان علم ہے۔ جس میں شبہ کے ساتھ تمسک کرنے والے غرق کئے گئے سفینہ وہ جزیرہ ہے جس میں نوح کی دعوت قبول کرنے والے محصور ہوئے تھے۔ نار ابراہیم سے مراد نمرود کی غصہ کی آگ تھی وہاں یہ حقیقی آگ مراد نہیں ہے۔ اسحاق کو ذبح کرنے سے یہ مراد ہے کہ اس سے عہد جدید لیا گیا۔ عصاء موسیٰ سے مراد موسیٰ کی دلیل و حجت ہے۔ یاجوج و ماجوج سے مراد علمائے ظواہر ہیں۔

واضح ہو کہ سوائے ابو حامد کے دوسروں نے ذکر کیا کہ باطنیہ کہتے ہیں کہ خدا نے جب ارواح کو پیدا کیا تو خود بھی ان میں ظاہر ہوا اور انہیں کی صورت میں ظاہر ہوا تو کسی نے شک نہ کیا کہ یہ بھی ان میں ایک ہے اور سب سے پہلے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اور مقداد رضی اللہ عنہ اور ابو ذر رضی اللہ عنہ نے پہچانا۔ اور سب سے پہلے اس عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے انکار کیا۔ چنانچہ اس کا نام الیسیس ہوا۔ (نعوذ باللہ) اسی قسم سے خرافات اس ناپاک فرقہ میں بہت ہیں جن کے ذکر میں کہاں تک توضیح اوقات کی جائے اور ان جیسے لوگوں نے دلیل چھوڑ کر کسی شبہ پر بھی تمسک نہیں کیا، تاکہ حق بات ظاہر کرنے کے لئے ان سے گفتگو ہو بلکہ ان لوگوں نے تو اپنے ذہن میں ایک مضمون باندھ کر اس کے موافق سب واقعات گھڑ کے بنا لئے ہیں (یعنی شریعت کے اصول قرآن و حدیث اصلی ہیں، تو ان کے سمجھنے میں جس فرقہ کو غلطی ہوئی اس کے ساتھ مناظرہ ہو سکتا ہے۔ اور اس فرقہ نے خود روایتیں بنائیں کہ مثلاً خدا نے ایک فاطمی بھیجا تھا۔ اس میں صاف لکھا تھا اور اس قرآن میں موجود ہے آلم کہ ذلک الکتاب اس سے وہ عہد نامہ مراد ہے جو الف اللہ نے ل جبریل و م محمد ﷺ کی گواہی سے علی رضی اللہ عنہ پر عہد لیا تھا کہ آئندہ تلوار نہ کھینچیں اور ظلم و ذلت برداشت کریں الغرض اسی قسم کے وہابیات بنا لئے تو ان کو قرآن و حدیث سے کچھ مطلب نہیں۔ بلکہ جو باتیں اپنے علم باطنی میں میان کرتے ہیں وہ دین ہیں تو اس فرقہ سے کیا مناظرہ ہو سکتا ہے اور اگر اتفاقاً کبھی اس فرقہ سے بحث ہو تو کہے کہ تم نے یہ چیزیں کہاں سے پائیں۔ آیا تم کو بدیہی مل گئیں یا نظر کرنے سے یا کسی امام معصوم سے اگر کہیں کہ بدیہی ہیں تو باطل ہے کیونکہ عقل سلیم والے ان معتقدات کے مخالف ہیں۔ اور بدیہی میں کوئی عقل والا خلاف نہیں کرتا جیسے آفتاب اور اگر خالی دعوے سے کچھ ثبوت ہو تو تمہارا مقابل تمہارے برعکس جو بھی دعویٰ کرے جائز ہو جائے اور اگر تم نے نظری دلیل سے ثابت کیا تو اس کو تمہا باطل کہتے ہو۔ کیونکہ وہ عقلی تصرف ہے اور عقلی قضایا تمہارے اصول میں وثوق کے قابل نہیں

ہوتے اور اگر کہیں کہ ہم نے امام معصوم سے حاصل کئے تو کہو کہ کیوں تم نے محمد ﷺ کا قول شریف جو معجزات متواتر کے ساتھ تھا چھوڑا اور اپنے اس امام معصوم کا قول لے لیا۔ جو بغیر معجزہ ہے اور باوجود اس کے جو کچھ امام معصوم نے بیان کیا شاید اس کے باطنی معنی ظاہر کے خلاف ہوں۔ پھر ان سے کہا جائے کہ یہ باطن و اسرار جو تم کہتے ہو ان کا چھپانا لازم ہے یا ظاہر کرنا۔ اگر کہیں کہ ظاہر کرنا واجب ہے تو کہنا چاہیے کہ پھر محمد ﷺ نے انہیں کیوں چھپایا اور اگر کہیں کہ چھپانا واجب ہے تو کہنا چاہیے کہ رسول پر جس کا انخفاء واجب تھا تو تم پر افشا کیوں کر جائز ہوا۔

ابن عقیل نے کہا کہ اسلام میں باطنیہ و ظاہریہ دونوں فرقوں سے خرابی پیش آئی چنانچہ فرقہ باطنیہ نے اسلام کا نام رکھ کر شرع کو متروک کیا اور اپنی باطنی باطل تفسیریں (خطبے ربط) کے مدعی ہوئے جن پر کوئی بھی دلیل نہیں ہے۔ یہاں تک کہ ان دشمنوں نے شرع کی کوئی چیز نہیں باقی رکھی جس کے مقابلہ میں باطنی معنی نہ بنائے ہوں یہاں تک کہ واجب کا ایجاب و ممنوع کی ممانعت بھی ساقط کر دی رہا فرقہ ظاہریہ تو انہوں نے ہر جگہ ظاہر کو لے لیا حالانکہ اس کی تاویل واجب ہے چنانچہ ظاہریہ نے اسماء و صفات میں بھی وہ معنی لئے جو حواس سے ان کی سمجھ میں آئے۔ حق مذہب دونوں مرتبوں میں دائر ہے یعنی ظاہر کو لے جب تک کوئی دلیل اس سے پھیرنے والی نہ ہو اور رہا باطن تو جس پر کوئی دلیل شرعی نہ ہو اس کو ترک کر دے۔ اگر مجھ سے اور اس فرقہ باطنیہ کے پیشوا سے ملاقات ہوتی تو میں اس کے ساتھ علمی طریقہ کی گفتگو نہ کرتا۔ بلکہ اس کی سمجھ پر اور اس کے تابعین کی سمجھ پر لعنت ملامت کرتا۔ (یعنی اس حیلہ سے بادشاہ بن جانے کا خیال تمہاری حماقت ہے) مثلاً اس طرح کہتا کہ بادشاہوں کے واسطے خاص خاص طریقے اور تدبیریں ہیں جن سے وہ مقصود پر پہنچتے ہیں۔ اور تم جو ان چند آدمیوں پر امید سلطنت لگائے بیٹھے ہو یہ تمہاری حماقت ہے۔ اور تم جان لو کہ یہ ملتیں جنہوں نے زمین کو بھر لیا ہے ان میں سب سے زیادہ قریب اور مناسب شریعت اسلام ہے جس کے نام سے تم قوت پاتے ہو۔ اور اپنی حماقت سے اسی کو بگاڑنے کی کوشش کرتے ہو۔ اس کو اللہ تعالیٰ کا کامل غلبہ دیا ہے اس کے بگاڑنے کی طمع بھی حماقت ہے بھلا زائل کرنا تو دور رہا۔ چنانچہ ہر سال اس کا ایک مجمع عظیم عرفات میں ہوتا ہے اور ہر جمعہ کے روز مساجد جامع میں اور ہر روز پانچوں وقت مساجد عام میں ہوتا ہے تو تم اپنے نفوس خبیثہ میں یہ منصوبے کہاں سے باندھتے ہو کہ اس سمندر عظیم کو

گدلا کرو گے اور کیسے اس امر ظاہر کا نور دھندلا کرو گے جو جہان میں ظاہر ہے۔ ہر روز ہزاروں مناروں پر یہ اذان دی جاتی ہے کہ اشہد ان محمدًا رسول اللہ اور رہا تمہارا حال تو تمہاری انتہا یہ ہے کہ کسی خلوت خاصہ میں اپنا کچھ منصوبہ بیان کر دیا یا کسی قلعہ میں چند لوگوں کے پیشوا بن جاؤ۔ اگر تمہارے مردہ دلوں سے کوئی کلمہ باہر نکلے تو تمہارا سر اڑا دیا جائے اور کتوں کی طرح مار ڈالے جاؤ تو کب کسی عاقل کو یہ خیال ہو گا کہ جو منصوبہ تم نے باندھا ہے وہ اس امر کلی پر جس نے آفاق کو گھیر لیا ہے غالب آوے گا۔ پس مجھے تو تم سے زیادہ کوئی احمق نہیں معلوم ہوا۔ بالجملہ میں پہلے اس سے ایسے کلمات کہتا یہاں تک کہ براہین عقیلہ سے مناظرہ کی نوبت آوے۔

مصنف نے کہا کہ پچھلے باطنیہ کے فساد کی چنگاری ۹۴ھ میں بھڑکی تو سلطان بیکاریق نے ان میں سے بہت سے لوگوں کو قتل کیا جن میں باطنیہ کا مذہب ثابت ہوتا تھا پس مقتولوں کی تعداد تین سو سے اوپر تک پہنچی۔ اور ان کے اموال لوٹ لئے گئے تو ان میں بعض کے قبضہ سے بے سند ہی موتیوں کے ستر گھر برآمد ہوئے۔ اس بارہ میں خلیفہ کو ایک عرضی لکھی گئی۔ خلیفہ نے حکم دیا کہ جن پر اس مذہب کا گمان بھی کیا جائے ان کو فوراً گرفتار کر لیا جائے چنانچہ گرفتاریاں ہونے لگیں۔ اور کسی کو یہ جرات نہ ہوئی کہ کسی کے واسطے سفارش کرے اس خوف سے کہ سفارشی پر یہ شبہ نہ ہو کہ ان کے مذہب کی طرف مائل ہے۔ عوام نے جس کو چاہا اور جس سے جس کے دل میں کچھ رنجش تھی اس کی مخبری کر دی کہ اسی مذہب میں ہے تو وہ فوراً قتل کیا جاتا اور اس کا گھربار لوٹ لیا جاتا۔ سب سے پہلے سلطان جلال الدولہ ملک شاہ کے زمانے میں باطنیہ کا حال کھلا کہ انہوں نے مجتمع ہو کر سادہ میں عید کی نماز پڑھی۔ اور شہر کے کو تو ال کو اس سے آگاہی ہوئی۔ اس نے ان کو گرفتار کر کے قید خانہ میں ڈالا۔ پھر اس کے بعد ان کو رہا کر دیا۔ انہوں نے سادہ کے ایک موزن کو دھوکا دیا۔ اور اسے اپنے مذہب میں شامل کرنے کی بے حد کوشش کی۔ اس نے انکار کیا تو ڈرے کہ شاید وہ ان کی چغلی کھائے لہذا ان کو دھوکے سے قتل کر دیا۔ یہ خبر نظام الملک کو پہنچی تو اس نے ان لوگوں کے قتل کرنے میں پیش قدمی کی جو اس مذہب کے ساتھ متہم تھے۔ چنانچہ متہم لوگ قتل کئے گئے۔ ایک بڑھئی متہم تھا وہ مارا گیا۔ پھر انہوں نے ایک مدت بعد نظام الملک کو دھوکے سے مارا اور کہنے لگے کہ تم نے ہم میں سے بڑھئی مرا۔ ہم نے اس کے عوض میں نظام الملک مارا۔ جب ملک شاہ نے انتقال کیا تو اصفہان میں اس فرقہ کا زور بڑھ گیا۔

اور یہاں تک نوبت پہنچی کہ آدمی کو اغوا کر کے قتل کر ڈالتے اور کھتے میں ڈال دیتے۔ پھر تو یہ تہملکہ پڑا کہ اگر کسی کے گھر میں کوئی آدمی عصر کے قریب تک نہ آگیا تو اس سے مایوس ہو جاتے۔ لوگوں نے وہ مقامات تلاش کئے جہاں اس قسم کی کارروائیاں ہوا کرتی تھیں۔ تو انہوں نے ایک مکان میں ایک عورت کو پایا جو ہمیشہ ایک پورے پر بیٹھی رہتی تھی۔ وہاں سے نہیں ملتی تھی لوگوں نے اس کو گھسیٹ کر الگ کیا اور پوریا اٹھایا تو اس نیچے کھتے میں چالیس مقتول پائے۔ چنانچہ اس عورت کو مار کر گھر اور محلہ جلادیا گیا اور اس احاطہ کے کوچہ کے دروازہ پر ایک اندھا بیٹھا بھیک مانگا کرتا۔ جب ادھر کوئی مسلمان شخص گزرتا تو اس سے درخواست کرتا کہ اللہ مجھے چند قدم ہاتھ پکڑ کر اس احاطے تک پہنچا دے وہ مسلمان اس اندھے بے ایمان کو لے چلتا۔ جیسے ہی احاطہ تک پہنچا کہ احاطہ میں کھینچ لیا گیا۔ اور احاطہ والے اس پر غالب آگئے۔ آخر مسلمانوں نے بڑی کوشش سے ان لوگوں کو تلاش کیا۔ اور اصفہان میں ایک بڑا ہنگامہ اور قتل عام ہوا۔ پہلا قلعہ جو باطنیہ کے قبضہ میں آیا وہ قلعہ روزباد تھا۔ جو نواح دیلم میں ہے۔ یہ قلعہ ملک شاہ کے مصاحب قماح کے قبضہ میں تھا وہ اس کو اس قوم قماح کے مذہب کی حفاظت و اتمام کے لئے محفوظ رکھتا تھا۔ آخر اس نے ملک شاہ کے زمانہ میں ایک ہزار دو سو اشرفیاں لے کر ۴۸۳ھ میں یہ قلعہ اس قوم کے سپرد کر دیا۔ ان کا سردار حسن بن الصباح تھا۔ جو اصل میں مرو کا رہنے والا تھا ابتداء میں جب وہ لڑکا تھا تو رئیس بن عبد الرزاق بن بہرام کا نشی تھا پھر مصر گیا اور وہاں داعی اسمعیلیہ سے یہ مذہب سیکھ کر واپس آیا اس قوم کا سردار بن گیا۔ اور آخر یہ قلعہ حاصل کیا۔ اس کا طریقہ یہ تھا کہ ہر ایک احمق جاہل کو جس کو دائیں بائیں کا شعور نہیں ہوتا اور امور دنیا سے بالکل بے خبر ہوتا اس کو اپنے دام فریب میں لیتا اور بادام اور شہد اور کلونجی کھلاتا۔ جب اس کا دماغ گرم ہو جاتا تو اس سے بیان کرتا کہ حضرت مصطفیٰ ﷺ کے اہل بیت پر ایسا ایسا ظلم و عدوان ہوا ہے اور روز بروز اس قسم کا جھوٹ و سچ بیان کرتا۔ حتیٰ کہ اس کے ذہن میں جم جاتا پھر کہتا کہ ازارقہ و خوارج نے بنی امیہ کے قتال میں اپنی جانیں فدا کیں تو کیا سبب ہے کہ تم حق پر ہو کر اپنی جان دینے میں مغل کرنے اور امام کی مدد نہیں کرتے ہو۔ غرض کہ اس حیلہ سے اس کو درندوں کا لقمہ مہناتا تھا۔ ملک شاہ سلجوقی نے اس شخص حسن بن الصباح کے پاس اپنی بھیجا تھا کہ اطاعت اختیار کرے اور سرکشی کے بد انجام سے ڈرایا تھا اور حکم دیا تھا کہ اپنے لوگوں کو امراء و علماء کے قتل کے واسطے ملک

میں نہ پھیلائے۔ جب ایلیچی پہنچا تو اس نے کہا کہ اس کا جواب یہ ہے جو تم آنکھوں سے دیکھو پھر اس نے اپنے کچھ معتقدوں سے جو اس کے سامنے کھڑے تھے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ تم کو تمہارے مولیٰ کے پاس روانہ کروں تم میں سے کون شخص اس کام کے لئے اٹھتا ہے ان لوگوں میں سے ہر ایک جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ سلطانی ایلیچی سمجھتا تھا کہ وہ ان کے ہاتھ پیغام بھیجنا چاہتا ہے۔ پھر اس نے ان میں سے ایک جوان سے کہا کہ اپنے آپ کو قتل کر۔ اس جوان نے فوراً چھری نکال کر اپنے قلب پر ماری اور مردہ ہو کر گر پڑا۔ پھر اس نے دوسرے سے کہا کہ اپنے آپ کو قلعہ سے نیچے گرا دے وہ فوراً پہاڑی قلعہ سے نیچے کود پڑا۔ اور پاش پاش ہو گیا۔ پھر اس نے سلطانی ایلیچی سے کہا کہ اس قسم کے لوگ میرے پاس میس ہزار ہیں۔ اور ان کی فرمانبرداری میرے حق میں ایسی ہے۔ اور تیرے پیغام کا بھی یہی جواب ہے ایلیچی نے آکر سلطان سے یہ حال بیان کیا تو بادشاہ متعجب ہوا اور ان لوگوں سے تعرض نہ کیا رفتہ رفتہ اس قوم کے ہاتھ میں بہت سے قلعے آگئے پھر انہوں نے بہت سے امراء اور وزراء کو قتل کیا۔ مصنف کہتا ہے کہ میں نے تاریخ میں اس قوم کے حالات عجیبہ نقل کئے ہیں یہاں بے فائدہ تطویل سے اجتناب کیا۔

فصل :- بہت سے زندیق جن کے دل میں اسلام سے دشمنی تھی وہ نکل کر اس قوم میں شامل ہوئے۔ اور بہت مبالغہ و کوشش سے جس کو پایا ایسے دعوے بتلائے جو محض بے بنیاد تھے اور انتہائے مقصود ان کا یہی تھا کہ دین اسلام کی قید سے گردن چھڑائیں اور ہر طرح کی لذات سے محفوظ ہوں۔ زنا و فجور وغیرہ محرمات کو مباح کریں۔ پس ان زندیقیوں میں سے ایک تو بابک خرمی تھا۔ جس نے بہت کچھ لذات حاصل کیں اور اسے اس کا مقصود مل گیا لیکن بعد کو اس نے بہت سی خلق خدا کو قتل کیا اور لوگوں کے ایذا دینے میں حد سے بڑھ گیا۔ زان بعد قرمطی اور زنجی جس نے زنگی غلاموں کو ابھارا اور وعدہ کیا کہ تم کو بادشاہت حاصل ہوگی۔ پھر اس نے (بصرہ وغیرہ) میں بہت کچھ لوٹ مار اور قتل و تاراج کیا۔ اور ان میں سے بعض فقط اپنے برگشتہ اعتقاد پر قائم رہے۔ اور کہیں جانے کی ہمت نہ ہوئی تو ان کی دنیا و آخرت دونوں برباد ہوئیں۔ جیسے ابن الراوندی اور معری گزرے ہیں۔

ابو القاسم علی بن الحسین التوخی نے اپنے باپ سے روایت کی کہ ابن الراوندی

پہلے رافضیوں اور ملحدوں کا ملازم تھا۔ جب لوگ اس کو ملامت کرتے تو کہتا کہ میرا مقصود یہ ہے کہ اس یہمانہ سے ان کے مذہب سے واقف ہو جاؤں۔ پھر کھل کر بحث و مناظرہ کرنے لگا مصنف نے کہا کہ جس نے ابن الراوندی کا حال غور سے دیکھا وہ صاف جان جائے گا کہ یہ شخص بڑا ملحد تھا اس نے ایک کتاب دامغ لکھی ہے اس کا زعم یہ تھا کہ میں اس کتاب سے شریعت اسلام کو کوفتہ کرتا ہوں۔ لیکن خدا تعالیٰ پاک ذات ہے جس نے اس کا سر کچل دیا اور عین عالم شباب میں گرفتار ہو گیا۔ اس احمق نے قرآن پر تاقض کا اعتراض کیا اور غیر فصیح ہونے کا دعویٰ کیا حالانکہ قطعاً معلوم ہے کہ بلغاء و فصحاء عرب قرآن کو سن کر متحیر ہو گئے تھے بھلا اس کو کنگے عجی کی بات کا کیا اعتبار جو خود فصاحت سے گفتگو نہیں کر سکتا تھا۔ رہا ابو العلاء المعری (جو معز الدولہ رافضی دیلمی کا مداح شاعر تھا) تو اس کے اشعار میں کھلا ہوا الحاد ہے اور انبیاء علیہم السلام کے ساتھ دشمنی میں مبالغہ کرتا تھا۔ اور نہایت ذلیل زندگی بسر کرتا تھا۔ کہ کبھی اپنی غلطی سمجھتا اور کبھی انبیاء علیہم السلام پر طعن کرتا غرضیکہ اسے خطہ ہو گیا تھا اور ہر دم خائف رہتا کہ قتل نہ کیا جائے آخر اسی خواری میں مر گیا کوئی زمانہ ان دونوں فریقوں کی ذریات سے خالی نہیں رہا۔ لیکن محمد اللہ کو ان کی چنگاری اڑتی ہوئی چھ گئی۔ اب کوئی ظاہر نہیں رہا سوائے اس کے کہ یا تو باطنی چھپا ہوا ہے یا فلسفی پوشیدہ ہے۔ اور وہ سب سے زیادہ خوار ہے اور وہ سب سے زیادہ مصیبت کی زندگی بسر کرتا ہے اور ہم نے دونوں فریق باطنیہ و فلسفیہ کی جماعت کا حال تاریخ میں مفصل لکھا ہے۔

مترجم کہتا ہے کہ اس زمانے میں سوائے علماء و اکثر عوام کے امراء و سلاطین و لشکری سب عیش و شراب خواری وغیرہ میں گرفتار تھے تو ملاحظہ و باطنیہ کا زور ہو گیا۔ مسلمان سلاطین ملک گیری کے لئے باہم سخت جدال و قتال کرتے تھے شام میں نصاریٰ نے زور باندھ رکھا تھا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے تاتاری غارت گروں کو مسلط کیا۔ ہلاکو نے سب قلعات و روڈبار وغیرہ چھین کر مسمار کر دیے۔ اور سلطنت اسلامی کی بخیاد منہدم کر دی۔ بلکہ ۶۵۶ھ میں خلافت عباسیہ کا بھی خاتمہ کر دیا۔ پھر ایک صدی کے بعد تاتاری نہ صرف مسلمان ہوئے۔ بلکہ ان میں بڑے بڑے مجاہد بڑے عالم اور فقیہ اور بڑے بڑے باخدا اور ویش پیدا ہوئے۔ اور انہوں نے بہت سے نازک موقعوں پر اسلام کی پاسبان کا فرض بھی انجام دیا۔

﴿باب ششم﴾

عالموں پر فنون علم میں تلبیس ابلیس کا بیان

مصنف نے کہا کہ ابلیس ان لوگوں کے پاس بہت راستوں سے آتا ہے۔ ان میں سے بہت سے ظاہر ہیں۔ لیکن غالب جب ہی ہوتا ہے کہ عالم اپنی خواہش نفس کی پیروی اختیار کرے تو اس کا یہ حال ہوتا ہے کہ باوجود علم کے قدم قدم پر لغزش کرتا اور ٹھو کر یں کھاتا ہے۔ بہت سے باریک فریب ہیں جو اکثر علماء پر مخفی رہتے ہیں اور ہم اس کے اقسام تلبیس کی طرف اشارہ کریں گے۔ جن سے باقی مخفی کا پتہ چل جائے کیونکہ تمام راہوں کا بیان میں لانا دشوار ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی چاہنے والا ہے۔

قاریوں پر تلبیس

از ائمہ یہ کہ بعض قاری جو قراءت حاصل کرتے ہیں تو ان کی تحصیل میں یہاں تک غلو کرتے ہیں کہ شاذ قرائتیں حاصل کرتے ہیں۔ اور ان کی عمر کا بڑا حصہ جمع و تصنیف میں ضائع ہو جاتا ہے۔ پھر ان شاذ قرائتوں کو پڑھتے ہیں۔ اور اس سے ان کو فرائض و واجبات پہنچانے کی فرصت نہیں ملتی۔ چنانچہ تم دیکھو گے کہ اکثر ایک شخص مسجد کا امام ہے اور لوگ دور دور سے قراءت کے واسطے اس کی طرف سفر کرتے ہیں۔ لیکن وہ ایسے چند احکام بھی نہیں جانتا کہ جن سے نماز فاسد ہوتی ہے اور بسا اوقات یہ ہوتا ہے کہ جب وہ مرجع عام ہو گیا تو اس کی چاٹ اس کو ابھارتی ہے کہ وہ بعض واقعات میں عالم بن کر فتویٰ دے دیتا ہے۔ اگرچہ (اس طرح فتویٰ دینا) مذہباً جائز نہیں ہوتا۔ لیکن اس کو جہالت کی آنکھ سے نہیں سو جھتا کہ یہ کس کا مرتبہ ہے۔ اگر یہ لوگ غور کرتے تو جان لیتے کہ قراءت سے مقصود یہ ہے کہ قرآن مجید حفظ کرے ٹھیک مخرج سے۔ پھر اس کو سمجھے۔ پھر اس پر عمل کرے۔ پھر ایسی چیز پر متوجہ ہو جو معارف قرآن میں سے اس کے نفس کی اصلاح اور اس کے اخلاق کو پاک کرے۔ پھر شرع کے دیگر اہم امور کی طرف متوجہ ہو اور کھلا خسارہ یہی ہے کہ جس امر کو زیادہ اہم جانے اس کو چھوڑ کر دوسرے کام میں مشغول ہو۔ حسن بصری نے فرمایا کہ قرآن اس لئے اتر ا تھا کہ اس پر عمل کیا جائے۔ پھر لوگوں نے اب اس کی تلاوت کو کام بنا لیا یعنی لوگ فقط

تلاوت کے ہو رہے اور اس پر عمل کرنا چھوڑ دیا۔

از انجملہ یہ کہ قاری محراب میں شاذ قراءت پڑھتا ہے اور مشہور چھوڑ دیتا ہے حالانکہ علماء کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ اس شاذ قراءت سے نماز صحیح نہیں ہوتی۔ اس قاری کا مقصود اس سے یہ تھا کہ ایسی عجیب و غریب چیز ظاہر کرے تاکہ لوگ اس کے قاری ہونے کی تعریف کریں اور اس پر متوجہ ہوں۔ اور وہ اپنے زعم میں مغرور ہے کہ میں قرآن میں متشابہل ہوں۔

از انجملہ بعض قاری قراءت کو جمع کرتے ہیں، کہتے ہیں، ملک ملک ملک ملاک۔ حالانکہ یہ جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اس سے نظم قرآن میں خلل پڑتا ہے۔ اور بعض سجدات و تہلیلات و تکبیرات کو جمع کرتے ہیں اور یہ مکروہ ہے۔

از انجملہ قاریوں نے یہ دستور کر لیا ہے کہ ختم (قرآن) کی رات کثرت سے روشنی کرتے ہیں گویا مال کی بربادی اور مجوسیوں کی مشابہت کے علاوہ رات میں مردود و عورتوں کو فتنہ کے لئے جمع کرنے کا سبب نکالتے ہیں۔ ایلس ان کو سمجھاتا ہے کہ اس سے دین کی رونق و عزت ہے اور یہ مکر عظیم بہت جگہ پھیلاتا ہے۔ حالانکہ دین کی عزت تو ایسے امور کو عمل میں لانے سے ہوتی ہے جو شرع کی رو سے جائز ہیں۔

از انجملہ بعض قاری ایسے شخص پر قرات کا دعویٰ کرنے میں دلیری کرتا ہے جس سے اس نے نہیں پڑھا۔ اور کبھی اس کو اجازت ہوتی ہے تو کہتا ہے کہ خبرنا حالانکہ یہ تدلیس (ملع کاری) ہے۔ اور اس کو کار خیر جانتا ہے۔ اور یہ بھول جاتا ہے کہ اس کا یہ قول دروغ ہے تو اس پر جھوٹوں کا گناہ لکھا جائے گا۔

از انجملہ یہ کہ مفری دو یا تین (شیوخ) سے حاصل کرتا ہے۔ اور جو کوئی آتا ہے اس سے بیان کرتا ہے اور قلب اس کے حفظ کی برداشت نہیں رکھتا تو اپنے خط سے لکھتا ہے کہ مجھ سے فلاں شخص نے فلاں کی قرات سے پڑھایا۔ بعض محققین کہتے ہیں کہ دو یا تین کو جمع کرنا چاہیے کہ ایک سے اخذ کریں۔

از انجملہ یہ کہ قراء میں ایسے لوگ ہیں جو کثرت قرات سے ممتاز ہیں۔ میں نے ان حافظیوں کے بعض مشائخ کو دیکھا کہ وہ لوگوں کو جمع کرتے اور ایک جید شاگرد کو منتخب کرتے، وہ تمام دن گرمی میں تین ختم پڑھتا۔ پھر اگر اس نے پورے کر لئے تو ہر طرف سے واہ واہ ہوئی۔ عوام وہاں جمع ہوتے ہیں اور اس کی تعریف کرتے ہیں۔ اور اگر تین ختم اس بڑے دن میں نہ ہو سکے تو اس پر عیب لگاتے ہیں۔ ایلس ان کو دکھلاتا ہے

کہ یہ کثرت قراءت بڑے ثواب کی بات ہے۔ اور یہی اس کی تیس ہے۔ اس لئے کہ قرات تو خالص اللہ تعالیٰ کے واسطے چاہیے نہ کہ لوگوں کی تعریف کے لئے اور وہ بھی آہستگی سے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "لنقرأہ علی الناس علی مکث (بنی اسرائیل پ ۱۵ آیت ۱۰۶) تاکہ اے محمد ﷺ تو اس کو لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کے پڑھے۔ اور فرمایا رتل القرآن ترتیلاً۔ قرآن کو ترتیل سے تلاوت کرو۔

از انجملہ قراء کی ایک جماعت نے الحان (راگنی) سے قرات نکالی ہے جو حدی کے قریب ہے۔ اور اگر حدی کے قریب ہو تو اس میں اختلاف ہے۔ احمد بن حنبل وغیرہ نے اس کو مکروہ رکھا اور شافعی نے کراہت نہ کی۔ چنانچہ ایک روایت میں جس کی سند امام شافعی تک پہنچتی ہے فرمایا کہ حدی سننا اور اعراب کے ہانک سننا تو مضائقہ نہیں۔ الحان کی قرات میں اور خوب آواز بنانے میں مضائقہ نہیں ہے۔ مصنف نے کہا کہ شافعی نے اس صورت کی طرف اشارہ کیا جو ان کے زمانہ میں تھی۔ اور اس وقت لوگ خفیف لحن کرتے تھے۔ اور اب ہمارے زمانے میں تو اس کو راگنی کے اصول و موسیقی قواعد پر لائے ہیں اور جہاں تک راگنی سے قریب ہو اسی قدر کراہت زیادہ ہو گی۔ اس لئے کہ قرآن کو اپنے حدود وضع سے نکالنا حرام ہے۔

از انجملہ یہ ہے کہ بہت سے قراء (حافظ) گناہوں پر جرات کرتے ہیں جیسے غیبت کرنا اور نظر بد سے دیکھنا یا کہ اکثر اس سے بھی زیادہ گنہگاری میں بڑھ جاتے ہیں۔ اور اس اعتقاد کی بناء پر کہ حفظ قرآن ان سے عذاب دور رکھتا ہے یہ حجت لاتے ہیں کہ قرآن اگر چمڑے میں ہو تو وہ نہ جلے گا۔ یہ بھی ان جاہلوں پر ابلیس کا فتنہ ہے۔ کیونکہ جاننے والے کا جس طرح درجہ بڑا ہے اسی طرح اس کا عذاب بھی نہ جاننے والے سے زیادہ ہے کیونکہ علم زیادہ ہونے سے حجت زیادہ قوی ہو گی۔ اور یہ دعویٰ کہ قاری سے حفظ قرآن عذاب دور کرے گا تو یہ دوسرا گناہ ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا افمن یعلم انما انزل الیک الایہ یعنی جس شخص کو معلوم ہے کہ جو تجھ پر نازل ہوا وہ حق ہے کیا وہ اندھے کی مثل ہے یعنی جاننے والا افضل ہے۔

اور انکار میں عذاب شدید ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ﷺ کی ازواج مطہرات کے حق میں فرمایا کہ من یات منکن بفاحشہ یعنی تم میں جس عورت نے کوئی گناہ کیا تو اس پر عذاب دوچند کیا جائے گا۔

معروف کرنی سے روایت ہے کہ بحر بن جیش نے کہا کہ جہنم میں ایک ہیلان

ہے جس سے دوزخ ہر روز سات مرتبہ پناہ مانگتی ہے اور اس بیلبان میں ایک غار ہے جس سے جہنم و بیلبان و غار ہر روز سات مرتبہ پناہ مانگتے ہیں اور اس غار میں ایک سانپ ہے جس سے جہنم و بیلبان و غار ہر روز سات مرتبہ پناہ مانگتے ہیں۔ تو حاملان قرآن میں سے جو لوگ فاسق تھے یہ سانپ ان کے واسطے نکلے گا اور انہیں سے ابتدا کرے گا تو یہ لوگ کہیں گے کہ اے رب تو نے بت پرستوں سے پہلے ہمارے واسطے ابتدا کی تو ان سے کہا جائے گا کہ جو جانتا ہے وہ نہ جاننے والے کے مثل نہ ہو گا۔ مصنف نے کہا کہ ہم قرائت کے متعلق اسی قدر نمونے پر اکتفا کرتے ہیں۔

محمد شین پر تلبیس ابلیس کا بیان

ازال جملہ یہ کہ بہت سے لوگوں نے اپنی عمریں حدیث کے سننے میں اور سفر کرنے میں اور طریق کثیرہ جمع کرنے میں اور اسانید عالیہ کی خواہش میں اور متون غریبہ جمع کرنے میں صرف کر ڈالیں۔ یہ لوگ دو قسم کے ہیں۔

(قسم اول) وہ لوگ جنہوں نے حفاظت شریعت کا قصد کیا۔ اس طریقہ سے کہ ضعیف اور باطل روایتوں سے صحیح حدیثیں پہچانی جائیں۔ تو یہ لوگ اس نیت پر شکر گزاری کا ثواب پائیں گے، لیکن اس زمانہ میں یہ بات ضرور ہے کہ ابلیس نے ان پر مشتبہ کر دیا تو وہ اس کام میں فرض عین سے غافل ہو گئے یعنی کیا بات ان پر واجب ہے۔ اور اس لازم میں اجتہاد نہ کیا اور نہ حدیث سے فقہ و معرفت حاصل کی۔ اگر کہو کہ اگلوں میں بہت مخلوق ایسی ہو گزری ہے جنہوں نے اسی طرح سفر کیا۔ اور طرق جمع کرنے میں کوشش کی جیسے یحییٰ ابن معین اور امام بخاری و مسلم وغیرہ (جواب) یہ کہ نہیں بلکہ ان لوگوں نے حدیث و طرق اسانید وغیرہ کے ساتھ مہمات امور دین فقہ کو بھی جمع کیا۔ اور آسانی اس وقت یہ تھی کہ اسانید دو چار راویوں سے پوری ہوتی تھیں۔ اور حدیث تھوڑی تھیں تو ان کی عمر نے دونوں کاموں کے واسطے کفایت کی اور اب ہمارے زمانے میں اسناد طول طویل ہو گئی اور تصانیف وسیع و کثرت کے ساتھ ہو گئیں جو حدیثیں کسی ایک کتاب میں ہیں وہ دوسری میں نہیں ہیں۔ اور اسانید مختلف ہیں تو بہت ہی مشکل ہے کہ کوئی دونوں باتیں جمع کر لے۔ چنانچہ تم دیکھتے ہو کہ محدث پچاس برس تک دور دراز سفر سے لکھتا سنتا اور جمع کرتا رہتا ہے اور یہ نہیں جانتا کہ ان میں کیا احکام ہیں۔ اگر اس کی نماز میں کوئی حادثہ پیش آیا تو اپنے بعض نوجوان شاگردوں سے جو

فقہ پڑھ کر اس کے پاس حدیث سننے جاتے تھے ان سے پوچھتا ہے کہ کیا حکم ہے۔ اور اسی قسم کے محدثوں سے لوگوں کو یہ گنجائش ملی کہ محدثین پر طعن کرتے ہیں کہ وہ محض کتابوں کے ڈھیر ہیں نہیں جانتے کہ ان کے پاس کیا ہے اور اگر ان میں سے کسی نے زیادہ جرات کر کے عمل کرنے کا قصد کیا تو ہمارا وقت حدیث منسوخ پر عمل کرنے لگتا ہے جو عامی اور جاہل سمجھتا ہے۔ حالانکہ وہ معنی ہرگز حدیث میں مراد نہیں ہے مثلاً ہم کو روایت پہنچی کہ اس زمانے کے بعض محدثین نے رسول اللہ ﷺ سے یہ حدیث روایت کی کہ آپ نے منع کیا کہ آدمی اپنا پانی دوسرے کو کھیتی میں سینچے تو اس کے شاگرد حاضرین و سامعین نے کہا کہ ہم لوگ تو اپنے باغات سے بچے ہوئے پانی کو اپنے پڑوسیوں کے باغات و کھیت میں رواں کر دیتے تھے۔ اور اب ہم اللہ تعالیٰ سے توبہ کرتے ہیں کہ ایسا نہ کریں گے۔ گویا نہ محدث صاحب سمجھے اور نہ شاگرد سننے والے سمجھے۔ صحیح معنی یہ ہیں کہ جہاد میں قیدی عورتوں سے جو حاملہ ہوں ان سے وطی نہ کی جائے یہ معنی کسی کو سمجھ میں نہ آئے۔

خطابی نے کہا کہ ہمارے بعض مشائخ نے حضرت علیؓ کی یہ حدیث روایت کی تھی عن الحلق قبل الصلوہ يوم الجمعة۔ شیخ نے اس کو حلق بمکون لام پڑھا بمعنی سر منڈانا اور مجھے خبر دی کہ میں نے تو چالیس سال سے کبھی جمعہ کی نماز سے پہلے سر نہیں منڈایا ہے تب میں نے عرض کیا کہ یہ تو حلق بالکسر و فتح لام جمع حلقہ ہے۔ اور مطلب یہ کہ جمعہ کی نماز سے پہلے مذکرہ و علم کے واسطے مسجد میں حلقہ نہ بنائیں۔ بلکہ خطبہ و نماز کے واسطے خاموش رہیں۔ شیخ نے مجھ سے فرمایا کہ تو نے اس مشکل سے مجھے آسانی دی۔ اور یہ شیخ مرد صالح تھے۔

ابن صاعد محدثین میں کبیر القدر تھے۔ چونکہ فقہیاء سے ان کا اختلاط کم رہا تھا اس لئے فتویٰ کا جواب انہیں سمجھتے تھے۔ حتیٰ کہ ابو جبر الابرہی الفقیہ نے نقل کیا کہ میں یحییٰ بن محمد بن صاعد کے پاس بیٹھا تھا کہ اتنے میں ایک عورت نے آکر عرض کیا کہ ایہا الشیخ آپ کیا فرماتے ہیں کہ کنوئیں میں ایک مرغی گر کر مر گئی ہے کیا پانی پاک ہے یا نجس؟ ابن سعد نے کہا کہ کنوئیں میں کیسے مرغی گری؟ اس نے کہا کہ کنواں ڈھکا ہوا نہ تھا۔ ابن صاعد نے فرمایا کہ تو نے کیوں ڈھکا نہ رکھا کہ مرغی نہ گرتی۔ تب ابرہی نے اس عورت سے کہا کہ اے نیک مخت اگر کنوئیں کا پانی دو قلوں کی مقدار تھا اور اس میں مرغی گرنے سے کچھ تغیر نہیں ہوا تو پاک ہے ورنہ ناپاک۔

مصنف نے کہا کہ ان شاہین نے حدیث میں بہت سی کتابیں تصنیف کیں چھوٹی سے چھوٹی ایک جزء کی اور بڑی سے بڑی ایک تفسیر ہے جو ایک ہزار جزء پر مشتمل ہے۔ لیکن وہ علم فقہ سے ناواقف تھے۔ بعض محدثین کی یہ کیفیت ہوئی کہ انہوں نے جرات کو جھوٹ سچ فتویٰ دے دیا تاکہ ایسا نہ ہو لوگ اس کو فقہ سے نادان سمجھنے لگیں۔ تو ان میں سے بعض کا انجام یہ ہوا کہ ان کا غلط فتویٰ لوگوں کا مضحکہ ہو گیا چنانچہ بعض کے پاس میراث کا ایک فتویٰ پیش کیا گیا یعنی مثلاً فلاں میت کے اس قدر وارث ہیں (کس طرح تقسیم کی جائے) تو محدث صاحب نے اس کے جواب میں یہ عبارت لکھی کہ اللہ تعالیٰ کے فرائض کے موافق تقسیم کر لیں۔

ابراہیم الحرمی نے کہا کہ مجھے خبر پہنچی کہ علی بن داؤد ظاہری کے پاس ایک عورت آئی۔ وہ اس وقت حدیث روایت کرتے تھے۔ اور مجلس میں قریب ہزار آدمیوں کے جمع تھے۔ اس عورت نے پوچھا کہ میں نے اپنی ازار کو صدقہ کرنے کی قسم کھائی ہے۔ شیخ نے فرمایا کہ تو نے کتنے کو خریدی ہے اس نے کہا کہ بائیس درہم کو، تو فرمایا کہ بائیس روزے رکھ لے۔ جب وہ واپس ہو گئی تو کہنے لگے آہ قسم خدا کی اس کو جواب دینے میں ہم سے غلطی ہوئی۔ ہم نے اس کو کفارہ ظہار کا حکم دے دیا۔ مصنف نے کہا کہ ان فضیلتوں کو دیکھو ایک تو فضیلت جمالت ہے اور دوسری فتویٰ دینے کی جرات وہ بھی اس خلط ملط کے ساتھ۔ واضح ہو کہ عموماً محدثین نے ان الفاظ کو جو صفات باری تعالیٰ کے متعلق وارد ہوئے ہیں۔ اپنی حس کے مطابق محمول کر لیا تو مشبہ بن گئے اس کی وجہ یہ ہوئی کہ انہوں نے فقہاء سے میل نہیں رکھا۔ تاکہ ان کو معلوم ہوتا کہ کیونکر محکم پر تشبہ کو محمول کرنا چاہیے ہم نے اپنے زمانے میں بہت سے محدثین دیکھے جو بچثرت کتب جمع کرتے اور بہت سنتے ہیں (ان کو کثرت سماع حاصل ہے) لیکن ما حاصل کچھ نہیں سمجھتے ہیں۔ بلکہ ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ قرآن یاد نہیں رکھتے اور نماز کے ارکان تک نہیں جانتے۔ پس ان کے حق میں تلمیس ابلیس یہ ہے کہ فرض کو چھوڑ کر اپنے زعم کے موافق فرض کفایہ میں مشغول ہوتے ہیں۔ اور جو امر مهم تھا اس کو چھوڑ کر غیر مهم (غیر اہم) کو اختیار کرتے ہیں۔

(قسم دوم) ایسے محدث ہیں جو بہت کثرت سے مشائخ سے حدیث سماعت کرتے ہیں لیکن ان کا قصد ٹھیک نہ تھا۔ اور نہ ان کی یہ غرض تھی کہ طریق جمع کر کے صحیح کو غیر صحیح سے اختیار کر سکیں۔ بلکہ یہ مقصود تھا کہ عالی اسانید حاصل کر سکیں اور

غرائب روایت جمع کریں اور ملک در ملک پھریں تاکہ ان کو یہ کہنے کا فخر موقع ملے کہ میں فلاں شیخ سے ملا تھا اور جو میری اسانید ہیں وہ کسی کی نہیں ہیں اور جو عجیب و غریب حدیثیں میرے پاس ہیں وہ کسی کے پاس نہیں ہیں بغداد میں ایک طالب حدیث داخل ہوا۔ وہ شیخ کو لے جا کر رقبہ میں بٹھلاتا تھا یعنی اس باغ میں جو درجہ کے دونوں کنارے چلا گیا اور شیخ کو حدیث سناتا تھا۔ پھر اپنے مجموعہ میں یوں لکھتا کہ مجھ سے رقبہ میں فلاں فلاں شیخ نے حدیث بیان فرمائی۔ اس سے وہ لوگوں کو وہم میں ڈالتا کہ رقبہ سے وہ شہر مراد ہے جو ملک شام کی طرف ہے تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ اس محدث نے طلب حدیث میں دور دراز سفر کئے ہیں۔ اسی طرح اپنے شیخ کو لے جا کر نہر عیسیٰ و فرات کے درمیان بٹھلا کر حدیث سناتا اور مجموعہ میں لکھتا کہ مجھ سے فلاں شیخ نے ماوراء النہر میں یہ حدیث بیان کی تاکہ لوگ وہم میں پڑیں کہ اس نے طلب حدیث میں خراسان کے پار ہو کر ماوراء النہر میں یہ حدیث سنی۔ اور یوں لکھتا کہ مجھ سے فلاں نے میرے سفر دوم میں اور فلاں نے میرے سفر سوم میں حدیث بیان فرمائی۔ تاکہ لوگ جانیں کہ طلب علم میں اس نے کس قدر تعب اٹھایا ہے۔ لیکن اس طالب علم کو برکت حاصل نہ ہوئی۔ بلکہ طالب علمی ہی کے زمانے میں مر گیا۔

مصنف نے کہا کہ یہ سب باتیں خالص نیت سے بہت دور ہیں۔ بلکہ ان لوگوں کی غرض فقط سرداری (ٹھیکیداری) اور فخر عالمانہ ہے۔ اسی وجہ سے شاذ اور غریب حدیثوں کی جستجو کرتے رہتے ہیں۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی جزء ان کے ہاتھ لگ گیا جس میں ان کے مسلمان بھائی نے اپنا سماع درج کیا ہے تو اس کو چھپا ڈالتا ہے۔ تاکہ میں ہی اس کی روایت میں متفرد ہو جاؤں۔ حالانکہ وہ مر جاتا ہے اور کچھ بھی روایت نہیں کرنے پاتا۔ تو دونوں کے ہاتھ سے جاتا ہے۔ اور کبھی ان میں سے بعض فقط اس لئے دور دراز سفر کر کے کسی ایسے شیخ کے پاس جاتا ہے جس کے نام کے اول میں واویا کاف ہے۔ تاکہ اپنے مشائخ کے ذکر میں اس حرف کے نام کو بھی ذکر کرے۔ اور سوائے اس کے کچھ غرض نہ تھی۔

مجملہ تیسویں باب کے جو اصحاب الحدیث پر ہے یہ کہ اپنے جی کو تشفی دینے کیلئے ایک دوسرے پر قدح و طعن کرتے ہیں۔ اور اس کو بجائے اس جرح و تعدیل کے قرار دیتے ہیں جو اس امت کے قداماء نے استعمال کیا تھا۔ تاکہ شریعت سے جھوٹوں کی تخلیط کو دور کریں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو ہر ایک کی نیت کا حال خوب معلوم ہے۔ ان کی

بدنیتی اسی سے ظاہر ہے کہ جس سے ان کو خوش پسندی ہے اس سے سکوت کرتے ہیں۔ قدماء کا یہ حال نہیں تھا۔ چنانچہ علی بن المدینی اپنے باپ سے حدیث روایت کرتے۔ پھر کہہ دیتے کہ شیخ کی حدیث کی جو حالت ہے وہ (ظاہراً) ہے۔ (بلکہ صاف کہہ دیتے کہ وہ ضعیف ہیں) یوسف بن الحسین کہتے ہیں کہ میں نے حارث مجاہلی سے غیبت کو پوچھا تو فرمایا کہ خبردار اس سے بہت چمکا۔ یہ نہایت بری کمائی ہے۔ تو ایسی چیز سے کیا امید رکھتا ہے جس کی شامت سے تیری نیکیاں چھین کر تیرے مدعی دشمن اس سے راضی کئے جائیں کیونکہ وہاں نہ درہم ہیں نہ دینار ہیں۔ تو اس سے پرہیز رکھ۔ اور اس کا منع پہچان لے اس طرح کہ غیبت کا منع جو مغرور و جاہل لوگ ہیں وہ تو اپنے غیظ کو اور جاہلانہ حمیت کو تسکین دیتے ہیں۔ اور حسد و بدگمانی سے غیبت کرتے ہیں اور اس کی برائی کچھ چھپی نہیں ہے۔ رہے علماء تو ان میں غیبت کا منع ان کے نفس کا دھوکا ہے۔ کہ تم جو فلاں کی برائی کرتے ہو تو اظہار نصیحت ہے۔ اور ایک روایت پر اعتماد کرتے ہیں۔ اگر اس کے معنی جو یہ لوگ سمجھتے ہیں یہ ہوتے تو کبھی ان کے لئے غیبت پر مددگار نہ ہوتے۔ اور وہ روایت یہ ہے کہ تم ایسے شخص کے ذکر سے کیوں منہ موڑتے ہو جس میں فساد ہے اس سے اور اس کی برائی بیان کرنے سے باز نہ رہو تاکہ لوگ اس سے احتراز کریں۔ یہ روایت اگر صحیح محفوظ ہوتی تو کبھی اس کے ذریعے سے بے پوچھے کسی مسلمان بھائی پر تشنیع عائد نہ ہوتی۔ اور اگر تاویل ہو تو یہی کہ جب تجھ سے مثلاً کوئی نیک صلاح پوچھنے آیا کہ میں چاہتا ہوں کہ اپنی لڑکی فلاں شخص سے بیاہ دوں اور مجھے معلوم ہے کہ وہ شخص بدعتی ہے یا بدکار فاجر ہے۔ جس پر مسلمانوں کی حرمت پر بے خونی نہیں ہے۔ تو تجھے چاہیے کہ کسی حسن تدبیر سے اس کو اس ارادے سے روک دے یا کسی حیلہ سے اس معاملہ کو ملتوی کر دے۔ اسی طرح دوسرا آیا اور کہا کہ میرا ارادہ ہے کہ میں سفر کر جاؤں اور اپنا مال فلاں شخص کے پاس امانت رکھ دوں اور تجھے معلوم ہے کہ یہ شخص امانت رکھنے کے قابل نہیں ہے تو چاہیے کہ اس کو اچھی تدبیر سے اس ارادے سے روک دے۔ اسی طرح اگر کسی نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ فلاں شخص کو اپنا امام بناؤں یا کسی علم میں اپنا استاد بناؤں اور وہ امامت یا استادی کے قابل نہیں ہے تو اچھی تدبیر و حیلہ سے اس کو اس خیال سے پھیر دے۔ یہ نہیں ہونا چاہیے۔ کہ اس کو غیبت کر کے اپنا دل ٹھنڈا کر دے۔ رہا حافظوں و عابدوں میں غیبت کا منع تو ازراہ خود پسندی ہوا کرتا ہے کہ پہلے اپنے مسلمان بھائی کے عیب کھولتا ہے پھر پیٹھ پیچھے اس کے واسطے دعا کرتا ہے۔

تاکہ اس بناوٹ سے غیبت معلوم نہ ہو تو گویا پہلے اس کا گوشت نوچ کھایا پھر اس کی جگہ ظاہری دعا سے پیوند لگایا۔ رہا رُساء و استاذ و زہاد میں غیبت کا منبع تو وہ براہ اظہار شفقت و رحم ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ کہتا ہے کہ فلاں مسکین فلاں امر میں مبتلا ہوا۔ اور فلاں امتحان میں ڈالا گیا۔ اللہ تعالیٰ ہم کو خواری سے چائے۔ پس پہلے تو بناوٹ سے اس پر رحم و شفقت ظاہر کرتا ہے۔ پھر بھائیوں کے سامنے اس کے لئے بناوٹ سے دعا کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے اس کو تمہارے سامنے اس لئے ظاہر کیا کہ تم اس کے واسطے بہت دعا کیا کرو۔ ہم پناہ مانگتے ہیں کہ غیبت کسی حیلہ سے ہو یا صریح ہو پس غیبت سے پرہیز کریں کیونکہ نص قرآن سے حرام ہے لقولہ تعالیٰ - ایحب احدکم ان یا کل لحم اخیه میتا فکرمتموہ - (الحجرات پ ۲۶ آیت ۱۲) حضرت ﷺ سے اس کی حرمت میں بھڑت حدیثیں وارد ہیں۔

مجملہ تلمیس ابلیس کے علماء محدثین پر یہ ہے کہ موضوع حدیث روایت کرتے ہیں بدون اس کے کہ اس کو موضع ظاہر کریں۔ اور یہ ان کی طرف سے شرع کا جرم ہے۔ اس سے ان کی غرض یہ ہے کہ ان کی حدیثیں رائج ہوں اور یہ مشہور ہو کہ یہ محدث کثیر الروایت ہیں حالانکہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس نے مجھ سے ایسی بات روایت کی کہ جس کو جھوٹ جانتا ہے تو وہ دونوں میں سے ایک جھوٹا ہے یا جھوٹوں میں سے ایک جھوٹا۔ اسی قسم سے روایت میں ان کی تدلیس ہے۔ چنانچہ ان میں ایک یہ کہتا ہے کہ حدثنی فلاں عن فلاں یعنی مجھے فلاں شخص نے فلاں بزرگ سے اور اس نے فلاں بزرگ سے روایت کی یعنی اس نے فلاں بزرگ کو تو پایا نہیں لیکن اس طرح میان کیا جس سے شبہ ہوتا ہے کہ میں نے فلاں بزرگ کو پایا۔ یا یوں کہا کہ فلاں سے نقل کیا۔ اس سے وہم دلایا کہ مجھ سے فلاں نے روایت کی ہے۔ حالانکہ اس سے سنا نہیں ہے اور یہ حرکت قبیح ہے اس لئے کہ اس نے منقطع کو متصل بنا دیا بعض محدث کو دیکھو کہ ضعیف و کذاب سے روایت کرتا ہے تو چھپانے کے لئے اس کا نام نہیں لیتا بلکہ کبھی تو اس کا دوسرا نام بدل دیتا ہے اور کبھی اس کی وہ کنیت بیان کرتا ہے جو معروف نہیں ہے۔ اور کبھی خود اس کی کنیت (مثلاً ابو زید) گھڑ لیتا ہے۔ اور کبھی اس کے باپ کا نام چھوڑ کر اس کے دادا کا نام جائے باپ کے بیان کرتا ہے۔ اس سے غرض یہ کہ وہ کذاب پہچانا نہ جائے یہ بھی شرع مطہرہ کا جرم ہے اس لئے کہ ایسے ذریعہ سے حکم ثابت کیا جس سے ثابت نہیں ہوتا۔ ہاں اگر یہ شخص ثقہ ہو اور اس کو دادا کی طرف منسوب کر دیا

(جیسے محمد بن یحییٰ بن فارس کو محمد ابن فارس کہایا فقط ابو یحییٰ کنیت بیان کی) تاکہ بظاہر یہ معلوم ہو کہ اس نے اس سے مل کر روایت کی ہے۔ یا جس سے روایت کرتا ہے وہ راوی کے مرتبہ میں ہو تو اس کے نام سے روایت میں شرم کر کے ایسا کر لے تو یہ بھی طریقہ ثواب سے دور ہے۔ لیکن فقط مکروہ ہے بشرطیکہ جس سے روایت کی وہ ثقہ ہو (یعنی یہ نہ ہو کہ جس سے روایت کی وہ ضعیف ہو اور اس تلبیس سے دوسرے ثقہ راوی کے نام سے مشتبہ کر دیا کیونکہ یہ حرام ہے۔

فقہاء پر تلبیس ابلیس کا بیان

قدیم زمانہ اسلام میں فقہاء ان لوگوں کو کہتے تھے جو قرآن و حدیث کے عالم ہوتے (یعنی اس میں ان کو طریقہ اجتہاد کی سمجھ ہوتی تھی) پھر برابر گھٹتے گھٹتے متاخرین تک پہنچ کر یہ رہ گیا کہ متاخرین نے کہا کہ ہم کو قرآن میں سے خالی وہ آیتیں کافی ہیں۔ جن سے کوئی حکم نکلتا ہے۔ اور حدیث میں سے فقط مشہور کتابیں مانند سنن ابو داؤد وغیرہ کے کافی ہیں۔ پھر اس میں بھی زیادہ سستی کر دی۔ حتیٰ کہ بعض شخص فقیہ بن کر ایسی آیت سے استدلال کرتا ہے جس کے معنی خود بھی نہیں جانتا۔ اور ایسی حدیث سے استدلال لاتا ہے جس کو آپ نہیں جانتا کہ صحیح ہے یا نہیں اور اکثر یہ کرتا ہے کہ حدیث صحیح کے معارضہ میں قیاس لاتا ہے۔ اور اس کو یہ بھی نہیں معلوم کہ میں نص حدیث سے معارضہ کرتا ہوں۔ کیونکہ وہ علم نقل کو کم تر پہچانتا ہے۔ فقہ کا مدار تو یہ تھا کہ قرآن و حدیث سے استنباط کرے۔ پھر یہ کیونکر فقیہ ہو گا۔ جس کو علم قرآن و حدیث میں تمیز ہی نہیں ہے۔

مجملہ قبائح کے یہ ہے کہ ایک حکم کو ایک حدیث کے حوالے پر ثابت کرتا ہے اور یہ نہیں جانتا کہ وہ حدیث صحیح ہے کہ نہیں۔ اور بے شک اس امر کے پہچاننے میں آدمی کو مشقت شدید و سفر طویل کی ضرورت تھی لہذا اس بارہ میں کتابیں تصنیف ہو گئیں اور حدیثیں سب انتخاب کر دی گئیں اور صحیح و سقیم کو علیحدہ کر دیا گیا۔ پھر بھی متاخرین کو یہاں تک کسل سوار ہو کر علم حدیث کے بعض الفاظ کی نسبت جو صحاح میں وارد ہوئے ہیں یہ کہتے ہیں کہ یہ الفاظ ممکن نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمائے ہوں اور دیکھا کہ وہ کسی مسئلہ میں حجت لاتے وقت کہتے ہیں کہ ہماری دلیل وہ حدیث ہے جو ہمارے بعض فقیہ نے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ کہا اور خصم کی دلیل حدیث

صحیح کے جواب میں کہتا ہے کہ ہم اس کے جواب میں یہ کہیں گے کہ یہ حدیث پہچانی نہیں جاتی ہے۔ یہ سب اسلام پر ظلم اور شریعت کی خیانت ہے۔

مجملہ تلمیس ابلیس کے جو فقہاء پر ہے ایک یہ کہ ان کا پورا اعتماد علم جدال (مناظرہ) کے حاصل کرنے پر ہے اپنے زعم میں وہ اس فن سے حکم پر دلیل کی تصحیح نکالتے اور شرع کے دقائق ڈھونڈتے اور مذاہب کی علتیں تلاش کرتے ہیں اور اگر ان کا یہ دعویٰ صحیح ہوتا تو سب مسائل میں اسی طرح مشغول ہوتے۔ لیکن وہ تو فقط بڑے مسائل میں مشغول ہوتے ہیں تاکہ ان میں کلام کرنے کی گنجائش وسیع حاصل ہو اور ان میں مناظرہ کرنے والا لوگوں کے نزدیک نظری خصوصیت میں پیشوا گنا جائے۔ پس ان میں سے ہر ایک کی کوشش یہ ہے کہ جدال و جھگڑے اور تفتیش کو مرتب کرے اور نفس کو آمادہ کرتا رہے کہ وہ خصم کی ہر بات میں نفیض نکالے اور اس سے غرض فقط دنیاوی فخر و ناموری ہے حالانکہ ان میں بہت ایسے ہیں جو ایک خفیف اور چھوٹے سے مسئلہ میں وہ حکم نہیں جانتے جس کی عام لوگوں میں ضرورت ہے۔ مجملہ تلمیس ابلیس کے فقہاء پر یہ ہے کہ جدل کے فن میں فلاسفہ کے قواعد داخل کرتے اور ان پر اعتماد کرتے ہیں۔ یعنی جس وضع پر لزوم و عکس و تناقض وغیرہ انہوں نے قطعی بتائے ہیں ان کو یہاں جزئیات شرع میں لاتے ہیں۔

ازال جملہ یہ کہ حدیث پر قیاس کو ترجیح دیتے ہیں۔ حالانکہ اس مسئلے میں حدیث صریح دلیل موجود ہے اور یہ اس لئے کرتے ہیں کہ ان کو باہم جدال و گفتگو کرنے میں خیالی گھوڑے دوڑانے کی وسیع مجال حاصل ہو اور اگر ان کے مقابلہ میں کسی نے حدیث سے استدلال کیا تو حقیر و قابل عیب خیال کیا جاتا ہے۔ حالانکہ ادب یہ تھا کہ حدیث کو بالکل یہ مقدم کر کے اس سے دلیل لاتے ان فقہاء کی ایک کمزوری یہ ہے کہ ان کا سارا انہماک اسی غور و فکر میں ہے انہوں نے اپنے فن میں ان چیزوں کو شامل نہیں کیا ہے جن سے قلوب میں رقت پیدا ہوتی ہے مثلاً قرآن مجید کی تلاوت، حدیث و سیرت کی سماعت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات کا مطالعہ و بیان۔ سب جانتے ہیں کہ محض ازالہ نجاست اور ماء متغیر کے مسائل کے بار بار دہرانے سے قلوب میں نرمی اور خشیت پیدا نہیں ہو سکتی، قلوب کو تذکیر اور موعظ کی ضرورت ہے۔ تاکہ آخرت طلبی کی ہمت اور شوق پیدا ہو۔ اختلافی مسائل اگرچہ علوم شرعیہ سے خارج نہیں مگر حصول مقصد کے لئے کافی نہیں ہیں۔ جو سلف کے حالات اور ان کے حقائق و

اسرار سے واقف نہیں۔ اور جن کے مذہب کو اس نے اختیار کیا ہے، ان کے حالات سے باخبر نہیں وہ ان کے راستہ پر کیسے چل سکتا ہے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ طبیعت چور ہے۔ اگر اس کو اسی زمانے کے ساتھ چلنے کی کوشش کی جائے گی اور ان کا رنگ اور ان کے سے اخلاق پیدا ہوں گے۔ سلف میں سے ایک بزرگ کا مقولہ ہے کہ ایک حدیث جس سے میرے دل میں رقت پیدا ہو، قاضی شریع کے سو فیصلوں سے مجھے زیادہ محبوب ہے یہ اس لئے فرمایا کہ دل کی نرمی مقصود ہے اور اس کے اسباب ہوا کرتے ہیں۔

ازال جملہ یہ کہ ان فقہاء نے فقط علم مناظرہ پر اقتصار کیا۔ مذہبی مسائل یاد رکھنے سے منہ پھیر لیا اور باقی علوم شرعی نہیں جانتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تم فقیہ مفتی کو دیکھتے ہو اگر اس سے کسی آیت یا حدیث کی بابت دریافت کیا جاتا ہے تو وہ کچھ نہیں جانتا اور یہ عین تقصیر ہے پھر اس تقصیر سے اسے شرم کیوں نہیں آتی۔

ازال جملہ یہ کہ مباحثہ فقط اس لئے موضوع ہوا کہ جو بات ٹھیک ہے وہ ظاہر ہو جائے اور سلف کی نیت یہ ہوتی تھی کہ حق ظاہر ہو جس سے اسلام میں خیر خواہی ہے۔ اور وہ لوگ ایک دلیل کو چھوڑ کر دوسری دلیل کی طرف چلے جاتے تھے۔ اور اگر کسی سے کوئی بات رہ گئی تو دوسرا اس کو بتا دیتا کیونکہ ان کی نیت خالص یہ تھی کہ حق ظاہر ہو۔ پس ان بزرگوں کی کیفیت یہ تھی کہ اگر کسی فقیہ نے کسی واقعہ کو کسی اصل شرعی پر قیاس کیا، اور اس کی علت سمجھ گیا، جیسا کہ اس کے خیال میں ہے۔ پھر دوسرے نے اس سے کہا کہ بھلا یہ کیونکر معلوم ہوا کہ اصل میں حکم بوجہ اسی علت کے ہوا ہے تو وہ جواب دیتا کہ مجھے ایسا ظاہر ہوا ہے۔ اور اگر تم اس سے کوئی بہتر بات لاؤ تو اس کو پیش کر دو۔ یہاں معترض کہتا ہے کہ مجھ پر اس کا بیان کرنا لازم نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ہاں یہ تو سچ ہے کہ تجھ پر واجب نہیں ہے۔ لیکن بہ نظر خیر خواہی شرع و اظہار حق کے تجھ پر واجب ہے جیسے تو نے جدل کو نکالا۔

ازال جملہ ان فقہاء کی یہ کیفیت ہے کہ فریق مخالف سے مناظرہ کرنے میں بعض پر حق ظاہر ہو جاتا ہے۔ لیکن وہ حق کی طرف رجوع نہیں کرتا بلکہ دل تنگ ہوتا ہے کہ کیوں اس کے ساتھ ظاہر ہوا۔ اور بسا اوقات اس کے ساتھ حکم حق جان لینے کے بعد بھی حوث کرتا ہے کہ کسی طرح اس کو رد کر دے۔ اور یہ سب سے بدتر نتیجہ حالت ہے۔ اس لئے کہ مناظرہ اسی لئے نکالا گیا تھا کہ حق ظاہر ہو جائے۔ امام شافعی نے فرمایا کہ میں نے جس سے مناظرہ کیا پھر اس نے حجت حق سے انکار کیا تو وہ میری

نظر سے گر گیا اور اگر اس نے حجت حق کو قبول کر لیا تو مجھے اس کی طرف سے ہیبت معلوم ہوتی ہے اور جس کسی سے میں نے مناظرہ کیا تو دلیل حق کو غالب رکھا۔ اگر میں نے مقابل کے پاس دلیل حق پائی تو میں بھی اس کے ساتھ ہو گیا۔

ازال جملہ یہ کہ وہ مناظرہ سے سرداری چاہتے ہیں اور جب ایسا ہوتا ہے تو نفس میں جو سرداری کی خواہش مخفی رہتی ہے وہ ابھر آتی ہے اور جب ان میں سے کسی نے دیکھا کہ اس کے کلام میں ایسا ضعف ہے کہ اس کا مقابل غالب ہو اچاہتا ہے تو مقابلہ و جھگڑا کرنے لگتا ہے تو جب اس کے مقابل نے دیکھا کہ اس نے مجھ پر بد زبانی کی تو اس کی حمیت بھی جوش میں آ جاتی ہے۔ وہ جواب ترکی بتر کی دیتا ہے، تو مناظرہ بدل کر گالی گلوچ و جھگڑا ہو جاتا ہے (ہمارے زمانے میں یہ باتیں صاف ظاہر ہیں) (انا للہ انا الیہ راجعون)

ازال جملہ مناظرہ نقل کرنے کے حیلہ سے غیبت کا جواز نکالتے ہیں چنانچہ بعض کہتا ہے کہ میں نے اس کو یہ جواب دیا تو وہ ہند ہو گیا، اور کچھ جواب نہ دے سکا اور ایسی بات کہتا ہے کہ جس سے اپنے مقابل سے اپنے دل کی تشفی اس حجت سے حاصل کر لے۔

ازال جملہ یہ کہ ابلیس نے ان پر یہ تلمیس ڈالی ہے کہ جس کو اپنی اصطلاح میں علم فقہ کہتے ہیں پس یہی علم شرع ہے اور یہاں کوئی علم سوائے اس کے نہیں ہے۔ پھر اگر ان سے کسی محدث کا ذکر کیا گیا تو کہتے ہیں کہ وہ بیچ ہے۔ وہ کچھ نہیں سمجھتا ہے۔ اور بھول جاتے ہیں کہ حدیث ہی تو اصل ہے۔ پھر اگر ان سے وہ کلام ذکر کیا گیا جس سے دل نرم ہوتے ہیں تو کہنے لگے کہ یہ واعظوں کے کلام ہیں۔

ازال جملہ یہ لوگ اس مرتبہ پر پہنچنے سے پیشتر فتویٰ دینے پر جرات کرتے ہیں اور اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ واقعہ استفتاء میں منصوص کے خلاف فتویٰ دے دیتے ہیں۔ اور اگر مشکلات میں ذرا توقف کرتے تو ان کے لئے اولیٰ و انسب ہوتا۔ عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ نے فرمایا کہ میں نے ایک سو بیس صحابہ کو پایا کہ جب ان میں سے کسی سے کوئی حدیث دریافت کی جاتی تو وہ یہ آرزو کرتے کہ کاش میرا کوئی بھائی اس حدیث کا متکفل ہو جاتا۔ اور جب کسی سے فتویٰ پوچھا جاتا تو یہ دوسرے پر ٹالتا اور دوسرا تیسرے پر ٹالتا یہاں تک نومت آ جاتی کہ آخر والا پھر اس کو اول پر ٹالتا۔ عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ انصاری سے یہ بھی روایت ہے کہ میں نے اس مسجد میں اصحاب انصار میں سے

ایک سو پچیس صحابہ کو پایا کہ جب ان میں سے کسی سے حدیث کی درخواست کی جاتی تو وہ یہی آرزو کرتا کہ کاش میرا کوئی بھائی متکفل ہو جاتا اور جب کوئی فتویٰ پوچھا جاتا تو یہی آرزو کرتا کہ کاش میرا کوئی بھائی اس امر میں کفایت کرتا۔

مصنف نے کہا کہ ہم کو ابراہیمؑ سے روایت پہنچی ہے کہ ایک مرتبہ کسی نے ان سے مسئلہ پوچھا تو فرمایا کہ اے عزیز کیا میرے سوائے تجھے کوئی دوسرا نہیں ملا تھا۔ امام مالک ابن انسؒ نے فرمایا کہ میں نے فتویٰ دینا شروع نہیں کیا جب تک کہ میں نے ستر مشائخ سے دریافت نہ کیا تھا کہ کیا آپ کے نزدیک مجھ میں فتویٰ دینے کی لیاقت ہے، تو سب نے فرمایا کہ ہاں، تب میں نے فتویٰ دیا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ اے جناب اگر وہ بزرگوار مشائخ آپ کو اس امر سے منع کر دیتے، تو مالک رحمۃ اللہ نے کہا کہ اگر منع کرتے تو میں باز رہتا۔ امام احمد ابن حنبلؒ سے ایک شخص نے کہا، میں نے قسم کھائی ہے اور یہ یاد نہیں کہ کیسی قسم کھائی ہے تو فرمایا کہ کاش جب تو یہ جانتا کہ تو نے کیسی قسم کھائی ہے تو یہ بھی جانتا کہ میں تجھے کیونکر فتویٰ دوں گا۔

مصنف نے کہا کہ سلف صالحین کی یہ خصلت فقط اس وجہ سے تھی کہ ان کو اللہ عزوجل سے خوف و دہشت تھی۔ اور جو کوئی ان کے حالات پڑھے وہ ادب سیکھ جائے۔

مجملہ تیس ابلیس کے جو فقہاء پر ڈالی یہ ہے کہ یہ لوگ امیروں و بادشاہوں سے ملتے اور ان کے پاس گھسے رہتے ہیں۔ ان کے ساتھ مداخلت کرتے اور ان کی بدافعالی پر باوجود قدرت کے بھی ان کی خوشامد کے لئے انکار نہیں کرتے۔ بلکہ بعض اوقات ان کے واسطے ایسے امور کی اجازت دیتے ہیں جو ان کو جائز نہیں ہو سکتے ہیں، تاکہ ان کے مال دنیوی سے کچھ یہ بھی حاصل کر لیں۔ اس فتنہ حرکت سے تین شخصوں کے لئے فساد کی راہیں کھل جاتی ہیں۔ (اول) راہ تو خود اس امیر کے حق میں ہے کہ وہ زعم کرتا ہے کہ اگر میں راہ صواب پر نہ ہوتا تو فقیہ میرے طریقہ پر ضرور انکار کرتا اور میں کیونکر مصیب نہ ہوتا، حالانکہ فقیہ میرا مال کھاتا ہے۔ (دوم) عوام پر فساد کی راہ یہ ہے کہ اس رئیس کے حق میں کہتے ہیں کہ یہ بہت اچھا امیر ہے، اس کا مال بھی پاکیزہ ہے۔ اور خود بھی بزرگ ہے، اس کے افعال بھی اچھے ہیں۔ دیکھو فلاں فقیہ اس کے پاس ہمیشہ گھسار ہوتا ہے۔ (سوم) اس فقیہ پر فتنہ عظیم پر ہوتا ہے کہ اس نے اپنے دین کو دنیا کے واسطے بگاڑ دیا۔ (مترجم کہتا ہے کہ سب سے بڑا فتنہ تو اولیٰ یہی ہوا کہ علم ذلیل ہوا۔

اور دنیاوی دولت کی عزت سب عوام کی نگاہوں میں پھر گئی اس دلیل سے کہ آخرت وہم ہے ورنہ فقیہ کیوں دنیا کا طالب ہوتا اللہم غفر انک

ابلیس نے ان فقہاء پر یہ تلمیس بھی ڈالی کہ تم لوگ سلطان کے یہاں جایا کرو اور ان کو حیلہ بتا دیا (کہ دریافت کرنے پر فقیہ یہ کہتا ہے) کہ میں تو اس لئے سلطان کے یہاں جاتا ہوں کہ کسی مسلمان کی سفارش کروں۔ یہ تلمیس اس طرح کھل جاتی ہے کہ اگر جائے اس کے کوئی دوسرا جا کر سلطان سے کسی مسلمان کی سفارش کرے تو اس فقیہ کو گوارا نہیں ہوتا (بلکہ ناگوار ہوتا ہے) بلکہ اس کے حق میں کوئی بھانجی مادریتا اور عیب لگا دیتا ہے تاکہ سلطان اس کو ہانک دے۔

اسی طرح فقیہ پر ابلیس تلمیس ڈالتا ہے کہ وہ ان امراء و سلاطین کے مال سے بذریعہ انعام و نذر وغیرہ کے لے لیتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ ان اموال میں تیرا حق ثابت ہے۔ حالانکہ یہ بات خوب معلوم ہے کہ اگر یہ اموال بطریقہ حرام جمع ہوئے ہیں۔ تو اس میں سے کچھ بھی لینا حلال نہیں ہے اور اگر ان میں شبہ ہے تو بھی ترک کرنا اولیٰ ہے۔ اور اگر یہ اموال بطریق مباح جمع ہوئے ہیں تو اس میں سے فقیہ کو فقط اسی قدر لے لینا جائز تھا جس قدر دین میں اس کا مرتبہ ہے۔ تو بیت المال سے اس کو بطور خدمت کار دینی کے بقدر ضرورت ملے گا۔ اکثر اوقات اس فقیہ کو دیکھ کر عوام الناس ان اموال سے بے تکلف اس طرح لینا مباح کر لیتے ہیں جو کسی طرح مباح نہیں ہے۔

ابلیس نے علماء کی ایک جماعت پر یہ تلمیس ڈالی کہ وہ علیحدہ ہو کر عبادت میں مصروف ہوتے ہیں۔ اور سلطان سے الگ ہو جاتے ہیں تو ان کو شیطان رچاتا ہے کہ جو علماء سلطان کے یہاں آتے جاتے ہیں ان کی غیبت کریں۔ تو ان کے حق میں دو آفتیں جمع ہو جاتی ہیں، ایک تو لوگوں کی غیبت کرنا اور دوم اپنے نفس کی مدح کرنا۔ بالجملہ سلطان کے یہاں آنے جانے میں دینی خطرہ عظیم ہے۔ اس لئے کہ اکثر یہ ہوتا ہے کہ ابتداء میں نیت درست ہوتی ہے پھر ان کے انعام و اکرام اور طمع سے وہ نیت بدل جاتی ہے اور پہلے جو قصد تھا کہ مہانت نہ کرے گا اور بری باتوں سے منع کرے گا، اس پر ثابت قدم نہیں رہتا۔ حضرت سفیان الثوری کہا کرتے تھے کہ مجھے اس امر کا کچھ ڈر نہیں ہے کہ سلاطین میری اہانت کریں گے بلکہ خوف اس امر سے ہے کہ وہ میری تکریم کریں۔ تو میرا دل ان کی طرف مائل ہو جائے۔ زمانہ سلف کے علماء اپنے زمانے کے امراء سے بوجہ ان کے ظلم کے دور رہتے تھے۔ یعنی وہ لوگ خلاف شریعت کام

کرتے تو یہ صالحین ان سے دور رہتے تھے۔ تو امراء ان کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے۔ کیونکہ ان کو علماء کے فتوے و ولایت و قضاء وغیرہ کی ضرورت تھی۔ ان کے بعد ایک قوم پیدا ہوئی جن کی دنیاوی رغبت غالب ہو گئی، تو انہوں نے ایسے علوم سیکھے جن کی ضرورت امراء کو رہتی ہے (جیسے حساب کتاب وغیرہ) اور ان علوم کو امراء کے پاس خود لے گئے، تاکہ ان کی دنیا سے حصہ حاصل کریں۔ اور یہ بات آپ کو اس دلیل سے معلوم ہوگی کہ پہلے زمانہ میں امراء کو اصولی و لائٹل سننے کا شوق تھا تو لوگوں نے علم کلام ظاہر کیا۔ پھر بعض امراء کو مواظ کا شوق ہوا تو بجزرت طلبہ نے مواظ کا طریقہ حاصل کیا۔ پھر چونکہ اکثر عوام کو وعظ و قصص سننے کا شوق زیادہ ہے اسی وجہ سے واعظ دنیا میں بہت ہو گئے اور فقیہ عالم بہت کم رہ گئے۔

مجملہ تلمیس ابلیس کے فقہاء پر یہ ہے کہ بعض فقیہ مدرسہ کے وقف میں سے جو فقط وہاں کے پڑھنے پڑھانے اور کام کرنے والوں کے واسطے مشروط ہے کھایا کرتا ہے اور اسی میں مدت تک رہتا ہے حالانکہ وہ کچھ شغل نہیں کرتا۔ اور جو پڑھ چکا ہے اسی پر قناعت کرتا ہے۔ یا پڑھ کر منتہی ہو جاتا ہے کہ وقف میں سے اس کا حصہ نہیں رہتا۔ کیونکہ وہ توقف طلبہ کے واسطے مشروط ہے۔ جو علم حاصل کرتا ہو وہاں اگر وہ مدرسہ یا کارپرداز ہوتا تو اس کو روا تھا۔ کیونکہ وہ ہمیشہ اس کے کام میں مشغول رہتا ہے۔

ازال جملہ و تلمیس ہے جو بعضے نو جوان فقہ پڑھنے والوں اور فقیہ بن جانے والوں سے سنا جاتا ہے کہ اس نے بعض منہیات کی طرف پاؤں پھیلا دیئے۔ چنانچہ بعض نے لباس ریشمی پہننا شروع کیا اور سونے کی انگوٹھی پہنی۔ اور بعض نے چنگی وصول کی اور اسی قسم کے دیگر معاصی میں قدم بڑھایا۔ پھر ان لوگوں کی اس بے باکی کے اسباب مختلف ہیں چنانچہ بعض کو اصل دین ہی میں عقیدہ نہیں تھا۔ لیکن اس نے اپنا الحاد کو چھپانے کے لئے فقہ میں کچھ شغل کر لیا۔ یا یہ عرض رکھی کہ اس یہاں سے اس کو وقف سے حصہ ملے گا یا وہ سرکاری کام سے پائے گا یا مناظرہ کے نام سے دوسروں کو بھکائے گا۔ (شاید یہ دیالمرہ روافض ملاحدہ کا خفیہ ساختہ پرداختہ ہو) ان میں سے بعض کا عقیدہ تو دین اسلام میں صحیح ہے لیکن اس پر خواہش نفس نے غلبہ کیا اور اس کے پاس ایسا علم نہ تھا جو اس کو اس حرکت سے روکے کیونکہ جدل و مناظرہ نفس میں تکبر و غرور بڑھاتا ہے اور جوش میں لاتا ہے۔ انسانیت جب ہی ٹھیک ہوتی ہے جب آدمی بزرگان سلف کی خصلت و خوبی مطالعہ کرے اور ریاضت سے نفس کو مغلوب کرے۔ اور اکثر

زمانہ والوں کی حالت یہ ہے کہ وہ اس سے دور جا پڑے ہیں۔ اور ان کے نزدیک جو علم جدل و مناظرہ ہے وہ اور بھی نفس کی کج روی پر مدد دیتا ہے۔ تو لامحالہ خواہش بے روک ٹوک کے اس کے دل میں رواں ہوتی ہے۔

بعض کے خیال میں ابلیس نے یہ تلمیس ڈالی کہ تم عالم و فقیہ و مفتی ہو۔ اور علم ضرور عالموں سے عذاب الہی دور کرے گا۔ حالانکہ یہ خیال باطل ہے اور یہ منصوبہ بعید ہے۔ بلکہ ایسا نہ ہو کہ علم کے ساتھ بدکاری کرنے میں عذاب دوگنا ہو جائے۔ چنانچہ ہم نے قاری لوگوں کے حق میں اس کو بیان کر دیا ہے۔ حسن بصری نے فرمایا کہ فقیہ وہی شخص ہے جو اللہ عز و جل سے خوف رکھتا ہے۔

شیخ ابن عقیل نے کہا کہ میں نے ایک خراسانی فقیہ کو دیکھا، جس پر ریشمی لباس تھا۔ اور سونے کی انگوٹھیاں پہنے تھا۔ تو میں نے کہا کہ یہ کیا ہے۔ اس نے کہا کہ یہ سلطان کی خلعت اور دشمنوں کی جلن ہے میں نے کہا کہ نہیں اگر تو مسلمان ہے تو تیرے دشمنوں کی خوشی ہے اس لئے کہ ابلیس تیرا حقیقی دشمن ہے اور جب اس نے تجھ پر قابو پالیا تو تجھے ایسی چیز پہنائی جس کو شرع مبارک ناخوش رکھتی ہے۔ پس تو نے اپنے دشمن کو اپنے اوپر خوش ہونے کا موقع دیا۔ اور تجھ غریب کے حال پر افسوس ہے کہ تو کچھ نہ سمجھا۔ کیا سلطان نے تجھے وہ خلعت پہنایا ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ تجھے سلطان نے خلعت کیا پہنایا کہ تو نے ایمانی خلعت اتار دیا اور لائق یہ تھا کہ تیرے ذریعہ سے سلطان فسق کا خلعت اتار تا اور تو اس کو تقویٰ کا لباس پہنتا۔ لیکن خدا نے تم پر پھنکار ڈالی کہ اس طرح کام تمام کیا۔ کاش تو یہ کہتا کہ میرا یہ لباس فقط میری طبیعت کی حماقت سے ہے اور اب تو تیرا امتحان پورا ہوا۔ اس لئے کہ اس حالت سے تیرا عدول کرنا تیرے فساد باطن کی دلیل ہے۔

مجملہ تلمیس ابلیس کے فقہاء پر یہ ہے کہ جو لوگ وعظ کہتے ہیں ان کو یہ لوگ حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ابلیس ان کو روکتا ہے کہ ان کے وعظ میں خاطر نہ ہوں کہ یہ لوگ کیا چیز ہیں یہ لوگ تو قصہ گوئی کرنے والے ہیں۔ شیطان کا مقصود یہ ہے کہ وہ ایسے موقع پر حاضر نہ ہوں جہاں دل نرم ہوتے ہیں اور خشوع و خضوع کے ساتھ جناب باری تعالیٰ میں جھکتے ہیں۔ واعظین جو انبیاء و اولیاء کے قصص بیان کریں اس نام سے مذموم نہیں ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ نحن نقص علیک احسن القصص الایہ۔ یعنی اے محمد ﷺ ہم تجھے بہترین قصہ سناتے ہیں (یعنی قصہ

یوسف علیہ السلام) اور فرمایا فاقصص القصص الایہ (الاعراف پ ۹ آیت ۱۷۶) یعنی اے محمد ﷺ تو قصص انبیاء اور ان کی نافرمان امتوں کا انجام ہلاکت بیان کر دے۔ شاید یہ لوگ رجوع کریں۔ قصص بیان کرنے والوں کی مذمت فقط اس جہت سے ہوتی ہے کہ اکثر وہ لوگ فقط قصے بیان کرتے ہیں، مفید علمی باتیں بیان نہیں کرتے پھر قصص میں بھی اکثر جھوٹے قصے خلط ملط کرتے ہیں اور بارہا محال باتوں پر اعتماد کرتے ہیں (یعنی جیسے شہداء نے بہشت ارم وغیرہ بتائی) اور اگر قصص سچے ہوں جن سے نصیحت حاصل ہو تو وہ تعریف کے قابل ہیں۔ امام احمد بن حنبل کہا کرتے تھے کہ لوگوں کو سچے قصے بیان کرنے والے کی بہت ضرورت ہے۔

واعظوں اور قصے بیان کرنیوالوں پر

ابلیس کی تلمیس کا بیان

مصنف نے کہا کہ قدیم زمانے میں وعظ کہنے والے علماء فقہاء ہوتے تھے۔ عبید بن عمیر تابعی کی مجلس وعظ میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما صحابی حاضر ہوئے۔ عمر بن عبدالعزیز واعظوں کی مجلس میں حاضر ہوتے تھے۔ پھر یہ پیشہ ایسا ذلیل ہو گیا کہ جاہلوں نے اختیار کر لیا تو تمیز دار لوگ ان کی مجلس سے الگ ہو گئے اور عوام مرد اور عورتوں نے ان پر بجوم کیا تو ایسے لوگوں نے علم کا شغل چھوڑ کر قصہ گوئی وغیرہ جن چیزوں کو جاہل عوام پسند کرتے ہیں سیکھنا شروع کیا۔ اور اس پیشہ میں طرح طرح کی بدعتیں پھیل گئیں۔ (مترجم کہتا ہے کہ اس دیار میں پورا اثنہ اسی جاہل فرقہ کی ذات سے پھیلا ہوا ہے) ہم نے ان کی آفات کو کتاب قصاص و ذکرین میں مفصل بیان کیا ہے۔ لیکن یہاں بھی ان میں سے کچھ بیان کریں گے۔

مجملہ آفات کے یہ ہے کہ ان میں ایک قوم (ہندوستان میں سوائے شاذ و نادر کے عموماً سب) دلچسپی اور رغبت دلانے کے لئے خوف و دہشت دلانے کی غرض سے حدیثیں بتاتی ہے ابلیس نے ان پر یہ رچا دیا ہے کہ تم تو حدیثیں اس لئے بتاتے ہو کہ لوگوں کو نیکی پر آمادہ کرو اور بدی سے روکو اور شیطان نے ان جاہلوں پر یہ شبہ ڈالا کہ شریعت ناقص ہے تمہاری اس جھوٹی کارستانی کی محتاج ہے۔ پھر یہ بھول گئے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو کوئی جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھے وہ دوزخ میں اپنا

ٹھکانا بناوے۔

ازال جملہ یہ لوگ اپنے سریلے کلام میں وہ چیزیں ملاتے ہیں جو نفس کا جوش ابھاریں اور دلوں میں سرور لائیں تو اپنی باتوں کو رنگین کرتے ہیں۔ چنانچہ تم دیکھتے ہو کہ اس میں عشقیہ اشعار اور غزلیں پڑھتے ہیں۔ ابلیس نے ان پر یہ تلمیس رچائی کہ تم اللہ تعالیٰ کی محبت کا اشارہ کرتے ہو۔ اور یہاں یہ خوب معلوم ہے کہ عوام جو ان کی مجلس میں بھرے پڑے ہیں ان کے دلوں میں جوش شہوت بھرا ہوا ہے۔ جو اس تازیانہ سے ابل پڑتا ہے تو یہ واعظ خود گمراہ اور گمراہ کرنے والا ہے۔

ازال جملہ بعض واعظ بناوٹ سے وجد اور خشوع ظاہر کرتے ہیں۔ اگر کچھ دل میں بھی ہو تو اس سے بہت زیادہ بتاتے ہیں۔ اور جس قدر جماعت کی کثرت ہو اسی قدر بناوٹ زیادہ ہوتی ہے تو نفس میں جو بڑھتی خشوع و رونا موجود ہوتا ہے وہ اس کو رایگاں کر دینے میں عقل نہیں کرتا پس ان میں سے جس نے یہ جھوٹ بناوٹ کی وہ آخرت میں خوار اور خراب ہو اور جو سچا ہے وہ ریاکاری کی میل سے نہ چلا۔

بعض واعظ عجیب و غریب حرکات کرتے ہیں۔ جن کا نتیجہ یہ کہ قرآن کو ایک نئی راگنی کے لہجہ میں پڑھنے لگتا ہیں۔ یہ نئی راگنی انہوں نے آج کل گانے کے مشابہ نکالی ہے، تو یہ مکروہ ہی نہیں بلکہ صریح حرام سے زیادہ قریب ہے پس اس راگنی کی قراءت سے قاری کو سرور ہوتا ہے اور واعظ اس کے ساتھ ہاتھوں کی دستک اور پاؤں کی ٹھوکر لگا کر غزلیں پڑھتا جاتا ہے۔ جیسے مستانہ لوگ کرتے ہیں۔ اس سے یہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ عوام کی طبیعت امنگ پر آجاتی ہے۔ اور ان کے شہوانی نفوس جوش کھاتے ہیں۔ عورتیں اور مرد آوازیں لگاتے ہیں اور کپڑے پھاڑتے ہیں۔ کیونکہ جملہ نفوس میں جو خواہش نفسانی و قوت شہوانی حیوانی دلی ہوئی ہیں وہ اس جلسہ میں ابھر آتی ہیں۔ پھر جب یہاں سے یہ عورتیں اور مرد باہر نکلتے ہیں تو کہتے جاتے ہیں کہ جلسہ تو بہت خوب ہوا۔ اور خوبی سے اشارہ انہیں حرکات و اموار ناشائستہ کی طرف ہے جو شرعاً جائز نہ تھے۔

بعض واعظین کی یہ کیفیت ہے کہ وہ بھی اس چال پر چلتا ہے جو ہم نے بیان کی لیکن وہ مرثیہ کے اشعار اور نوے پڑھتا ہے (مثلاً حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے واسطے مرثیہ پڑھتا ہے) اور ان اشعار میں ان کی حالت تہائی و بے کسی و غریب الوطنی و دشمنوں کا زرعہ اور مصائب جھوٹ سچ ملا کر اسی طرح بیان کرتا ہے کہ عورتیں دھاڑیں

مار مار کر رونے لگتی ہیں۔ اور مجلس وعظ ماتم خانہ ہو جاتا ہے۔ حالانکہ اہل آخرت کے واسطے صرف اسی قدر لائق ہے کہ پیارے بزرگوں کی شہادت و وفات پر صبر ثبات کی تلقین کریں۔ اور یہ لائق نہیں ہے کہ ایسی باتیں کریں جن سے جزع و فزع پیدا ہو (مترجم کہتا ہے کہ یہ منافقین دنیا کے سوائے آخرت کو اپنا گھر نہیں جانتے ہیں تو لا محالہ یہاں سے مرنا ان کے لئے نامراد اور بے کس اور بے ارمان مر جانا ٹھہرا۔ اور شہادت اور مصیبت کا ثواب جو یہاں سے کما کر آخرت میں بلند درجات کا حصول ہے اس کا خیال بھی نہیں آتا تو بھلا یقین کا کیا ذکر ہے۔ اور یہ بلاء جزع و فزع اور خیالات عام طور پر ان ملکوں میں پھیل گئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون) بعض واعظین مغرور ممبر پر بیٹھ کر زہد کے دقائق اور محبت حق سبحانہ و تعالیٰ کے رموز و اسرار بیان کرنے پر زبانی جمع خرچ کرتے ہیں تو ابلیس ان پر تلمیس ڈالتا ہے کہ آپ بہت پہنچے ہوئے بزرگ ہیں کیونکہ آپ اگر ایسے عارف کامل نہ ہوتے تو بھلا کیسے ان مقامات کو کھول کر بیان کرتے اور سلوک کی راہ چلتے۔ اس مکر عظیم کو میں صاف کیئے دیتا ہوں کہ کسی مقام کو زبانی بیان کر سکتے ہیں لیکن اس کا بنانا بنانے والے دستکار ہی جانتے ہیں۔ بعض واعظوں کا یہ حال ہے کہ شرع سے خارج شطحیات بیان کرتے ہیں اور اس پر شاعروں کے عاشقانہ اشعار سند لاتے ہیں اور ان کی غرض یہ ہوتی ہے کہ مجلس میں شور ہو۔ چاہے بے ہودہ گوئی سے یہ مقصد حاصل ہو۔

بعض واعظوں کا یہ حال ہے کہ بڑی آراستہ اور بڑی پر تکلف عبارت بولتے ہیں۔ جو اکثر بے معنی ہوتی ہے۔ اس زمانہ میں مواعظ کا بڑا حصہ 'حضرت موسیٰ' کوہ طور، یوسف و زلیخا کے قصوں سے متعلق ہوتا ہے۔ فرائض کا بہت کم تذکرہ آنے پاتا ہے۔ اسی طرح گناہ سے بچنے کا ذکر کبھی نہیں ہوتا۔ ایسے مواعظ سے ایک زانی، ایک سود خور اور ایک ریاکار کو توبہ کرنے کی ترغیب اور توفیق کیسے ہو سکتی ہے۔ اور کب عورت کو شوہر کے حقوق ادا کرنے اور اپنے تعلقات درست کرنے کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے کہ یہ مواعظ ان مضامین سے خالی ہوتے ہیں ان واعظوں نے شریعت کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ اسی لئے ان کا بازار خوب گرم ہے۔ اس لئے کہ حق ہمیشہ طبعیتوں پر بھاری ہوتا ہے اور باطل ہلکا اور خوشگوار۔

بعض واعظ صوفی بن کر لوگوں کو زہد و عبادت سکھاتے ہیں اور عوام کو اصلی مقصود نہیں بتلاتے تو نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بعض لوگ بیچارے ان کے کہنے میں آکر کسی

جنگل یا پہاڑ کے گوشہ میں بیٹھ رہتے ہیں۔ اور اس کی آل و اولاد بھیک مانگنے کے قابل رہ جاتی ہے۔ (مترجم کہتا ہے کہ ان ہی لوگوں کے شیطانی خیالات نے عوام کے ذہن میں بٹھا دیا کہ پرہیزگاری و دین تو جب ہو سکتا ہے کہ جنگل میں بیٹھ رہے اور خدا پر توکل کرے۔ اور جب یہ ہم سے نہیں ہو سکتا تو ہم دنیا داری میں رہیں گے۔ یہ نہایت سخت فتنہ ہے۔)

بعض واعظ ہیں کہ لوگوں کو عظمت و شان الہی سے بھلا کر امید و طمع کے کلمات سے دلیر کرتے ہیں بدون اس کے کہ اللہ تعالیٰ خوف دلائیں۔ وہ لوگ گناہوں پر دلیرانہ جرات کرتے ہیں۔ اور دنیا کی چیزیں، عمدہ غذا و پوشاک و سواری کی جانب واعظ کے مائل کرنے سے اس کی تقویت ہو جاتی ہے، تو ایسے واعظ کے قول و فعل سے عوام کے دلوں میں بڑی خرابی پیدا ہو گئی۔

فصل :- کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ واعظ سچا اور خیر خواہ ہوتا ہے لیکن جاہ طلبی اس کے دل میں سرایت کر چکی ہوتی ہے، وہ چاہتا ہے کہ اس کی عزت و تعظیم کی جائے اور اس کی علامت یہ ہے کہ اگر دوسرے واعظ اس کی قائم مقامی کرے یا اصلاح کے کام میں اس کی مدد کرنا چاہے تو اس کو ناگوار ہوتا ہے۔ حالانکہ اگر یہ مخلص ہوتا تو اس کو اس سے کبھی ناگواری نہ ہوتی۔ بعض واعظوں کی مجلس میں مرد اور عورتیں یک جا جمع ہوتی ہیں، اور ان لوگوں کے زعم میں عورتیں وجد میں آکر زور سے چلاتی ہیں۔ اور واعظ مذکور اس سے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار نہیں کرتا ہے۔ تاکہ سب کے دل اس کی طرف ملے رہیں۔ ہمارے زمانہ میں بہت سے واعظ ایسے ظاہر ہوئے ہیں جن کو تلمیس کی قسم میں لینے کی ضرورت نہیں ہے یعنی ان پر کچھ شبہ ابلیس نے نہیں ڈالا۔ بلکہ وہ صریح ایسی حالت میں ہیں کہ انہوں نے وعظ گوئی اپنی معاش بنائی ہے۔ اور امراء و ظالموں کے یہاں جا کر وعظ میں ان کی دلچسپی ظاہر کرتے ہیں۔ چنگی وصول کرنے والوں سے نذرانہ لیتے اور شہروں شہروں جا کر وعظ سے کمائی کر لاتے ہیں۔ اور بعض مقامات میں جا کر مصیبت و فراق احباب و اعزہ کا بیان کرتے ہیں جس سے عورتیں خوب پھوٹ پھوٹ کر روتی ہیں۔ اور یہ شخص ان کو صبر کی تاکید نہیں کرتا۔

فصل :- بعض علماء محققین کے حق میں ابلیس یہ تلمیس و خطرہ دل میں ڈالتا ہے کہ تجھ جیسا آدمی وعظ کرنے کے لائق نہیں ہے، بلکہ وعظ کتنا ایسے عالم کا کام ہے

جو ہو شیاد بیدار ہو تو اس کو ابلیس آمادہ کرتا ہے کہ الگ ہو کر خاموش ہو جائے۔ اور یہ ابلیس کا دوسرا سوسہ ہے۔ کیونکہ وہ اسے نیکی سے روکتا ہے۔ اور کبھی اس سے کہتا ہے کہ تو جو کچھ بیان کرتا ہے اس سے لذت پاتا ہے اور اس سے ہمواوقات ریاضید اہونے کا گمان غالب ہے۔ اور الگ رہنا سب سے بہتر سلامتی ہے۔ اس سے بھی ابلیس کا مقصود یہی ہے کہ نیکی کا دروازہ بند ہو جائے۔ ثمت البنانی سے روایت ہے کہ ایک مجلس میں حسن بصری رضی اللہ عنہ موجود تھے تو علماء سے کہا گیا کہ تم نصیحت کے واسطے کلام کرو تو کہا کہ میں بھی اس مرتبہ میں ہوں۔ پھر کلام اور اس کی حالت اور اس کا انجام بیان کیا تو ثمت کہتے ہیں کہ مجھے بہت پسند آیا۔ پھر حسن بصری نے کلام کیا تو کہا کہ ابلیس جانتا ہے کہ تم لوگوں نے علماء سے نصیحت لی ہوگی۔ کہ نہ اس نے کسی شخص کو نیکی بتلائی اور نہ کسی برائی سے منع کیا۔

اہل لغت و ادب کے عالم و متعلم

پر تلبیس ابلیس کا بیان

ابلیس نے سب نحوی اور لغوی لوگوں پر اپنی یہ تلبیس ڈالی کہ ان کو نحو و لغت میں یہاں تک کہ پھنسیا کہ جو علوم ان پر فرض عین تھے جیسے عبادات و معارف و توحید ان سے باز رکھا۔ اور اصلاح نفس و صلاحیت قلب کے علوم سے اور افضل علوم تفسیر و حدیث و فقہ سے روک دیا۔ پس اس مکر میں ان لوگوں نے اپنی تمام عمر ایسے فنون میں کھوئی جو بذات خود مقصود نہیں ہیں۔ بلکہ اس لئے سیکھے جاتے ہیں کہ علم دین حاصل ہو۔ پس جب انسان نے کوئی کلمہ سمجھ لیا تو اس کے ذریعہ سے عمل کی جانب ترقی کرنا چاہیے۔ کیونکہ یہی بذات خود مقصود ہے۔ اور اسی کے واسطے زبان عربی حاصل کی جاتی ہے۔ تم دیکھتے ہو کہ ان نحوی لغوی لوگوں نے عمر کھوئی اور بعض کو دیکھو کہ وہ آداب شریعت سے کچھ بھی نہیں جانتا سوائے قدر قلیل کے۔ اور نہ وہ فقہ سے واقف ہے اور نہ اپنی ذات کی پاکیزگی و اصلاح قلب کی جانب متوجہ ہوتا ہے اور باوجود اس جہالت کے ان میں بڑا تکبر بھرا ہوا ہے۔ اور شیطان نے ان کے خیال میں بھر دیا ہے کہ تم لوگ اسلام کے علماء ہو اس لئے کہ یہ نحو و لغت اسلامی علوم ہیں اور انہیں سے قرآن مجید کے معانی معلوم ہو سکتے ہیں۔ میں تو کہتا ہوں کہ اس سے کب انکار کیا جاتا ہے کہ اس زبان کا

حاصل کرنا اسلام میں ضرور ہے لیکن جس قدر صرف و نحو لغت واسطے تفسیر و قرآن و فقہ کے لازم ہے وہ قریب الحصول ہے اور ماسوائے اس کے جس قدر حاصل کرتے ہیں وہ زائد فاضل ہے۔ اس کی کچھ ضرورت نہیں ہے اور ایسی زائد کے لئے عمر کا بڑا حصہ صرف کر ڈالنا اور جو امر مهم ضروری ہے اس کو غلطی سے چھوڑنا اور اس کے پیچھے تفسیر و فقہ و حدیث جو اصلی و اعلیٰ مرتبہ ہیں ان سے غافل رہنا سخت خسارہ و غبن ہے۔ ہاں اگر عمر دراز ہوا کرتی کہ سب علوم حاصل ہو جاتے تو خیر تھا۔ لیکن عمر تھوڑی ہے تو سب سے زیادہ ضروری کو ضروریات پر مقدم کرنا درجہ بدرجہ لازم ہے۔

منجملہ ان امور کے جن کو یہ نحوی ٹھیک سمجھے حالانکہ غلط ہے۔ یہ ہے کہ ابو الحسین ابن فارس نے کہا کہ فقیہ العرب سے پوچھا گیا کہ هل يجب على الرجل اذا اشهد الوضوء قال نعم یعنی کیا جب مرد اشہاد کرے تو اس پر وضو واجب ہو گا فرمایا کہ ہاں واجب ہو گا۔ اور بیان کیا کہ اشہاد یہ ہے کہ مزی نکل آوے (اشہاد کے معروف معنی ہیں گواہ کر لینا) مصنف نے کہا کہ اسی قسم کے بہت سے مسائل ذکر کئے۔ حالانکہ یہ انتہا درجہ کی غلطی ہے۔ اس لئے کہ جب ایک نام دو چیزوں کا مشترک ہو تو فتویٰ میں ایک معنی پر رکھ کر جواب دے دینا بڑی غلطی ہے مثلاً کسی نے پوچھا کہ آپ کیا کہتے ہیں کہ مرد اپنی زوجہ سے حالت قرء میں وطی کرے یا نہ کرے تو واضح ہو کہ قرء کا لفظ اہل لغت کے نزدیک حیض پر بھی بولا جاتا ہے۔ اور پاکیزگی طہر پر بھی بولا جاتا ہے۔ تو فقیہ مفتی کا حیض کے معنی لے کر یہ کہنا کہ نہیں جائز ہے یا فقط طہر کے معنی لے کر یہ کہنا کہ ہاں جائز ہے یہ بہت بڑی غلطی ہے۔ اسی طرح اگر یہ پوچھا جائے کہ کیا روزہ رکھنے والا طلوع فجر کے بعد کھا سکتا ہے تو بھی مطلقاً ہاں یا نہیں کہنا جائز نہیں ہے پس جو کچھ فقیہ العرب کا جواب نقل کیا گیا اس میں دو طرح سے غلطی ہے۔ (ایک) یہ کہ اشہاد کا لفظ دو معنی کو محتمل ہے تو اس نے ہر ایک معنی کی راہ سے جواب میں کچھ تفصیل نہ کی۔ (دوم) یہ کہ اس نے حکم کو اس احتمال کی طرف پھیرا جو سب سے بعید تر ہے۔ اور جو معنی ظاہر تھے (یعنی گواہ کر لینا) وہ چھوڑ کر دوسرے معنی قلیل الاستعمال غریب کے لئے اور عجب یہ کہ ان نحویوں نے فقیہ العرب کا جواب بہت مناسب ٹھہرایا۔ لیکن فقہ نہ جاننے سے یہ سب غلطی اٹھائی۔

فصل :- چونکہ عموماً ان لوگوں کا یہی شغل رہتا ہے کہ زمانہ جاہلیت کے

شاعروں کے اشعار یاد کرتے اور سیکھتے ہیں۔ یعنی طبیعت اسی قسم کی اجڑ ہو گئی۔ اور طبیعت کو اس جمالت طبعی سے روکنے والی کوئی چیز نہ ملی۔ یعنی نہ تو احادیث شریف کا مطالعہ کیا اور نہ سلف صالحین کی عادت و خصلت سیکھی، تو ان کی خود رو طبیعت ایسی ہی ہوئے نفسانی کی طرف آگئی اور ناکارہ خیالات کی شرح سے بطالت ابھر آئی۔ لہذا بہت کم تر بلکہ شاذ و نادر ان لوگوں میں کوئی پرہیزگاری کے شغل میں نظر آئے گا۔ اور نہ اپنی خوراک کا حلال و حرام دیکھنے والا ملے گا۔ اس لئے کہ فن نحو کے طالب سلاطین ہوتے ہیں تو نحوی انہیں کے حرام مال کھاتے ہیں۔ جیسے ابو علی الفارسی زیر سایہ عضد الدولہ وغیرہ زندگی بسر کرتے تھے۔ اور اکثر یہ لوگ بہت سے امور کو جائز جانتے ہیں۔ حالانکہ وہ حرام ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان کو علم شرع و فقہ بہت کم ہوتا ہے۔ چنانچہ ابراہیم بن السری ابو اسحاق الزجاج نے خود لکھا ہے کہ میں قاسم بن عبد اللہ کو علم ادب سکھایا کرتا تھا اور اس سے کہا کرتا تھا کہ امیر زادے اگر تم اپنے باپ کے مرتبہ وزارت کو پہنچے تو میرے ساتھ کیا سلوک کرو گے تو وہ کہتا کہ جو تم چاہو گے تو میں کہتا کہ مجھے پیس ہزار دینار۔ اور یہ مقدار میری ہمت کے نزدیک گویا انتہاء درجہ تھی۔ پھر چند ہی روز گزرے تھے کہ قاسم مذکور مرتبہ وزارت سے سرفراز ہوا۔ اور میں ہنوز اس کی ملازمت میں تھا، اور اب اس کا ندیم ہو گیا۔ پھر میرے جی میں آیا کہ اس کو وعدہ یاد دلاؤں۔ لیکن مجھے اس سے ہیبت معلوم ہوئی مگر وزارت کے تیسرے روز اس نے خود مجھ سے کہا کہ اے ابو اسحاق تم نے مجھے نذر یاد نہیں دلائی۔ میں نے کہا کہ میں نے جانب وزارت کا ادب کیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی حفظ و حمایت میں رکھے۔ اور میں جانتا ہوں کہ آپ کو اپنے خادم کے حق واجب کے بارہ میں نذر یاد دلانے کی ضرورت نہیں ہے۔ تو مجھ سے فرمایا کہ خلیفہ اس وقت مقتصد ہے۔ اگر یہ نہ ہوتا تو مجھے یک مشت تجھے پیس ہزار دینار دینا کچھ دشوار نہ تھا۔ لیکن مجھے خوف ہے کہ ایسا نہ ہو کہ اس کو خفیہ خبر پہنچے اور اس کا ایک قصہ ہو جائے۔ اب تم کو مناسب ہے کہ یہ مال مجھ سے متفرق لینے پر راضی ہو جاؤ۔ میں نے کہا کہ بہت خوب یہی کروں گا تو مجھ سے کہا کہ میری کچھری کے دروازے پر بیٹھ جانا۔ اور لوگوں کی درخواستیں درقعہ لینا، ہر ایک سے کار براری کی اجرات ٹھہرا لینا اور ہر قسم کی درخواست خواہ ممکن ہو یا محال ہو جو تجھ سے کہی جائے اس کو میرے سامنے پیش کرنے سے نہ رکنا۔ یہاں تک کہ مجھے اس قدر مال حاصل ہو جائے۔ میں نے اسی پر عمل کیا۔ ہر روز میں درخواستوں کے رقعے ان کے حضور میں پیش کرتا اور وہ ہر رقعہ پر

تو قیغ لکھا کرتے اور بارہا مجھ سے پوچھتے کہ اس رقعہ پر تیرے لئے سائل نے کیا ضمانت کر لی ہے۔ یعنی تجھے کس قدر دینے کو کہا ہے۔ میں بیان کرتا کہ اس قدر وعدہ کیا ہے۔ تو مجھ سے فرماتے کہ تو نے خسارہ اٹھایا یہ رقعہ تو اس قدر کے لائق تھا تو جا کر ان لوگوں سے اپنا حق بڑھوائے۔ پس میں لوٹ کر متعلقہ لوگوں سے کہتا کہ مجھے زیادہ دینے کا وعدہ کرو تو میں پیش کر کے اجازت لکھوا دوں۔ پس وہ لوگ تھوڑا تھوڑا کر کے بڑھاتے اور میں برابر انکار کرتا رہتا۔ یہاں تک کہ اس حد تک پہنچ جاتے جو وزیر نے مجھ سے کہی تھی۔ زجاج نے کہا کہ پھر ایک مرتبہ میں نے وزیر موصوف کے سامنے مالِ عظیم کا رقعہ پیش کیا یعنی کسی چیز کے ٹھیکہ وغیرہ کی درخواست تھی۔ جس کی مقدار بہت زیادہ تھی۔ تو اسی ایک درخواست میں مجھے بیس ہزار دینار مل گئے۔ اور اس سے زیادہ دولت چند ہی روز میں مجھ کو حاصل ہو گئی پھر چند ماہ کے بعد مجھ سے پوچھا کہ اے ابواسحاق مال نذر پورا ہو گیا۔ میں نے کہا کہ نہیں۔ پس وہ خاموش رہا اور میں برابر اس کے سامنے رقعے پیش کیا کرتا۔ پھر ہر مہینہ میں بیس دن کے بعد مجھ سے پوچھتا کہ وہ مال نذر پورا ہو چکا اور کہتا کہ نہیں، اس خوف سے کہ میری کمائی جاتی رہے گی۔ یہاں تک کہ میرے پاس دو چند مال چالیس ہزار دینار سے زائد حاصل ہو گیا۔ پھر جو اس نے ایک روز پوچھا تو مجھے برابر جھوٹ بولنے سے شرم آئی۔ میں نے کہہ دیا جی ہاں حضرت مذیر کی برکت سے یہ مال حاصل ہو گیا وزیر موصوف نے کہا واللہ تم نے میرا بوجھ ہلکا کر دیا۔ کیونکہ جب تک تم کو مال حاصل نہ ہوتا تب تک میرا دل لگا رہتا۔ پھر وزیر نے دوات اٹھا کر میرے لئے تین ہزار دینار کی ایک چٹھی اپنے خزانچی کو بطور صلہ کے لکھ دی۔ وہ بھی میں نے لے لی۔ اور آئندہ میں ان کے سامنے رقعے پیش کرنے سے باز رہا اور یہ نہ جانتا کہ اب کیونکر مجھے ان سے کچھ وصول ہو گا پھر جب دوسرے روز میں حسب معمول وزیر کی خدمت میں حاضر ہو کر بیٹھا تو مجھے اشارہ کیا کہ جو کچھ تمہارے پاس ہو لاؤ۔ یعنی مجھ سے رقعے و درخواستیں طلب کیں، جیسے پہلے دستور تھا تو میں نے عرض کیا کہ میں نے کسی سے رقعہ نہیں لیا کیونکہ نذر پوری ہو چکی تھی اور میں نہیں جانتا تھا کہ اب میں کیونکر جناب وزارت سے توفیق لکھواؤں گا تو فرمایا کہ سبحان اللہ کیا تم سمجھتے تھے کہ جو تمہاری عادت پڑ گئی ہے اور لوگوں کو اس کا حال معلوم ہو چکا اور جس سے ان کے نزدیک تمہارا مرتبہ کھل گیا وہ ہر صبح و شام تمہارے دروازے پر حاضر ہوتے رہتے ہیں وہ میں تم سے منقطع کر دوں گا۔ لوگوں میں منقطع کرنے کی وجہ بھی ظاہر نہیں ہے تو وہ

لوگ یہی گمان کریں گے کہ میرے نزدیک تمہاری وجاہت نہیں رہی یا تمہارا رتبہ گھٹ گیا ہے۔ لہذا تم بدستور درخواستیں لیتے رہا کرو اور پیش کیا کرو۔ اور اب کسی حساب تک (محدود) نہیں ہے۔ میں نے اٹھ کر ان کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور دوسرے روز صبح ہی لوگوں کی درخواستیں لئے ہوئے ان کے حضور میں حاضر ہوا۔ اور ہر روز ان کے حضور میں پیش کرتا رہا۔ یہاں تک کہ وزیر موصوف نے انتقال فرمایا اور میں اس دولت سے آسودہ ہو چکا تھا۔ مصنفؒ نے کہا کہ دیکھو فقہ سے نادانی کا انجام کہاں تک ہوتا ہے۔ اور دیکھو یہ شخص زجاج جو خود لغت میں بڑے درجہ کا آدمی تھا اگر یہ جانتا ہوتا کہ یہ معاملہ جو وزیر اور اس کے درمیان جاری ہوا اور کیونکر اس نے لوگوں سے ہر قسم کی درخواستوں پر مال ٹھہرایا تھا یہ سب کسی طرح شرع میں حلال نہ تھا تو وہ اس سب قصہ کو بیان نہ کرتا بلکہ سب کو مخفی کر دیتا۔ اور وجہ یہ کہ ہر قسم کے حقوق کو صاحبان حق تک پہنچا دینا شرعاً حاکم پر واجب ہے اور اس پر رشوت لینا جائز نہیں ہے۔ اور نہ کوئی امر جو وزیر نے اس کے لئے خلافت کے امور سے مقرر کیا تھا جائز ہے اس سے ظاہر ہوا کہ علم فقہ کا مرتبہ عظیم ہے۔

شعراء پر تلبیس ابلیس کا بیان

شاعروں پر یہ ابلیس نے یہ تلبیس ڈالی کہ اپنے جی میں مغرور ہوئے کہ تم لوگ اہل ادب ہو اور خدا نے تم کو ایسی دانائی عطا کی جس سے دیگر لوگ محروم ہیں تو تم کو ایک خاص امتیاز عطا ہوا ہے اور جس نے تم کو یہ دانائی دی ہے وہی تمہاری خطا و لغزش بھی غفو فرمائے گا۔ اگر شائد تم سے (کوئی خطا) سرزد ہو۔ لہذا تم دیکھتے ہو کہ شاعر لوگ کیونکر ہر جنگل میں سرگرداں پھرتے ہیں، جھوٹ بولتے، بہتان لگاتے، جھو کرتے، آبروریزی کرتے اور اپنے اوپر فحش و بدکاری کا اقرار کرتے رہتے ہیں ان کے حالات میں سے کمتریہ ہے کہ شاعر کسی آدمی کی مدح کرتا ہے تو اس آدمی کو یہ خوف ہوتا ہے کہ ایسا نہ ہو یہ ناخوش ہو کر میری جھو کرے تو چار و ناچار اس کو دے کر راضی کرتا ہے۔ تاکہ اس کی شرارت سے بچا رہے یا شاعر بے حیاء مجمع عام میں ایک شخص کی تعریف کرتا ہے تو وہ لامحالہ دوسروں سے شرم کر کے اس کو کچھ دیتا ہے اور یہ سب زبردستی تنگ کرنے کے معنی ہیں۔ بجز شعراء کو دیکھو کہ اپنے آپ کو ادیب سمجھتے اور ریشم کا لباس پہن کر حد سے زیادہ جھوٹ بولتے ہیں۔ اور نقل کرتے ہیں کہ ہم لوگ جلسہ شراب میں

ساقی گل اندام کے ہاتھوں سے مے نوشی کرتے رہے اور کہتے ہیں کہ ہمارے ساتھ اس مجمع اور فحور میں بہت سے اہل ادب جمع تھے۔ معاذ اللہ یہ بے ادبی اور یہ دعویٰ ادب۔ حالانکہ ادب تو اللہ تعالیٰ کی جناب میں تقویٰ و طہارت کے ساتھ ہوا کرتا ہے اور جو کوئی امور دنیا میں بڑا ہو شیار ہو وہ محض بے قدر ہے کیونکہ یہ سب دنیا اور اس کی چیزیں فناء ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی جناب میں خالی عبارت آرائی کچھ کام نہیں دے سکتی جب کہ تقویٰ نہ کیا ہو شاعروں کی عموماً یہی خصلت ہے کہ بھیک مانگتے ہیں۔ گردش چرخ اور تقدیر کی مذمت کرتے اور کفر کے کلمات بجاتے ہیں۔ چنانچہ بعض کا قول ہے۔

لئن سمت ہمتی فی الفضل عالیہ فان حظی ببطن الارض ملتنق۔
(ترجمہ) اگرچہ فضیلت میں میری ہمت درجہ عالیہ پر پہنچی لیکن میری قسمت پر زمین چٹنی ہوئی ہے۔

کم یفعل الدہری مالا اسرہ و کم یسنی زمان جار حق۔
(ترجمہ) زمانہ کب تک میرے ساتھ میری مرضی کے خلاف برتاؤ کرے گا اور زمانہ ظالم بے رحم کب تک برائی کرے گا۔

شاعر لوگ یہ بھول گئے کہ ایسے ہی گناہوں نے ان کا رزق تنگ کر دیا ہے اور اپنے آپ کو مستحق نعمت و لائق عیش و سلامت جانتے اور بلا و محنت کو دور سمجھتے ہیں اور کبھی ان کو نہ سوچا کہ ان پر شرع کے احکام کی فرمانبرداری واجب ہے۔ تو کہاں وہ دعویٰ دانائی اور کہاں یہ غفلت و بے حیائی۔

علماء کا ملین پر ابلیس کی تلبیس کا ذکر

مصنفؒ نے کہا کہ کچھ لوگوں کی بہت بلند ہوئی تو انہوں نے شرعی علوم قرآن و حدیث و فقہ و ادب وغیرہ حاصل کئے۔ پھر ابلیس نے خفیہ ان میں خطرات ڈالے۔ اور خود بینی میں پھنسا لیا کہ اپنے آپ کو عظمت کی آنکھ سے دیکھنے لگے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک عظیم القدر ہیں کہ اس مرتبہ علمی کو پہنچے اور دوسروں کو فیض پہنچایا۔ پھر بعض کو یہ جنبش دی کہ کہاں تک یہ تکلیف اٹھاؤ گے اب تم راحت حاصل کرو۔ اور یہ لذات لطیفہ ہیں ان سے نفس کو حصہ دو۔ پھر اگر تم کسی لغزش میں پڑ گئے تو علم تم سے عذاب دور رکھے گا اور ابلیس نے ان کے سامنے علماء کی فضیلت پیش کی، اگر اس نے بد بختی سے قبول کر کے اپنے آپ کو ان میں تصور کر لیا تو تیرا برباد ہوا۔ اور اگر توفیق

الہی پائی تو اس کو تین طرح سے جواب دینا چاہیے۔ (اول) یہ کہ علماء کی فضیلت اسی وجہ سے ہے کہ انہوں نے علم کے موافق عمل کیا اور اگر عمل نہ ہوتا تو بے معنی تھا۔ جیسے کسی نے علم زبانی رٹ لیا اور مقصود نہ سمجھا تو اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی نے طعام بہت جمع کیا اور بھوکوں کو کھلایا اور کوہ کچھ نہ کھایا تو اس سے اس کی بھوک کو کچھ نفع نہ ہوگا۔ (دوم) یہ کہ وہ احادیث لائے جن میں ایسے عالموں کی مذمت آئی ہے جو مقتضائے علم کے موافق عمل نہ کریں جیسے حضرت ﷺ نے فرمایا کہ سب لوگوں سے بڑھ کر عذاب قیامت کے روز ایسے عالم کو ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کے علم سے نفع نہیں دیا۔ اور جیسے رسول اللہ ﷺ نے نقل کیا کہ ایک شخص آگ میں ڈالا جائے گا تو اس کی آستین نکل پڑیں گی تو وہ کہے گا کہ میں لوگوں کو نیکی کا حکم دیا کرتا تھا اور خود نہیں کرتا تھا لوگوں کو ممنوعات سے منع کرتا اور خود عمل نہ کیا کرتا تھا۔ اور جیسے ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جس نے نہ جانا اس کو ایک مرتبہ تفت ہے اور جس نے جانا اور عمل نہ کیا اس پر سات مرتبہ تفت ہے (سوم) ایسے عالموں کو یاد دلانے جو عمل نہ کرنے سے عذاب میں گرفتار ہوئے۔ جیسے ابلیس اور بلعام باعور وغیرہ اور عالم بے عمل کی مذمت میں قولہ تعالیٰ کمثل الحمار يحمل اسفار کافی ہے۔ یعنی جیسے وہ گدھا جس پر کتابیں لدی ہوئی ہیں۔

فصل :- جو علماء کہ علم و عمل میں پورے تھے ان پر دوسری راہ سے تلمیس ڈالی کہ ان کو علم کا تکبر دکھلایا اور جو ان کے برابر تھے ان سے حسد پر ابھار اور سرداری کے لئے ریاکاری پر آمادہ کیا۔

پس کبھی تو ان کو یہ دکھلایا کہ سرداری گویا تمہارے لئے حق واجب ہے اور کبھی ان میں سرداری کی محبت ایسی جمائی کہ اس کو خطائے بے ہودہ جان کر اس سے باز نہیں آتے ہیں۔ اس کا علاج ایسے شخص کے واسطے جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق ہو یہ ہے کہ ہمیشہ تکبر و حسد و ریاکاری کی مذمت پیش نظر رکھے۔ اور نفس کو آگاہ کرتا رہے کہ ان بد کاریوں کا عذاب دور نہ ہوگا۔ بلکہ علم کے ساتھ دو گنا ہو جائے گا۔ جس نے سلف صالحین اور علمائے کاملین کے حالات پر نظر رکھی تو ہر حالت میں وہ اپنے نفس کو حقیر دیکھے گا تو تکبر نہ کرے گا۔ اور جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا وہ ریاکاری نہ کرے گا اور جس نے جان لیا کہ مقعدارات الہی حسب ارادہ ازلی جاری ہوتے ہیں تو وہ حسد نہیں کرے گا۔

کبھی ابلیس ان لوگوں پر عجیب شبہات ڈالتا ہے کہتا ہے کہ تمہارا سرداری چاہنا کچھ تکبر نہیں ہے کیونکہ تم لوگ شرع کے نائب ہو۔ کیونکہ تم شرع کے اعزاز کے طلب گار ہو۔ اور تم ہی سے بدعت کی بنیاد سست ہوتی ہے۔ اور حاسدوں پر تمہاری زبان درازی حقیقت میں شرع کے واسطے غصہ ہوتا ہے۔ کیونکہ شرع نے حاسدوں کی مذمت فرمائی ہے اور جس کو تم ریا سمجھتے ہو وہ ریا نہیں ہے کیونکہ اگر تم نے خشوع کیا اور بناوٹ سے روئے تو لوگ اصل میں تمہاری اقتداء کریں گے۔ جیسے طیب جب خود پر ہیز خوب کرتا ہے تو اس کی بات کا اثر ہوتا ہے۔ یہ تلمیس اس طرح کھل جاتی ہے کہ اگر ان ہی میں سے ایک نے دوسروں پر تکبر کیا اور بلند مجلس میں بیٹھایا کسی حاسد نے اس کی طرف سے کچھ کہا تو اس عالم کو وہ غصہ نہیں ہوتا جیسے اپنے واسطے اس کو غصہ آگیا تھا۔ اگرچہ وہ عالم بھی شرع کا نواب تھا، تو معلوم ہوا کہ اس کا غصہ اپنے واسطے تھا۔ شرع کے واسطے نہیں تمہارا ریاکاری کرنا تو اس میں کسی کے واسطے کچھ عذر نہیں ہے۔ اور لوگوں کے واسطے کسی کو ریاکاری کرنا حلال نہیں رکھا گیا۔ ایوب السخنیانیؒ پر جب کسی حدیث کی روایت میں رقت طاری ہوتی تو چہرہ پونچھنے لگتے اور کہتے کہ زکام بہت سخت ہوتا ہے۔ یہ سب کچھ ذکر کرنے کے بعد ہم کہتے ہیں کہ زکام بہت سخت ہوتا ہے۔ یہ سب کچھ ذکر کرنے کے بعد ہم کہتے ہیں کہ اعمال کا مدار تونیت پر ہے اور پر کھنے والا خود دیکھتا ہے۔ بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ خود مسلمانوں کی غیبت نہیں کرتے۔ لیکن جب ان کے پاس کسی کی غیبت کی جائے تو خوش ہو جاتے ہیں۔ اور یہ تین وجہ سے گناہ ہے۔ (اول) خوشی کیونکہ اس کی وجہ سے غیبت کرنے والے سے معصیت صادر ہوئی ہے۔ (دوم) وہ ایک مسلمان کی آبروریزی سے خوش ہوا۔ (سوم) اس نے غیبت کرنے والے پر انکار نہیں کیا۔

فصل :- ابلیس نے علوم میں کامل لوگوں پر تلمیس ڈالی کہ راتوں کو جاگتے ہیں اور دن میں جان گھلاتے ہیں۔ یعنی تصنیفات کی مشقت اٹھاتے ہیں۔ ابلیس ان کے ذہن میں ڈالتا ہے کہ تم لوگ دین کو پھیلاتے ہو اور دل میں ان کا یہ خیال ہوتا ہے کہ نام مشہور ہو۔ آواز بلند ہو، مسلمانوں میں نامور ہوں۔ اور لوگ دور دور سے سفر کر کے ان کی خدمت میں آئیں۔ یہ تلمیس اس طرح کھل جاتی ہے کہ اگر اس کی تصانیف سے لوگ نفع اٹھائیں تو بدو ان اس کے کہ اس کے پاس آئیں یا جو علماء اس کے مثل ہوں ان

کے حضور میں طلبہ یہ تصانیف پڑھیں تو وہ خوش ہو جائے۔ تو ایسی صورت میں بے شک وہ علم پھیلا نا چاہتا تھا (اور اگر وہ ناخوش ہو اور یہی چاہے کہ طلبہ اس کی خدمت میں حاضر ہوں تو وہ نامور چاہتا تھا) بعض سلف نے یہ فرمایا ہے کہ جس علم میں میں نے کوئی تصنیف کی تو یہی چاہا کہ لوگ اس سے نفع اٹھائیں بدو ان اس کے کہ یہ کتاب میرے نام سے منسوب ہو۔

ان علماء میں سے بعض ایسے ہیں کہ اگر اس کے پاس آنے والے طلبہ بہت ہوں تو وہ خوش ہوتا ہے۔ اور ابلیس اس پر تلمیس ڈالتا ہے کہ ہماری خوشی اسی وجہ سے ہے کہ علم سیکھنے والے بہت ہیں۔ حالانکہ نفس میں یہ خوشی ہے کہ اس کے شاگرد بہت ہیں اور نام بلند ہے۔ اور اسی قبیل سے یہ کہ ان کی باتوں اور علم سے دل میں مغرور ہوتا ہے۔ اور یہ تلمیس اس وقت کھل جاتی ہے کہ اگر ان میں سے کچھ طلبہ کسی اور عالم یا مدرس کے پاس چلے جائیں جو علم میں اس سے فائق ہے تو اس عالم کو اس سے بڑی گرائی ہوتی ہے۔ یہ مخلص کی شان نہیں ہے، اس لئے کہ مخلص علماء اور مدرسین کی مثال اطباء کی سی ہے جو وجہ اللہ مخلوق کا علاج کرتے ہیں۔ اس لئے کہ اگر کسی مریض کو کسی طبیب کے ہاتھ سے شفا ہو جائے تو دوسرا خوش ہوتا ہے۔

ہم سابق میں ابن ابی لیلیٰ کی حدیث لکھ چکے ہیں اور اب دوسری اسناد سے اعادہ کرتے ہیں۔ ابن ابی لیلیٰ نے کہا کہ میں نے ایک سو بیس انصاری اصحاب رسول اللہ ﷺ کو پایا۔ ان میں سے ہر ایک کی یہی کیفیت دیکھی کہ جب کسی سے کوئی بات پوچھی گئی تو وہ یہی چاہتا تھا کہ اس کا بھائی اس کام کی کفایت کرتا اور جب کسی سے کوئی حدیث پوچھی جاتی تو وہ یہی چاہتا کہ اس کا بھائی یہ حدیث روایت کر دیتا۔

فصل :- بہت سے علماء کا ملین ابلیس کے ظاہری مکرو فریب سے بچ جاتے ہیں تو ان پر وہ مخفی تلمیس لاتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے تیرے برابر کوئی عالم نہیں پایا۔ اور ابلیس کے داؤ پیچ و آمد و رفت کا خوب پہچاننے والا تجھ سے بڑھ کر نہیں ہے پس اگر وہ اس جانب ٹھہرا تو خود بینی میں تباہ ہوا اگر اس نے خیال کیا کہ یہ کسی بھڑکا کام نہیں ہے ورنہ اللہ تعالیٰ ہی اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے شیطان کے مکر سے بچاتا ہے اور اس کے خفیہ مکرو دکھاتا ہے تو البتہ فضل الہی سے بچ گیا۔

سری سقطیؒ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص ایک باغ میں داخل ہوا جس میں ہر

قسم کے درخت ہیں جو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں پیدا کئے ہیں اور وہاں ہر قسم کے پرندے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں پیدا کئے ہیں پس ہر پرندے نے اپنی اپنی زبان میں اس شخص سے کلام کیا۔ کہ السلام علیک یا ولی اللہ، یعنی اللہ تعالیٰ کے ولی تجھ پر سلامتی ہو، پس یہ سن کر اس کا دل ٹھہرا تو یہ شخص اسی کے پنجہ میں گرفتار ہے۔

﴿باب ہفتم﴾

والیان ملک و سلاطین پر تلمیس ابلیس کا بیان

ابلیس نے اس فرقہ پر بھڑت وجوہ سے تلمیس کر دی۔ ان میں سے اصلی تلمیسوں کا ہم ذکر کرتے ہیں۔

(وجہ اول) ان لوگوں کے دل میں ڈال دیا کہ اللہ تعالیٰ تم کو محبوب رکھتا ہے اگر یہ نہ ہو تا تو کیوں تم کو سلطان بناتا۔ اور کیوں بندوں پر اپنا نائب کرتا۔ یہ تلمیس اس طرح کھل جاتی ہے کہ اگر یہ لوگ حقیقت میں اس کے نائب ہیں، تو اسی کے قانون شریعت پر حکم کریں اور اسی کی مرضی تلاش کریں، تو البتہ وہ ان کو پسند فرمائے گا۔ رہا ظاہری سلطان ہونا، تو ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سلطنت بھڑت ایسے لوگوں کو دی جن کو وہ قطعاً مغضوب و دشمن رکھتا تھا اور بھڑت ایسے لوگوں کو دنیا میں سلطنت و وسعت دی جن کی طرف رحمت کی نظر نہیں فرمائے گا (جیسے نمرود اور فرعون وغیرہ) اور ان میں سے بہتوں کو انبیاء و صالحین پر مسلط کر دیا۔ حتیٰ کہ انہوں نے انبیاء علیہم السلام و صالحین کو قتل کر ڈالا، اور مغلوب کر کے پریشان کیا تو یہ سلطنت جو ان کو عطا کی تھی ان پر وبال تھی۔ کچھ ان کے واسطے بہتری نہ تھی۔ دولت بھی اس حکم میں ہے۔ ایسے ہی بدکاروں کے حق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا انما نملیٰ لہم لیزاد و د و اثما الایہ یعنی ہم نے ان کو اسی لئے ڈھیل دے دی تاکہ گناہ بڑھائیں۔ الخ

(وجہ دوم) یہ کہ ابلیس ان لوگوں سے کہتا ہے کہ سلطان اور والی ملک ہونے کے واسطے ہیبت درکار ہے تو اس کا یہ طریقہ نکالتے ہیں کہ علم حاصل کرنے میں حقارت سمجھ کر تکبر کرتے ہیں عالموں کی صحبت کو اپنی شان کے خلاف دیکھتے ہیں۔ اور اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اپنی جہالت کی رائے پر عمل کرتے ہیں تو دین برباد ہوتا ہے۔ یہ تو ظاہر بات ہے کہ جن لوگوں کی صحبت ہو ان ہی کی خصلت طبیعت میں آ جاتی ہے۔ پس جب دنیا چاہنے والے جاہلوں کی صحبت ہر دم رہی تو طبیعت نے ان ہی کی خصلت حاصل کی۔ باوجودیکہ طبیعت میں خود دنیا چاہنے کی خصلت موجود تھی۔ اور ایسی کوئی چیز آڑے نہ آئی جو اس بد خصلت کو روکتی یا طبیعت کو اس بد خصلت سے جھڑکتی۔ پس یہی بربادی کا سبب ہے۔

(وجہ سوم) یہ کہ ایلیس ان کو (جانی) دشمنوں سے خوف دلاتا ہے اور کہتا ہے کہ ہر طرف بہت مضبوط پہرے رکھو، تو بے چارے مظلوم لوگ ان تک پہنچ نہیں سکتے۔ اور جو لوگ ان کی طرف سے مظالم دور کرنے پر مقرر ہیں وہ اپنے کام میں سست ہوتے ہیں۔ عمرو بن مرة الجہنی نے رسول اللہ ﷺ سے حدیث روایت کی کہ جس کسی کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے امور میں سے کسی امر کا متولی مقرر کیا، پھر اس نے مسلمانوں کی حاجت و ضرورت و محتاجی میں حجاب کر دیا۔ (یعنی پہرہ چوکی مقرر کی کہ حاجت والے اس تک نہیں پہنچ سکتے ہیں) تو اللہ تعالیٰ اس کی حاجت و ضرورت و محتاجی میں حجاب فرمائے گا (اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قیامت میں جب وہ بے انتہاء سخت محتاج ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس کی فریاد نہیں سنے گا۔) (نعوذ باللہ من ذلک)

(وجہ چہارم) یہ کہ سلاطین و امراء ایسے لوگوں کو کار پرداز مقرر کرتے ہیں جو اس کام کے لائق نہیں ہوتے کہ نہ ان کو علم ہے اور نہ دیانت و تقویٰ ہے۔ پس یہ کار پرداز لوگ سخت بدی و معصیت کے انبار ان کے پاس بھجتے رہے ہیں۔ اس طرح کہ لوگوں پر ظلم کرتے ہیں تو ان کی آہ و بددعاء کے ذخیرے ان سلاطین پر بھی جمع ہوتے ہیں۔ اور یہ جاہل کار پرداز سب لوگوں کو بیوع فاسدہ سے حرام کھلاتے ہیں۔ اور جس شخص پر شرعی سزا معین نہیں لازم آتی اس کو حد مارتے ہیں تو یہ سخت گناہ ان والیان صوبہ کے ساتھ ساتھ ان کے ذریعہ سے سلطان پر بھی عائد ہوتے ہیں۔ حالانکہ سلطان جاہل یہ سمجھتا تھا کہ ہم تو والی صوبہ کے ذمہ شرط کر چکے تھے۔ اب ہم عذاب الہی سے چھوٹے ہوئے ہیں۔ افسوس یہ خیال باطل ہے۔ کیا یہ مسئلہ بھی نہیں جانتے کہ اگر والی زکوٰۃ نے لوگوں سے زکوٰۃ لے کر ایک فاسق کو مقرر کیا کہ اس قوم کے فقراء میں تقسیم کرے، اس فاسق نے خیانت کی تو والی خود ضامن ہوگا۔

(وجہ پنجم) یہ کہ شیطان ان سلاطین کو دکھلاتا ہے کہ امور سیاست میں داخل ہو کر تم اپنی رائے پر عمل کرنے میں اچھی تدبیر کرو گے۔ لہذا یہ شریعت کے مقابلہ میں اپنی رائے پر عمل کرتے ہیں۔ کبھی اس شخص کا ہاتھ کاٹتے ہیں جس کا ہاتھ کاٹنا جائز نہیں۔ اور کبھی اس کو قتل کرتے ہیں کہ جس کا قتل حلال نہیں ان کو یہ دھوکا ہے کہ یہ سیاست ہے۔ جس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ شریعت ناقص ہے۔ اس کو مکملہ اور ضمیمہ کی ضرورت ہے اور اہم اپنی راء سے اس کی تکمیل کر رہے ہیں۔ یہ شیطان کا بہت بڑا فریب ہے۔ اس لئے کہ شریعت سیاست الہی ہے اور محال ہے کہ خدائی سیاست میں

کوئی خلل یا کمی ہو۔ جس کی وجہ سے اس کو مخلوق کی سیاست کی ضرورت ہو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مافرطنا فی الكتاب من شئ (ہم نے کتاب میں کوئی چیز نہیں چھوڑی) اور ارشاد ہے لا معقب لحکمہ (اس کے حکم کو کوئی مٹانے والا نہیں) تو جو اس سیاست کا مدعی ہے وہ دراصل شریعت میں خلل اور کمی کا دعویٰ کرتا ہے، اور یہ کفر کی بات ہے۔

ہم کو خبر ملی ہے کہ عضد الدولہ دیلی ایک لوٹڈی سے میلان رکھتا تھا، جس کی طرف اس کا دل لگا رہتا تھا۔ تو اس رافضی نے حکم دیا کہ اس لوٹڈی کو دریائے دجلہ میں غرق کر دیا جائے تاکہ دل کا تعلق جاتا رہے۔ اور تدبیر ملکی میں اس کی وجہ سے خلل واقع نہ ہو۔ مصنف لکھتا ہے کہ یہ محض جنون و جہالت ہے۔ کیونکہ بے جرم اس مسلمہ کا قتل کرنا کسی طرح حلال نہ تھا اور اس کو جائز سمجھنا کفر ہے۔ اور اگر جائز نہ جانے لیکن مصلحت سے سیاست قرار دے، تو بھی شرع کے مقابلہ میں مصلحت کوئی چیز نہیں ہے (بلکہ مترجم لکھتا ہے کہ حکم قولہ تعالیٰ لا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحها الایہ کے اس کو مصلحت سمجھنا بھی کفر کے قریب ہے۔ کیونکہ اگر اصلاح شریعت ہے تو اس کے خلاف فساد کو اصلاح ٹھہرانا مخالف ہے)

(وجہ ششم) ایلین ان لوگوں کو لبھاتا ہے کہ اموال سلطنت میں جس طرح چاہو اپنے حکم سے خرچ کرو کیونکہ یہ تمہارے حکم میں داخل ہے۔ یہ تیس اس طرح کھل جاتی ہے کہ جو شخص اپنے مال میں مسرف ہو اس پر شرع کے حکم میں جبر ہے۔ یعنی قاضی حکم دے کہ اس کے سب تصرفات مالی نافذ نہ ہوں گے۔ تو جب ذاتی مال میں یہ حکم ہے تو خیال کر لو کہ سلطان تو جمیع مسلمانوں کے اموال خزانہ کا محافظ ہے تو وہ غیروں کے مال میں کس طرح خود مختاری سے بے جا خرچ کر سکتا ہے۔ ان اموال خزانہ سلطنت میں سے سلطان کا حق فقط اس کے کام کی اجرت کے اندازہ پر ہے۔

ابن عقیلؒ نے فرمایا کہ ہم کو خبر پہنچی کہ حماد نے ولید بن یزید الاموی خلیفہ کی مدح میں کچھ اشعار سنائے تو اس نے خوش ہو کر بیت المال میں سے پچاس ہزار روپیہ اور دو لوٹڈیاں انعام کے طور پر دیں۔ اور فرمایا کہ عجیب بات یہ ہے کہ عوام الناس یہ بات اس کی تعریف میں بیان کرتے ہیں حالانکہ یہ اس کے حق میں انتہاء کی ملامت ہے کیونکہ اس نے مسلمانوں کے بیت المال میں اس طرح بے جا تصرف سے اسراف کیا گویا اخوان الشیاطین سے بھی بڑھ گیا۔

مصنفؒ نے کہا کہ بعضوں کو یہ رچاتا ہے کہ فلاں قسم کے لوگوں کو نہ دینا چاہیے۔ حالانکہ یہ لوگ حقیقت میں پانے کے مستحق تھے۔ تو یہ اسراف کے ساتھ میں دوسرا گناہ کبیرہ ہے۔ (مترجم کہتا ہے کہ شیخؒ نے شاعروں کی مذمت میں یہ وجہ درج نہ فرمائی کہ اس بے حیا فرقہ نے اسلام میں شیطان کی اصلی قباحت پھیلانے کا بیڑا اٹھایا۔ اور بادشاہوں کا دماغ تکبر سے بھر دیا۔ مثلاً اس نے بادشاہ کی تعریف کی کہ حق تعالیٰ فارغ ہے کہ اس نے اپنی ذات کا سایہ ظل اللہ اپنی خلق پر ڈال دیا۔ تو سایہ میں راحت سے بسر کرتے ہیں۔ جب تک ذات پاک باقی ہے یہ سایہ بھی باقی رہے گا۔ لہذا ہم پاؤں پھلائے سوتے ہیں اور اگر ایسے سایہ میں ہم کو راحت نہ ہو تو ہم ناشکرے ہوں گے۔ کیونکہ سایہ درخت سے نیند آتی ہے تو ہم عذاب آخرت اور نکال دنیا سب سے بے خوف ہوئے۔ ایسی مدح سے شاہ کا دماغ تکبر سے بھر گیا جس تکبر سے شیطان ملعون ہوا وہ بلائے تکبر سب امراء میں عام ہو گئی۔ علماء ذلیل کئے گئے۔ اور شریعت کا لباس و خوراک وغیرہ سب حقارت سے دیکھا گیا۔ اور دنیاوی آرائش اصل مقصود ہو گئی۔ حتیٰ کہ سلطنت ایک نعمت عظمیٰ سمجھی گئی۔ اور بادشاہ کی اولاد ہی اس کی جان کی خواہاں ہو گئی۔ بادشاہ نے اپنی زبان کو حکم قرار دیا اور جمہوری سلطنت کا طریقہ جاتا رہا۔ کہاں تک اس کی خرابیاں میان ہوں۔ ذرا غور سے سب ظاہر ہو جاتی ہیں۔ (وانا للہ وانا الیہ راجعون)

(وجہ ہفتم) ابلیس نے امراء و سلاطین پر رچایا کہ فی الجملہ معاصی و حظ نفس تمہارے واسطے چنداں مضر نہیں جب کہ تمہاری قوت سے ملک میں امن و امان ہے۔ اور راہوں کی حفاظت ہے۔ یہی تم سے عذاب دفع کرے گا۔ (جواب) یہ ہے کہ جاہل سلطان سے کہا جائے کہ تم تو اسی واسطہ مقرر ہوئے تھے اور تمہاری اطاعت سب پر لازم کی گئی تھی کہ ممالک اسلام کی حفاظت رکھو اور راہوں کی حفاظت رکھو تو تم پر حق واجب تھا پھر تم نے کیا ایسا کام زائد کیا ہے جس سے عذاب دور ہونے کے امیدوار ہو۔ گناہوں سے تم کو منع کر دیا گیا تھا تو جو کچھ تم پر واجب تھا وہ تم سے پورا ادا نہ ہوا۔ اور جس سے منع کیا گیا تھا اس میں بڑھ کر نافرمان ہوئے تو عذاب کیوں دفع ہوگا۔

(وجہ ہشتم) ابلیس ان میں سے اکثر امراء و سلاطین پر یہ تلمیس ڈالتا ہے کہ تم نے خوب ٹھیک انتظام کیا ہے۔ دیکھو سب حالات کیسے مستقیم ہیں۔ حالانکہ جب ذرا غور سے دیکھو تو معلوم ہو جائے کہ بجز ت خلل و خرابی موجود ہے۔

قاسم بن طلحہ بن محمد الشاہد سے روایت ہے کہ میں نے علی بن عیسیٰ وزیر کو دیکھا کہ ایک شخص کو انگور فروخت کرنے کے واسطے مقرر کیا تھا۔ وہ انگور فروشوں کے یہاں پھرتا پھرتا تھا جب کوئی شخص ایک ٹوکرا انگور خریدتا تو دے دیتا۔ اور جب دو یا زیادہ خریدتا تو اس پر نمک چھڑک دیتا تاکہ اس سے شراب نہ بن سکے۔ قاسم نے یہ بھی بیان کیا کہ میں نے سلاطین کو پایا کہ منجموں کو راہوں پر بیٹھنے سے روکتے تاکہ نجوم پر عمل کرنا لوگوں میں نہ پھیل جائے اور ہم نے لشکر کو اس صفت کے ساتھ پایا کہ کسی کے ساتھ بے داڑھی موچھ کالونڈانہ تھا۔ جو کاکل بنائے اور بال سنوارے ہو یہاں تک کہ عجیموں کا میل جول بڑھا تو انہوں نے یہ فحش ایجاد کیا۔

(وجہ نہم) ایلینس نے ان کی نظر میں رچایا کہ سخت مار پیٹ سے لوگوں کے مال کھینچ لیں۔ یعنی مال گزاری و خراج وغیرہ بہت سختی سے وصول کرتے ہیں اور اگر کسی عامل وغیرہ نے خیانت کی تو اس کا مال ضبط کر لیتے ہیں۔ حالانکہ اختیار فقط اسی قدر ہے کہ خائن پر گواہ قائم کریں یا اس سے قسم لیں۔ ہم کو روایت پہنچی کہ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کو ان کے ایک عامل نے لکھا کہ ایک قوم نے خداوندی مال میں خیانت کی ہے اور بدن عذاب و سزا کے ان سے وصول کرنا ممکن نہیں معلوم ہوتا تو جواب میں لکھا کہ اگر وہ لوگ اپنی اس خیانت کے ساتھ خدا سے ملیں تو یہ مجھے زیادہ پسند ہے بہ نسبت اس کے کہ میں ان کے خون کا مظلمہ لا دے ہوئے خدا سے ملوں۔

(وجہ دہم) ایلینس نے ان کو رچایا کہ اول تو کمزور رعایا سے مال چھین لیتے ہیں۔ پھر اس مال کو خیرات کرتے ہیں اس زعم پر کہ اس سے گناہ مٹ جائے گا۔ بلکہ کہتے ہیں کہ صدقہ کا ایک درہم ہمارے دس درہم غصب کا جرم مٹائے گا۔ اور یہ باطل و محال ہے۔ کیونکہ زبردستی چھین لینے کا گناہ باقی ہے اور رہا صدقہ کا درہم تو وہ اگر اس غصب کے مال سے تھا تو قبول نہ ہو گا اور اگر مال حلال سے تھا تو بھی وہ غصب کا جرم معاف نہیں کر سکتا اس لئے کہ فقیر کو دینا کچھ دوسرے مظلوم کا حق باقی رہنے کو نہیں روکتا (مترجم کہتا ہے کہ فقہاء کی جماعت کثیر نے کہا کہ غصین وغیرہ حرام مال سے صدقہ دے کر ثواب کی امید رکھنا کفر میں داخل ہے)

(وجہ یازدہم) ایلینس نے ان کو رچایا کہ وہ معاصی پر اصرار کے ساتھ ساتھ صلحاء کی ملاقات کا بھی بڑا شوق رکھتے ہیں اور ان سے اپنے حق میں دعائیں کراتے ہیں۔ شیطان ان کو سمجھاتا ہے کہ اس سے گناہوں کا پلڑا ہلکا ہو جائے گا۔ حالانکہ اس خیر سے

اس شرکاد فعیہ نہیں ہو سکتا ایک مرتبہ ایک تاجر ایک محصول وصول کرنے والے کے پاس سے گزرا۔ اس چنگی والے نے اس کی کشتی روک لی۔ وہ تاجر اپنے زمانہ کے مشہور مرد صالح مالک بن دینار کے پاس آیا اور ان سے واقعہ بیان کیا۔ مالک بن دینار اس چنگی والے کے پاس گئے۔ اور اس تاجر کی سفارش کی اس نے ان کی بڑی تعظیم کی اور کہا کہ آپ نے کیوں زحمت فرمائی وہیں سے کھلوادیا ہوتا ہم تعمیل کرتے۔ پھر اس نے ان سے دعا کی درخواست کی۔ انہوں نے اس بڑتن کی طرف اشارہ کر کے (جس میں وہ چنگی کا ناجائز روپیہ وصول کر کے رکھتا تھا) فرمایا کہ اس بڑتن سے کہو کہ وہ تمہارے لئے دعا کرے۔ پھر فرمایا کہ میں تمہارے حق میں کیا دعا کروں جب کہ ہزار آدمی تمہارے لئے بد دعا کرتے ہیں۔ کیا ایک آدمی کی سن لی جائے گی اور ہزار کی نہ سنی جائے گی۔

(وجہ دوازدہم) بعضے عمال اپنے بالادست حکموں کے واسطے کام کرتے ہیں اور وہ عمال کو ظلم کا حکم کرتا ہے تو یہ منحوس ظلم کرنے لگتا ہے۔ ایلئس اس کو بھکاتا ہے کہ اس کا گناہ اس سردار پر ہے جس نے یہ حکم دیا ہے۔ تجھ پر نہیں ہے۔ کیونکہ تو اس کے حکم و قانون کے موافق عمل کرتا ہے۔ حالانکہ یہ محض باطل ہے اس لئے کہ یہ شخص اس کے ظلم میں اور ظالمانہ قانون کے عملدرآمد میں اس کا مددگار ہے اور جو کوئی ظلم و گناہ میں دوسرے کا مددگار ہو وہ عاصی ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے خر کے بارہ میں دس آدمیوں پر لعنت فرمائی اور سود کے کھانے والے اور کھلانے والے اور لکھنے والے اور گواہوں پر لعنت فرمائی ہے اور اسی قسم میں سے یہ ہے یہ مال مملکت بالادست کے پاس غصب و ظلم وغیرہ سے جمع کر کے لے جاتا ہے اور خوت جانتا ہے کہ وہ شخص اسراف و بے جا حرکات میں خرچ کرتا ہے تو یہ بھی ظلم کی اعانت ہے۔ جعفر بن سلیمان نے کہا کہ میں نے مالک بن دینار سے سنا۔ وہ فرماتے تھے کہ آدمی کی خیانت کے واسطے یہ کافی ہے کہ بیت المال میں خیانت کرنے والوں کا معین ہو۔

﴿باب ہشتم﴾

عابدوں پر عبادت میں تلمیس ابلیس کا بیان

مصنفؒ نے کہا واضح ہو کہ سب سے بڑا دروازہ جس سے ابلیس لوگوں کے پاس آتا ہے وہ جمالت کا دروازہ ہے۔ پس ابلیس جاہلوں کے یہاں بے کھٹکے داخل ہوتا ہے اور رباعالم تو اس کے یہاں سوائے چوری کے کسی طرح نہیں آسکتا ہے ابلیس نے بہت سے عابدوں پر یہ تلمیس اس لئے پھیلائی کہ ان کو علم شریعت بہت کم تھا۔ کیونکہ عابدوں میں اکثر یہی حالت ہوتی ہے کہ بدون علم پڑھے عبادت کے لئے گوشہ نشین ہو جاتے ہیں۔ ربیع بن خثیمؒ نے فرمایا کہ پہلے علم حاصل کر پھر گوشہ نشین ہو۔

ابلیس نے عابدوں پر اول یہ تلمیس ڈالی کہ انہوں نے علم پر عبادت کو ترجیح دی۔ حالانکہ نوافل سے علم افضل ہے۔ پس ابلیس نے ان کی رائے میں یہ بجایا کہ علم سے عمل مقصود ہے۔ اور عمل سے یہی عمل سمجھے کہ جو جوارح سے حاصل ہوتا ہے اور یہ نہ جانا کہ علم بھی قلبی عمل ہے اور قلبی عمل بہ نسبت ظاہری اعضاء کے اعمال کے افضل ہوتا ہے (بلکہ جوارح کا کوئی عمل بدون قلبی عمل نیت کے درست ہی نہیں ہوتا) مطرف بن عبداللہؒ نے کہا کہ زائد علم زائد عبادت سے بہتر ہے۔ یوسف بن اسباطؒ نے کہا کہ علم کا ایک باب حاصل کرنا ستر غزوات سے افضل ہے معافی بن عمر انؒ نے کہا کہ ایک حدیث لکھنا مجھے تمام رات کی عبادت سے زیادہ محبوب ہے۔

مصنفؒ نے کہا کہ جب ابلیس کی یہ تلمیس ان لوگوں پر چل گئی اور علم چھوڑ کر انہوں نے عبادت کو اختیار کیا تو ابلیس نے عبادت کی ہر شاخ میں ان پر تلمیس ڈالی چنانچہ ذیل میں بیان ہوتا ہے۔

قضاۓ حاجت اور حدت میں تلمیس ابلیس کا ذکر

ابلیس نے بعض پر رچایا تو بہت دیر تک پائخانہ میں بیٹھ رہتے ہیں۔ اس سے جگر ضعیف ہو جاتا ہے چاہیے کہ انداز سے بیٹھے۔ بعض کو دیکھو کہ (پیشاب کرنے کے بعد) کھڑا ہو کر ٹہلتا اور ہلاٹ سے کھانتا (بلکہ ہنساتا ہے) اور ایک قدم اوپر اٹھاتا اور دوسرا دے مارتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اس طریقہ سے وہ خوب قطرات پیشاب سے صفائی

کرتا ہے حالانکہ وہ جس قدر ایسی حرکات میں زیادتی کرے گا اسی قدر قطرات نیچے اترنے شروع ہوں گے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ پانی جو غذا وغیرہ کے ساتھ پیا جاتا ہے وہ انضمام اور ترقیق غذا کے بعد بطور فضلہ مثانہ کی طرف بہا دیا جاتا ہے اور وہاں جمع ہوتا ہے اور جب انسان خود پیشاب کے قصد سے بیٹھتا ہے تو جس قدر پیشاب جمع ہوتا ہے اسے قوت و دفعہ بہا دیتی ہے اور جب وہ کھڑا ہو کر کنکھار نے لگا اور توجہ لگائی کہ کچھ نکلے تو طبیعت جو باقتضاء حکمت الہیہ جاری ہے وہ پیشاب کا پانی مثانہ کی طرف لائے گی۔ اور (چونکہ یہاں کی مقدار کا قصد نہیں ہے تو) قطرات ٹپکائے گی اور یہ ترشح کبھی منقطع نہ ہوگا۔ بلکہ اس کو یہ کافی تھا کہ دو انگلیوں سے نازہ کو نچوڑ کر پانی سے دھو ڈالتا۔

بعض کی یہ حالت ہے کہ ابلیس نے اس کو بہت سا پانی بہانا اچھا بتلادیا حالانکہ سب سے سخت مذہب کے موافق بھی عین نجاست دور کرنے کے بعد سات مرتبہ دھونا کافی دوانی تھا اور اگر اس نے ڈھیلوں اور پتھروں کا استعمال کیا تو مخرج سے ادھر ادھر اگر کچھ نہ لگا ہو، تو تین پتھروں سے صاف کرنا اس کو کافی تھا جب کہ صاف ہو جائے اور جس کسی نے اس پر قناعت نہ کی جو شرع نے طریقہ بتلایا ہے تو وہ بدعتی ہے شرع کے متبع نہیں ہے۔

وضو میں تلمیس ابلیس کا ذکر

ابلیس ان جاہل عابدوں میں سے بعض پر نیت میں تلمیس کرتا ہے۔ چنانچہ تم دیکھو کہ وہ پے در پے زبان سے بکتا ہے۔ اول کہتا ہے کہ میں رفع حدث کی نیت کرتا ہوں پھر کہتا ہے کہ نماز مباح ہونے کی نیت کرتا ہوں پھر کہتا ہے کہ رفع حدث کی نیت کرتا ہوں اس سب تلمیس کا سبب یہ کہ وہ شرع سے جاہل ہے، تو شیطان اس پر دوسوہ پر دوسوہ ڈالنے میں غالب ہے۔ وہ نہیں جانتا کہ نیت تو دلی قصد و ارادہ کا نام ہے اور زبانی لفظ کچھ بھی نہیں ہے۔ اور اگر فرض کرو زبان ہی سے کہا تھا تو ایک مرتبہ کہنا کافی تھا اس میں دو دو اور تین تین مرتبہ زبان سے بچنے کے کچھ معنی نہیں ہے۔ (مترجم کہتا ہے کہ شاید کچھ لوگوں نے بچوں کو تعلیم کے طور پر زبان سے سکھلایا ہو کہ اس کے معنی دل میں لاؤ۔ پھر ان جاہلوں نے اسی لفظ کو نیت قرار دیا) بعض عابد جاہل کی یہ حالت ہے کہ اس کو دوسوہ دلایا کہ تم اس پانی میں غور کرو جس سے وضو کرو گے۔ یہ بھلا تم کو پاک کہاں سے میسر ہوا۔ تو تمہارا وضو مشکوک ہوگا۔ غرض ہر طرح کے بعید احتمال اس کے

ذہن میں ڈالتا ہے۔ حالانکہ اس شخص کے واسطے شرع کا فتویٰ یہ کافی تھا کہ پانی اصل میں پاک ہے تو کسی احتمال کی وجہ سے وہ پاکیزگی سے خارج نہ ہوگا (مترجم کہتا ہے کہ بعض کو دیکھو کہ کھلے منہ کنوئیں سے وضو کا پانی نہیں لیتا کہ شاید اڑتی چڑیا نے اس میں بیٹ کر دی ہو، اور شاید کوئی کیڑا اس میں گر کر مر گیا اور ایسے اوہام سے وہ تالاب و دریا تلاش کرتا ہے، اعوذ باللہ من وساوس الشیاطین)

بعض پر تلمیس ڈالتا ہے کہ بہت سا پانی بہاؤ اس میں چار باتیں مکروہ جمع ہو جاتی ہیں۔ (اول) پانی میں اسراف (دوم) وقت برباد کرنا جس کی قیمت کا کچھ اندازہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ وسوسا نہ واجب ہے نہ مستحب (بلکہ مذموم قبیح ہے تو عمر برباد ہے) (سوم) شریعت پر تعلیٰ کرنا، کیونکہ شرع نے تھوڑے پانی کے استعمال کی تاکید فرمائی اور اس نے اس حکم پر قناعت نہ کی اور کافی نہ جانا۔ (چہارم) شرع نے تین بار دھونے سے زائد کو ظلم و تعدی ٹھہرایا تو یہ ممنوع میں اول ہی سے داخل ہوا۔ اکثر یہ دیکھا گیا کہ وضو میں اس نے یہاں تک طول دیا کہ نماز کا وقت ہی نکل گیا۔ یا اس کا اول وقت فضیلت کا جاتا رہا یا جماعت جاتی رہی۔ ابلیس اس کو تلمیس میں اس طرح پھنساتا ہے کہ تو اس وضو میں احتیاط کر، کیونکہ تو ایسی عبادت کو شروع کرتا ہے کہ اگر یہ درست نہ ہو تو نماز ہی درست نہ ہوگی۔ اس عابد کو ذرا غور کرنا چاہیے تھا کہ وہ احتیاط میں نہیں ہے بلکہ بے جا مخالفت و اسراف و بے ہودگی میں گرفتار ہے۔ ہم نے تو بہت ایسے دیکھے ہیں جو اس قسم کے وسوسا میں گرفتار ہیں اور ان کو یہ خیال بھی نہیں کہ ہمارا کھانا پینا حرام ہے یا حلال، اور نہ اپنی زبان کو غیبت سے روکتے ہیں۔ کاش ایسا جاہل برعکس کر لیتا۔ یعنی زبان کو غیبت سے روکتا اور کھانے پینے میں احتیاط رکھتا اور وضو اور اس کے پانی میں شرعی حکم سے کچھ بھی تجاوز نہ کرتا۔

عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر سعد رضی اللہ عنہ کی طرف اس حال میں ہوا کہ وہ وضو کر رہے تھے فرمایا کہ اے سعد رضی اللہ عنہ یہ کیا اسراف ہے۔ سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ کیا وضو میں بھی پانی کا اسراف کا معتبر ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں اگرچہ تو بہت دریا سے وضو کرے ابلی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وضو میں وسوسا کے واسطے ایک شیطان مقرر ہے اس کا نام ولہمان ہے تم اس سے بچو۔ حسن بصریؒ نے کہا کہ وضو کے شیطان کا نام ولہمان ہے وہ وضو میں لوگوں پر مضحکہ کرتا ہے۔

ابو نعامہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ عبد اللہ بن مغفلؓ نے اپنے بیٹے کو نماز کے بعد
 طول طویل دعا کرتے سنا کہ الہی مجھے فردوس دیجو۔ اور الہی میں یہ مانگتا ہوں اور وہ مانگتا
 ہوں تو عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے فرزند تو جنت کی درخواست کر اور جہنم
 سے پناہ مانگ کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ اس امت میں ایک قوم ہوگی جو
 دعا کرنے میں اور وضو کرنے میں حد سے بڑھ جاویں گے۔ ابو شوزبؓ نے کہا کہ حسن
 بصریؓ ان سیرینؓ پر یہ تعریض کیا کرتے تھے کہ یہ کیا ہے کہ تم سے آدمی ایک مشک
 سے وضو کرتا ہے اور ایک پکھال سے نہاتا ہے اور کثرت سے پانی لندھاتا ہے اور ملتا
 جاتا ہے۔ مفت اپنی جان کو تکلیف دیتا ہے اور اپنے نبی ﷺ کے طریقہ سے مخالفت
 کرتا ہے۔ ابو الوفاء ان عقیلؓ نے کہا کہ علماء عاقلین کے نزدیک خوبی وقت کی حفاظت
 اور عبادت میں پانی کے ساتھ تکلف نہ کرتا ہے اور بے شک حضرت ﷺ نے فرمایا کہ
 جس اعرابی نے مسجد میں پیشاب کر دیا تھا اس کے پیشاب پر ایک ڈول پانی بہا دو۔ اور
 منی کے حق میں فرمایا کہ اگر تیرے لگ جاوے تو چاہے اذخر گھاس ہی سے اس کو پونچھ
 کر دور کر دے۔ اور جوتے و موزے کے حق میں فرمایا کہ اس کو زمین سے رگڑ دے۔
 یہی اس کی پاکی ہے اور جس عورت کا دامن دراز لٹکتا جاتا تھا (اور اس نے پوچھا کہ وہ
 زمین کی نجاست پر لٹک جاتا ہے) فرمایا کہ جو زمین اس کے بعد آتی ہے جب اس سے
 رگڑ گیا تو پاک ہو جاتا ہے۔ اور فرمایا کہ لڑکی اگر پیشاب کر دے تو دھویا جاوے اور لڑکا
 ہو تو اس پر چھیننا دینا کافی ہے۔ (یعنی جب تک یہ دونوں دودھ پیتے ہیں) اور خود حضرت
 ﷺ اپنی نواسی ابو العاص ابن الربیع کی بیٹی کو نماز میں اپنے کندھے پر اٹھائے رہتے
 تھے اور حضرت ﷺ کے ساتھیوں میں سے جس نے سفر میں چرواہے سے پوچھا کہ
 تیرے اس تالاب پر درندے بھی پانی پینے آتے ہیں تو حضرت ﷺ نے چرواہے سے
 فرمایا کہ تو اس متکلف پوچھنے والے کو کچھ آگاہ مت کر اور فرمایا جو ان جانوروں نے چھوڑ
 دیا وہ ہمارے واسطے پاک ہے اور ایک مرتبہ مقررۃً والا تھا یعنی تھوڑے پانی کا گڑھا تھا اس
 سے بھی ایک نے اسی طرح پوچھا تھا تو حضرت ﷺ نے مقررۃً والے کو فرمایا کہ اس کو
 مت آگاہ کر اور دیکھو کہ حضرت ﷺ نے اعراب سے مصافحہ کیا اور بعض اوقات حمار
 پر سوار ہوا کرتے تھے اور آپ ﷺ کی عادت شریف سے یہ معلوم نہ ہوا کہ پانی بہت
 پھینکتے تھے۔ اور مسجد کے سقاہ سے وضو کیا۔ اعراب کا حال سب جانتے ہیں۔ چنانچہ ان
 میں سے ایک تو وہ تھا کہ جس نے مسجد میں بیٹھ کر پیشاب کر دیا تھا (یعنی بے لوگ پیشاب

سے چنداں احتیاط نہ کرتے تھے اور نہ ان کے ہاتھوں کا احتیاط سے رکھنا قطعی معلوم ہوا۔ لیکن نجاست ظاہر نہ تھی) اور حضرت ﷺ نے یہ سب ہم لوگوں کو تعلیم فرمانے کے لئے کیا تھا اور یہ آگاہ فرمایا کہ پانی اصل طہارت ہے اور خود ایسے غدیر (چھوٹی تلیا) سے وضو کیا جس کا پانی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا بھگوئی ہوئی مہندی کا پانی ہے۔ رہا یہ کہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ پیشاب سے پرہیز کرو تو اس کے معنی سمجھنے چاہئیں۔ یعنی پرہیز کرنے کی حد معلوم ہے۔ مطلب یہ کہ جہاں کہیں پیشاب لگ جاوے اس سے غفلت نہ کرو بلکہ اس کو پانی سے دھو ڈالو و سو اس یہ ہے کہ وہ پانی کے پیچھے لگ گیا، اور یہاں تک بہا تا رہا کہ وقت نکل گیا۔ ایسی بے ہودگی میں وقت گزار دیا کہ شرع نے اس کا حکم نہیں دیا ہے۔

مصنفؒ نے کہا کہ اسود بن سالم جو کبار صالحین میں سے تھے پہلے پانی بہت بہایا کرتے تھے پھر اس کو ترک کر کے بہت کم پانی سے وضو کیا۔ تو ایک شخص نے ان سے اس کا سبب پوچھا تو اسودؒ نے فرمایا کہ میں ایک رات سو رہا تھا کہ ایک ہاتف نے مجھے آواز دی کہ اے اسود یہ کیا اسراف ہے؟

یحییٰ بن سعید الانصاری نے سعید بن المسیب سے ہم تک یہ حدیث پہنچائی کہ جب وضو تین مرتبہ سے بڑھا تو وہ (برائے ثواب) آسمان پر بلند نہیں کیا جاتا ہے۔ میں نے کہا کہ اچھا اب میں ایسا نہ کروں گا۔ چنانچہ اب مجھے ایک چلوپانی کفایت کرتا ہے۔

اذان میں عابدوں پر تلمیس ابلیس کا بیان

مجملہ تلمیسات کے تخمین ہے۔ یعنی لحن و راگنی سے اذان دیتے ہیں۔ حالانکہ امام مالکؒ وغیرہ علماء نے اس کو سخت مکروہ جانا ہے۔ اس لئے کہ یہ اس کو مقام تعظیم سے نکال کر راگ و گانے کے مشابہ کرتی ہے۔

اذان جملہ یہ کہ یہ لوگ اذان فجر سے پہلے ذکر و تسبیح و دو عطا شروع کرتے ہیں اور ان چیزوں کے پیچ میں اذان دیتے ہیں تو وہ گڈمڈ ہو جاتی ہے۔ علماء نے ہر ایسی چیز کو جو اذان میں ملائی جائے مکروہ رکھا ہے۔ اور ہم نے دیکھا ہے کہ رات میں شب بیداری کرنے والا اکثر منارہ پر چڑھا ہوا قرآن کی سورتیں بلند آواز سے پڑھتا رہا اور ذکر بآواز بلند کرتا رہا اور وعظ کھتا رہا۔ گویا اس نے آواز بلند کیا اور لوگوں کی نیند حرام کر دی اور جو لوگ اپنے حجرہ میں شب بیداری و تہجد میں تھے ان پر قرأت گڈمڈ کر دی یہ سب

منکرات میں سے ہے۔

نماز میں عابدوں پر تلبیس ابلیس کا بیان

ازال جملہ یہ کہ جو لباس نماز میں پہنا جاتا ہے اس کو باوجود پاک ہونے کے بار بار دھویا اور کبھی کسی مسلمان نے اس کو چھوا تو بھی دھو ڈالا۔ بعض ان میں ایسے تھے کہ دجلہ میں اپنے کپڑے دھوتے تھے ان کے نزدیک گھر میں دھونا کافی نہ تھا۔ ان میں سے بعض کی یہ کیفیت تھی کہ کپڑے کنوئیں میں لٹکاتے جیسے یہودی کرتے ہیں صحابہ رضی اللہ عنہم ان میں سے کوئی بات نہیں کرتے تھے۔ بلکہ جب انہوں نے فارس فتح کیا تو یہاں جو کپڑے ہاتھ آئے اور وہ شرعاً پہننے کے لائق تھے یعنی ریشمی وغیرہ نہ تھے ان ہی میں نماز پڑھی۔ اور ان کی چادریں و فرش کام میں لائے۔

بعضے و سوسے والے دیکھے گئے کہ اگر اس کے کپڑے پر ایک چھینٹ پڑی تو وہ سب کپڑا دھو ڈالا۔ اور بار بار ایسا کرنے کے واسطے اس نے جماعت چھوڑ دی اور بہتوں نے خفیف بارش میں اس خوف سے جماعت چھوڑی کہ ایسا نہ ہو اس کے کپڑے پر چھینٹ پڑ جاوے۔ واضح ہو کہ کوئی بدگمان یہ زعم نہ کرے کہ میں پاکیزگی و طہارت و پرہیزگاری سے مانع ہوں۔ نہیں بلکہ میں اس تکلف اور مبالغہ سے منع کرتا ہوں جو حد شرع سے خارج اور اوقات ضائع کرنے والا ہے۔

ازال جملہ ابلیس نے ان پر نماز کی نیت میں و سوسہ و تلبیس ڈالی۔ چنانچہ بعض کو دیکھو کہ کہتا ہے فلاں نماز پڑھتا ہوں۔ پھر دوبارہ اسی کو دہراتا ہے اور پے در پے ایسا کرتا ہے۔ اس گمان پر کہ اس نے نیت توڑ ڈالی۔ حالانکہ نیت تو نہیں ٹوٹ سکتی اگرچہ الفاظ میں نقص بھی ہو۔

بعض کا یہ حال ہے کہ وہ تکبیر تحریمہ کہتا ہے پھر توڑ کر تکبیر کہتا ہے پھر اسی طرح و سوسہ میں توڑتا اور کہتا ہے یہاں تک کہ امام رکوع میں جاتا ہے تو ناچار یہ و سوسہ والا تکبیر کہہ کر رکوع میں شامل ہو جاتا ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ اس رکوع میں جاتے وقت اس کی نیت کیسے حاضر ہو گئی اور پہلے اس کو حاضری سے کیا چیز مانع تھی۔ میرے خیال میں تو بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ ابلیس نے چاہا کہ اس کو فضیلت قرأت و سماعت وغیرہ حاصل نہ ہو۔

و سوسہ والوں میں بعضے ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے پاک نام کی قسم کھاتے ہیں

کہ اکنار کروں گا اور بعضے طلاق زوجہ و اعتقاق غلام و صدقہ مال کی قسم کھاتے ہیں۔ حالانکہ یہ سب ابلیس کی تلمیسات ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے شریعت سہل، آسان اور ایسی آفتوں سے پاک و صاف رکھی ہے۔ اور کبھی حضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ کے واسطے ان امور میں سے کچھ جاری نہ ہو۔ ہم کو روایت پہنچی ہے کہ ابو حازمؒ مسجد میں داخل ہوئے تو ابلیس نے ان کو دوسوہ دلایا کہ تم بے وضو ہی نماز پڑھنے کا قصد کرو، تو فرمایا کہ اے دشمن تیری نصیحت میرے حق میں کبھی اس مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتی ہے۔

اس تلمیس کا کشف یہ ہے کہ دوسوہ والے سے کہا جائے کہ اگر تو حضور نیت کا قصد کرتا ہے تو وہ حاضر ہے۔ اس لئے کہ تو کھڑا ہے۔ تاکہ فریضہ ادا کرے۔ اور یہی نیت ہے۔ اور نیت کا محل دل ہے زبان نہیں ہے۔ نیز الفاظ کہنے واجب نہیں ہیں پھر بھی تو نے الفاظ صحیح ادا کر لئے تو اب دہرانے کی کیا وجہ ہے کیا ترانگمان ہے کہ تو نے یہ نہیں کہا حالانکہ کہہ چکا ہے۔ تو یہ مرض ہے۔

مصنفؒ نے کہا کہ مجھ سے بعضے مشائخ نے ابن عقیل کی ایک عجیب حکایت نقل کی کہ ایک شخص نے ابن عقیلؒ سے پوچھا کہ یا حضرت میں عضو دھوتا ہوں پھر کتا ہوں کہ میں نے نہیں دھویا اور تکبیر کتا ہوں پھر کتا ہوں کہ میں نے تکبیر نہیں کی تو ابن عقیلؒ نے کہا کہ تو نماز چھوڑ دے۔ تجھ پر نماز واجب نہیں ہے تو ایک قوم نے عرض کیا کہ یا حضرت آپ نے اس شخص کو یہ کیا فتویٰ دیا ہے۔ تو ابن عقیلؒ نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔ رفع القلم عن المحنون حتی یفیق۔ یعنی مجنون سے قلم اٹھالیا گیا ہے جب تک وہ تندرست نہ ہو تم دیکھتے ہو کہ جو کتا ہے میں نے تکبیر کی۔ پھر کتا ہے کہ نہیں کی تو وہ عاقل نہیں ہے اور مجنون پر نماز واجب نہیں ہے (مترجم کتا ہے کہ شیخ نے بھی ایک اسی قسم کا لطیفہ لکھا ہے کہ دوسوہ والے سے کہا جائے کہ جیسے تو نے ہم سے کہنا کہ میں نے تکبیر کی اسی طرح ابلیس سے کہا کہ میں کہہ چکا ہوں)

مصنفؒ نے کہا واضح ہو کہ نماز کی نیت میں دوسوہ کا سبب عقل کی خطی اور شرع سے جمالت ہے۔ یہ معلوم رہے کہ جس کے پاس کوئی عالم آیا وہ عالم کے واسطے نکرہ سا کھڑا ہوا پس اگر کہے کہ نیت کرتا ہوں کہ میں اس عالم کے واسطے اس کے علم کی وجہ سے سیدھا اس کی طرف متوجہ ہو کر کھڑا ہو جاؤں تو یہ اس کی عقل کی سفاہت ہو

گی۔ بلکہ کم از کم یہ بات تو اس کی نیت میں ہے تو اسی طرح آدمی جب نماز میں کھڑا ہوتا ہے تاکہ فریضہ ادا کرے تو یہ بات اس کی نیت میں متصور ہوتی ہے اس کے واسطے کسی قدر زمانہ کی ضرورت نہیں ہے بلکہ زمانہ و دیر تو اس کے واسطے الفاظ ادا کرنے میں لگتا ہے۔ حالانکہ یہ الفاظ کی ادائیگی کچھ بھی لازم نہیں ہے۔ اور وسواس محض جمالت ہے۔ وسواسی یہ چاہتا ہے کہ ایک آن میں اس کے دل میں ظہر کی نماز ہو نا اور ادا کرنا اور فرض ہو نا اور منہ کعبہ کی طرف ہو نا اور اللہ تعالیٰ کے لئے ہو نا۔ تفصیل الفاظی سامنے ظاہر ہو جائے اور یہ محال ہے اسی طرح اگر عالم کے لئے تکریم کھڑے ہونے میں یہی الفاظ کہنے چاہئیں تو وہاں بھی محال ہو جائے۔ پس جس نے یہ بات پہچان لی اس نے نیت پہچان لی، پھر واضح ہو کہ نیت کا مقدم ہونا تکبیر پر چاہیے۔ جب تک اس کو فتح نہ کر لے نیت موجود ہے پس نیت کو تکبیر کے ساتھ ملانے میں یہ تعجب کیوں اٹھاتا ہے۔ علاوہ بریں جب نیت اس نے حاضر کر لی تو چاہے جتنی دیر بعد تکبیر کہے وہ تکبیر سے مل جائے گی۔

مسعرؒ نے بیان کیا معن بن عبد الرحمن نے ایک رسالہ مجھے دکھلایا اور قسم کھا کر کہا کہ یہ میرے والد کا لکھا ہوا ہے۔ میں نے اس میں دیکھا تو یہ لکھا تھا کہ (ترجمہ) قسم اس اللہ پاک کی جس کے سوائے کوئی معبود نہیں ہے میں نے رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کسی کو ان تکلف کرنے والوں پر سخت نہیں دیکھا۔ اور نہ آپ ﷺ کے بعد میں نے ابو بکر رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کسی کو ان پر سخت نہ دیکھا۔ اور میرا گمان ہے کہ صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد عمر رضی اللہ عنہ سب اہل زمین سے زیادہ ان متکلفین پر سخت تھے۔

فصل :- بعضے وسواسیوں کا یہ حال ہے کہ جب اس نے نیت صحیح کر کے تکبیر کہ لی تو پھر باقی نماز سے بالکل غافل ہو جاتا ہے گویا نماز سے فقط یہی تکبیر مقصود تھی۔ اس تلمیس کا کشف یہ ہے کہ وسواسی سے کہا جائے کہ تکبیر تو اس عبادت میں داخل ہونے کے واسطے کہی جاتی ہے پھر تو باقی عبادت سے کیوں غافل ہوتا ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ عبادت جو بمنزلہ گھر کے ہے اس کی حفاظت سے غافل ہو اور تکبیر جو بمنزلہ دروازہ کے ہے فقط اس کی حفاظت کرے۔

فصل :- بعضے وسواسی کو دیکھا جاتا ہے کہ امام کے پیچھے اس کی تکبیر اس وقت جا کر ٹھیک ہوتی ہے جب رکعت میں سے بہت خفیف حصہ باقی رہ جاتا ہے۔ پھر وہ

سبحانک اللہم اور اَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ پڑھتا ہے اور امام رکوع میں جاتا ہے تو اس کے ساتھ رکوع میں چلا جاتا ہے۔ یہ بھی ابلیس کی تلبیس ہے۔ اس لئے کہ وہ جو کچھ پڑھتا رہا۔ یعنی سبحانک اللہم اور اَعُوذُ بِاللّٰہِ وہ تو سنت تھا۔ اور اس نے قرأت فاتحہ چھوڑ دی جو واجب ہے تو کیونکر واجب چھوڑ کر مسنون پڑھتا رہ گیا۔

مصنفؒ نے کہا کہ میں چمن میں اپنے شیخ ابو بکر الدینوری فقیہ کے پیچھے نماز پڑھا کرتا اور یہی کیا کرتا۔ ایک مرتبہ انہوں نے مجھے دیکھا تو فرمایا کہ اے فرزند فقہاء نے امام کے پیچھے سورہ فاتحہ واجب ہونے میں اختلاف کیا ہے اور سبحانک اللہم وغیرہ دعائے استفتاح کے سنت ہونے میں کچھ اختلاف نہیں کیا۔ تو تو ایسے موقع پر سنت چھوڑ کر واجب میں مشغول ہو جایا کر۔

فصل :- ابلیس نے ایک قوم پر اپنی تلبیس ڈالی تو انہوں نے بہت سی سنتوں کو چھوڑ دیا جو خاص خاص واقعات کے جو ان کو پیش آئے۔ چنانچہ بعض نے صف اول کی حاضری چھوڑ دی اور کہا کہ اس سے مراد قرب دلی ہے۔ بعض نے نماز میں ہاتھ پر ہاتھ رکھنا چھوڑا اور کہا کہ مجھے شرم آتی ہے کہ ایسا خشوع ظاہر کروں جو میرے دل میں نہیں ہے کہ ہم کو یہ دو فعل دو صالحین پر رگوں سے پہنچے کہ وہ دونوں ایسا کیا کرتے تھے۔ حالانکہ اس کا باعث قلت علم ہے۔ چمن میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگر لوگ جانتے کہ اذان کہنے اور صف اول میں کیا فضیلت ہے۔ پھر سوائے قرعہ ڈالنے کے کوئی راہ نہ پاتے تو اس کے حاصل کرنے پر قرعہ ڈالتے۔ حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ میں مرفوعاً آیا ہے کہ مردوں کی بہتر صف اول ہے اور بدتر پچھلی صف ہے۔ اور عورتوں کی بدتر صف اول ہے اور بہتر پچھلی ہے۔ (رواہ مسلم) اور رہا ہاتھ پر ہاتھ رکھنا تو یہ سنت ہے۔ ابو داؤد نے روایت کی کہ ابن الزبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہاتھ پر ہاتھ رکھنا سنت ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نماز پڑھتے تھے۔ اور دائیں پر بایاں ہاتھ رکھتے تھے تو حضرت ﷺ نے جھڑا کر بائیں پر دایاں رکھ دیا۔

مصنفؒ نے کہا کہ تم پر ہمارا اس شخص پر انکار جو یہ کہے کہ صف اول کی حاضری سے مراد قرب دلی ہے اور یہ کہ میں نماز میں ہاتھ پر ہاتھ نہیں رکھوں گا۔ اگرچہ وہ شخص اکابر اولیاء میں سے کیوں نہ ہو گراں نہ گزرے۔ کیونکہ شرع میں

منکرات پر خاموشی حلال نہیں بلکہ خیانت ہے۔ احمد بن حنبلؒ سے کہا گیا کہ ان المبارکؒ تو اس طرح کہتے ہیں، فرمایا ان المبارکؒ کچھ آسمان سے نہیں اترے ہیں۔ امام احمدؒ سے کہا گیا کہ ابراہیم بن ادہمؒ نے اس طرح فرمایا ہے امام احمدؒ نے کہا کہ تم میرے پاس طریق سنت کا بیان روشن اور دلیل واضح لائے ہو تم پر لازم ہے اصل کو لازم پکڑو لہذا دل میں جس کسی کی بزرگی سائی ہو اس کی وجہ سے شرع کا حکم نہیں چھوڑا جائے گا کیونکہ شرع سب سے زیادہ بزرگ ہے۔ اور اصول کی تاویل میں لوگوں سے خطا ہو جانی ہمیشہ سے چلی آئی ہے۔ بلکہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان بزرگوں کو یہ حدیثیں نہ پہنچی ہوں۔ (مترجم کہتا ہے کہ اسی شرع سے یہ لوگ بزرگ ہوئے تو شرع اصل ٹھہری)

فصل :- ابلیس نے بہت سے نمازیوں پر حروف کے مخارج میں تلمیس ڈال دی چنانچہ تم بعض کو دیکھو گے کہ وہ الحمد الحمد مکرر سے کر رہا ہے۔ حتیٰ کہ وہ اس کلمہ کے بار بار اور مکرر سے کر رہے ہیں کی وجہ سے نماز کے ادب سے خارج ہو جاتا ہے۔ اور کبھی نمازی پر تشدید کے ٹھیک نکالنے میں تلمیس ڈالتا ہے۔ اور کبھی غیر المغضوب کے ضاد نکالنے میں تلمیس کرنا ہے۔ میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ المغضوب کہتا تھا تو غایت تشدد کی وجہ سے ضاد نکالنے کے ساتھ تھوک نکل پڑتا تھا۔ حالانکہ مراد تو حرف کو صحیح نکالنا ہوتا ہے۔ لیکن ابلیس ان لوگوں کو ایسے فضولیات زائد کی طرف اسی لئے لے جاتا ہے کہ تلاوت میں معافی کی فکر سے خارج ہو کر ایسے مبالغات میں پڑ جائیں۔

سعید بن عبد الرحمن بن ابی العیاء نے کہا کہ سہل بن ابی امامہ نے بیان کیا کہ میں اور میرے والد حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی خدمت میں داخل ہوئے وہ اس وقت خفیف نماز پڑھ رہے تھے گویا مسافر کی نماز جب سلام پھیرا تو میرے باپ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے کیا یہ رسول اللہ ﷺ کی نماز ہے۔ یہ آپ نے فرض پڑھی ہے یا نفل۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہی رسول اللہ ﷺ کی نماز ہے میں نے اس میں کوئی تاہی نہیں کی۔ سوائے اس کے کہ میں کچھ بھول گیا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ تم لوگ اپنے نفوس پر سختی نہ کرو کہ اللہ تعالیٰ تم پر سختی کر دے۔ کیونکہ ایک قوم نے اپنے اوپر سختی کی تو ان پر سختی کر دی گئی انہیں کے باقی یہ لوگ دیروصومہ میں دکھلائی دیتے ہیں۔ رہبانہ ن ابتدعوھا الایہ یعنی رہبانیت کو

انہوں نے خود نکالا ہے۔ ہم نے ان پر فرض نہیں فرمائی تھی۔ صحیح مسلم میں ہے کہ عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میری نماز و قرات کے درمیان اور میرے درمیان شیطان نے حائل ہو کر تلمیس ڈالنی شروع کی۔ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس شیطان کا نام خنزب ہے جب تجھے ایسا معلوم ہو تو اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ لینا۔ اور تین مرتبہ بائیں طرف تھکا کر دینا۔ پس میں نے یہی کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو مجھ سے دور کر دیا۔

فصل :- بہت سے جاہل عاملوں پر ابلیس نے تلمیس ڈالی کہ انہوں نے اسی اٹھک بیٹھک کو عبادت سمجھ لیا۔ پس کثرت سے اس میں جان گھلاتے ہیں حالانکہ نماز کے بہترے واجبات چھوڑ جاتے اور نہیں جانتے ہیں میں نے غور کر کے بعض لوگوں کو دیکھا کہ امام کے سلام کے ساتھ سلام پھیر دیتے ہیں۔ حالانکہ ابھی ان پر تشہد میں سے کچھ پڑھنا باقی رہ گیا تھا وہ تمام نہیں کرتے ہیں حالانکہ اس میں امام کا پڑھنا ان کی طرف سے کافی نہیں ہے۔

ایک گروہ پر ابلیس نے یہ تلمیس ڈالی کہ نماز لمبی پڑھتے اور بہت قرات کرتے ہیں اور نماز کے مسنون امور ترک کرتے بلکہ اس میں مکروہات کے مرتکب ہوتے ہیں، میں ایک عابد کے پاس گیا میں نے دیکھا کہ دن میں وہ نفل کو زور سے قرات کے ساتھ پڑھ رہا ہے میں نے کہا کہ دن میں جہر سے قرات مکروہ ہے اس نے جواب دیا کہ جہر کی قرات سے میں نیند کو دور کرتا ہوں۔ میں نے کہا کہ تمہاری بے داری کے واسطے سنت طریقہ متروک نہیں ہو سکتا ہے۔ اگر ایسی ہی نیند غالب ہے تو سو رہو۔ اس لئے کہ نفس کا بھی حق ہے۔ بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو کوئی دن میں جہر سے پڑھے اس پر اونٹ کی میٹگنیاں مارو۔

فصل :- بہت سے عابدوں پر ابلیس نے یہ تلمیس ڈالی کہ رات میں بہت دیر تک بلکہ تمام رات عبادت میں مشغول رہتے ہیں۔ اور رات کے قیام سے اور چاشت کی نماز سے وہ فرائض او ا کرنے سے زیادہ خوش ہوتے ہیں اور رات میں جاگتے جاگتے صبح کے قریب سو جاتے ہیں۔ اور نماز فجر بھی جاتی رہتی ہے۔ یادہ بے وقت اٹھا تو ضروریات سے فارغ ہونے میں جماعت جاتی رہتی ہے۔ یا صبح کو بہت سست اٹھتا ہے تو اپنی آل و اولاد کے واسطے معاش حاصل کرنے کے قابل نہیں رہتا ہے۔

میں نے عبادت گزاروں میں سے ایک شخص حسین قزوینی نامی کو دیکھا کہ وہ جامع منصور میں دن کو بہت ٹھلا کرتا تھا میں نے سبب پوچھا تو بیان کیا کہ اس حیلہ سے نیند کو دفع کرتا ہوں۔ میں نے کہا کہ یہ تو شرع سے نادانی ہے، اور عقل کے بھی خلاف ہے۔ شرع میں حضرت ﷺ نے فرمایا کہ تیرے نفس کا تجھ پر حق ہے تو (نماز کے وقت) نماز میں قیام کر اور سونے کے وقت سو بھی جا۔ اور فرماتے تھے کہ تم پر اوسط طریقہ لازم ہے۔ کیونکہ جو کوئی اس دین پر غلبہ چاہتا ہے دین اس پر غالب آجاتا ہے۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ ﷺ مسجد میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ ایک رسی بندھی ہوئی لٹکتی ہے۔ فرمایا کہ یہ کیا چیز ہے؟ عرض کیا گیا کہ یہ زینب رضی اللہ عنہ کی رسی ہے کہ جب نماز پڑھتے پڑھتے تھک جاتی یا اونگھ آتی ہے تو یہ رسی تھام لیتی ہیں تو فرمایا کہ اس کو کھول دو، پھر فرمایا کہ جب تک تم میں سے آدمی چاق (ہوشیار و چوکنا) رہے تب تک نماز پڑھے۔ جب اس کو تھکان یا سستی آئے تو باز رہے۔ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے حدیث روایت کی کہ جب تم میں سے کوئی اونگھے تو سو رہے یہاں تک کہ اس کی نیند جاتی رہے کیونکہ جب وہ اونگھتے ہوئے نماز پڑھے گا تو شاید قصد تو کرے استغفار کرنے کا اور لگے اپنے نفس کو برا کہنے۔ یہ حدیث صحیح ہے جسے بخاری و مسلم نے روایت کی ہے اور اس سے قبل کی حدیث کے ساتھ صرف بخاری منفرد ہیں۔ رہا عقل کا بیان تو آدمی نیند (آرام) لینے سے قوی چاق ہو جاتے ہیں جو تھکان سے ماندے ہو گئے تھے اور جب نیند کو ضرورت کے وقت ٹال جاوے گا تو اس کے بدن و عقل میں ضرر پیدا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ جہالت سے ہم کو محفوظ رکھے۔

اگر کوئی کہے کہ ہم کو روایات پہنچی ہیں کہ اگلے زمانہ کے بہت سے بزرگ رات بھر عبادت کیا کرتے تھے۔ جواب یہ ہے کہ ہاں ان لوگوں نے رفتہ رفتہ نماز رات شب بیداری کی عادت ڈالی تھی اور انہیں نماز صبح کی محافظت اور جماعت سے ادا کرنے پر بھروسہ اور کافی اعتماد تھا اور وہ کچھ قیلولہ سے مدد لیتے تھے اور باوجود اس کے کھانا بھی کم کھایا کرتے تھے۔ ان ترکیبوں سے ان کو یہ بات حاصل ہو گئی پھر ہم کو یہ کسی روایت سے معلوم نہ ہوا کہ حضرت ﷺ کبھی تمام رات نہیں سوئے آپ ہی کے طریقہ مسنون کی پیروی ہم پر لازم ہے۔

فصل :- ایک جماعت شب بیداروں پر ابلیس نے تلبیس ڈالی کہ وہ دن

میں شب بیداری کے حالات بیان کرتے ہیں مثلاً ایک کہتا ہے کہ فلاں موزن نے فجر کی اذان البتہ ٹھیک وقت پر کھی تھی اس سے غرض یہ کہ اس وقت آپ کی شب بیداری معلوم ہو پھر اگر یہ شخص ریاکاری سے جج بھی گیا تو کمتر درجہ یہ ہے کہ یہ شخص خفیہ دفتر سے ہٹا کر علانیہ دفتر میں لکھا جائے گا۔ تو ثواب کم ہو جائے گا۔

فصل :- ایک اور جماعت پر ابلیس نے یہ تلمیس ڈالی کہ وہ نماز و عبادت اور تہجد وغیرہ کے لئے علیحدہ ایک ایک مسجد میں بیٹھ گئے تو یہ لوگ اسی مسجد کے نام سے مشہور ہوئے اور ہر ایک نماز کے ساتھ ایک جماعت نے شرکت کی۔ اور لوگوں میں ان کی خبر مشہور ہو گئی یہ بھی ابلیس کے وساوس میں سے ہے اور نفس خوش ہوتا ہے اور عبادت پر زیادہ قیام کرتا ہے کیونکہ اس کو اعتماد ہے کہ اس طرح وہ نیک نام مشہور ہوگا۔

زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے حدیث روایت کی کہ مرد کی سب سے بہتر نماز اسکے گھر میں ہے، سوائے فرض نماز کے یہ حدیث صحیحین میں ہے۔ عامر بن عبد قیس کو ناگوار ہوتا تھا کہ کوئی ان کو نماز پڑھتے دیکھے اور وہ کبھی مسجد میں نوافل نہ پڑھتے۔ حالانکہ ہر روز ہزار رکعت پڑھا کرتے تھے ان اہل لیلیٰ جب نماز پڑھتے اور کوئی آنے والا آتا تو لیٹ جاتے۔

فصل :- عابدوں کی ایک جماعت پر ابلیس نے تلمیس ڈالی کہ وہ لوگوں کے مجمع میں رونا شروع کرتے ہیں یہ بات اگرچہ ایسی ہے کہ کبھی دل نرم ہو کر گریہ طاری ہوتا ہے لیکن جو شخص اس کو روک سکتا ہو پھر نہ رو کے تو اس نے اپنے نفس کو ریاکاری کے واسطے پیش کیا عاصمؓ نے کہا کہ ابوہریرہؓ جب اپنے گھر میں نماز پڑھتے تو ان کے رونے سے نرم دردناک آواز نکلتی تھی اور اگر کسی کے سامنے ایسا کرنے کو ان سے کہا جاتا تو کبھی نہ کرتے اگرچہ ان کو سب دنیا دے دی جاتی۔ ابوایوب السخثانیؓ کا یہ حال تھا کہ جب مجلس میں ان پر رونا غالب ہوتا تو اٹھ کھڑے ہوتے تھے۔

فصل :- عابدوں کی ایک قوم پر ابلیس نے یہ تلمیس ڈالی کہ نماز پڑھتے ہیں تو رات و دن ایک کرتے ہیں لیکن باطنی عیوب کی اصلاح پر نظر بھی نہیں کرتے۔ اور نہ اپنے کھانے پینے کے حلال و حرام کو دیکھتے ہیں۔ حالانکہ نفل نمازوں کی اس

کثرت سے ضروری امر یہ تھا کہ واجبی خصائل باطنی اور فریضہ اکل حلال وغیرہ کی طرف پہلے دھیان کرتے۔

قرات قرآن میں عابدوں پر تلبیس ابلیس کا بیان

ان میں سے ایک گروہ پر ابلیس نے تلبیس کی کہ بہت مقدار سے تلاوت کرتے ہیں اور تیزی سے رواں چلے جاتے ہیں کہ صحیح حروف بھی ادا نہیں کرتے نہ اس میں ترتیل ہے نہ تثبیت ہے۔ اور یہ کچھ پسندیدہ حالت نہیں ہے بعض سلف سے جو روایت ہے کہ ایک روز میں ختم قرآن کیا ایک رکعت میں کیا تو یہ شاذ و نادر ہے۔ اور اگر کسی نے مداومت بھی کی ہو اور یہ جواز بھی ہو تو بھی ترتیل اور تثبیت سے پڑھنا علماء کے نزدیک مستحسن ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے قرآن تین روز سے کم میں پڑھا تو اس نے سمجھ حاصل نہ کی۔ مصنفؒ نے کہا کہ ابلیس نے قراء کی ایک جماعت پر یہ تلبیس کی کہ رات میں مسجد کے منارہ پر چڑھ کر بلند آواز سے ایک یاد و پارہ کے قریب پڑھتے ہیں۔ تو یہ لوگ ریاکاری کے روبرو ہوتے ہیں اور لوگوں کو بے جا تکلیف و ایذا دیتے ہیں یعنی قرآن سننا فرض ہے تو وہ خواہ مخواہ ہر کام سے مجبور ہو جاتے ہیں اور سونے نہیں پاتے بعض کا یہ دستور ہے کہ اذان کے وقت محلہ کی مسجد میں پڑھنا شروع کرتے ہیں کیونکہ وہ وقت لوگوں کے جمع ہونے کا ہوتا ہے۔ مصنفؒ نے کہا کہ سب سے زیادہ عجیب بات جو میں نے دیکھی یہ کہ ایک قاری ہر جمعہ کے روز صبح کی نماز لوگوں کو پڑھا کر جب سلام پھیرتا ہے تو سورہ قل اعوذ ب اللفق اور قل اعوذ ب الناس پڑھ کر ختم فرمایا ہے۔ یہ سلف کا طریقہ نہ تھا۔ وہ لوگ اپنی عبادت کو حتی الامکان مخفی کرتے تھے۔ چنانچہ ربیع بن خثیمؒ کے کل اعمال مخفی تھے۔ بارہا ایسا ہوا کہ انہوں نے تلاوت کے لئے مصحف کھولا تھا کہ اچانک کوئی آگیا تو اس کو اپنے کپڑے کے نیچے چھپا لیتے تھے۔ امام احمد بن حنبلؒ قرآن بہت پڑھا کرتے تھے۔ لیکن یہ پتہ نہیں لگتا تھا کہ کب ختم کرتے ہیں مصنفؒ نے کہا کہ قاریوں پر ابلیس کی تلبیس کا بہت سامیان اوپر ہو چکا ہے۔

روزہ میں عابدوں پر تلبیس ابلیس کا بیان

مصنفؒ نے کہا کہ کچھ لوگوں کی نظروں میں ابلیس نے ہمیشہ روزے رکھنے اچھے معلوم کرائے اور یہ بات اگرچہ ناجائز نہیں ہے بشرطیکہ سال میں پانچ ایام منہی

کے روزے نہ رکھے جس میں روزہ حرام ہے لیکن عموماً یہ طریقہ اختیار کرنے میں بہ حسب حالت زمانہ کے دو آفتیں کھلی ظاہر ہیں۔

(اول) اکثر اس سے اعضاء اور قویٰ ضعیف ہو جاتے ہیں۔ تو آدمی اپنے اہل و عیال کی معاش پیدا کرنے سے عاجز رہ جاتا ہے اور اپنی زوجہ کی عفت بھی نہیں چا سکتا (یعنی وہ عقیفہ حب مقتضائے طبیعت سے آسودہ نہیں ہوتی تو مغلوب ہو کر فتنہ میں پھنس جاتی ہے) یحییٰ میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تیری زوجہ کا تجھ پر حق ہے نیز اس نفل عبادت کے پیچھے بہت سے فرائض ترک ہو جاتے ہیں۔

(دوم) فضیلت جاتی رہتی ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے صحیح روایت ملی کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ سب سے افضل روزہ داؤد پیغمبر کا روزہ تھا کہ ایک روز روزہ رکھتے اور ایک روز افطار کرتے اور جب جماد میں کافروں سے مقابلہ ہوتا تو نہیں بھاگتے تھے (یعنی قوت باقی رہتی تھی)

عبداللہ بن عمر و بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ ملے تو فرمایا کہ کیا یہ تیرا ہی حال مجھ سے بیان ہوا کہ تو رات بھر نماز پڑھتا ہے یا فرمایا کہ کیا یہ تیرا ہی قول مجھ سے بیان کیا گیا کہ تو کہتا ہے کہ میں رات بھر نماز پڑھا کروں گا اور دن بھر روزہ رکھا کروں گا انہوں نے عرض کیا جی ہاں یا رسول اللہ ﷺ میں نے کہا تو ضرور تھا آپ نے فرمایا کہ نہیں ایسا مت کرنا بلکہ رات میں نماز بھی پڑھ اور خواب بھی کر اور روزہ بھی رکھ اور چھوڑ بھی دے اور ہر مہینہ میں فقط تین روز روزے رکھا کر کہ یہ ہمیشہ کے روزہ کے مانند ہے (یعنی ہر روز دس گناہ ہو کر مہینہ ہو گیا) میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں اس سے زیادہ روزے رکھنے کی طاقت رکھتا ہوں تو فرمایا کہ پھر ایک روز روزہ رکھ اور دو روز چھوڑ دے میں نے کہا کہ میں اس سے زیادہ طاقت رکھتا ہوں فرمایا کہ پھر ایک روز روزہ رکھ اور ایک روز افطار کر اور یہ سب سے زیادہ عدل کا روزہ ہے یہ داؤد نبی اللہ کا روزہ ہے میں نے کہا کہ میں تو اس سے افضل کی قوت رکھتا ہوں تو حضرت صلعم نے فرمایا کہ اس سے افضل کچھ نہیں ہے یہ حدیث یحییٰ میں ہے اگر کوئی کہے کہ ہم کو خبر پہنچ گئی ہے کہ ایک جماعت سلف صالحین ہمیشہ روزہ رکھا کرتے تھے۔ (جواب) ہاں لیکن ان کے پاس ایسی قوت و سامان تھا کہ وہ اس کو اور بال بچوں کی عیال داری کو جمع کر سکتے تھے اور شائد ان میں سے اکثر کے عیال ہی نہیں تھے اور نہ ان کو کمائی کی ضرورت ہوتی تھی۔ پھر ان میں سے بعض نے آخر عمر میں ایسا کیا ہے علاوہ

بریں حضرت ﷺ کا یہ ارشاد کہ اس سے افضل کچھ نہیں ہے تمہاری یہ سب گفتگو ختم کر دیتا ہے۔

مصنفؒ نے کہا قدامتِ مشائخ کی ایک جماعت نے ہمیشہ روزہ رکھنا ایسی حالت میں اختیار کیا کہ کھانا بھی موٹا جھوٹا تھا (معمولی) وہ بھی بہت کم ملتا تھا اور نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں سے بعض کی پینائی جاتی رہی اور بعض کا دماغ خشک ہو گیا اور یہ نفس پر ظلم ہے کہ اس کا حق واجب ادا نہ کیا گیا اور اس پر ایسی سختی کی گئی جس کو وہ برداشت نہ کر سکا۔

فصل :- کبھی عابد کے نام پر یہ امر مشہور ہو جاتا ہے کہ فلاں شخص ہمیشہ روزہ رکھتا ہے اور اس کو یہ شہرت بھی معلوم ہو جاتی ہے تو بھی وہ افطار نہیں کرتا بلکہ اگر افطار کیا تو بھی افطار چھپاتا ہے تاکہ اس کی شہرت میں فرق نہ آئے یہ باریک ریاکاری میں سے ہے اگر وہ اخلاص اور چھپانا چاہتا تو خاص کر ایسے لوگوں کے سامنے افطار کرتا جن کو اس کا دائمی روزہ دار ہونا معلوم ہوا ہے پھر لوگوں سے چھپا کر بدستور روزہ رکھنے لگتا ان میں سے بہت ایسے ہیں جو لوگوں سے کہتے ہیں آج پچیس سال ہوئے کہ میں نے کبھی روزہ نہیں چھوڑا ہے ابلیس اس کو یہ دوسوہ دلاتا ہے کہ تم تو اس لئے آگاہ کرتے ہو تاکہ لوگ تمہاری اقتدا کریں حالانکہ اللہ تعالیٰ ہر ایک کی نیت خوب جانتا ہے سفیان الثوریؒ نے کہا کہ مہدہ مدت تک ایک عمل خفیہ کیا کرتا ہے پھر برابر اس کو شیطان ابھارتا رہتا ہے آخر وہ لوگوں سے بیان کرنے لگتا ہے تو خفیہ دفتر سے نکال کر علانیہ والوں میں داخل کر دیا جاتا ہے۔

بعض عابدوں کی یہ عادت ہے کہ دو شنبہ و جمعرات کو روزہ معمول بنا لیتے ہیں تو وہ جب اس روزہ کھانے کے لئے بلائے گئے تو کہتے ہیں کہ بھائی آج تو دو شنبہ ہے یا جمعرات ہے اور یہ کہنا کہ میں روزہ سے ہوں اس لئے گراں ہوتا ہے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ حضرت کی معمولی عادت یہ ہے کہ دو شنبہ و جمعرات کو روزہ رکھتے ہیں ان میں بہت ایسے ہیں جو لوگوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں کہ وہ بے روزہ ہیں اور حضرت روزہ دار ہیں ان میں بہت سے ایسے ہیں کہ روزہ تو ہمیشہ رکھیں گے لیکن کھانا جیسا پایا (حرام و حلال) اس پر افطار کر لیا اور دن میں غیبت کرنے سے پیٹ بھرا کرتے ہیں اور اجنبی عورتوں کو دیکھنے سے آنکھ بند نہیں کرتے وہ کسی طرح کا کچھ باک نہیں کرتے نہ غیبت سے نہ بد نظری سے نہ فضول کلام سے ابلیس اس کو دوسوہ دلاتا

ہے کہ آپ تو روزہ دار ہیں، روزہ ایسے امور کے گناہ آپ سے روکتا ہے اور یہ سب تلیس ہے۔

حج کرنے میں عابدوں پر تلیس ابلیس کا بیان

کبھی انسان ایک حج فرض ادا کر چکتا ہے پھر بغیر رضائے والدین کے دوبارہ حج کو نکل جاتا ہے یہ غلطی ہے اور بارہا ایسی حالت میں جاتا ہے کہ اس پر قرضے و مظالم جمع ہیں اور کبھی اس کی نیت سیر و سیاحت ہوتی ہے اور کبھی ایسے مال سے حج کرتا ہے جس میں حرام کا شبہ ہے اور بعض کو دلچسپی ہوتی ہے کہ لوگ لینے آئیں اور حاجی صاحب کے لقب سے پکاریں جس قدر حاجی ہوتے ہیں عموماً ان کی یہ کیفیت ہے کہ راہ میں فرائض و طہارت ترک کرتے ہوئے جا کر کعبہ کے گرد ناپاک دلوں سے جن میں تقویٰ و طہارت کا اثر نہیں ہے جمع ہوتے ہیں اور ابلیس ان کو حج کی ظاہری صورت دکھلا کر مغرور کرتا ہے، حالانکہ حج سے مقصود یہ تھا کہ دلوں سے تقرب ہو نہ کہ بدن سے قرب ہو اور یہ بات جب ہی حاصل ہو سکتی ہے کہ تقویٰ و طہارت اختیار کرے بہت سے لوگ مکہ کو فقط اسی غرض سے بار بار جاتے ہیں کہ ان کے حج شمار کئے جائیں چنانچہ وہ خود کہتا ہے کہ فضل خدا سے پس حج مجھے میسر ہوئے اور بعض وہاں کی درباری سے ناموری چاہتے ہیں۔ چنانچہ کہتا ہے کہ بیسواں مرتبہ توقف کا ہے۔ اور بہت سے مجاور مدت تک رہتے ہیں حالانکہ باطنی پاکیزگی کی طرف توجہ کبھی نہ ہوئی اور اکثر تو ایسے لوگوں کا قصد یہ ہوتا ہے کہ کسی آنے جانے والے سے کچھ مال حاصل ہو جائے یا اس کی کوئی سبیل نکل آئے اور کبھی خود بیان کرتا ہے کہ یہاں بیس سال سے مجاور ہوں۔ میں نے بہت سے حج کے جانے والے راہ مکہ میں ایسے دیکھے کہ ساتھیوں کو پانی سے روکتے اور پانی پر لڑتے مرتے ہیں اور راہ میں ان سے بری طرح پیش آتے ہیں۔ اور غلاموں سے سختی اور تنگی کرتے ہیں۔

ابلیس نے بہت سے حج کو جانے والوں پر تلیس ڈالی کہ نمازیں چھوڑتے جاتے ہیں اور فروخت کریں تو کم تولتے ہیں۔ ان کا گمان یہ کہ حج تمہارے سب گناہ دور کرے گا۔

ابلیس نے ایک جماعت پر یہ تلیس کی کہ مناسک حج میں ایسی باتیں نکالتے ہیں جو پہلے شرع میں نہ تھیں اب نئی بدعت ہیں۔ چنانچہ میں نے ایک جماعت کو دیکھا

کہ احرام میں ایک مونڈھا کھولتے ہیں اور دیر تک دھوپ میں کھڑے ہوتے ہیں تو ان کی کھال اتر جاتی ہے اور سر کی بری حالت ہو جاتی ہے تو اس سے لوگوں میں اپنی فضیلت و بزرگی ثابت کرتے ہیں حالانکہ صحیح بخاری میں حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ سے آیا ہے کہ حضرت ﷺ نے ایک کو دیکھا کہ نکیل کے ساتھ طواف کعبہ کرتا ہے تو اس کی رسی کاٹ دی۔ دوسری روایت میں اس طرح آیا کہ حضرت ﷺ نے ایک کو دیکھا کہ وہ دوسرے کو جس کی ناک میں رسی پڑی ہے کھینچتا ہوا طواف کراتا ہے۔ تو اپنے ہاتھ سے اس کو قطع کر دیا۔ پھر حکم کیا کہ ہاتھ تھام کر طواف کرادے۔ مصنفؒ نے کہا کہ یہ حدیث دین میں بدعت نکالنے سے مانع ہے۔ اگرچہ بدعتی نے اس سے بندگی کا قصد کیا ہو۔

فصل:- ابلیس نے ایک قوم پر تلمیس ڈالی تو وہ توکل کے مدعی بن کر بغیر زاد راہ چل کھڑے ہوتے ہیں۔ اور جمالت سے سمجھتے ہیں کہ یہ توکل ہے حالانکہ یہ تو بہت بڑی غلطی ہے۔ امام احمدؒ سے ایک نے کہا کہ میں حج مکہ کو بغیر زاد راہ کے توکل پر جانا چاہتا ہوں تو امام احمدؒ نے فرمایا کہ پھر بغیر قافلہ کے اکیلا بیابان میں چل نکل۔ قافلہ کے ساتھ نہ ہو۔ کہنے لگا کہ جی نہیں، یہ تو نہیں کر سکتا میں تو قافلہ ہی کے ساتھ رہوں گا۔ تو امام احمدؒ نے فرمایا کہ پھر تو تم نے آدمیوں کے قافلہ پر توکل باندھا ہے۔

مجاہدین پر تلمیس ابلیس کا بیان

مصنفؒ نے فرمایا کہ ابلیس نے بہت لوگوں پر تلمیس کی کہ وہ جہاد کو نکل کھڑے ہوتے ہیں اور اس سے ان کی صرف یہ مراد و نیت ہوتی ہے کہ اس ریاد نمود سے لوگوں میں فخر و عزت حاصل ہو اور لوگ کہیں کہ فلاں مرد غازی ہے۔ اور اکثر یہ مقصود ہوتا ہے کہ شجاع و بہادر کہا جائے۔ یا غنیمت حاصل کرنا مقصود ہوتی ہے اور اعمال کا مدار تو نیوٹوں پر ہی ہوتا ہے۔ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک شخص نے آکر عرض کیا کہ آپ مجھے آگاہ فرمائیں کہ آدمی کبھی تو شجاعت کے واسطے قتال کرتا ہے اور کبھی حمیت سے لڑتا ہے اور کبھی ریاکاری سے جنگ کرتا ہے، تو ان میں راہ الہی میں کس کا قتال ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند ہونے کے واسطے لڑے وہ راہ الہی میں ہے۔ یہ حدیث صحیحین میں ہے ابن مسعودؓ

نے فرمایا کہ جو شخص مارا جائے تو تم یہ کبھی نہ کہا کرو کہ فلاں شہید مر یا فلاں شہید مارا گیا۔ کیونکہ آدمی کبھی اس لئے لڑتا ہے کہ غنیمت حاصل کرے اور کبھی اس لئے کہ اس کا نام باقی رہے اور کبھی اس لئے کہ شجاعت میں اس کا مرتبہ ظاہر ہو۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ قیامت کے روز سب سے پہلے تین قسم کے لوگوں میں فیصلہ کیا جائے گا۔ ایک جو شہید ہوا وہ لایا جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس پر اپنی نعمتیں ظاہر فرمائے گا وہ پہچان جائے گا۔ پھر اس سے فرمائے گا کہ تو نے ان نعمتوں سے کیا کام لیا وہ عرض کرے گا کہ تیری راہ میں جہاد کیا، یہاں تک کہ مارا گیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تو نے جھوٹ کہا، لیکن تو نے اس لئے قتال کیا کہ تو شجاع کہلائے، یہ کلمہ تیرے حق میں کہہ دیا گیا۔ پھر حکم دے گا تو وہ شخص منہ کے بل گھیٹ کر آگ میں ڈالا جائے گا۔ دوسرے وہ شخص جس نے علم سیکھا اور سکھایا اور قرآن پڑھا۔ پس وہ لایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی نعمتیں پہنچوائے گا وہ پہچانے گا۔ پھر فرمائے گا کہ تو نے ان سے کیا کام کیا وہ عرض کرے گا۔ میں نے تیرے واسطے علم پڑھا اور قرآن پڑھا اور پڑھایا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تو نے جھوٹ کہا۔ لیکن تو نے اس لئے علم پڑھا تھا کہ عالم کہلائے گا وہ تیرے حق میں کہا گیا اور قرآن پڑھا تا کہ قاری کہلائے پس وہ کہا گیا، پھر حکم فرمائے گا تو منہ کے بل گھیٹ کر آگ میں ڈال دیا جائے گا۔ تیسرے وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے وسعت دی۔ پس ہر قسم کا سب مال اس کو عطا کیا ہے وہ لایا جائے گا۔ تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنی نعمتیں پہنچوائے گا وہ پہچانے گا۔ پھر فرمائے گا کہ تو نے ان میں کیا عمل کیا وہ عرض کرے گا کہ ہر ایک راہ جس میں خرچ کرنے کی تیری مرضی ہے سب میں تیرے واسطے میں نے خرچ کیا۔ کوئی نہیں چھوڑی فرمائے گا کہ تو نے جھوٹ کہا وہ تو نے اس لئے خرچ کیا کہ تو سخی کہلائے لہذا وہ کہلایا گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ حکم فرمائے گا تو یہ شخص منہ کے بل کھینچ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ (رواہ مسلم) ابو حاتم الرازی نے کہا کہ میں نے عبدہ بن سلمان المروزی سے سنا کہ ہم لوگ ایک لشکر میں عبد اللہ بن مبارک کے ساتھ بلاد روم میں نصاریٰ پر جہاد کرنے گئے تھے۔ وہاں دشمنوں سے ہمارا مقابلہ ہوا۔ جب دونوں طرف سے صفیں برابر ہوئیں تو دشمنوں کی طرف سے ایک شخص نکل کر میدان میں آیا اور مقابل طلب کیا۔ ادھر مسلمانوں سے بھی ایک شخص نکل کر میدان میں گیا اور کچھ دیر نصرانی کے ساتھ کاوا دے کر اس کو قتل کر ڈالا۔ پھر دوسرا بھی نکلا اس کو بھی مارا۔ پھر تیسرا نکلا اس کو بھی مارا۔ پھر انتظار کے بعد آواز دی کہ

میدان میں آوے۔ پھر چوتھا نصرانی نکلا اور اس کو بھی تھوڑی دیر گرداوا دینے کے بعد نیزہ مار کر قتل کر ڈالا۔ تب تو اہل اسلام اپنے شہسوار کی طرف دوڑ پڑے تاکہ ایسے بہادر کو پہچان لیں اور کسی طرح میدان سے پھیر لائیں۔ کیونکہ بہت تھک گیا ہو گا۔ عبدہ بن سلمان نے کہا کہ میں بھی ہجوم کرنے والوں میں تھا۔ جب ہم اس کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ وہ بڑے عمامہ سے ڈھانسا ہوا ہے ہوئے ہیں اس کا ڈھانسا کھینچ لیا تو معلوم ہوا کہ وہ امام عالم مشہور عبد اللہ بن المبارک ہیں۔ انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ اے ابو عمر کیا تو بھی ان لوگوں میں سے ہے جو ہم پر تشنیع و ملامت کرتے ہیں۔ (یعنی تو نے کیوں مجھ کو ظاہر کر دیا) مصنفؒ نے کہا کہ اے بھائیو تم پر اللہ تعالیٰ رحم کرے دیکھو اس اخلاص والے سردار کو کہ کیونکر اس کو اخلاص کے بارہ میں خوف پیدا ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ لوگوں کے دیکھنے اور مدح کرنے سے اس میں کسی قسم کی شائبہ اثر کرے تو اس کا جی خوش ہو۔ ابراہیم بن ادہمؒ جہاد میں قتال کرتے۔ جب کچھ مال غنیمت حاصل ہوتا تو اس میں سے کچھ نہ لیتے تاکہ ان کا ثواب مزید ہو۔

فصل :- مصنفؒ نے کہا کہ ابلیس کبھی مجاہد پر غنیمت ملنے کے وقت تلمیس کرتا ہے چنانچہ اکثر وہ غنیمت میں سے ایسی چیز لے لیتا ہے جس کے لینے کا اس کو حق نہ تھا۔ پھر یا تو کم علم تھا اس نے اپنی رائے سے یہ زعم کیا کہ کفار کے اموال مباح ہیں جس نے لیا اس کو حلال ہے۔ اور یہ نہ جانا کہ غنیمت کے مال میں خیانت کرنا معصیت اور گناہ ہے کیونکہ وہ تمام مجاہدین کا حق ہے لیکن حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے آیا کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خیبر کی طرف نکلے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم کو فتح دی۔ وہاں ہم نے غنیمت میں کچھ سونا چاندی نہ پایا۔ بلکہ اسباب و اناج و کپڑے پائے۔ پھر ہم لوگ وادی کی طرف روانہ ہوئے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آپ کا ایک غلام تھا۔ جب ہم منزل پر اترے تو وہ غلام کھڑا ہو کر رسول اللہ ﷺ کا کجاوہ کھولنے لگا۔ اتنے میں کہیں سے اس کو ایک تیر لگا جس سے اس کی موت واقع ہو گئی تو ہم لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ اس کو شہادت مبارک ہو تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر گز نہیں۔ قسم اس پاک ذات پروردگار کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ اس کے سر پر ایک بوٹے دار کمبل (چادر) جس کو اس نے فتح خیبر کے روز تقسیم سے پہلے لے لیا تھا، آگ بھڑکا رہا ہے۔ یہ سنتے ہی لوگ خوف زدہ ہوئے۔ اور ایک شخص ایک تمہ یا دو تمہ لایا۔ اور عرض کیا کہ اسکو میں نے خیبر کے روز پایا تھا پس

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ آگ کے تھے ہیں۔

فصل :- کبھی غازی کو معلوم ہوتا ہے کہ بغیر تقسیم کے کوئی چیز لے لینا حرام ہے۔ لیکن اس نے جو چیز پائی وہ ایسی بیش قیمت ہوتی ہے کہ اس سے صبر نہیں کر سکتا اور اکثر یہ گمان کرتا ہے کہ میرے جہاد سے یہ خیانت دفع ہو جائے گی۔ حالانکہ ایمان و علم ظاہر ہونے کا یہی وقت ہے۔ ابو عبیدہ غنیریؓ نے بیان کیا کہ اہل اسلام صحابہ و تابعینؓ نے جب مدائن فتح کیا اور وہاں اترے تو مال غنیمت جہاں جہاں مقبوض تھا سب کو جمع کیا۔ اس وقت ایک شخص جو اہرات کے ڈبے لایا۔ اور جو شخص اموال غنیمت قبض کرتا تھا اس کے حوالے کیا۔ تو جو لوگ وہاں موجود تھے کہنے لگے کہ واللہ ہم نے ایسی دولت کبھی نہیں دیکھی۔ اور جو کچھ یہ تمام غنیمت موجود ہے اس کے برابر نہیں ہے اور نہ اس کے قریب پہنچتی ہے۔ پھر اس شخص سے کہا کہ کیا تم نے اس میں سے کچھ لیا ہے۔ اس نے کہا تم جان رکھو کہ واللہ اگر یہ اللہ تعالیٰ کے واسطے نہ ہوتا تو میں اس کو تمہارے پاس بھی نہ لاتا لوگوں نے جانا کہ اس شخص کے خلوص ایمان و تقویٰ کی شان عظیم ہے انہوں نے پوچھا کہ آپ کون شخص ہیں۔ فرمایا کہ واللہ میں تم کو نہ بتاؤں گا کہ تم میری تعریف کرو اور نہ تم کو دھوکا دوں گا کہ میرے حق میں افراط کرو۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور اسی کے ثواب سے راضی ہوں۔ لوگوں نے خفیہ کچھ لوگ اس کے پیچھے لگائے کہ دیکھو یہ شخص کہاں جاتا ہے۔ جب وہ شخص اپنی قوم میں گیا تو جو لوگ پیچھے لگے تھے انہوں نے وہاں اس کی قوم والوں سے پوچھا کہ اس شخص کا کیا نام ہے؟ معلوم ہوا کہ وہ عامر بن عبد قیس رضی اللہ عنہ ہیں۔

ایسے لوگوں پر تلپیس ابلیس جو نیک باتوں کا حکم

کرتے اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں

ایسے لوگ دو قسم کے ہوتے ہیں، عالم و جاہل، عالم کے پاس ابلیس دو طریق سے آتا ہے۔ (اول) اس کو اس کام میں تزیین و نامور و خود پسندی دکھلاتا ہے احمد بن ابی الحواری نے کہا کہ میں نے ابو سلیمان دارانی سے یہ کہتے سنا کہ میں نے دیکھا کہ ابو جعفر منصور خلیفہ جمعہ کا خطبہ پڑھنے میں روتے ہیں تو مجھے غصہ آگیا۔ اور یہ نیت کی کہ جب

یہ منبر سے اترے تو میں اٹھ کر اس کے اس فعل پر اس کو نصیحت کروں۔ پھر میں نے ناپسند جانا کہ اٹھ کر خلیفہ کو نصیحت کروں اور لوگ بیٹھے بیٹھے نگاہیں جمائیں مجھے دیکھتے رہیں۔ تو میرے نفس میں آرائش و تنزین سمائے۔ اور نفس نے مجھے حکم دیا کہ اب اٹھو یعنی جب نیت خالص و صحیح نہ رہی تو میں بیٹھ گیا اور خاموش ہو گیا۔

(دوم) اپنے نفس کے لئے غضب و غصہ ہے اور یہ کبھی تو ابتداء سے ہوتا ہے اور کبھی امر معروف اور نہی منکر کے درمیان میں پیدا ہوتا ہے۔ اس وجہ سے کہ جس کو نصیحت کی اور وہ انکار کرتا ہے۔ تو یہ اپنی اہانت سمجھ کر غصہ ہو جاتا ہے۔ ایسی حالت میں جھگڑا کر اپنی ذات کے واسطے ہو جاتا ہے۔ لہذا عمر بن عبدالعزیز خلیفہ نے ایک سے فرمایا کہ اگر میں غصہ میں نہ ہوتا تو تجھے سزا دیتا۔ مطلب یہ تھا کہ تو نے مجھے غصہ میں کر دیا اب میں ڈرتا ہوں کہ جو خدا کے واسطے کرنا چاہیے تھا اس میں میرا ذاتی غصہ شریک نہ ہو جائے۔

فصل :- جب امر بالمعروف کرنے والا کوئی جاہل ہوتا ہے تو شیطان اس سے کھیلتا ہے۔ اور اکثر یہ ہوتا ہے کہ وہ اصلاح کار سے زیادہ بربادی کر دیتا ہے۔ اور اکثر وہ ایسی چیز سے مانع ہوتا ہے جو بالاجماع جائز ہے اور کبھی ایسی چیز پر انکار کرتا ہے جس کا بعض علماء کی پیروی میں تاویل کرنے والا ہوتا ہے۔ اور بسا اوقات جاہل اس مکان کا دروازہ توڑ ڈالتا ہے جس میں ناجائز کام پوشیدہ تھے۔ یاد یار پھاند کر ان لوگوں کو مارتا ہے اور گالیاں دیتا ہے۔ اگر انہوں نے جواب میں ایک کلمہ کہا تو اس پر گراں گزرتا ہے اور یہ سارا غصہ اپنی ذات کے واسطے ہو جاتا ہے اور جاہل بسا اوقات ایسے امر منکر کو بر ملا فاش کر دیتا ہے جس کی پردہ پوشی کے واسطے شرع نے تاکید فرمائی ہے۔

احمد بن حنبلؒ سے پوچھا گیا کہ ایک قوم کے ساتھ کوئی ناجائز چیز مانند طنپور و تازی وغیرہ کے پوشیدہ موجود ہے تو فرمایا کہ اگر ڈھکی ہوئی ہو تو اس کو نہ توڑو۔ اور ایک روایت میں فرمایا کہ توڑو تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ توڑنے کا حکم ایسی حالت میں دیا کہ لوگوں نے یہ چیز کچھ خفیہ چیز سے چھپائی، کچھ چھپائی اور کچھ نہ چھپائی کہ اس کے موجود ہونے کا یقین ہوا۔ اور نہ توڑنے کا حکم اس وقت دیا کہ اس کے موجود ہونے کا یقین نہیں ہو سکتا۔ یعنی بالکل پوشیدہ ہے۔ احمد بن حنبلؒ سے پوچھا گیا کہ ایک شخص نے قبلہ و مزار کی آواز سنی اور اس کی جگہ نہیں معلوم ہے۔ تو فرمایا کہ تجھ پر اس کا

مواخذہ نہیں ہے جو تیری نظر سے پوشیدہ ہو اس کی تفتیش نہ کر۔ مصنفؒ نے کہا کہ بسا اوقات محتسب ان بدکاروں کو ایسے شخص کے پاس لے جاتا ہے جو ان پر ظلم کرتا ہے۔ احمد بن حنبلؒ نے فرمایا کہ جب معلوم ہو کہ سلطان حدود شرعی قائم کرتا ہے تو بدکاروں کو اس کے پاس لے جانا چاہیے۔

فصل :- محتسب پر ابلیس کی تسلیموں میں سے ایک یہ ہے کہ جب اس نے کسی قوم کی بدکاری کو مثایا ہو تو اپنے مجمع میں بیٹھ کر اپنے مجمع کی تعریف کرتا اور فخر یہ بیان کرتا ہے اور بدکاروں پر غصہ ہو کر ان کو گالیاں دیتا اور لعنت کرتا ہے۔ حالانکہ شاید قوم نے توبہ کر لی ہو۔ اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ وہ لوگ جو چند امت کے اس مغرور سے بہتر ہوتے ہیں اور اس محتسب کی برملا گفتگو کے ضمن میں مسلمانوں کے عیوب فاش کرنا لازم آتا ہے کیونکہ وہ ایسے لوگوں کو مٹلاتا ہے جو نہ جانتے تھے۔ حالانکہ جہاں تک ہو سکے مسلمانوں کی پردہ پوشی واجب ہے۔

مصنفؒ نے کہا کہ میں نے ایک جاہل کا حال سنا کہ اس نے بدگمانی پر ایک قوم پر جھوم کیا حالانکہ یہ یقین نہیں کہ ان کے یہاں کیا برائی ہے اور ان کو سخت کوڑے جن سے زخم پڑ جائے مارنے لگا اور برتن توڑ ڈالے۔ یہ سب جہالت کا باعث ہے۔ رہا عالم جب کسی امر پر انکار کرے تو اس کی طرف سے تجھے امان ہے۔ سلف رضی اللہ عنہم ہری باتوں کے انکار کرنے میں نرمی کرتے تھے چنانچہ صلہ بن ایشم نے ایک مرد کو ایک عورت سے باتیں کرتے دیکھا تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تم دونوں کو دیکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری تمہاری پردہ پوشی فرمائے صلہ کا گزر ایک قوم کی طرف ہوا جو کھیلتے تھے۔ ان سے فرمایا کہ اے میرے بھائیو تم لوگ ایسے مسافر کے حق میں کیا کہتے جو رات بھر سوتا رہا اور دن بھر کھیل میں پڑا رہا تو سفر کس وقت میں پورا کرے۔ ان میں سے ایک جوان چونکا اور کہا کہ اے قوم یہ بزرگ ہم لوگوں کو نصیحت کرتے ہیں۔ پھر توبہ کر کے ان کے ساتھ ہو گیا۔

فصل :- سب سے زیادہ نرمی سے انکار کے لائق بادشاہ و امراء ہیں تو ان سے یوں کہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارا رتبہ بلند کیا تم کو چاہیے کہ اس کی نعمت کی قدر جانو کیونکہ شکر ہی سے نعمت کو دوام ہوتا ہے اور یہ مناسب نہیں کہ ان کی نعمتوں کے مقابلہ میں نافرمانیاں کی جائیں۔

فصل :- ابلیس نے بعض عابدوں پر تلبیس کی کہ وہ منکرات کو دیکھتا ہے اور اس سے انکار نہیں کرتا اور کہتا ہے کہ امر و نہی وہ کرے جو اس لائق ہو گیا ہو۔ اور میں اس لائق نہیں ہوں اور یہ غلط ہے اس لئے کہ اس پر امر و نہی واجب ہے اگرچہ خود کسی بدکاری میں مبتلا ہو تو بھی دوسرے کو اس سے منع کرے لیکن بات یہ ہوتی ہے کہ جو خود پر ہیزگاری کا شیوہ اختیار کرتا ہے اور اس کے بعد لوگوں کو برے کاموں سے منع کرتا ہے تو اس کا اثر زیادہ ہوتا ہے اور جب خود مبتلا ہوتا ہے تو امید نہیں کہ اس کا انکار کچھ اثر کرے۔ لہذا محتسب کو چاہیے کہ خود بری باتوں سے پرہیز کرے تاکہ اس کا انکار مفید ہو۔ ابن عقیلؒ نے کہا کہ ہم نے خلیفہ قائم کے عہد میں ابو بکر افضالی کو دیکھا کہ جب وہ امر منکر کے مٹانے کو اٹھتے تو ان کے پیچھے مشائخ کی ایک جماعت ہوتی جن کی یہ صفت ہے کہ اپنے ہاتھ کی مزدوری سے کھاتے ہیں جیسے ابو بکر خباز اور شیخ صالح ہیں۔ کہ تنور کے کام میں اپنا پہلو گرم رکھتے ہیں۔ اور اسی قسم کی ایک جماعت ہیں ان میں کوئی ایسا نہیں ہے جس نے صدقہ لینے کی گدڑی اوڑھی ہو یا قبول عطیہ کی نجاست سے ملوث ہوا ہو۔ یہ لوگ دن میں روزہ رکھتے ہیں اور رات میں نماز پڑھتے ہیں۔ اور راہ حق میں گریہ و زاری کرنے والے ہیں۔ اور جب کوئی مخلص جو ان کی صفت پر نہیں ہے ان کے ساتھ ہونا چاہیے تو اس کو پھیر دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہمارے لشکر میں کوئی مخلص شامل ہوا تو لشکر شکست کھائے گا۔

﴿باب نہم﴾

زاہدوں پر تلمیس ابلیس کا بیان

مصنفؒ نے کہا کہ اکثر ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ جاہل آدمی قرآن یا حدیث میں دنیا کی مذمت سنتا ہے تو جانتا ہے کہ نجات یہ کہ دنیا ترک کرے اور یہ نہیں جانتا کہ دنیا کیا چیز ہے تو ابلیس اس پر یہ تلمیس ڈالتا ہے کہ تو دنیا ترک کر دے تو آخرت میں نجات پائے گا۔ پس منہ اٹھا کر پہاڑوں کی طرف نکل جاتا ہے اور جمعہ و جماعت و علم سے دور ہو کر وحشی کی مانند ہو جاتا ہے۔ شیطان اس کے ذہن میں جماتا ہے کہ حقیقی زہد یہی ہے اور کیوں نہ سمجھے جبکہ وہ سن چکا کہ فلاں شیخ منہ اٹھائے جنگل کو چلا گیا۔ اور فلاں شیخ پہاڑ میں عبادت کرتا رہا۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اس جاہل کی آل و اولاد ہوتی ہے وہ پریشان و برباد ہوتی ہے اور اس کی والدہ ہوئی تو فراق میں روتی ہے اور کبھی یہ جاہل نماز کے ارکان بھی ٹھیک نہیں جانتا اور کبھی اس کے ذمہ لوگوں کے قرضے وغیرہ حقوق و مظلمہ ہوتے ہیں جن کو اس نے ادا نہ کیا اور ان سے ذمہ پاک نہ کیا۔ ابلیس کو اس جاہل شخص کی تلمیس کا قابو اسی وجہ سے ملا کہ اس کو علم کمتر ہے۔ یہ بھی اس کی جہالت تھی کہ جو کچھ اس کے نفس نے سمجھایا اسی پر راضی ہوا۔ اور اگر اس نے کسی فقیہ کی صحبت اٹھائی ہوتی جو حقائق سے آگاہ ہوتا تو وہ اس کو بتا دیتا کہ دنیا کچھ بذات خود مذموم نہیں ہے اور ایسی چیز کیونکر مذموم ہو سکتی ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے احسان رکھا ہے اور جو آدمی کے باقی رہنے کے واسطے ضروری چیز ہے اور جس کے ذریعہ سے آدمی علم و عبادت حاصل کر سکتا ہے۔ جیسے کھانا پینا و پہنا وغیرہ اور اسی میں مسجد ہے۔ جس میں نماز پڑھتا ہے۔ بلکہ مذموم فقط یہ ہے کہ کوئی چیز بغیر حلت کے لے لے یا اسراف کے طور پر تصرف کرے جو مقدار حاجت سے زائد ہو اور نفس اس میں اپنی رعونت کے موافق بدون شرعی ادب کے تصرف کرے اور یہ بھی بتا دیتا کہ پہاڑوں میں تنہا نکل جانا منع ہے۔ کیونکہ نبی ﷺ نے منع فرمایا کہ آدمی تنہا رات بسر کرے اور خفیہ سمجھا دیتا کہ ایسی حرکت اختیار کرنا جس سے جمعہ و جماعت فوت ہو جائے محض خسارہ ہے نفع نہیں ہے۔ علم و عالموں سے دور ہونے میں جہالت غالب ہو جاتی ہے اور ایسے معاملے سے ماں باپ کو فراق کو

صد مدد یتان کی نافرمانی و عقوق میں داخل ہے جو کبیرہ گناہ ہے۔ رہا یہ کہ اس نے سنا کہ فلاں شیخ پہاڑوں میں نکل گئے تو احتمال ہے کہ ان کے عیال و والدہ و والدہ وغیرہ نہ تھے۔ اور کوئی باعث تھا کہ وہ ایسے مقام پر نکل گئے کہ وہاں ان لوگوں نے مجتمع ہو کر عبادت کی۔ (مثلاً پہاڑ قریب آبادی کے تھا جیسے مکہ میں غار حراء ہے یا ملک میں فتنہ تھا) اور جس شخص کی حالت میں کوئی وجہ صحیح اس کی نہ ہو تو وہ خطا پر تھا خواہ کوئی ہو اور بے شک بعض سلف نے بیان کیا کہ ہم لوگ عبادت کے لئے پہاڑ میں چلے گئے، تو سفیان الثوریؒ ہمارے پاس آئے اور ہم کو واپس شہر لے گئے۔

فصل :- زاہدوں پر تلمیس کی تلمیس میں سے ہے کہ زہد و عبادت کے پیچھے علم چھوڑ دیتے ہیں تو گویا انہوں نے بہتر و افضل چھوڑ کر حقیر و کمتر کو اختیار کر لیا اس کا بیان یہ ہے کہ زاہد کا نفع اس کے دروازے سے آگے نہیں بڑھتا۔ اور عالم کا نفع دوسروں کو پہنچتا ہے اور بہتر سے حد سے تجاوز کرنے والوں کو عالم راہ راست پھیر لاتا ہے۔

فصل :- زاہدوں پر تلمیس ابلیس میں سے یہ ہے کہ اس نے ان کے گمان میں جمادیا کہ مباحات کو ترک کرنا زہد ہے۔ چنانچہ ان میں سے بعضے فقط جو کی روٹی پر ہی گزارہ کرتے ہیں (باوجودیکہ صاحب مال ہوتے ہیں) اور بعضے کسی پھل و میوہ جات میں سے کچھ نہیں چکھتے اور بعضے غذا یہاں تک کم کرتے ہیں کہ ان کا بدن خشک ہو جاتا ہے اور صوف (موناوئی کپڑا) پہننے سے اپنے بدن کو ایذا دیتے ہیں اور ٹھنڈا پانی استعمال نہیں کرتے۔ حالانکہ یہ رسول اللہ ﷺ کا طریقہ نہیں ہے اور نہ آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہ و تابعین و اتباع کا طریقہ ہے۔ وہ بزرگوار لوگ تو جہی بھوک پر صابر رہتے جب کچھ نہ پاتے اور جب پاتے تو کھاتے تھے رسول اللہ ﷺ گوشت کھاتے اور اس کو پسند فرماتے۔ اور مرغ کا گوشت کھاتے اور حلوہ پسند فرماتے تھے آپ ﷺ کے لئے میٹھا پانی سرد کیا جاتا اور باسی پانی کو ترجیح دیتے۔ کیونکہ گرم پانی معدہ کو تکلیف دیتا اور پیاس نہیں بجھاتا ہے۔ زاہدوں میں سے ایک کہتا تھا کہ میں حلوہ نہیں کھاتا، کیونکہ میں اس کا شکر ادا نہیں کر سکتا۔ تو حسن بصریؒ نے فرمایا کہ یہ شخص احمق ہے کیا یہ سرد پانی کا شکر ادا کر لیتا ہے۔ سفیان الثوریؒ جب سفر کو جاتے تو ان کے دسترخوان سفر میں حلوان کا بھنا ہوا گوشت اور مرغ کا گوشت اور فالودہ ہوتا تھا۔ آدمی کو جان لینا چاہیے کہ یہ نفس اس کی

سواری ہے اور اس کے ساتھ نرمی کرنا ضروری ہے تاکہ مقصود کو پہنچ جائے تو جو چیزیں اس کی اصلاح کرنے والی ہیں ان کو حاصل کرے اور جن سے اس کو مضرت ہو وہ ترک کرے جیسے پیٹ تان کر کھانا اور خواہش کی چیزوں میں کثرت کرنا کیونکہ اس سے بدن کو اذیت ہوتی ہے اور دین کے لئے بھی مضر ہے۔ پھر آدمیوں کی طبائع مختلف ہیں۔ چنانچہ عرب کے جنگلی اگر بالوں کے کپڑے پہنیں اور فقط اونٹ کے دودھ پر رہیں تو ان کو ضرر نہیں ہوتا۔ کیونکہ ان کے بدن اس کو برداشت کرتے ہیں اور ملک کے بھی مناسب اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے اور اگر سواد عراق کے لوگ صوف پہنیں یا محض چٹنی کھائیں تو ان کو بھی مضر نہیں۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ ان میں سے کوئی شخص اپنے آپ کو اس قدر قلیل چیز پر آمادہ کرے کیونکہ ان میں بعض ایسے ہو گزرے ہیں اس لئے کہ اس قوم کی یہ عادت بچپن سے پڑی ہے اور اگر بدن نازک ہو جو عیش میں پرورش ہوا ہے تو ہم اس کو منع کرتے ہیں کہ وہ اپنے بدن کو یکایک ایسی غذا پر آمادہ کرے جو اس کو ضرر پہنچائے، پھر اگر کسی نے زہد اختیار کیا۔ اور خواہش کی چیزوں کا ترک کرنا اختیار کیا خواہ اس وجہ سے کہ حلال مال میں ایسے زیادہ خرچ کی گنجائش نہیں ہوتی۔ یا جب طعام لذیذ ہو تو کثرت سے کھایا جاتا ہے جس سے نیند بہت آتی ہے اور سستی پیدا ہوتی ہے ایسے شخص کو یہ جاننا ضروری ہے کہ کسی چیز کا چھوڑنا مضر ہے اور کس کا چھوڑنا مضر نہیں۔ تاکہ مقدار معتدل ایسی چیزوں سے اختیار کرے کہ جن سے بدن کا قوام بخوبی باقی رہے بدون اس کے کہ نفس کو خواہ مخواہ ایذا دینا لازم آئے۔ بہت سے لوگوں نے زعم کیا کہ روکھی پھلکی روٹی قوام کے بدن کے واسطے کافی ہے۔ اگر فرض کر لو کہ اچھا کافی ہے۔ تاہم وہ دوسری جہت سے بدن کے اختلاط کو مضر ہے، جس کو کھٹے میٹھے و سرد و گرم اور روکنے والی اور اسہال لانے والی چیز کی ضرورت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے طبیعت میں مناسب چیز کا میلان رکھا ہے تو کبھی اس کو ترشی کی طرف میلان ہوتا ہے اور کبھی میٹھے کی ضرورت ہوتی ہے اور اس کے مختلف اسباب ہوتے ہیں۔ مثلاً بدن میں وہ بلغم کم ہو گیا جس کی ضرورت بدن کو قوام باقی رکھنے میں لازم ہے تو طبیعت دودھ کی خواہش کرے گی۔ اور جب بدن میں صفر زیادہ ہو تو طبیعت کھٹائی کی خواہش کرتی ہے تو جس نے طبیعت کو اس کے مقتضائے جبلت کے موافق مفید چیز میں تصرف سے روکا تو اس کو ایذا پہنچائی سوائے اس کے کہ اس کو پیٹ بھر کر کھانے اور حرص وغیرہ ایسی چیز سے روکے جس کا انجام خوفناک ہے تو ایذا نہیں اس لئے کہ ایسی چیزیں اس کو مضر

ہیں۔ رہا یہ کہ طبیعت کو مطلقاً سب چیز سے روک دے تو یہ غلطی ہے یہ بیان سمجھ لینا چاہیے اور خالی اسی طرف نہ ڈھل جانا جو حادث محاسبی اور ابو طالب کی نے لکھا ہے کہ نفس کو بہت ہی کم غذا دینے میں اس پر جہاد کرے اور مباحات و مستکذات سے اس کو بالکل روک دے۔ اس لئے کہ یہاں بہتر طریقہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ کی اتباع کرے۔

ابن عقیل فرماتے تھے کہ اے صوفیہ دین داری میں تمہارے طریقے بہت ہی تعجب خیز ہیں تم دو باتوں کے پچ میں پڑے ہو۔ یا تو اپنی نفسانی خواہشوں کے تابع ہو یا نصرانی راہبوں کی طرح راہبانیت نکالتے ہو۔ اول کا اثر یہ ہے کہ تکبر اور غرور کی اور چوں کی طرح کھیل و وجود و رقص کی رسی دراز کرتے ہو یا حقوق برباد کرتے اور بال بچوں کو چھوڑتے اور مسجد میں جا کر بیٹھ رہتے ہو۔ بھلا یہ لوگ عقل و شرع کے موافق کیوں عبادت نہیں کرتے۔

فصل :- زاہدوں پر ابلیس یہ تلمیس ڈالتا ہے کہ ان کے وہم میں جمادیا کہ زہد فقط اس امر کا نام ہے کہ سب سے کم تر کھائے اور لباس پر قناعت کرے۔ لہذا یہ لوگ اسی مقدار پر کفایت کرتے ہیں اور ان کے دلوں میں ریاست و جاہ و مرتبہ کی خواہش بھری رہتی ہے۔ اسی وجہ سے تم ان کو دیکھتے ہو کہ امیروں اور دولت مندوں کی ملاقات کے منتظر رہتے ہیں۔ اور دولت مندوں کی تعظیم و تکریم اور فقیروں کی تحقیر کرتے ہیں اور لوگوں کی ملاقات کے وقت ایسا عجز و اکھڑا ظاہر کرتے ہیں گویا بھی مشاہدہ سے نکلے ہیں۔ بارہا ان میں سے بھٹے مال پھیر دیتے ہیں تاکہ یہ نہ کہا جائے کہ اس نے زہد کا طریقہ بدل ڈالا ہے یہ لوگ دنیا کی خواہش کے وسیع دروازے میں اس ذریعہ سے گھسے ہیں کہ لوگ برابر ان کی خدمت میں آئیں اور ان کے ہاتھوں کو بوسہ دیں اس واسطے کہ دین کی انتہائی ہے کہ ریاست حاصل ہو۔

فصل :- مصنفؒ نے کہا کہ عابدوں و زاہدوں پر بھڑت جو امر ابلیس نے مکر سے ڈال رکھا ہے وہ یہ کہ ریاکاری چھپی ہوئی رکھتے ہیں اور ظاہری ریاکاری تو وہ خود علانیہ جانتے ہیں وہ کچھ تلمیس میں شہار نہیں ہو سکتی۔ جیسے جسم کی نچافت ظاہر کرنا اور چہرے کی زردی و بالوں کی پریشانی تاکہ اس کی ظاہری حالت سے ہر شخص جان لے کہ یہ صاحب بڑے زاہد ہیں۔ اسی طرح آواز پست رکھنا تاکہ خشوع ظاہر ہو اور اسی طرح

نماز و روزہ سے ریاکاری کرنا اور مال لٹانا تو ایسی کھلی ہوئی باتیں کچھ مخفی ریا میں نہیں ہو سکتی ہیں بلکہ توجہ تو مخفی ریا پر ہے۔ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ اعمال کا دار و مدار تو نیّتوں پر ہے اور جب کسی عمل سے خالص رضائے الہی مقصود نہ ہو تو وہ قبول نہ ہو گا۔ مالک بن دینارؒ نے فرمایا کہ جو شخص صدق دلی سے عامل نہ ہو اس سے کہہ دو کہ کیوں بے فائدہ تکلیف اٹھاتا ہے۔ واضح ہو کہ مومن اپنے اعمال سے خالص اللہ تعالیٰ کی رضامندی چاہتا ہے۔ شیطان اس پر مخفی ریاکاری لے کر آتا ہے اور اس کو تلمیس میں ڈالتا ہے اور اس سے چنا بہت سخت مشکل ہے، یوسف بن اسباط فرماتے تھے کہ تم لوگ عمل کی صحت و سقم کو پہچانا سیکھو کیونکہ میں نے اس کو بائیس برس میں سیکھا ہے۔ ابراہیم بن ادہمؒ فرماتے تھے کہ میں نے معرفت ایک راہب سے سیکھی جس کو سمعان کہتے تھے۔ چنانچہ میں اس کے صومعہ میں گیا اور اس سے کہا کہ اے سمعان تم کتنی مدت سے صومعہ میں رہتے ہو۔ اس نے کہا کہ ستر برس ہوئے ہیں۔ میں نے کہا کہ تم کیا کھاتے ہو؟ اس نے کہا کہ اے حنیفی تم کیوں اس دریافت میں لگے ہو میں نے کہا کہ مجھے فقط دریافت کرنے کی خواہش ہے۔ اس نے کہا کہ ہر رات ایک چنا کھاتا ہوں میں نے کہا کہ تمہارے دل میں کیا چیز جوش کرتی ہے کہ یہ چنا تم کو کافی ہو جاتا ہے؟ اس نے کہا کہ تم وہ دیر (عبادت کی جگہ) جو سامنے نظر آتا ہے دیکھتے ہو۔ میں نے کہا کہ ہاں۔ سمعان نے کہا وہ لوگ سال میں ایک روز میرے صومعہ میں آتے ہیں اور اس کی آرائش کرتے ہیں اور اس کے گرد گھومتے ہیں اور اس سے میری تعظیم کرتے ہیں تو جب کبھی میرا نفس عبادت سے کسل کرتا ہے تو میں اس دن اور اس گھڑی کو یاد کر لیتا ہوں تو اس ایک گھڑی کی یاد کے لئے تمام سال میں اس سخت جہد و مشقت کو برداشت کرتا ہوں۔ اے حنیفی تجھے لازم ہے کہ دائمی عزت کے لئے جہد و کوشش کر اس کی گفتگو سے میرے دل میں معرفت نے گھر کیا۔ پھر اس نے مجھ سے کہا کہ میں تجھے کچھ زیادہ دکھا دوں۔ میں نے کہا کہ وہ کیا چیز ہے؟ بولا کہ تم مصومعہ سے نیچے اتر کھڑے ہو میں جب وہاں کھڑا ہوا تو اس نے رسی باندھ کر ایک آخوڑہ لٹکایا میں نے کھول لیا تو اس میں بیس پنے تھے۔ پھر مجھ سے کہا کہ تم ان کو لئے ہوئے اس دیر میں جاؤ کیونکہ انہوں نے مجھے لٹکاتے ہوئے دیکھ لیا ہے۔ میں اس دیر میں آیا تو نصاریٰ نے میرے گرد جمع ہو کر پوچھنا شروع کیا کہ اے حنیفی تم کو بلانے کیا عطا کیا ہے۔ میں نے کہا کہ اپنی غذا میں سے یہ پنے دیئے ہیں نصاریٰ نے کہا کہ اے حنیفی یہ پنے آپ کے کچھ کام کے نہیں ہیں اور ہم اس

کے حقدار ہیں آپ ہم سے اس کی قیمت لے لیجئے میں نے کہا کہ بیس دینار دو۔ انہوں نے فوراً بیس اشرفیاں دے دیں۔ پھر میں راہ بدل کر سمعان کے پاس آیا تو اس نے مجھ سے کہا کہ تو نے غلطی کی اگر تو ان سے بیس ہزار سیر مانگتا تو وہ تجھے دیتے۔ اے حنیفی یہ اس کی عزت ہے جو اللہ تعالیٰ کو نہیں پوجتا۔ اب تو قیاس کر لے کہ جو اللہ تعالیٰ کی بندگی کرے اس کی کیا عزت ہوگی۔ اے حنیفی اپنے پروردگار کی طرف متوجہ ہو جا۔ مصنفؒ نے کہا کہ اسی ریا کے خوف سے صالحین نے اپنے اعمال چھپائے تاکہ ان کو چالیں اور ان کو چھپانے کے لئے اس کے برعکس ناقص اعمال ظاہر کئے۔ ابن سیرینؒ کا قاعدہ تھا کہ دن میں لوگوں کے سامنے ہنسا کرتے اور رات کو روپا کرتے تھے ایوب الخیتانیؒ اپنے دامن کو کچھ دراز رکھتے تھے۔ ابراہیم بن ادہمؒ جب بیمار ہوتے تو ان کے پاس وہ چیزیں رکھی ہوتی دکھائی دیتیں جن کو تندرست لوگ کھایا کرتے ہیں۔

وہب بن منہؒ کہا کرتے کہ ایک شخص اپنے زمانہ میں افضل لوگوں میں سے تھا۔ لوگ دور سے اس کی زیارت کو آتے اور اس کی تعظیم کرتے ایک روز اس کے پاس جمع ہوئے تو اس نے فرمایا کہ ہم طغیان و غرور کے خوف سے دنیا و اہل و اموال سے خارج ہوئے ان کو چھوڑا اور اب مجھے یہ خوف ہے کہ جس قدر حد سے تجاوز مال والوں پر ان کے مال سے نہیں آتا اس قدر طغیان ہم لوگوں میں ہماری ہی اس حالت مجودہ سے سماتا ہے تم دیکھتے ہو کہ ہم میں ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کی دیانت داری کی وجہ سے اس کی ضرورت پوری کی جائے اور اگر کچھ خریدے تو اس کے دام کم رکھے جائیں اور اگر کسی سے ملاقات کرے تو لوگ اس کی دیانت داری کے واسطے عزت و توقیر کا برتاؤ کریں۔ اس کی یہ گفتگو شائع ہو گئی۔ یہاں تک کہ بادشاہ تک خبر پہنچی تو اس کو بہت پسند آیا اور اس کے دیدار و سلام کے واسطے سوار ہوا۔ جب قریب آیا تو اس سے کہا گیا کہ یہ بادشاہ آپ کے سلام کے واسطے آیا ہے اس نے کہا یہ کس لئے؟ کہا گیا کہ اسی گفتگو کی وجہ سے جو آپ نے بطور وعظ بیان فرمائی تھی۔ کہا اسے واپس کر دو۔ پھر غلام سے پوچھا کہ بھلا تیرے پاس کچھ کھانا موجود ہے اس نے کہا کہ کچھ چھوہارے وغیرہ پھل ہیں جن سے آپ افطار کیا کرتے تھے۔ شیخ نے ان کو مانگا تو ناٹ کے دسترخوان پر لا کر رکھے گئے اور شیخ نے کھانا شروع کیا حالانکہ ہمیشہ روزہ رکھا کرتے تھے اتنے میں بادشاہ آکر کھڑا ہوا۔ اور سلام کیا تو شیخ نے کچھ خفیف جواب دیا۔ پھر اپنے کھانے میں متوجہ ہو گئے بادشاہ نے کہا کہ وہ شیخ کہاں ہیں۔ کہا گیا کہ وہ یہی ہیں۔ کہا کہ جو کھانے میں مشغول

ہیں۔ کہا گیا کہ جی ہاں۔ بادشاہ نے کہا کہ اس کے پاس تو کچھ خوبی نہیں ہے۔ اور واپس چلا گیا۔ شیخ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ جس نے اس ذریعہ سے تجھے میرے پاس سے پھیر دیا۔ مصنفؒ نے کہا کہ دوسری روایت میں وہبؒ سے آیا ہے کہ جب بادشاہ آیا تو شیخ کے آگے اس کا طعام پیش کیا گیا تو شیخ نے ہر قسم کے سگ کا بڑا القمہ جمع کر کے روغن زیتوں میں ڈبو کر کھانا شروع کیا اور بہت تیزی کے ساتھ کھانے لگے بادشاہ نے اس سے کہا کہ اے فلاں تیرا کیا حال ہے تو کیسا آدمی ہے۔ شیخ نے کہا جیسے لوگ ہوتے ہیں۔ پس بادشاہ نے اپنے گھوڑے کی باگ پھیر لی اور کہا کہ اس شخص میں کوئی بہتری نہیں ہے شیخ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے اس کو میرے پاس سے اس طرح پھیرا کہ مجھے ملامت کرتا ہوا چلا گیا۔ ابن عطاء نے کہا کہ خلیفہ ولید بن عبد الملک نے ارادہ کیا کہ یزید بن مرہد کو (کسی مقام کا) والی مقرر کرے یہ خبر یزید کو پہنچی تو انہی پوستین پنی اور اپنے ہاتھ میں ایک روٹی اور گوشت دار ہڈی لے کر بغیر چادر اور ٹوپی و موزہ و جوتا کے باہر نکل کر بازاروں میں پھرنا اور کھانا شروع کیا۔ لوگوں نے ولید کو خبر پہنچائی کہ یزید بن مرہد کی عقل جاتی رہی ہے۔ اور یہ سب حال بیان کیا گیا تو خلیفہ نے ارادہ ترک کیا۔ غرض ایسی روایات بھرت ہیں۔

فصل :- مصنفؒ نے کہا کہ زاہدوں میں بعض ایسے بھی ہیں جو ظاہر و باطن زہد کو عمل میں لاتے ہیں۔ لیکن شیطان ایسے زاہد کو بتلاتا ہے کہ یہ ضرور ہے کہ تو اپنے دوستوں سے اور زوجہ سے اپنا ترک دنیا کرنا ظاہر کر دے۔ پس اس حیلہ سے اس پر صبر کرنا آسان ہوتا ہے۔ جیسے اس راہب پر آسان ہوا ہے۔ جس کا قصہ ہم نے لہذا انیم بن ادہمؒ کے ساتھ بیان کیا اگر ایسا زہد خالص اخلاص چاہتا تو اپنی زوجہ وغیرہ کے ساتھ اس قید رکھالیا کرتا جس سے اس نفس کو چھٹا اور اپنے حق میں ایسی گفتگو نہ کرتا۔ وادہ بن ابی ہندؒ نے بیس سال تک روزہ رکھا۔ اور ان کے گھر والوں کو معلوم تک نہ ہوا وہ اپنا کھانا گھر سے لے کر بازار جاتے اور اللہ کی راہ میں صدقہ کر دیتے اور بازار والے یہ سمجھتے کہ اپنے گھر سے کھا کر آئے ہوں گے۔ اور گھر والے جانتے کہ انہوں نے بازار لے جا کر کھایا ہو گا۔ مردان خدا کا یہی طریقہ تھا۔

فصل :- زاہدوں میں بعض وہ ہیں جو الگ ہو کر مسجد میں یا رباط میں یا پہاڑ میں بیٹھ رہتے ہیں اور ان کو یہ لذت ہے کہ لوگوں کو یہ معلوم ہو کہ فلاں زاہد اکیلا ہو رہا

ہے اور بسا اوقات یہ حجت لاتا ہے کہ اگر میں بازار میں نکلوں گا تو منکرات جو شرع میں ناجائز ہیں وہ دیکھوں گا اس انقطاع میں اس کے اور مقاصد بھی ہیں از انجملہ تکبر اور لوگوں کو حقیر سمجھنا۔ اور از انجملہ وہ خوف کرتا ہے کہ لوگ اس کی خدمت میں کوتاہی کریں گے۔ اور از انجملہ اپنی ناموس و ریاست کی حفاظت ہے۔ کیونکہ لوگوں کے میل جول سے یہ بات جاتی رہے گی۔ حالانکہ وہ چاہتا ہے کہ اس کے ذکر کی تازگی قائم رہے۔ بسا اوقات اس کا مقصود یہ بھی ہوتا ہے کہ اس جاہل زاہد کے عیوب و قبیح باتیں اور علم سے جاہل ہونا سب چھپا رہے۔ پس تو دیکھتا ہے کہ یہ زاہد چاہتا ہے کہ لوگ اس کے دیدار کو آئیں اور وہ کسی کو دیکھنے نہ جائے اور جب امراء اس کے پاس آتے ہیں تو بہت خوش ہوتا ہے اور جب عوام اس کے دروازے پر جمع ہوتے ہیں اور اس کے ہاتھ چومتے ہیں تو پھول جاتا ہے پس وہ نہ مریضوں کی عیادت کو جاتا ہے اور نہ جنازے کی نمازوں میں شریک ہوتا ہے اس کے مریدین کہتے ہیں کہ شیخ کو معذور سمجھئے کہ ان کی عادت یہی ہے بھلا اس عادت میں کیا عذر ہو جو شرع کے خلاف ہے۔ اگر یہ زاہد اپنی ضروری غذا وغیرہ کا کسی وقت حاجت مند ہوتا ہے اور اتفاق سے کوئی شخص موجود نہ ہو جو اس کے واسطے خرید لائے تو بھوکا رہنے پر صبر کرتا ہے تاکہ خود نکل کر خرید کرنے میں عوام کے درمیان چلنے پھرنے سے اس کا مرتبہ کم نہ ہو۔ اگر وہ خود نکل کر اپنی ضرورت کی چیز خریدے۔ تو اس کی شہرت جاتی رہے۔ لیکن اس کے دل میں حفظ و ناموس کی بہت خواہش ہے۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ بازار میں جا کر اپنی ضرورت کی چیز خریدتے اور خود اٹھ لاتے تھے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنے کندھے پر کپڑے لادے جاتے اور ان کی خرید و فروخت کرتے تھے۔ عبداللہ بن حظلہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اپنے سر پر لکڑیوں کا گٹھا لادے ہوئے گزرے تو کچھ لوگوں نے آپ سے کہا کہ کیا سبب ہے کہ آپ ایسا کرتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے بے پرواہ کر دیا ہے۔ کہا میں چاہتا ہوں کہ اس ذریعہ سے نفس کا تکبر دور کروں اور کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرماتے تھے کہ جنت میں وہ بندہ داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہو۔

فصل :- یہ جو ہم نے ضرورت خرید و فروخت وغیرہ کے واسطے نکلنے کا ذکر کیا جس میں تبدل ہے۔ یہ قدمائے سلف کی عادت تھی۔ اور یہ عادت بدل گئی۔ جیسے

لباس و حالات بدل گئے۔ آج کل میں کسی عالم کو نہیں دیکھتا کہ کسی ضروری چیز کی خرید کے واسطے نکلے۔ اس لئے کہ جاہلوں کے نزدیک اس سے نور علم میں دھندلاہٹ آجاتی ہے۔ اور نور علم کی تعظیم ان کے نزدیک مشروع ہے اور ایسی باتوں میں عوام کے دلوں کی رعایت کرنا یا کاری کی طرف نہیں لے جاتا اور ایسے طریقہ کا استعمال کرنا جس سے عوام کے دلوں میں ہیبت باقی رہے۔ ان کے نزدیک ممنوع نہیں ہے اور ہر چیز جس سے اب لوگوں کے قلوب متغیر ہوں اگرچہ وہ سلف میں ہو تو اس کا عمل میں لانا ضروری نہیں ہے۔ اوزاعیؒ نے کہا کہ ہم پہلے ہنستے اور مزاح کرتے تھے اور جب ہماری یہ حالت پہنچی کہ ہمارے قول و فعل کی پیروی کی جائے گی تو ہم نے دیکھا کہ یہ باتیں ہم کو روا نہیں ہیں۔ مصنف نے کہا کہ ہم کو ابراہیم بن ادہمؒ سے روایت پہنچی کہ ایک روز ان کے اصحاب باہم خوش طبعی کرتے تھے کہ اتفاق سے کسی نے دروازہ کھٹکایا تو اس کو خاموشی کا حکم کیا تو انہوں نے کہا کہ ہم نے آج ریا سیکھی تو فرمایا کہ میں یہ ناگوار سمجھتا ہوں کہ تمہاری پیروی سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی جائے۔ مصنف نے کہا کہ ابراہیمؒ نے جاہلوں کے قول سے خوف کیا، تم لوگ ان زاہدوں کی طرف نظر کرو کہ کیونکر عمل کرتے تھے۔ وجہ یہ تھی کہ عوام لوگ عابدوں کے حق میں خوش طبعی وغیرہ کا گمان نہیں رکھتے۔

فصل :- زاہدوں میں بعض ایسے ہیں کہ اگر اس سے درخواست کی جائے کہ نرم کپڑا پہنو تو منظور نہ کرے گا۔ تاکہ اس کے مرتبہ زہد میں نقصان نہ آئے اور اگر باہر ہو تو لوگوں کے سامنے نہ کھائے اور اپنے آپ کو مسکرانے سے روکتا ہے۔ ہنسنے کا کیا ذکر ہے۔ ایلیس اس کو وہم دلاتا ہے کہ یہ خلق کی اصلاح ہے حالانکہ یہ ریاکاری ہے جس سے وہ اپنی ناموس کا قاعدہ محفوظ رکھتا ہے۔ چنانچہ تو اس کو دیکھے گا کہ لوگوں کے سامنے سر جھکائے بیٹھا رہتا ہے اور اس کے چہرے پر حزن و غم کے آثار ظاہر ہوتے ہیں اگر کبھی اس کو خلوت میں تنہا دیکھے تو شری (سلمی پہاڑ کی گھائی جمال بھرت شیر ہوتے ہیں) کا شیر نظر آئے گا۔

فصل :- سلف صالحین کا قاعدہ تھا کہ ہر خصلت جس سے وہ انگشت نما ہوتے اس کو دور رکھتے اور جہاں وہ مشار الیہ بنائے جاتے وہاں سے ہٹ جاتے۔ عبد اللہ بن خفیف نے کہا کہ یوسف بن اسباط نے میان فرمایا کہ میں سبج سے پیدل نکل کر

مصیہ کو روانہ ہوا۔ جب وہاں پہنچا تو میری جراب میرے گلے میں تھی۔ پس ادھر سے ایک دوکاندار نے مجھے اٹھ کر سلام کیا۔ اور ادھر سے دوسرے نے اٹھ کر سلام کیا۔ میں اپنی جرابیں ڈال کر مسجد میں گھس گیا۔ وہاں دو رکعتیں پڑھنے لگا تو مجھے سب طرف لوگوں نے گھیر لیا۔ اور ایک شخص نے میرے چہرے کے سامنے دیکھنا شروع کیا تو میں نے اپنے جی میں کہا کہ میرا جی کب تک اس حالت پر سلامت رہے گا۔ پس میں اپنی جراب لے کر باوجود پسینے میں غرق ہونے اور تھکے ماندے ہونے کے اٹھ پاؤں سبج کی طرف واپس آیا۔ پھر دو سال میرا قلب حال خود نہ آیا۔

فصل :- بعضے زہد کا یہ طریقہ ہے کہ وہ پھٹا ہوا کپڑا پہنتا ہے اور اس کو نہیں سیتا اور اپنے عمامہ و داڑھی کی درستی چھوڑ دیتا ہے تاکہ لوگ یہ جانیں کہ اس کے پاس دنیا سے سوائے اس لباس کے کچھ نہیں ہے۔ یہ ریاکاری کے دروازوں میں سے ہے پھر اگر وہ اصلاح و درستی کرنے میں سچا بھی ہو جیسے داؤد انطاکی سے کہا گیا تھا کہ آپ اپنی داڑھی کیوں درست نہیں کرتے تو فرمایا تھا کہ میں اس کے فکر سے دوسری طرف مشغول ہوں تاہم اسے یہ جان لینا چاہیے کہ زہد موصوف ٹھیک راہ نہیں چلا۔ اس لئے کہ یہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب کا طریقہ نہ تھا۔ حضرت علیؓ اپنے بالوں میں کنگھی کرتے اور آمینہ دیکھتے اور خوشبو لگاتے اور تیل ملتے۔ حالانکہ آپ ﷺ تمام مخلوق سے زیادہ آخرت میں مشغول تھے۔ حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما داڑھی میں حنا و تم کا خضاب لگاتے حالانکہ سب صحابہ سے بڑھ کر خوف رکھنے والے اور سب سے زیادہ زہاد تھے اور جو کوئی ان اکابر سے بڑھ کر رتبہ کا مدعی ہو تو اس کی طرف التفات بھی نہ کیا جائے گا۔

فصل :- بعضے زہد ہمیشہ چپ رہنے کو لازم کر لیتے ہیں اور اپنے اہل و عیال کے ساتھ ملنے سے جدا ہو جاتے ہیں۔ گویا اس طرح اپنے قبیح اخلاق سے ان کو ایذا پہنچاتے ہیں اور حضرت علیؓ کا یہ قول بھول جاتے ہیں کہ تجھ پر تیرے اہل کا حق ہے رسول اللہ ﷺ خوش طبعی فرماتے اور بچوں کو باتوں سے بہلاتے۔ اور ازواج و مطہرات سے دل بہلانے کی باتیں کرتے اور عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ دوڑتے تھے۔ اور اسی طرح دیگر اخلاق لطیفہ مروی ہیں۔ پھر اس زہد جاہل کو دیکھو جس نے اپنی زوجہ کو بیوہ کے مانند بنا دیا اور بچوں کو یتیم سمجھا دیا۔ اور برے اخلاق کا برتاؤ کیا۔ اور الگ ہو

بیٹھا۔ کیونکہ یہ تاویل نکالی کہ ایسے امور اس کو شغل آخرت سے روکنے والے ہیں۔ اور کم علمی سے بچنے نہ جانا کہ اہل وعیال کے ساتھ کشادہ روی سے بسر کرنا آخرت کے واسطے معین ہے۔ متحلیں میں حضرت علیؑ نے جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تو نے کنواری لڑکی سے کیوں بیاہ نہ کیا جس سے تو کھیتا اور وہ تجھ سے کھیتی۔ اکثر اوقات اس جعلی زاہد پر خشکی غالب ہو جاتی ہے تو وہ زوجہ سے ملنا بالکل ترک کر دیتا ہے جس کا حق فرض تھا۔ گویا نفل کے پیچھے فرض کھودیتا ہے یہ ثواب کی بات نہیں ہے۔

فصل :- بعضے زاہد کا یہ حال ہے کہ وہ اپنے اعمال پر نظر کرتا ہے اس سے اگر کہا جائے کہ آپ بڑے لوگوں میں سے ہیں تو اس کو حق سمجھتا ہے۔ بعض زاہد اپنے واسطے کرامت ظاہر ہونے کا منتظر رہتا ہے اور اس کے خیال میں جم جاتا ہے کہ اگر وہ دریا کے پاس جا پہنچے تو اس کو قدرت ہے کہ پانی پر رواں ہو جائے۔ پھر جب اس نے کسی معاملہ میں دعا کی اور وہ قبول نہ ہوئی تو وہ دل میں ناخوش ہوتا ہے گویا وہ مزدور تھا کہ اپنی مزدوری مانگتا ہے اگر اس کو سمجھ ہوتی تو جانتا کہ وہ تو ایک ہندہ مملوک ہے اور مملوک اپنی خدمت سے کچھ احسان نہیں رکھ سکتا ہے۔ اور اگر یہ دیکھتا کہ اس کو نیک عمل کی توفیق ملی ہے تو جانتا کہ اس پر شکر ادا کرنا بھی واجب ہے اور اپنے قصور سے خوف کھاتا اس پر لازم یہ تھا کہ اپنے عمل کو دیکھنے سے اس کو یہ امر باز رکھتا کہ میرے اعمال میں مجھ سے سخت قصور سرزد ہوا ہے۔ جیسے رابعہ عدویہؒ کہا کرتی تھیں کہ میں استغفر اللہ کہنے میں اپنی کم سچائی سے توبہ کرتی ہوں اور مغفرت مانگتی ہوں۔ رابعہؒ سے پوچھا گیا کہ آپ اپنے کس عمل کو سمجھتی ہیں کہ وہ مقبول ہوا ہو تو فرمایا کہ اگر کچھ ہے تو یہ کہ مجھے یہ خوف ہے کہ وہ مجھ پر الٹا نہ مار دیا جائے۔

فصل :- بعضے زاہد جن کی کم علمی سے شیطان نے ان پر قابو پایا ہے یہ تلمیس ڈالی کہ وہ لوگ اپنے واقعات پر عمل کرتے ہیں اور کسی فقیہ کے قول پر التفات نہیں کرتے ان عقیل نے کہا ابو اسحاق الخزاز مرد صالح تھے اور انہوں نے سب سے لول مجھے قرآن تلقین کیا۔ ان کی یہ عادت تھی کہ رمضان میں بولنا چھوڑ دیتے تھے۔ اور جو ضرورتیں ان کو لاحق ہوتیں ان میں آیات قرآنی سے خطاب کرتے۔ چنانچہ جس سے کہنا ہوتا کہ پس آؤ۔ یعنی اجازت دیتے تو جاتے اس کے یہ آیت پڑھتے ادخلو علیہم الباب (المائدہ پ ۶ آیت ۲۳) یعنی اسے بنی اسرائیل اس قوم کفار پر دروازے داخل

ہو۔ الخ۔ اور تیسرے پہر کو اپنے بیٹے کو کہتے۔ من بقلها وقتائها (البقرہ پ آیت ۶۱) یعنی زمین کی ساگ اور ککڑی سے۔ یعنی بیٹے کو حکم دیا کہ بازار سے ساگ خریدو۔ میں نے شیخ سے عرض کیا کہ آپ اس کو عبادت سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ گناہ ہے۔ یہ کلمہ ان پر دشوار گزرا تو میں نے کہا کہ یہ قرآن مجید احکام شرعیہ بیان کرنے کے لئے اتر ا ہے تو اس کو دنیاوی اغراض میں استعمال نہیں کر سکتے ہیں۔ یہ تو ایسا ہے جیسے اور اق مصحف میں گھاس پات رکھے یا اس کو تکیہ بنا دے۔ تو شیخ نے مجھے سخت ست کہا اور اس دلیل کی جانب کوئی توجہ نہیں کی۔

مصنفؒ نے کہا کہ زاید کم علم کبھی عوام سے کوئی بات سن کر اسی کے موافق فتویٰ دیتا ہے۔ چنانچہ مجھ سے ابو حکیم ابراہیم بن دینار الفقیہ نے بیان کیا کہ مجھ سے ایک مرد نے فتویٰ پوچھا کہ ایک عورت کو تین طلاق دی گئیں۔ اس کے لڑکا ہوا تو کیا وہ عورت اپنے شوہر کو حلال ہے۔ میں نے کہا کہ نہیں۔ میرے پاس شریف الدہالی بیٹھے تھے یہ مشہور زاہد تھے اور عوام میں ان کی بڑی قدر تھی کہنے لگے نہیں بلکہ وہ حلال ہے میں نے کہا کہ یہ حکم کسی عالم نے نہیں دیا تو کہا کہ واللہ میں نے یہاں سے بصرہ تک یہی فتویٰ دیا ہے۔ مصنفؒ نے کہا کہ بھائیوں دیکھو جاہلوں کے ساتھ جہالت کیا کرتی ہے۔ زاہد میں جہالت کے ساتھ اپنے مرتبہ کی حفاظت مل جاتی ہے۔ اس خوف سے کہ کہیں اس کو جہالت کی نظر سے نہ دیکھا جائے۔ سلف کا طریقہ یہ تھا کہ زاہد کو باوجود معرفت کے بہت سے علوم میں فتویٰ دینے سے روکتے اور انکار کرتے تھے کیونکہ اس میں فتویٰ دینے کے شروط جمع نہیں ہیں۔ پھر بھلا اگر ہمارے زمانہ کے زاہدون کی خطی دیکھتے کہ واقعات میں کیسے فتویٰ دیتے ہیں تو کس طرح سخت تنبیہ کرتے۔ اسماعیل بن شبہ نے کہا کہ میں احمد بن حنبلؒ کے پاس گیا۔ ان دنوں احمد بن حنبل مکہ سے آئے تھے تو امام نے مجھ سے پوچھا کہ یہ خراسانی کون شخص ہے جو آج کل وارد ہوا ہے۔ میں نے کہا کہ زہد میں ایسا ایسا ہے اور تقویٰ میں ایسا ایسا ہے۔ تو فرمایا کہ اس کو فتویٰ دینے میں داخل نہ ہونا چاہیے باوجود ان صفات کے جن کو اپنے نفس کے واسطے مدعی ہو۔

فصل :- ابلیس کی تلمیس ان جاہل زاہدون پر یہ بھی ہے کہ عالموں کی حقارت و مذمت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ علم کا مقصود یہی تھا کہ عمل کریں اور یہ نہیں سمجھتے کہ علم تو قلب کا نور ہے۔ اگر یہ جہال زاہد عالموں کا مرتبہ جانتے کہ کیونکر اللہ

تعالیٰ نے ان کی ذات سے شریعت کی حفاظت فرمائی ہے اور یہ انبیاء علیہم السلام کا مرتبہ ہے تو یہ زہاد ان کے سامنے اپنے آپ کو ایسا سمجھتے جیسے فصحاء کے سامنے گونگا اور آنکھوں والوں کے سامنے اندھا ہوتا ہے علماء (صحیح) راستہ کے دلیل ہیں اور سب خلق ان کے پیچھے ہے۔ دانا آدمی وہی ہے جو کسی ایک کے ساتھ چلتا ہے۔ لیکن میں سہل ابن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ﷺ نے علیؑ سے فرمایا کہ واللہ اگر تیری ذات سے اللہ تعالیٰ ایک شخص کو ہدایت دے دے تو تیرے واسطے سرخ اونٹوں کے گلہ سے بہتر ہے۔

فصل :- جن امور سے یہ لوگ علماء کو عیب لگاتے ہیں ایک یہ ہے کہ علماء بعض مباحات کو استعمال کرتے ہیں جن کے ذریعہ سے قوت حاصل کریں تاکہ درس کا کام پورا کریں اور اسی طرح بعض علماء پر مال جمع کرنے کا عیب لگاتے ہیں اگر یہ لوگ مباح کے معنی سمجھتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ ایسے شخص کی مذمت نہیں ہو سکتی۔ انتہا درجہ یہ ہے کہ جمع نہ کرنے والا جامع مال سے بہتر ہو۔ پھر کیا جس نے نماز فرض ادا کی اور سوراہا تو اس کو وہ شخص عیب لگائے جو نماز پڑھتا رہا یہ تو بہتر نہیں ہے۔ ابو عبد اللہ الخواص نے کہا کہ ہمارے یہاں حاتم الاصم گزرے۔ ہم ان کے ہمراہ ان کے تین سو بیس مریدوں کے ساتھ رے میں داخل ہوئے سب حج کا قصد کرتے تھے۔ وہ صوف کے جے پہنے تھے۔ ان میں سے کسی کے پاس تھیلا یا طعام کچھ نہ تھا۔ ہم لوگ ایک سوداگر کے پاس اترے اس نے رات کو ہماری مهمانی کی۔ دوسرے روز اس نے کہا کہ اے ابو عبد الرحمن آپ کو کچھ ضرورت تو نہیں میں چاہتا ہوں کہ ہمارے یہاں ہمارا فقیہ بیمار ہے اس کی عیادت کروں حاتم نے کہا کہ اگر تیرے فقیہ بیمار ہے تو فقیہ کی عیادت کی بڑی فضیلت ہے اور اس کا دیکھنا عبادت ہے اور میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ وہ بیمار محمد بن مقاتل رے کے قاضی تھے۔ یہ سب لوگ قاضی کے دروازے پر آئے تو دیکھا دربان موجود ہے حاتم اصم متفکر ہو گئے کہ عالم کے دروازے پر یہ حال ہے۔ پھر قاضی نے ان کو اجازت دی تو داخل ہو کر کیا دیکھتے ہیں کہ مکان چمکتا ہوا اور اسباب خوب موجود ہے اور کپڑے عمدہ و فرش و پردے ہیں۔ حاتم اصم متفکر ہو کر دیکھنے لگے۔ جب اس مجلس میں داخل ہوئے جہاں محمد بن مقاتل تھے تو دیکھا کہ عمدہ پنچھونا ہے اس پر لیٹے ہیں۔ اور سرہانے مور چھل ہے۔ لوگ کھڑے ہیں پھر سوداگر بیٹھ

گئے اور حاتم کھڑے رہے تو محمد بن مقاتل نے ان کو ہاتھ سے اشارہ کیا کہ بیٹھ جاؤ۔ حاتم نے کہا کہ میں نہیں بیٹھوں گا۔ مجھے ایک مسئلہ پوچھنا ہے۔ قاضی نے کہا کہ پوچھو۔ حاتم نے کہا کہ اٹھ کر سیدھے بیٹھو تو پوچھوں۔ ابن مقاتل نے اپنے غلاموں کو حکم دیا انہوں نے تکیہ لگا کر ان کو بٹھایا حاتم اصمؓ نے کہا کہ اپنا یہ علم تم کس سے لائے ہو۔ کہا کہ ہم کو ثقہ مشائخ نے ثقہ اماموں سے پہنچایا ہے کہ کہا کہ انہوں نے کس سے لیا ہے کہا کہ تابعین سے پوچھا کہ تابعین نے کس سے لیا ہے کہا کہ اصحاب رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ اصحاب نے کس سے لیا ہے کہا کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ اس کو کہاں سے لائے ہیں۔ کہا کہ جبرئیل علیہ السلام سے لیا ہے۔ جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے حاصل کیا ہے۔ حاتم اصمؓ نے کہا کہ پھر تم نے جس علم میں جو اللہ تعالیٰ سے جبرئیل نے رسول اللہ ﷺ کو پہنچایا اور حضرت ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اور صحابہ نے تابعین کو اور تابعین نے ائمہ کو اور ائمہ نے ثقات کو اور ثقات نے تم کو پہنچایا ہے یہ پایا کہ دنیا میں جس کا گھر سب سے بہتر اور چھوٹا نرم اور زینت زیادہ ہو تو اس کی منزلت اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑی ہے۔ قاضی نے کہا کہ نہیں۔ پوچھا کہ پھر تم نے کیونکر سنا ہے کہا کہ میں نے سنا کہ دنیا میں زاہد ہو اور آخرت میں راغب ہو۔ اور مساکین کو پسند کیا اور اپنی آخرت کا سامان بھجا تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی منزلت زیادہ اور قرب زیادہ ہو گا۔ حاتم نے کہا کہ پھر تم نے کس کی اقتداء کی۔ کیا نبی ﷺ و تابعین و مابعد صالحین کی اقتداء کی یا فرعون و نمرود کی اقتداء کی جس نے سب سے پہلے گج اور اینٹ سے عمارت عوائی ہے۔ اے برے عالمو! تمہارے سبب سے جاہل جو دنیا پر ہزار جان سے گرا پڑتا ہے یہ کہے گا کہ جب یہ عالم اس طرح پر ہے تو میں کیوں نہ ہو جاؤں۔ حاتم وہاں سے نکل آئے۔ محمد بن مقاتل کا مرض بڑھتا گیا۔ رے کے لوگوں نے یہ ماجرا جو حاتم و ابن مقاتل کے درمیان ہوا تھا سب سنا تو حاتم سے کہا کہ قزوین میں محمد بن عبید الطنافسی کا محل و دولت و سامان اس سے بھی زیادہ ہے۔ حاتم روانہ ہو کر محمد بن عبید کے پاس پہنچے ان کے پاس ایک جماعت کثیر موجود تھی جن کو حدیث سناتے تھے ان سے کہا کہ خدا تم پر رحم کرے میں ایک شخص عجمی ہوں اس لئے آیا ہوں کہ آپ مجھے میری نماز کی کنجی اور مبداء دین سکھلا دیجئے کہ وضو کیونکر کرتے ہیں۔ محمد بن عبید نے کہا کہ بہت تکریم و خوشی کے ساتھ سکھلاؤں گا۔ اے غلام برتن میں پانی لاؤ۔ پس وہ لایا تو محمد بن عبید نے تین بار وضو کر کے فرمایا کہ اسی طرح وضو کیا کرو۔ حاتم نے کہا کہ ذرا

ٹھہر جائے اللہ تعالیٰ آپ پر رحم کرے تاکہ میں آپ کے سامنے وضو کر لوں تاکہ خود مستحکم ہو جائے۔ محمد بن عبید کھڑے ہو گئے اور حاتم نے وضو کرنا شروع کیا۔ تین بار منہ دھویا جب ہاتھوں کی باری آئی تو چار مرتبہ ہاتھ دھوئے۔ طنافسی نے کہا کہ تم نے اسراف کیا حاتم نے کہا کس چیز میں اسراف کیا کہا کہ تم نے ہاتھ چار مرتبہ دھوئے تو حاتم نے کہا۔ سبحان اللہ میں فقط ایک ہاتھ میں اسراف کا ملزم ہوا اور آپ اس تمام سامان میں جو دیکھ رہا ہوں کچھ مسرف نہ ہوئے طنافسی نے جانا کہ اس شخص نے اسی کے واسطے میرا قصد کیا تھا۔ پس وہ گھر چلے گئے اور چالیس روز تک لوگوں کے سامنے نہ آئے۔ حاتم وہاں سے حجاز کو گئے۔ جب مدینہ پہنچے تو چاہا کہ وہاں کے علماء کو بھی قائل کریں۔ پس جب مدینہ میں داخل ہوئے تو پوچھا کہ حضرت ﷺ کا محل کہاں ہے تاکہ میں وہاں جا کر دو رکعت نماز پڑھوں لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کا محل نہ تھا۔ بلکہ آپ کے واسطے ایک کچی کوٹھڑی تھی۔ حاتم نے کہا کہ پھر آپ کے خاندان اور اصحاب و ازواج کے محل کہاں ہیں۔ لوگوں نے کہا کہ ان کے محل نہ تھے بلکہ ان کے مکانات کچے تھے۔ حاتم نے کہا کہ اے لوگو پھر یہ شہر فرعون ہے۔ یہ کلمہ سن کر لوگوں نے حاتم کو گالیاں دیں اور پکڑ کر حاکم کے پاس لے گئے اور بیان کیا کہ یہ عجی یہ کہتا ہے کہ یہ شہر فرعون ہے حاکم نے کہا کہ تو نے ایسا کلمہ کیوں کہا حاتم نے کہا کہ اے امیر جلدی نہ فرمائیے میں ایک پردیسی ہوں۔ جب اس شہر میں داخل ہوا تو میں نے پوچھا کہ یہ کون شہر ہے جواب ملا کہ رسول اللہ ﷺ کا شہر ہے۔ میں نے کہا کہ محل رسول اللہ ﷺ کہاں ہے آپ کے اصحاب کے محلات کہاں ہیں تو لوگوں نے کہا کہ ان بزرگوں کے محلات نہ تھے بلکہ کچے گھر تھے اور میں نے قرآن میں سنا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لقد کان لکم النخ۔ یعنی رسول اللہ ﷺ کی پیروی میں تمہاری بہتری ہے۔ اب تم لوگ مجھے بتلا دو کہ تم نے کس کی پیروی کی ہے آیا رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کی پیروی کی یا فرعون کی پیروی کی۔

مصنفؒ نے کہا کہ جاہل زاہد سے علماء کے حق میں افسوس ہے کہ جاہل مذکور اپنے علم پر بھروسہ کر کے فضیلت کو بھی فرض سمجھتا ہے کیونکہ حاتم نے جن امور کا اول سے آخر تک انکار کیا وہ مباح ہیں اور مباح میں شرع نے اجازت دی ہے اور جس چیز کی اجازت دی اس میں عتاب و عذاب نہیں فرمایا جائے گا۔ اب غور کرو کہ جمالت کیسی قبیح چیز ہے ہاں اگر حاتم ان علماء سے اسی قدر کہتے کہ یارو جس حالت میں تم لوگ

پڑے ہو اگر اس میں کمی کرتے تاکہ عوام الناس تمہاری اقتداء کرتے تو یہ کلام مناسب تھا۔ اور دیکھو اگر یہ زاہد سنتا کہ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ وزیر رضی اللہ عنہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ و فلاں فلاں صحابہ رضی اللہ عنہم نے اموال عظیمہ چھوڑے تو بھلا تمہاری رائے میں یہ زاہد کیا کہتا اور خیم الداری نے ہزار درہم کا ایک حلہ خریدا تھا اس کو پہن کر رات میں نماز پڑھنے کھڑے ہوتے تھے بالجملہ زاہد پر فرض یہ ہے کہ عالموں سے علم سیکھے اور اگر نہ سیکھے تو خاموش رہے۔

مالک بن دینار فرمایا کرتے تھے کہ قاریوں کے ساتھ شیطان کھیلتا ہے جیسے لڑکے اخروٹ سے کھیلا کرتے ہیں۔ حبیب فارسی کہا کرتے کہ شیطان قاریوں سے واللہ ایسے کھیلتا ہے جیسے لڑکے اخروٹ سے کھیلتے ہیں۔ مصنف نے کہا کہ قاریوں سے زاہد مراد ہیں اور یہ قدیم سے ان کا متواتر معروف نام ہے۔

﴿باب دہم﴾

صوفیوں پر تلمیس ابلیس کا بیان

مصنفؒ نے کہا کہ صوفیہ بھی زاہدوں میں سے ایک ہے۔ ہم نے زاہدوں پر تلمیس ابلیس کا بیان لکھ دیا، لیکن چند صفات و احوال میں صوفیہ ان سے جدا ہیں۔ انہوں نے اپنے واسطے کچھ نشانات و علامات خاص کر لی ہیں۔ لہذا ہم ان کا ذکر علیحدہ بیان کرتے ہیں۔ تصوف ابتداء میں زہد کلیہ کا نام تھا پھر جو لوگ تصوف کی طرف منسوب ہوئے انہوں نے سماع و رقص کی اجازت دی تو عوام میں سے جو لوگ آخرت کے طالب ہوئے وہ ان کی طرف جھک پڑے۔ اس وجہ سے کہ یہ لوگ زہد ظاہر کرتے تھے اور دنیا کے طالب بھی ان کی طرف جھک پڑے کیونکہ ان کے پاس راحت و کھیل کود نظر آیا۔ تو ضروری ہوا کہ اس قوم کے طریقہ میں جو تلمیس ابلیس نے ان پر ڈالی ہے اس کا حال کھول دینا چاہیے۔ اور یہ جہی ممکن ہے کہ اس طریقہ کا اصل و فرع بیان ہو اور اس کے امور کی شرح بیان کی جائے۔

فصل :- رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں نسبت اسلام و ایمان کی طرف ہوتی چنانچہ مسلم یا مومن کہا جاتا۔ پھر پیچھے زمانہ میں زاہد و عابد وغیرہ نام پیدا ہوئے۔ پھر کچھ لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے زہد و عبادت سے تعلق کر کے دنیا سے انقطاع کر لیا۔ اور عبادت کے واسطے علیحدہ ہو گئے اور اس میں ایک طریقہ بنا کر منفرد نام و طریقہ سے ممتاز ہوئے۔ اور کچھ اخلاق مخصوص کر لئے۔ جو ان کے سوائے دوسروں میں نہ ہوں۔ انہوں نے دیکھا کہ بیت اللہ کے پاس خدمت کے واسطے جو شخص سب سے اول منفرد ہوا تھا اس کا لقب صوفہ اور نام غوث بن مر تھا۔ پس اس کی طرف منسوب ہوئے۔ یہ لوگ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف انقطاع میں اس کی ساتھ مشابہ ہوئے تو اپنا نام صوفیہ رکھا۔

ابو محمد عبد الغنی بن سعید الحافظؒ نے کہا کہ ولید بن القاسم سے پوچھا کہ یہ صوفی کیا نسبت ہے تو انہوں نے فرمایا کہ زمانہ جاہلیت میں ایک قوم تھی جن کو صوفہ کہتے تھے وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے واسطے الگ ہو گئے تھے۔ اور کعبہ میں وطن کر لیا تھا۔ تو جو کوئی ان

سے مشابہ ہو اوہ صوفیہ ہے۔ عبدالغنیؒ نے کہا کہ ایسے لوگ معروف بصوفہ یعنی صوفہ کی طرف منسوب ہیں جو تمیم بن مر کے بھائی غوث بن مر کا فرزند تھا۔ زیر بن بکار نے کہا کہ عرفہ سے لوگوں کو حج کی اجازت دینا غوث بن مر بن ادبن طاحہ کے حوالے تھی۔ پھر اس کے فرزند میں رہی۔ اس کو لوگ صوفہ کہتے تھے۔ اور جب اجازت کا وقت آتا تو عرب کہتے کہ اے صوفہ آپ نے اجازت دی۔

زیر نے کہا کہ ابو عبیدہؓ نے بیان کیا کہ صوفہ اور صوفان ہر ایسے شخص کو کہتے ہیں جو بیت اللہ والوں کے سوائے دوسرے لوگوں سے امر البیت کا متولی ہو جب کہ مناسک حج میں سے کسی چیز کا سرانجام اس کے تعلق میں ہو تو ان کو صوفہ و صوفان کہتے ہیں۔

ابن السائب الکلبی نے کہا کہ غوث بن مر کا نام صوفہ اس لئے ہوا کہ اس کی ماں کا کوئی لڑکا نہیں جیتا تھا۔ اس نے نذر مانی کہ اگر جیتا رہے تو اس کے سر میں صوف باندھے گی اور اس کو کعبہ کی خدمت سے مربوط کر دے گی۔ یعنی ہمیشہ کعبہ کے پاس رہ کر خدمت کرتا رہے گا۔ پھر اس نے اپنی نذر پوری کی تو اس لڑکے کا نام صوفہ پڑ گیا۔ اور جو اس کی اولاد ہوئی وہ بھی صوفہ کہلائی۔ عقاب ابن شبہ نے کہا کہ تمیم بن مر کی ماں کی لڑکیاں زیادہ ہوئیں تو اس نے کہا کہ مجھ پر اللہ نذر ہے کہ اگر لڑکا ہوا تو میں اس کو بیت اللہ کی خدمت کے واسطے دے دوں گی تو غوث پیدا ہوا۔ اس کی ماں نے عہد کے موافق اس کو خانہ کعبہ کے پاس باندھ دیا۔ جب اس کو سخت دھوپ لگی تو گر پڑا۔ یہ عورت ادھر آئی تو دیکھا کہ وہ گر پڑا ہے اور بالکل ڈھیلا پڑ گیا ہے تو کہنے لگی کہ یہ صوفہ ہو گیا۔ یعنی جیسے صوف کا ٹکڑا ہوتا ہے۔ اس وجہ سے اس کا نام صوفہ ہوا۔ پھر صوفہ کے متعلق یہ تھا کہ لوگوں کو حج کرادے اور ان کو عرفہ سے منی کی اور منی سے مکہ کی اجازت دینا صوفہ کے متعلق تھا اور برابر یہ اجازت صوفہ کی اولاد میں رہتی آئی۔ یہاں تک کہ عدوان نے لی۔ پھر برابر عدوان میں چلی آئی۔ یہاں تک کہ ان سے قریش نے لی۔

فصل :- مصنفؒ نے کہا کہ ایک قوم اس طرف گئی ہے کہ تصوف اہل صفہ کی طرف منسوب ہے۔ یہ اس لئے کہ انہوں نے دیکھا کہ اہل صفہ بھی اسی صفت پر تھے جو ہم نے صوفہ کے حال میں بیان کی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف منقطع تھے اور ہمیشہ فقیر رہتے۔ کیونکہ اہل صفہ محتاج تھے جو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر

ہوا کرتے تھے ان کے پاس مال تھانہ اہل و عیال۔ پس ان کے لئے مسجد رسول اللہ ﷺ میں ایک صفہ بنادیا گیا تھا۔ حسن سے روایت ہے کہ ضعیف مسلمین کے لئے صفہ بنا دیا گیا تھا تو مسلمانوں میں سے جہاں تک جس سے ہو سکتا وہاں کھانا وغیرہ پہنچایا کرتے اور رسول اللہ ﷺ ان کے پاس آیا کرتے اور فرماتے السلام وعلیکم یا اہل الصفہ۔ وہ جواب دیتے کہ وعلیک السلام یا رسول اللہ۔ پھر فرماتے کہ کیف اصبحتم تو وہ جواب دیتے کہ ہم نے خیریت کے ساتھ صبح کی یا رسول اللہ۔

ابو ذرؓ نے کہا کہ میں اہل الصفہ میں تھا اور جب شام ہوتی تو ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے دروازے پر حاضر ہوتے۔ پس آپ ہر شخص کو حکم دیتے کہ وہ ایک شخص کو اپنے ساتھ لے جاتا۔ پھر جو لوگ اہل الصفہ میں سے دس یا کم و بیش رہ جاتے تو نبی کریم ﷺ کے لئے عشاء کا کھانا لایا جاتا۔ پس ہم لوگ آپ کے ساتھ کھاتے۔ جب فارغ ہوتے تو ہم سے رسول اللہ ﷺ فرماتے کہ جا کر مسجد میں سو رہو۔

مصنفؒ نے کہا کہ ان صحابہؓ نے بہ ضرورت مسجد میں قیام کیا اور صدقہ بہ ضرورت کھایا پھر جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر فتح دے کر ان کو مستغنی کر دیا تو یہ لوگ نکل کر چلے گئے۔

صوفی کی نسبت اہل الصفہ کی طرف وجوہ بالا کے لحاظ سے غلط ہے۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو صوفی کہا جاتا۔ اور ایک قوم اس طرف گئی کہ صوفی لیا گیا ہے صوفانہ سے جو ایک خوش نما خود رو ساگ چھوٹا چھوٹا ہوتا ہے تو اسی کی طرف منسوب کئے گئے۔ کیونکہ یہ لوگ بھی جنگل کے ساگ پات پر کفایت کرنے میں اختیار کرتے ہیں یہ بھی غلطی ہے۔ کیونکہ اگر اس طرف نسبت ہوتی تو صوفانی کہا جاتا۔ اور ایک اور جماعت نے کہا کہ صوفی منسوب ہے صوفۃ القضا کی طرف وہ چند بال گدی کے آخر میں جمتے ہیں۔ گویا صوفی اس سے حق کی طرف متوجہ اور خلق سے منہ پھیرے ہے۔ دیگر جماعت نے کہا کہ صوفی منسوب ہے صوف کی طرف۔ اور یہ ہو سکتا ہے کہ قول اول یعنی صوفہ کی طرف منسوب ہونا صحیح ہے۔ یہ نام اس قوم کے واسطے ۲۰۰ھ سے پہلے ظاہر ہوا۔ اور جب صوفیوں کے اول لوگوں نے تصوف ظاہر کیا تو اس کے معنی میں کلام کیا اور اس کی صفت عبارات کثیرہ سے بیان کی۔ اس کا حاصل یہ کہ تصوف ان کے نزدیک اس کا نام ہے کہ نفس کو کوشش و ریاضت سے اخلاق رذیلہ سے پھیرے اور اخلاق جمیلہ مانند زہد و علم و صبر و اخلاص و صدق وغیرہ خصائل حسنہ پر آمادہ کرے جس

سے دنیا میں مدح اور آخرت میں ثواب حاصل ہوتا ہے۔

جنید بن محمدؒ سے تصوف کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ ہر برے اخلاق سے نکلنا اور نیک خلق میں داخل ہونا۔ روئے کہتے تھے کہ کل مخلوق تور سوم پر بیٹھ رہی۔ اور یہ گروہ صوفیہ حقائق پر بیٹھا۔ سب خلق نے اپنے نفس سے ظواہر شرع کی درستی چاہی اور اس گروہ نے اپنے نفس سے حقیقت تقویٰ و مداومت صدق چاہا۔

مصنفؒ نے کہا کہ اوائل قوم کا یہی حال تھا۔ پھر ابلیس نے ان پر چند چیزوں میں تلمیس کی۔ پھر ان کے بعد والوں پر تلمیس کی۔ اسی طرح جب کوئی زمانہ گزرا تو دوسرے زمانے والوں پر ابلیس کی طمع بڑھی اور اس نے تلمیس زیادہ کی۔ یہاں تک کہ متاخرین میں اس نے پورا قلوب حاصل کر لیا۔ اور اصل تلمیس یہ کہ ان کو علم سے روکا اور یہ دکھلایا کہ عمل اصلی مقصود ہے تو جب علم کا چراغ گل ہوا تو اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارنے لگے۔ بعض صوفیہ وہ ہیں جن کو شیطان نے یہ بات دکھلا دی کہ مقصود اصلی دنیا کو بالکل ترک کر دینا ہے۔ لہذا انہوں نے بدن کی اصلاح والی چیزیں چھوڑ دیں۔ اور مال کو سانپ چھو سے تشبیہ دی اور یہ نہ یاد رکھا کہ مال مصلحتوں کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ اور اپنے نفسوں پر بار ڈالنے اور حملہ کرنے میں مبالغہ کیا حتیٰ کہ بعض ایسے ہیں جو لیٹتے نہیں۔

ان لوگوں کے مقاصد واقعی اچھے تھے۔ مگر افسوس کہ طریق شرع کے خلاف ہیں۔ بعض صوفیہ بوجہ کم علمی کے جو موضوع حدیثیں ان کو ملتی ہیں انہیں پر عمل کرتے ہیں اور کچھ خبر نہیں رکھتے تو ایک قوم ان کے لئے ایسی نکل آئی جنہوں نے ان کے واسطے فکر و فاقہ و سانس خطرات کے بارے میں کلام کیا۔ اور کتابیں تصنیف کیں۔ مثلاً حادث محاسبی۔ پھر کچھ لوگ ایسے آئے کہ انہوں نے مذہب تصوف کو ترتیب دی۔ اور اس مذہب کو خاص خاص صفات کے ساتھ ممتاز کیا۔ مثلاً مرقع اور سماع اور وجد اور رقص اور تالیاں جانا وغیرہ۔ اور طہارت و نظافت کی زیادتی سے تمیز بخشی۔ بعد ازاں اس امر میں ترقی ہوتی رہی۔ اور شیخ لوگ ان کے لئے نئے طریقے ایجاد کرتے رہے اور اپنے واقفیت سے گفتگو کرتے رہے کچھ اس وجہ سے نہیں کہ علماء سے دور رہے بلکہ اپنی حالت کو دیکھ کر سمجھ بیٹھے کہ یہی پورا پورا علم ہے۔ یہاں تک کہ اس کا نام علم باطن رکھا۔ اور علم شریعت کو ظاہر گردانا۔

بعض صوفیہ ایسے ہیں جو بہت بھوکا رہنے کی وجہ سے خیالات فاسدہ میں پڑ

گئے اور اس حالت کو سمجھے کہ مشاہدہ حق میں محدود مستغرق ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے ایک اچھی صورت کے شخص کا خیال باندھا۔ اسی میں محو ہو گئے۔ یہ لوگ کفر و بدعت کے درمیان ہیں۔ پھر ان لوگوں میں چند اقوام نے کچھ طریقے نکالے۔ لہذا ان کے عقائد میں فساد آگیا۔ بعض حلول کے قائل ہوئے۔ بعض الحاد میں پڑ گئے۔ اسی طرح شیطان ان کو انواع و اقسام بدعتوں سے بھکارتا رہا یہاں تک کہ انہوں نے اپنے لئے نئی سنتیں قرار دیں۔ ابو عبد الرحمن اسلمی نے ان کے لئے کتاب السنن تصنیف کی اور تفسیر کے حقائق جمع کئے۔ اور صوفیہ نے جو قرآن کی عجب عجب تفسیر بدون اسناد کے بیان کی یہ۔ اس کا تذکرہ کیا کہ جو کچھ وہ اپنے واقعہ میں دیکھتے جس کو علم کے اصول میں سے کسی اصل کی طرف منہ نہیں کرتے۔ اس کو اپنے مذاہب پر محمول کرتے ہیں۔ تعجب تو یہ ہے کہ یہ لوگ کھانے پینے میں ورع اختیار کرتے ہیں۔ اور قرآن میں بے تکلف جو چاہتے ہیں کہہ گزرتے ہیں۔ محمد بن یوسف قطان نیشاپوری نے کہا کہ عبد الرحمن اسلمی ثقہ نہیں اور اصم سے ان کا سماع کچھ یوں ہی تھوڑا سا ثابت ہے۔ جب حاکم ابو عبد اللہ بن الیمع انتقال کر گئے تو ابو عبد الرحمن نے اصم سے تاریخ یحییٰ بن معین اور کچھ دوسری چیزیں روایت کیں۔ نیز وہ صوفیہ کے لئے حدیثیں بنایا کرتے تھے۔

مصنف نے کہا صوفیہ کے لئے ابو نصر سراج نے ایک کتاب تصنیف کی جس کا نام لمع الصوفیہ رکھا۔ اس میں عجیب برے عقیدے بیان کئے اور مہمل گفتگو کی۔ جس کا کسی قدر بیان ہم آگے چل کر انشاء اللہ کریں گے۔ ابو طالب مکی نے قوت القلوب تصنیف کی جس میں باطل حدیثیں بغیر کسی اصل کی طرف اسناد کئے لکھی ہیں۔ مثلاً رات اور دن میں نمازیں پڑھنا وغیرہ جو بالکل موضوع ہیں اور فاسد عقائد اس میں بیان کئے اور اس قول کو بار بار لکھا ہے کہ ”قال بعض المکاشفین“ یعنی بعض اہل کشف نے ایسا کہا ہے حالانکہ کہ مقولہ محض خیالی بات ہے۔ اس کتاب میں بعض صوفیہ سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کو دنیا میں اپنا جلوہ دکھاتا ہے۔ محمد ابن علاف نے کہا کہ ابو طالب مکی بعد وفات ابو الحسن بن سالم کے بصرہ میں گئے میں نے بھی ان کے مقولے سنے۔ بعد ازاں بغداد آئے ان کے وعظ میں لوگ جمع ہوئے انہوں نے اپنے کلام میں تخیل کی۔ لوگوں نے ان کا یہ قول یاد رکھا کہ مخلوق کے حق میں خالق سے زیادہ کوئی ضرر رساں نہیں۔ یہ مقولہ سن کر سب آدمیوں نے ان کو چھوڑ دیا اور بدعتی بنایا۔ اس کے بعد وہ لوگوں کے سامنے وعظ کہنے سے باز رہے۔ خطیب نے کہا کتاب قوت القلوب

صوفیہ کی زبان پر لکھی۔ اور اس میں صفات الہی کی نسبت ناگوار اور منکر باتیں بیان کیں۔ مصنفؒ نے کہا کہ ابو نعیم اصفہانی نے صوفیہ کے لئے کتاب الحلیہ تصنیف کی۔ اور حدود تصوف میں اشیائے قبیحہ کا ذکر کیا اور اس بات سے ذرا شرم نہ آئی کہ صوفیہ میں حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ اور بڑے بڑے صحابہؓ اور قاضی شریح و حسن بصریؒ و سفیان ثوریؒ و احمد بن حنبلؒ کا تذکرہ کیا۔ اسی طرح سلمیٰ کے طبقات صوفیہ میں فضیل و ابراہیم بن ادہم و معرف کرخی کا تذکرہ کیا اور ان کو صوفی قرار دیا۔ اگر ان بزرگوں کو صوفی گرداننے سے سلمیٰ کی مراد یہ ہے کہ یہ لوگ اہل زہد تھے تو تصوف ایک مشہور مذہب ہے جس میں زہد سے زیادتی پائی جاتی ہے۔ اور زہد و تصوف میں فرق ہونے کی دلیل یہ ہے کہ زہد کی مذمت کسی نے نہیں کی اور تصوف کو سب نے برا کہا ہے۔ چنانچہ آگے ذکر آئے گا۔ عبدالکریم بن ہوازن قشیری نے صوفیہ کے لئے کتاب الرسالہ لکھی جس میں عجیب عجیب باتیں بیان کیں۔ فنا و بقا و قبض و بسط و وقت و حال و وجود و وجوع و تفرقہ و صحو و سکر و ذوق و شوق و اثبات و تجلی و محاضره و مکاشفہ و لواحق و طوابع و لوامع و تنکون و تمکین و شریعت و حقیقت وغیرہ میں کلام کیا۔ جس کی کچھ حقیقت نہیں اور سر اسر تخلیط ہے۔ پھر ان کی تفسیر جو اس شخص نے کی وہ زیادہ تعجب خیز ہے۔ محمد بن طاہر مقدسی نے صفوۃ التصوف تصنیف کی۔ اس میں ایسی چیزیں بیان کیں جن کا ذکر کرنے سے اہل عقل کو حیا آتی ہے۔ ہم ان میں سے جو کچھ ذکر کرنے کے قابل ہے موقع موقع پر انشاء اللہ بیان کریں گے۔

ہمارے شیخ ابو الفضل بن ناصر حافظ کہا کرتے تھے کہ ابن طاہر مذہب لباحث رکھتے تھے انہوں نے ایک کتاب تصنیف کی ہے جس میں امر کی طرف دیکھنا جائز ثابت کیا ہے اور یحییٰ بن معین سے ایک حکایت نقل کی ہے کہ وہ کہتے ہیں میں نے مصر میں ایک خوبصورت لڑکی دیکھی خدا اس پر رحمت کرے لوگوں نے کہا کہ آپ اس پر رحمت کیوں بھیجتے ہیں جواب دیا کہ خدا اس پر رحمت کرے اور ہر ایک خوبصورت پر درود بھیجے شیخ ابن ناصر نے کہا کہ ابن طاہر ان لوگوں میں سے نہیں جن کا قول حجت ہوا۔ ابو حامد غزالی نے آکر قوم صوفیہ کے طریقہ پر کتاب احیاء العلوم تصنیف کی اور اس کو باطل حدیثوں سے بھر دیا جن کا بطلان وہ خود نہیں جانتے۔ اور علم مکاشفہ میں گفتگو کی۔ اور قانون فقہ سے باہر ہو گئے۔ اس میں لکھا ہے کہ وہ ستارہ اور سورج اور چاند جن کو حضرت ابراہیمؑ نے دیکھا ان سے مراد انوار ہیں جو اللہ تعالیٰ عز و جل کے حجاب ہیں۔ یہ

مشہور چاند سورج ستارے مراد نہیں غزالی کا یہ کلام باطنیہ کے کلام کی قسم سے ہے اور اپنی کتاب الفصح بالاحوال میں لکھتے ہیں کہ صوفیہ حالت بیداری میں ملائکہ اور ارواح انبیاء کا مشاہدہ کرتے ہیں اور ان سے آوازیں سنتے ہیں اور فوائد اخذ کرتے ہیں۔ پھر ان صورتوں کے مشاہدہ سے ترقی کر کے حالت ان درجات پر پہنچتی ہے جو سچکنائے کلام سے باہر ہیں۔

مصنفؒ نے کہا کہ ان لوگوں نے جو یہ چیزیں تصنیف کیں اس کا سبب یہ ہوا کہ سنن اور اسلام کا علم کم رکھتے تھے صوفیہ کا طریقہ جو اچھا معلوم ہوا اس پر جھک پڑے۔ اور وہ طریقہ صرف اس لئے اچھا معلوم ہوا کہ دلوں میں زہد کی خوبی بٹھٹی ہوئی ہے اور اس قوم کی ظاہری حالت اور ان کے کلام سے کوئی کلام رقیق تر نہیں دیکھا۔ اور سلف کے حالات میں انیک قسم کی سختی پائی جاتی ہے۔ پھر لوگوں کی رغبت اس قوم کی طرف شدت سے ہے کیونکہ ہم بیان کر چکے یہ طریقہ ایسا ہے جس میں بظاہر نظافت اور تعبد ہے۔ اور اس کے ضمن میں راحت اور سماع ہے۔ لہذا طبیعتیں اس طریقہ کی جانب مائل ہیں۔ اوائل صوفیہ کا یہ حال تھا کہ بادشاہوں اور امیروں سے نفرت کرتے تھے۔ اب یہ لوگ دوست بن گئے۔

فصل :- یہ سب کی سب تصنیفات جو صوفیہ کے لئے تصنیف کی گئیں ان کا استناد کسی علمی اصول کی طرف نہیں، صرف وہ واقعات ہیں جو بعض صوفیہ نے بعض سے اخذ کئے ہیں اور ترتیب دی ہے اور ان کا نام علماء باطن رکھا ہے۔ احمد بن حنبلؒ سے کسی نے وسوس اور خطرات کی نسبت سوال کیا۔ جواب دیا کہ اس بارے میں صحابہؓ اور تابعین نے کچھ گفتگو نہیں کی۔ مصنفؒ نے کہا ہم نے اس کتاب کے شروع میں بیان کیا ہے کہ ذوالنون سے بھی ایسا ہی مروی ہے۔ اور احمد بن حنبلؒ سے ہم روایت کر چکے کہ انہوں نے حارث محاسبی کا کلام سنا اور اپنے ایک ہم نشین سے کہا کہ میں تمہارے لئے اس قوم میں بیٹھنا اٹھنا جائز نہیں رکھتا۔ سعید بن عمر والبروعی کہتے ہیں کہ میں ابو زرہ کے پاس تھا۔ ان سے کسی نے حارث محاسبی اور ان کی تصنیفات کے بارے میں سوال کیا۔ انہوں نے اس سائل سے کہا کہ خبردار ان کتابوں سے چترے ہو۔ یہ کتابیں بدعت اور گمراہی ہیں۔ بس حدیث کو لازم پکڑ لو اس میں تم کو وہ چیز ملے گی۔ جس سے ان کتابوں کی پروا نہ رہے گی۔ یہ سن کر ایک شخص بولا کہ ان کتابوں میں عبرت ہے۔

ابو زرعہ نے جواب دیا کہ جس شخص کے لئے اللہ تعالیٰ کی کتاب میں عبرت نہ ہوگی اس کے لئے ان کتابوں میں عبرت نہیں۔ بھلا کیا تم نے سنا ہے کہ مالک بن انس و سفیان ثوری و اوزاعی و دیگر آئمہ مقتدین نے خطرات و وساوس وغیرہ میں ایسی کتابیں تصنیف کی ہیں اس قول نے اہل عمل کی مخالفت کی کبھی حارث محاسبی اور کبھی عبد الرحیم دہلی اور کبھی حاتم اصم اور کبھی شقیق سے سند لاتے ہیں یہ بیان کر کے ابو زرعہ بولے کہ لوگ بدعت کی طرف کیا جلدی دوڑ کر جاتے ہیں۔

ابو عبد الرحمن سلمیٰ نے کہا کہ پہلے پہل جس شخص نے اپنے شہر میں ترتیب احوال اور مقام ولایت کی نسبت کلام کیا تو وہ ذوالنون مصری ہیں عبد اللہ بن عبد الحکم نے جو مصر کے رئیس اور مالکی مذہب تھے۔ ذوالنون پر انکار کیا۔ اور جب یہ بات شائع ہوئی کہ ذوالنون نے ایسا علم ایجاد کیا ہے جس کے بارے میں سلف نے گفتگو نہیں کی۔ تو علماء مصر نے ان کو چھوڑ دیا حتیٰ کہ ان کو زندقیت کا الزام لگایا۔ سلمیٰ نے کہا کہ ابو سلیمان دارانی دمشق سے نکالے گئے۔ لوگ کہتے ہیں کہ ان کا خیال تھا میں فرشتوں کو دیکھتا ہوں اور فرشتے مجھ سے باتیں کرتے ہیں۔ احمد بن ابی الحواری کی نسبت لوگوں نے شہادت دی کہ وہ اولیاء کو انبیاء پر فضیلت دیتے تھے۔ لہذا وہ دمشق سے مکہ کی طرف بھاگ گئے۔ اور اہل بسطام نے ابو زید پر ان کی باتوں کا انکار کیا۔ حتیٰ کہ وہ کہتے تھے کہ حسین بن عیسیٰ کہتے ہیں کہ مجھ کو بھی رسول اللہ ﷺ کی مانند معراج ہوئی۔ اس بناء پر ان کو بسطام سے نکالا گیا۔ چند سال مکہ میں رہے پھر جرجان میں آکر قیام کیا۔ یہاں تک کہ حسین ابن عیسیٰ رحلت کر گئے۔ تو پھر بسطام میں واپس آئے۔ سلمیٰ نے کہا ایک شخص نے میان کیا کہ سہل بن عبد اللہ کہتے تھے کہ فرشتے اور جن اور شیاطین میرے پاس آتے ہیں اور میں ان کو وعظ سناتا ہوں۔ عوام نے اس بات کو سن کر انکار کیا حتیٰ کہ ان کو قباغ کی طرف منسوب کیا۔ لہذا وہ بصرہ کو چلے گئے۔ اور وہیں انتقال کیا۔ سلمیٰ نے کہا کہ حارث محاسبی نے کلام الہی و صفات الہی کے بارے میں کچھ کلام کیا۔ اس پر احمد بن حنبلؒ نے ان کو چھوڑ دیا لہذا وہ مرتے دم تک غائب و پوشیدہ رہے۔ مصنفؒ نے کہا ابو بکر خلال نے کتاب السنہ میں روایت کیا ہے کہ احمد بن حنبلؒ نے کہا حارث کنارہ کشی کرو۔ حارث بلاؤں کی جڑ ہے۔ جہم کے حوادث میں مبتلا ہے۔ فلاں فلاں شخص اس کی صحبت میں رہے۔ سب کو جہمیہ بنادیا۔ اہل کلام کا قول ہمیشہ یہی رہا کہ حارث ایسا ہے جیسے شیر دو زانو بیٹھا ہو۔ دیکھتے رہو کہ کس روز لوگوں پر کود پڑے۔

فصل :- مصنفؒ نے کہا کہ اوائل صوفیہ اقرار کرتے تھے کہ اعتماد کتاب و سنت پر کیا جاتا ہے (بعد میں) ان لوگوں کو صرف کم علمی کے سبب سے شیطان نے فریب دیا۔ ابو سلیمان دارانی کہتے ہیں کہ بعض اوقات میرے دل میں صوفیہ کے نکات سے کوئی نکتہ گزرتا ہے، بہت دنوں تک پڑا رہتا ہے میں اس کو قبول نہیں کرتا۔ مگر جب کہک دو شاہد عدل یعنی کتاب و سنت شہادت دیں۔ ابو یزید بسطامی نے کہا کہ اگر تم کسی شخص کو دیکھو کہ اس کو کرامتیں ملی ہیں حتیٰ کہ ہوا میں معلق دوزانو بیٹھ جاتا ہے تو دھوکہ نہ کھاؤ جب تک اس امر کو نہ دیکھ لو کہ امر و نہی اور حدود شرعی کی نگہداشت میں اس شخص کی کیا کیفیت ہے۔ ابو یزید کہتے ہیں جو شخص قرآن کی تلاوت شریعت کی حمایت جماعت کا لزوم جنازہ کے ساتھ چلنا اور مریضوں کی عیادت کرنا چھوڑ دے۔ اور شناسان باطنی کا دعویٰ کرے وہ بدعتی ہے۔ سری کہتے ہیں کہ جو شخص ظاہر میں احکام کی پیروی چھوڑ کر علم باطن کا دعویٰ کرے وہ غلطی پر ہے۔ جنیدؒ نے کہا کہ ہمارا یہ تصوف کا مذہب کتاب و سنت و اصول سے مقید ہے۔ یہ بھی کہا کہ ہمارا علم کتاب و سنت سے بندھا ہوا ہے۔ جس شخص کو کتاب یاد نہیں اور حدیث نہیں لکھتا اور فقہ نہیں سیکھتا اس کی پیروی نہ کی جائے گی۔ نیز جنیدؒ نے کہا کہ ہم نے قیل و قال سے تصوف نہیں لیا بلکہ بھوک کی سختی جھیل کر اور دنیا کو چھوڑ کر اور محبوب و عمدہ چیزوں کو ترک کر کے حاصل کیا ہے کیونکہ تصوف کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ صاف معاملہ رکھنا۔ اور تصوف کی اصل یہ ہے کہ دنیا سے علیحدہ ہو جائے۔ چنانچہ حارثہ کا قول ہے کہ میں نے اپنے نفس کو دنیا سے پہچانا لہذا رات کو بیدار اور دن کو پیاسا رہا۔ ابو بحر سقاف کہتے ہیں کہ جو شخص ظاہر میں امر و نہی کی حدود ضائع کر دے وہ باطن میں مشاہدہ قلبی سے محروم رہے گا۔ ابو الحسین نوری اپنے اصحاب سے کہتے تھے کہ جس شخص کو تم دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی حالت کا دعویٰ کرتا ہے جو اس کو علم شرعی کی حد سے خارج کر دے تو اس کے پاس نہ جاؤ۔ اور جس شخص کو ایسی حالت کا مدعی دیکھو جس پر اس کا حفظ ظاہری دلالت نہ کرتا ہو نہ شہادت دیتا ہو تو اس کو اس کے دین کے بارے میں مہتمم کر دو۔ جریری کہتے ہیں کہ ہمارا یہ امر سب کا سب ایک فصل پر جمع کیا گیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اپنے دل کے لئے مراقبہ لازم کر لو اور علم ظاہری پر قائم رہو ابو حفص نے کہا جس شخص نے اپنے افعال و احوال کو کتاب و سنت کے ساتھ نہ تولا اور اپنے خطرات کو تہمت نہ

لگائی اس کو آدمیوں کے دفتر میں نہ شمار کرو۔

فصل :- مصنفؒ نے کہا جب شیوخ صوفیہ کے اقوال سے ایسا ثابت ہو گیا تو ان کے بعض شیوخ سے بوجہ کم علمی کے غلطیاں سرزد ہوئیں۔ اگر یہ غلطیاں جو ان حضرات سے روایت کی گئی ہیں واقعی صحیح ہیں تو ہم ان کو رد کریں گے۔ کیونکہ حق بات بولنے میں کچھ روک ٹوک نہیں اور اگر یہ روایتیں ان بزرگوں سے صحیح نہیں تو ہم ایسے قول اور مذہب سے دور رہنے کی تاکید کرتے ہیں۔ خواہ کسی شخص سے صادر ہوں۔ باقی رہے وہ لوگ جو صوفیہ میں سے نہیں ہیں۔ بلکہ ان کے ساتھ مشابہت کرتے ہیں تو ان کی غلطیاں بھڑت ہیں ہم صوفیہ کی بعض غلطیاں جو ہم کو پہنچی ہیں بیان کریں گے اور خدا تعالیٰ اس بات کو خوب جانتا ہے کہ غلط گو کی غلطی بیان کرنے سے ہمارا مقصود فقط یہ ہے کہ شریعت پاک ہو جائے اور لوگوں کو شرع کی خاطر غیرت دلائی جائے کہ ہم کو اس بیان کی کوئی حاجت نہیں صرف بات اتنی ہے کہ علمی امانت ادا کی جاتی ہے اور تمام علماء کا یہ قاعدہ رہا ہے کہ ایک دوسرے کی غلطی محض حق کے اظہار کے لئے ظاہر کرتے ہیں۔ یہ مطلب نہ ہوتا تھا کہ غلط گو کے عیب کا اظہار کیا جائے۔ اگر کوئی جاہل کہے کہ بھلا فلاں زاہد متبرک پر کیوں اعتراض کر سکتے ہیں تو اس قول کا کچھ اعتبار نہیں۔ کیونکہ اطاعت صرف احکام شریعت کی کی جاتی ہے لوگوں کی اطاعت نہیں ہوتی۔ بسا اوقات انسان اولیاء اللہ اور اہل جنت سے ہوتا ہے اور غلطیاں کرتا ہے اس کی لغزشوں کا ظاہر کرنا اس کے مرتبہ کا مانع نہیں اور جاننا چاہیے کہ جو شخص ایک آدمی کی تعظیم کا خیال کرے گا اور اس کے افعال پر دلیل کے ساتھ غور نہ کرے گا وہ ایسا ہے کہ جیسے ایک شخص نے ان کرامات و خوارق کو دیکھا جو حضرت عیسیٰؑ سے صادر ہوئیں اور حضرت عیسیٰؑ پر کچھ غور نہ کیا۔ لہذا ان کی الوہیت کا دعویٰ کر بیٹھا اور اگر اس طرف خیال دوڑاتا کہ وہ بھی فقط کھانے پینے ہی سے زندہ ہیں تو ہر گز ان کو وہ منصب نہ دیتا جس کے وہ مستحق نہیں۔

یحییٰ بن سعید نے کہا کہ میں نے شعبہ اور سفیان بن سعید اور سفیان بن عیینہ اور مالک بن انس سے اس شخص کی نسبت سوال کیا جس کا حافظہ درست نہیں یا حدیث کے بارے میں مہتمم ہے۔ سب نے یہی جواب دیا کہ اس کی یہ حالت ظاہر کر دینی چاہیے۔ امام احمد بن حنبلؒ کا قاعدہ تھا کہ ایک شخص کی نہایت مبالغہ کے ساتھ تعریف کرتے

تھے۔ پھر اکثر اشیاء میں اس کی غلطیاں بیان فرماتے تھے۔ ایک بار آپ نے کہا کہ فلاں شخص میں اگر ایک عادت نہ ہوتی تو بڑا اچھا آدمی تھا۔ سرئی سقطی کا احمد بن حنبلؒ کے سامنے ذکر آیا اور نقل کیا گیا کہ وہ کہتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے حروف کو پیدا فرمایا تو ب نے سجدہ کیا۔ امام نے کہا کہ لوگوں کو ان سے دور رکھو۔

جماعت صوفیہ سے جو سوا اعتقاد کی

روائتیں پہنچی ہیں ان کا بیان

ابو عبد اللہ رملی کہتے ہیں کہ ابو حمزہ نے طرس کی جامع مسجد میں وعظ کیا، لوگوں نے دل سے سنا۔ ایک روز وہ وعظ بیان کر رہے تھے کہ یکایک جامع مسجد کی چھت پر ایک کو ایلا ابو حمزہ نے زور سے ایک نعرہ مارا اور کہا لبیک لبیک اس بات پر لوگوں نے ان کو زندیقیت کی طرف منسوب کیا۔ مسجد کے دروازے پر ان کا گھوڑا یوں پکار کر نیلام ہوا کہ یہ زندیق کا گھوڑا ہے۔ ابو بکر فرغانی نے کہا کہ ابو حمزہ جب کوئی آواز سنتے تھے تو لبیک لبیک کہتے تھے۔ لوگوں نے ان کو حلولی ٹھہرایا۔ ابو علی نے کہا کہ ابو حمزہ اس آواز کو خدا کی طرف سے پکارنے والا سمجھتے تھے جو ان کو ذکر الہی کے لئے بیدار کرتا تھا۔ ابو علی روز باری نے کہا کہ ابو حمزہ کو حلولی اس لئے قرار دیا گیا کہ جب وہ کوئی آواز مثلاً ہوا کا چلنا پانی کا شور پرندوں کا غل سنتے تھے تو زور سے لبیک لبیک پکارتے تھے۔ لہذا حلول کا الزام ان کو لگایا گیا۔ سراج نے کہا میں نے سنا ہے کہ ابو حمزہ ایک بار حادث محاسبی کے گھر گئے اتنے میں ایک بحری بولی ابو حمزہ نے ایک نعرہ مارا اور کہا لبیک یا سیدی۔ حادث یہ سن کر غصہ ہو گئے اور ایک چھری ہاتھ میں لے کر بولے اگر تم اس حالت سے توبہ نہ کرو گے تم کو ذبح کر ڈالوں گا۔ ابو حمزہ نے کہا کہ جب میری اس حالت کا سنا تمہیں کو پسند نہیں تو پھر تم بھوسہ اور خاک کیوں نہیں کھاتے۔

سراج نے کہا کہ علماء کی ایک جماعت نے ابو سعید احمد بن عیسیٰ خزاز پر انکار کیا ہے اور جو چند الفاظ کے جو ان کی تصنیف کی ہوئی ایک موسوم بختاب السر میں پائے گئے ہیں ان کو کفر کی جانب منسوب کیا ہے۔ اس کتاب میں وہ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ طاعت گزار بندہ جو فرض منصبی کو جالائے اللہ تعالیٰ کے لئے اس کی تعظیم لازم ہے۔ اور خدا تعالیٰ اس کے نفس کو پاک کر دیتا ہے۔ سراج نے کہا ابو العباس احمد بن عطاء بھی

کفر و ندیقیت کی طرف منسوب کئے گئے ہیں۔ علی ہذا القیاس اکثر صوفیہ کو ایسا ہی کہا گیا ہے۔ اکثر مرتبہ جنیدؒ پر باوجود علم و فضل کے گرفت کی گئی اور کفر و تزندق کی شہادت دی گئی۔ سراج نے کہامیان کرتے ہیں کہ ابو بکر محمد بن موسیٰ فرغانی نے کہا ہے کہ جس شخص نے ذکر الہی کیا اس نے بہتان باندھا۔ اور جس نے صبر کیا اس نے جرات کی یہ بھی کہا ہے کہ خبردار جس حالت میں مشاندہ الہی کا طریقہ ہاتھ آجائے تو حبیب یا کلیم یا خلیل کا لحاظ نہ کرو۔ یہ قول سن کر کوئی بولا کیا ان پر درود نہ پڑھوں۔ جواب دیا کہ ہاں درود تو پڑھو مگر کچھ وقار نہ سمجھو۔ اور اس درود کی اپنے دل میں کوئی مقدار خیال نہ کرو۔ سراج نے کہا میں نے سنا ہے کہ اہل حلول میں سے ایک جماعت کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ جسموں کو اختیار فرمایا ہے جن میں ربوبیت کے معنی سے حلول کیا۔ اور بشریت کے معنی ان سے زائل کر دیئے۔ اور بعض اہل حلول اچھی صورتوں کی طرف دیکھنے کے قائل ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اچھی صورتوں میں حلول کئے ہوئے ہیں۔ سراج نے کہا میں نے سنا ہے کہ اہل شام کی ایک جماعت کا دعویٰ ہے کہ دنیا میں قلوب سے روایت الہی اس طرح ہوتی ہے جیسے آخرت میں آنکھوں سے ہو گی۔ سراج نے کہا میں نے سنا ہے کہ غلام الخلیل نے ابو الحسن نوری پر شہادت دی کہ ان کو یوں کہتے ہوئے سنا کہ میں خدا کا عاشق ہوں اور خدا مجھ پر عاشق ہے۔ نوری صاحب نے جواب دیا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے سنا ہے کہ فرماتا ہے یحبہم و یحبونہ یعنی اللہ تعالیٰ اہل ایمان سے محبت رکھتا ہے۔ اور اہل ایمان اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہیں۔ عشق کچھ محبت سے زیادہ نہیں۔ قاضی ابویعلیٰ نے کہا حلویہ کا مذہب ہے کہ اللہ تعالیٰ عشق رکھتا ہے۔

مصنفؒ نے کہا کہ اس عقیدہ میں تین وجہوں سے جمالت ہے۔ اول حیثیت اسم کے کیونکہ اہل لغت کے نزدیک عشق فقط اس کے لئے ہوتا ہے جس سے نکاح ہو سکے۔ دوسرے صفات الہی سب منقولہ ہیں۔ لہذا اللہ تعالیٰ محبت رکھتا ہے یوں نہیں کہہ سکتے کہ عشق رکھتا ہے۔ چنانچہ یوں کہتے ہیں اللہ تعالیٰ عالم ہے یوں نہیں کہتے کہ عارف ہے۔ تیسرے اس مدعی کو کہاں سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو اس سے محبت ہے۔ یہ دعویٰ بلا دلیل ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص یوں کہے کہ میں جنتی ہوں وہ دوزخی ہے۔

حسین بن منصور کے ہمراہ مکہ کی ایک گلی میں جا رہا تھا اور قرآن شریف پڑھتا تھا۔ میری قرات سن کر حسین بولے کہ ایسا کلام میں بھی کہہ سکتا ہوں۔ یہ بات سنتے ہی میں نے ان کو چھوڑ دیا۔ محمد بن یحییٰ رازی کہتے ہیں کہ میں نے عمرو بن عثمان کو حلاج پر لعنت کرتے ہوئے سنا اور کہتے تھے کہ اگر میں نے حلاج پر قابو پایا تو اس کو اپنے ہاتھ سے قتل کروں گا۔ میں نے پوچھا کہ اے شیخ کس وجہ سے حلاج پر اس قدر ناراض ہو۔ جواب دیا کہ میں نے قرآن شریف کی ایک آیت پڑھی تو کہنے لگا کہ ممکن ہے میں بھی ایسا کہہ لوں یا تالیف کروں اور ایسا ہی کلام میرا ہو۔ ابو بکر بن ممشاہ نے کہا کہ دیور میں ہمارے پاس ایک آدمی آیا اس کے ساتھ ایک تھیلی تھی جس کو رات اور دن میں کسی وقت اپنے سے جدا نہ کرتا تھا۔ لوگوں نے اس تھیلی کو ٹٹولا تو اس میں حلاج کا ایک خط نکلا جس کا عنوان یہ تھا کہ رحمان و رحیم کی طرف سے فلاں بن فلاں کو واضح ہو۔ وہ خط بغداد بھیج دیا گیا۔ حلاج کو بلوا کر وہ خط پیش کیا گیا کہا کہ یہ خط میرا ہے اور میں نے لکھا ہے۔ لوگوں نے کہا ابھی تک تو تم کو نبوت کا دعویٰ تھا اب ربوبیت کا دعویٰ کرنے لگے۔ جواب دیا کہ میں ربوبیت کا مدعی نہیں۔ لیکن ہم لوگوں کا یہ عین الجمع مذہب ہے۔ بھلا کیا اللہ تعالیٰ کے سوال اور بھی کوئی لکھنے والا ہے۔ ہاتھ تو فقط ایک اوزار (ذریعہ) ہے۔ ان سے پوچھا گیا کہ تمہارے ساتھ اور بھی کسی کا یہ مذہب ہے جواب دیا کہ ہاں ابن عطاء اور ابو محمد جریری اور ابو بکر شبلی ہیں لیکن جریری اور شبلی چھپاتے ہیں اگر کچھ ہیں تو ابن عطاء ہیں۔ جریری کو بلوا کر پوچھا گیا۔ جواب دیا کہ یہ شخص کافر ہے اور جس کا یہ قول ہو وہ قابل قتل ہے شبلی سے پوچھا تو کہا جو ایسا کہے وہ نظر بند کیا جائے۔ ابن عطاء سے سوال کیا گیا تو انہوں نے حلاج کی سی بات کہی۔ یہی ان کے قتل کا سبب ہوا۔

ابو عبد اللہ بن خفیف سے ان چند اشعار کا مطلب پوچھا گیا:-

سبحان من اظہرنا سوتہ

سر سنا لہوتہ الثاقب

ثم بدا فی خلقہ ظاہرا

فی صورہ الاکل و الشارب

حتى لقد عابہ خلقہ

کلمظہ الحاجب بالحاجب

(ترجمہ) ”پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے ناسوت کو لاہوت و درخشان کی روشنی کے

راز کا مظہر بنایا۔ پھر اپنی مخلوق میں کھلم کھلا کھانے پینے والے کی صورت میں ظاہر ہوا حتیٰ کہ اس مخلوق نے اس کو اس طرح دیکھا جیسے دونوں بھویں مقابلہ میں نظر آتی ہیں۔“

یہ اشعار سن کر شیخ نے کہا اس کے قائل پر خدا کی لعنت ہو۔ عیسیٰ بن فورک نے کہا یہ اشعار حسین ابن منصور کے ہیں۔ شیخ نے کہا اگر حسین کا یہ اعتقاد تھا تو وہ کافر ہے ورنہ یہ دوسری بات ہے کہ لوگوں نے اس سے نقل کیا ہو۔ ابو القاسم اسماعیل بن محمد بن زنجی نے اپنے باپ سے روایت کیا کہ بنت سمری حامد وزیر کے پاس بھیجی گئی۔ حامد نے اس سے حلاج کی نسبت پوچھا کہنے لگی کہ میرے باپ مجھ کو ان کے پاس لے گئے۔ حلاج نے کہا کہ میں نے تیری شادی اپنے بیٹے سلیمان سے کر دی جو نیشاپور میں مقیم ہے۔ جب میری تمہاری مرضی کی خلاف کوئی بات صادر ہو تو تم دن کو روزہ رکھنا اور شام کو کوٹھے پر چڑھنا اور خاکستر پر کھڑی ہونا اور وہیں بغیر پیسے ہوئے نمک سے روزہ کھولنا اور اپنا منہ میری طرف کرنا اور جو بات تم کو ناگوار معلوم ہوئی تھی مجھے یاد دلانا۔ میں ہر بات سنتا اور دیکھتا ہوں۔ بنت سمری نے کہا میں ایک رات کوٹھے پر سو رہی تھی۔ میں نے حلاج کو محسوس کیا وہ مجھ کو آلپٹے تھے۔ میں ان کی اس حرکت سے خوفزدہ ہو کر جاگ اٹھی۔ مجھ سے کہا کہ میں تم کو صرف نماز کے واسطے بیدار کرنے آیا ہوں۔ جب ہم کوٹھے سے نیچے اترے تو حلاج کی بیٹھی مجھ سے بولی کہ ان کو سجدہ کرو میں نے کہا کہیں کوئی غیر خدا کو بھی سجدہ کرتا ہے۔ حلاج نے میرا کلام سن کر کہا کہ ہاں ایک خدا آسمان پر ہے اور ایک خدا زمین پر۔

مصنفؒ نے کہا علمائے عصر نے حلاج کا خون مباح ہونے پر اتفاق کیا ہے۔ پہلے جس نے اس کا خون حلال بتایا وہ ابو عمرو قاضی ہیں۔ پھر تمام علماء نے ان سے موافقت کی فقط ابو العباس سرتج نے سکوت کیا اور کہا کہ میں نہیں جانتا حلاج کیا کرتا ہے۔ اور علماء کا اجماع ایسی دلیل ہے جو خطا سے محفوظ ہے۔ ابو ہریرہؓ نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو اس بات سے محفوظ رکھا ہے کہ تم سب کے سب ضلالت پر اجماع و اتفاق کرو۔ ابو بکر محمد ابن داؤد فقیہ اصفہانی نے کہا کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ پر نازل فرمایا ہے اگر وہ حق ہے تو جو کچھ حلاج کرتا ہے وہ باطل ہے۔ ابو بکر شدت سے حلاج کی مخالفت کرتے تھے۔

مصنفؒ نے کہا صوفیہ میں سے ایک گروہ نے حلاج کی طرف داری کی ہے

جس کا سبب جہالت اور اجماع فقہاء سے لاپرواہی ہے۔ ابراہیم بن محمد نصر آبادی نے تو یہاں تک کہا کہ نبیوں اور صدیقیوں کے بعد اگر کوئی ہے تو ایک حلاج ہے۔ مصنفؒ نے کہا کہ یہی مذہب ہمارے زمانے کے واعظوں اور ہمارے وقت کے صوفیوں کا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ سب کے سب شریعت سے ناواقف اور علم نقل کی شناخت سے بے بہرہ ہیں۔ میں نے ایک کتاب حلاج کی حکایت میں تالیف کی ہے جس میں اس کے حیلے اور خوارق بیان کئے ہیں۔ اور جو کچھ علماء نے اس کے حق میں فرمایا ہے وہ بھی لکھا ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ جاہلوں کی بے گئی کرنے پر اعانت فرمائے۔

عمر البناء بغدادی نے مکہ میں بیان کیا کہ کہتے ہیں جب غلام الخلیل کامیاب ہوئے اور صوفیہ کو زندقیت کی طرف نسبت کیا تو خلیفہ نے صوفیہ کی گرفتاری کا حکم دیا۔ نوری بھی ایک جماعت میں پکڑے ہوئے آئے خلیفہ کے سامنے لائے گئے۔ سب کی گردن مارنے کا حکم فرمایا۔ نوری سب سے پہلے آگے بڑھ کر جلاد کے پاس گئے تاکہ ان کا سر تن سے جدا کرے۔ جلاد نے پوچھا کہ تم نے سبقت کیوں کی۔ جواب دیا کہ اس وقت لحظہ بھر کے لئے میں نے اپنے اصحاب کی زندگی اپنی زندگی پر اختیار کر لی ہے۔ یہ سن کر جلاد ٹھہر گیا۔ اور اس کی اطلاع خلیفہ کو دی گئی۔ خلیفہ نے ان کا معاملہ قاضی القضاۃ اسماعیل بن النخعی کے سپرد کیا۔ انہوں نے سب کو رہا کر دیا۔ ابو العباس احمد بن عطاء نے کہا کہ بغداد میں غلام الخلیل نے خلیفہ سے صوفیہ کی شکایت کی۔ اور بیان کیا کہ یہاں پر قوم زنادقہ ہے۔ لہذا ابو الحسن نوری و ابو حمزہ صوفی ابو بکر دقاق اور ان کے ہم عصروں میں سے ایک جماعت گرفتار ہو کر آئی۔ جنید بن محمد نے فقہ میں ابو ثور کا مذہب اختیار کر کے اپنے آپ کو چالیا۔ وہ لوگ خلیفہ کے سامنے پیش ہوئے۔ خلیفہ نے سب کے قتل کا حکم دیا۔ سب سے پہلے ابو الحسین نوری نے پیش قدمی کی۔ جلاد نے ان سے پوچھا کہ تم نے اپنے ساتھیوں میں سب سے سبقت کیوں کی۔ حالانکہ تم بلائے نہیں گئے۔ جواب دیا میں پسند کرتا ہوں کہ اپنی جان پہلے دے کر محض اتنی دیر کے لئے اپنے یاروں کو چالوں۔ اس بات پر خلیفہ نے ان سب کو قاضی کے حوالے کر دیا۔ لہذا اچھوڑ دیئے گئے۔

مصنفؒ نے کہا کہ اس قصہ کے اسباب میں سے نوری کا یہ قول ہے کہ مجھ کو خدا سے عشق ہے اور خدا میرا عاشق ہے۔ اس قول کی شہادت لوگوں نے ان پر دی ہے۔ پھر اس کا قتل کے لئے آگے بڑھنا اپنے نفس کی ہلاکت پر اعانت کرتا ہے لہذا یہ

بھی خطا ہے۔

رقی کہتے ہیں ہمارے یہاں ایک لنگر خانہ تھا۔ ایک روز ایک فقیر آیا جو دو خرقے پہنے ہوئے تھا۔ اس کی کنیت ابو سلیمان تھی۔ آکر کہنے لاکہ میں مہمان داری چاہتا ہوں۔ میں نے اپنے بیٹے سے کہا کہ اس کو مہمان خانہ میں لے جاؤ۔ وہ فقیر نوروز تک ہمارے پاس رہا۔ اور ہر تیسرے روز اپنا ایک دن کا کھانا کھاتا تھا۔ چلتے وقت بولاکہ مہمانی تین دن تک ہوا کرتی ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ اپنے حالات سے ہم کو آگاہ کرتے رہنا۔ وہ ہمارے پاس سے چلا گیا۔ بارہ برس کے بعد پھر آیا۔ میں نے پوچھا کہاں سے آئے ہو۔ جواب دیا کہ میں نے ایک بزرگ کو دیکھا جن کا نام ابو شعیب مطلق تھا۔ اور وہ (کسی بلا میں) مبتلا تھا۔ میں ایک سال ان کی خدمت میں مصروف رہا۔ میرے جی میں آیا کہ ان سے پوچھوں کہ اس بلا میں پڑنے کا اصل سبب کیا ہے؟ جب میں ان کے قریب گیا تو میرے پوچھنے سے پہلے ہی بول اٹھے کہ جو بات تمہارے لئے مفید نہیں اس کے سوال کرنے سے کیا حاصل ہے میں یہ سن کر باز رہا۔ یہاں تک کہ تین سال ہو گئے۔ تیسرے سال مجھ سے بولے کہ کیا تم ضرور ہی میرا حال سنا چاہتے ہو۔ میں نے کہا اگر آپ کی رائے ہو تو کیا مضائقہ ہے۔ جواب دیا کہ ایک بار رات کو میں نماز پڑھ رہا تھا۔ یکایک محراب سے ایک روشنی نمودار ہوئی میں نے کہا اے ملعون دور ہو کہ میرے پروردگار کی یہ شان نہیں کی مخلوق پر ظاہر ہو۔ تین بار میں نے یوں ہی کہا۔ پھر محراب سے مجھ کو ایک آواز سنائی دی کہ اے ابو شعیب میں نے کہا لیک۔ آواز آئی کہ تو پسند کرتا ہے کہ میں اسی وقت تیری جان قبض کر لوں یا تیرے گزشتہ اعمال کی تجھ کو جزا دوں یا تجھ کو بلا میں مبتلا کر کے اس کی بدولت علین میں تیرا تہہ بلند کر دوں میں نے بلا کو پسند کیا پس میری دونوں آنکھیں دونوں ہاتھ پاؤں گر پڑے۔ یہ قصہ سن کر میں نے ان بزرگ کی خدمت پورے بارہ سال تک کی۔ ایک روز مجھ سے کہنے لگے کہ میرے قریب آؤ میں ان کے قریب آیا ان کے اعضاء کو میں نے سنا کہ ایک عضو دوسرے عضو سے مخاطب ہو کر کہتا تھا۔ اس شخص سے جدا ہو جاؤ۔ ان کے تمام اعضاء علیحدہ ہو کر سامنے آگئے اور وہ تسبیح و تقدیس میں مصروف رہے۔ پھر انتقال کر گئے۔

مصنفؒ نے کہا اس حکایت سے شبہ ہوتا ہے کہ اس شخص نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا تھا۔ مگر جب منکر ہو تو عذاب کیا گیا۔ اور ہم پیشتر ذکر کر چکے ہیں کہ ایک قوم کا قول (عقیدہ) ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار دنیا میں ہوتا ہے۔ ابو القاسم عبد اللہ بن احمد بخاری نے کتاب المقالات میں نقل کیا ہے کہ تشبیہ کے قائلین میں سے ایک قوم نے جائز

رکھا ہے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کا دیدار آنکھوں سے ہوتا ہے۔ اور وہ لوگ اس کا بھی انکار کرتے کہ گلی کوچے کے ملنے والوں ہی میں کوئی خدا ہو۔ اور ایک قوم نے اسی کے ساتھ خدا تعالیٰ مصافحہ اور میل جول بھی جائز رکھا ہے۔ اور دعویٰ کرتے ہیں کہ خدا ان کے پاس آتا ہے اور وہ خدا کے پاس جاتے ہیں۔ ان لوگوں کو عراق میں اصحاب الناظر (الباطن) اور اصحاب الوسوس اور اصحاب الخطرات کہتے ہیں۔ مصنفؒ نے کہا یہ عقیدہ نہایت ہی بدتر ہے۔ خدا ایسی رسوائی سے پناہ میں رکھے۔

طہارت کے بارے میں صوفیہ پر تلبیس ابلیس کا بیان

مصنفؒ نے کہا کہ طہارت کی نسبت جو شیطان نے عابدوں کو فریب دیا ہے ہم بیان کر چکے مگر صوفیہ کے حق میں اس کا فریب حد سے زیادہ ہے۔ لہذا پانی استعمال کرنے میں ان کے وسوسے مضبوط ہیں۔ حتیٰ کہ میں نے سنا ہے ابن عقیل ایک بار رباط میں داخل ہوئے۔ صوفیہ ان کو کم پانی استعمال کرتے ہوئے دیکھ کر ہنسنے لگے اور یہ نہ جانا کہ جو شخص ایک رطل پانی میں وضو کامل طور کر لے گا تو اس کو کافی ہے۔ ابو احمد شیرازی کی نسبت ہم نے سنا ہے کہ انہوں نے کسی فقیہ سے پوچھا کہاں سے آرہے ہو۔ جواب دیا کہ نہر پر سے آتا ہوں۔ مجھ کو طہارت کے بارے میں وسوسہ ہے۔ ابو احمد بولے کہ میں نے ایک زمانے میں صوفیہ کی یہ حالت دیکھی تھی کہ شیطان سے تمسخر کیا کرتے تھے۔ اور اب یہ حال ہے کہ شیطان ان سے مسخر اپن کرتا ہے۔ بعض صوفیہ ایسے ہیں کہ چٹائیوں پر بھی جوتی پہن کر چلتے ہیں۔ گو اس میں کچھ ڈر نہیں۔ لیکن بسا اوقات مبتدی اس شخص کو دیکھتا ہے جو اس کا التزام رکھتا ہے تو اس کو امر شرعی خیال کر بیٹھتا ہے۔ سلف کا یہ طریقہ نہ تھا اور تعجب تو اس شخص پر ہے جو ظاہری پاکیزگی کے لئے احتیاط رکھنے میں اس قدر مبالغہ کرتا ہے اور اس کا باطن گندگی اور کدورت سے بھر ا ہوا ہے۔

نماز میں صوفیہ پر تلبیس ابلیس کا بیان

مصنفؒ نے کہا کہ نماز کی نسبت اہل عبادت کو شیطان کا فریب دینا مذکور ہو چکا۔ اس بارے میں وہ صوفیہ کو اور بھی زیادہ دھوکہ دیتا ہے۔ محمد بن طاہر مقدسی نے بیان کیا ہے کہ ان سنتوں میں سے جو صرف صوفیہ کے لئے خاص ہیں اور صوفیہ ہی ان سے نسبت رکھتے ہیں ایک یہ کہ مرقعہ (پیوند الالباس) پہننے کے بعد دور کعتیں پڑھے

اور توبہ کرے۔ اس عقیدہ کے لئے ثمامہ بن اعلیٰ کی حدیث سے حجت پکڑی ہے کہ جب وہ اسلام لائے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو غسل کرنے کا حکم دیا۔

مصنفؒ نے کہا کہ جاہل آدمی جب ایسے امر میں دست اندازی کرتا ہے۔ جو اس کا کام نہیں تو کیسا برا معلوم ہوتا ہے۔ ثمامہ کفر کی حالت میں تھے وہ اسلام لائے اور کافر جب اسلام لاتا ہے تو اس پر غسل واجب ہے۔ یہ فقہاء کی ایک جماعت کا مذہب ہے جن میں احمد بن حنبلؒ بھی ہیں۔ باقی رہا دور کثرت نماز پڑھنا اس کا حکم کسی عالم نے اسلام لانے والے کو نہیں دیا۔ ثمامہ کی حدیث میں کہیں نماز کا ذکر نہیں کہ اس پر قیاس کر لیا جائے۔ اب یہ دور کثرتیں جز اس کے کیا کہا جائے کہ یہ بدعت ہے جس کا نام سنت رکھ دیا ہے۔ پھر سب سے قبیح تر این طاہر کا یہ قول ہے کہ بہت سی سنتیں ایسی ہیں جو صرف صوفیہ ہی کے لئے خاص ہیں کیونکہ وہ سنتیں اگر شریعت سے مسنون ہیں تو تمام مسلمان ان میں مساوی ہیں۔ اور فقہاء ان کو خوب جانتے ہیں۔ صوفیہ کے لئے خاص ہونے کی کیا وجہ ہے؟ اور اگر صوفیہ کی رائے سے ہیں تو صرف انہیں کے لئے اس وجہ سے مخصوص ہیں کہ انہوں نے ان کو ایجاد کیا ہے۔

مساکن کے بارے میں صوفیہ پر تلمیس ابلیس کا بیان

مصنفؒ نے کہا کہ رہائش گاہ بنانے کی نسبت اصل بات یہ ہے کہ اگلے صوفیہ نے رہائش گاہ کو اس لئے اختیار کیا تھا کہ تنہائی میں عبادت کریں۔ اور آج کل کے صوفی اگر اپنے ارادے میں ٹھیک بھی ہیں تو چند وجوہ سے خطا پر ہیں۔ ایک تو انہوں نے یہ بدعت کی بنیاد نکالی ہے۔ اسلام کی بنیاد فقط مسجد میں ہیں۔ دوسرے انہوں نے مسجدوں کی ایک نظیر بنائی۔ جس کی وجہ سے مسجدوں میں جمیعت کم کرنی چاہی۔ تیسرے انہوں نے مسجدوں کی طرف قدم اٹھانے کی فضیلت سے اپنے آپ کو محروم رکھا۔ چوتھے انہوں نے نصاریٰ سے مشابہت کی کہ وہ بھی ڈیروں میں تنہا رہتے ہیں۔ پانچویں باوجود جوان ہونے کی بن بیاہ رہے۔ حالانکہ ان میں سے اکثر کو نکاح کی حاجت ہوتی ہے۔ چھٹے انہوں نے اپنے لئے مشہور نام مقرر کیا ہے۔ کہ لوگ زاہد کہہ کر یاد کریں۔ جس کی وجہ سے لوگ ان کی زیارت کو آتے ہیں اور ان کو بابرکت سمجھتے ہیں اور اس قوم کا ارادہ ٹھیک نہیں انہوں نے جھوٹ کی دکانیں بنائی ہیں۔ بطالت کا گھرتیار کیا ہے اور زہد کے اظہار کو شہرت دی ہے۔ ہم نے متاخرین میں سے اکثر کو دیکھا ہے کہ معاش کی محنت

سے فارغ ہو کر آرام سے رباطوں میں پڑے ہیں۔ کھانے پینے ناچ گانے میں مشغول ہیں۔ ہر ایک ظالم سے دنیا کے طالب ہیں اور خراج لینے والوں کے ہدیے قبول کرنے میں تقویٰ نہیں جلاتے ان کی اکثر رباطیں وہ ہیں جن کو اہل ظلم نے ہو لیا ہے۔ اور حرام کے مال ان پر وقف کئے ہیں۔ ابلیس نے ان کو فریب دے رکھا ہے کہ جو کچھ تمہارے پاس آئے وہ تمہارا رزق ہے۔ لہذا اور ع و تقویٰ کی قید اپنے سے ساقط کر دی۔ اب ان کی ساری ہمت باورچی خانہ اور حمام اور ٹھنڈے پانی پر مبذول ہے۔ کہاں ہے بستر (الحافی) کی بھوک اور کہاں ہے سری (سقطی) کا دورغ اور کہاں ہے جیند کا زہد؟ اس قوم کی تو یہ حالت ہے کہ اکثر وقت ہنسی مذاق کی باتوں میں کتنا ہے۔ یا اہل دنیا کی زیارت میں بسر ہوتا ہے۔ جب کسی کو کچھ فراغت ملی تو ذرا صوف کے جبہ میں اپنا سر ڈال دیا کچھ سودا کا غلبہ ہوا تو بول اٹھا کہ حدثنی قلبی عن ربی۔ یعنی میرا دل میرے پروردگار سے بات کرتا ہے۔ میں نے سنا ہے کہ ایک شخص نے رباط میں قرآن شریف پڑھا۔ صوفیہ نے اس کو روک دیا۔ اور کچھ لوگ رباط میں حدیث پڑھنے لگے۔ ان سے کہا گیا کہ یہ جگہ حدیث پڑھنے کی نہیں ہے۔

مال کو چھوڑ دینے اور اس سے علیحدہ رہنے

میں صوفیہ پر تلیس ابلیس کا بیان

اوائل صوفیہ کو زہد و تقویٰ میں صداقت حاصل کرنے کے لئے شیطان فریب دیتا تھا اور مال کے عیوب ان پر ظاہر کرتا تھا اور اس کے شر سے ان کو ڈراتا تھا۔ لہذا وہ لوگ مال سے علیحدہ ہو جایا کرتے تھے اور بساط فقر پر بیٹھ جاتے تھے۔ ان حضرات کے مقاصد تو نیک تھے۔ مگر افعال میں اس بارے میں بوجہ کم علمی کے خطا پر تھے۔ اور اس زمانے میں تو شیطان کو اس محنت سے فراغت ہے۔ کیونکہ صوفیہ کے ہاتھ کسب اموال سے خالی ہیں۔

ابو نصر طوسی نے کہا کہ میں نے مشائخ رے کی ایک جماعت سے سنا کہتے تھے کہ ابو عبد اللہ مقرر کی اپنے باپ کے ترکہ سے علاوہ اسباب وزمین کے پچاس ہزار دینار ورثہ میں ملے وہ تمام جائیداد سے علیحدہ ہو گئے اور فقراء کو خیرات کر ڈالی۔ ایسی ہی روایتیں ایک جماعت کثیر سے منقول ہیں۔ ہم اس فعل کے مرتکب کو ملامت نہیں

کرتے جب کہ کفایت پر عمل ہو اور اپنے لئے ذخیرہ رکھ چھوڑا ہو یا اس کو کوئی ایسا پیشہ آتا ہو جس کی وجہ سے لوگوں کا محتاج نہ ہوتا پڑے۔ یا مال میں شبہ تھا۔ لہذا خیرات کر دیا۔ لیکن جب کہ مال حلال سب کا سب نکال ڈالے پھر لوگوں کو محتاج ہو یا اس کے اہل و عیال مفلس ہو جاویں تو ایسا شخص یا تو اپنے بھائیوں کے احسان اور خیرات کا خواہاں ہو گا یا ظالموں اور مشتبہ مال والوں سے کچھ حاصل کرے گا۔ یہ فعل بے شک مذموم و ممنوع ہے۔ مجھ کو ان زاہدوں پر کوئی تعجب نہیں جنہوں نے بوجہ کم علمی کے ایسا کیا بلکہ تعجب تو صرف ان لوگوں پر ہے جو علم و عقل رکھتے ہیں۔ انہوں نے کیونکر اس فعل کی ترغیب دی اور شرع و عقل کے خلاف ہونے کے باوجود کس طرح اس کا حکم کیا۔ حارث محاسبی نے اس بارے میں بہت کچھ ذکر کیا ہے۔ اور ابو حامد غزالی نے اس کی تائید کی ہے۔ میرے نزدیک ابو حامد کی نسبت اس امر میں حارث معذور ہے۔ کیونکہ ابو حامد ان سے زیادہ فقیہ تھے۔ مگر افسوس کہ تصوف میں پڑ جانے کی وجہ سے ان پر تصوف کی حمایت و امداد لازم آگئی۔

حارث محاسبی نے اس بارے میں جو کچھ لکھا ہے منجملہ اس کے ایک مقام پر یوں لکھتے ہیں اے مفتون جب کہ تیرا یہ خیال ہے کہ مال حلال کا جمع کرنا اس کے چھوڑ دینے سے اعلیٰ و افضل ہے۔ تو گویا تو نے محمد ﷺ و دیگر انبیاء علیہم السلام کو عیب لگایا اور یہ سمجھا کہ رسول اللہ ﷺ نے مال جمع کرنے سے امت کو منع فرمایا تو ان کی خیر خواہی نہ کی۔ حالانکہ آپ خوب جانتے تھے کہ مال جمع کرنا امت کے حق میں بہتر ہے۔ اور سمجھا کہ اللہ تعالیٰ نے جو اپنے بندوں کو مال جمع کرنے سے ممانعت فرمائی تو ان کا کچھ لحاظ نہ کیا۔ حالانکہ وہ خوب جانتا تھا کہ بندوں کے حق میں مال جمع کرنا بہتر ہے۔ یاد رکھ کہ صحابہؓ کے مال سے حجت پڑنا تیرے لئے کچھ مفید نہیں۔ قیامت کے دن ان عوفؓ آرزو کریں گے کہ کاش دنیا میں بقدر کفاف ہی ملا ہوتا۔ مجھ کو حدیث پہنچی ہے کہ جب عبدالرحمن بن عوفؓ نے وفات پائی تو اصحاب رسول اللہ ﷺ میں سے کچھ لوگ باہم کہنے لگے کہ ہم کو اس قدر ترکہ چھوڑ جانے سے عبدالرحمنؓ کے حق میں خوف ہے۔ کعب بولے کہ سبحان اللہ عبدالرحمنؓ کے حق میں کس بات کا خوف ہے انہوں نے پاک طریقہ سے مال کمایا اور پاک جگہ خیرات کیا۔ کعب کا یہ قول ابو ذرؓ کو معلوم ہوا۔ غضبناک ہو کر کعب کی تلاش میں نکلے۔ راستے میں اونٹ کے جڑے کی ہڈی پڑی پائی۔ اس کو اٹھا لیا اور کعب کو ڈھونڈنے لگے۔ کسی نے کعب سے جا کر کہا کہ ابو ذرؓ تمہاری

تلاش میں پھر رہے ہیں۔ کعبؓ بھاگ کر حضرت عثمانؓ کے پاس فریادی آئے اور تمام قصہ بیان کیا۔ ابو زُرّ بھی تلاش کرتے کرتے کعبؓ کے نشان قدم پکڑ حضرت عثمانؓ کے مکان تک پہنچے۔ جب اندر داخل ہوئے تو کعبؓ ڈر کے مارے اٹھ کر حضرت عثمانؓ کے پیچھے جائیٹھے اور ابو ذرؓ ان سے بولے اے یہودیہ کے بیٹے ذرا کھڑا تو رہے کیا تو یہ خیال کرتا ہے کہ عبدالرحمن بن عوف نے جو اس قدر ترکہ چھوڑا ہے اس کا کچھ حرج نہیں؟ ایک روز رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ قیامت کے دن جو زیادہ مالدار ہوں گے وہ زیادہ محتاج ہوں گے مگر ایک وہ شخص جس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا مال لٹایا ہو گا۔ پھر فرمایا اے ابو ذرؓ تو تو نگری چاہتا ہے اور میں افلاس کا خواہاں ہوں، غرض رسول اللہ ﷺ محتاجی چاہتے ہیں۔ اور اے یہودیہ کے بیٹے تو یوں کہتا ہے کہ عبدالرحمن بن عوف نے جو کچھ چھوڑا اس کا کوئی ڈر نہیں۔ تو جھوٹا ہے اور جو ایسا کہے وہ جھوٹا ہے۔ کعبؓ نے ان باتوں کا کچھ جواب نہ دیا۔ حتیٰ کہ ابو ذرؓ چلے گئے۔ حادث نے کہا کہ یہ عبدالرحمن بن عوف باوجود فضل و کمال کے میدان قیامت میں ٹھہرے رہیں گے۔ اس وجہ سے کہ عفت کے لئے طریق حلال سے مال حاصل کیا۔ اور نیک راہ میں لگایا۔ لہذا فقراء و مہاجرین کے ساتھ جنت کی طرف نہ جانے پائیں گے بلکہ ان کے پیچھے پیچھے گھنٹوں کے بل چلیں گے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہ حالت تھی کہ جب ان کے پاس کچھ نہ ہوتا تھا تو خوش ہوتے تھے۔ اور تیرا یہ حال ہے کہ ذخیرہ رکھتا ہے اور افلاس کے ڈر سے مال جمع کرتا ہے۔ حالانکہ یہ حرکت گویا خدا کے ساتھ سوء ظن اور اس کے رزق کا ضامن ہونے پر یقین نہ لانا ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا گناہ ہو گا اور ممکن ہے کہ تو دنیا کی زیب و زینت اور لذت و فراغت کے لئے مال جمع کرے ہم کو حدیث پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص دنیا کی فوت شدہ چیز پر افسوس کرے گا وہ ایک سال بھر کی راہ دوزخ سے قریب ہو جائے گا۔ تیری کیفیت یہ ہے کہ ذرا سی چیز کے فوت ہو جانے پر افسوس کرتا ہے، اور عذاب الہی سے نزدیک ہونے کی پرواہ نہیں کرتا ہے۔ وائے ہو تجھ پر بھلا کیا تو اپنے زمانے میں حلال کو پاتا ہے جس طرح صحابہ نے پایا۔ اور دنیا میں حلال کہاں رہا ہے جس کو تو جمع کرے۔ دیکھ میں تجھ کو سمجھاتا ہوں جس قدر بہم پہنچ جائے اتنے ہی پر قناعت کر اور اعمال نیک کے لئے مال جمع نہ کر۔ بعض اہل علم سے کسی نے اس شخص کی نسبت سوال کیا جو اچھے کاموں کے لئے مال جمع کرتا ہے۔ جواب دیا کہ ترک کر دینا سب سے اچھا کام ہے اور ہم نے سنا ہے کہ کسی بزرگ تابعی

سے دو شخصوں کے بارے میں سوال کیا گیا ایک نے حلال طریقہ سے دنیا طلب کی اس کو حاصل ہوئی۔ اس نے صلہ رحم کیا اور اپنے لئے آخرت کا سامان کیا اور دوسرے نے دنیا سے علیحدگی اختیار کی نہ اس کو طلب کیا نہ صرف کیا ان دونوں میں کون افضل ہے جواب دیا کہ واللہ ان دونوں میں فرق ہے جو شخص دنیا سے علیحدہ رہا وہ دوسرے سے اس قدر افضل ہے جتنا مشرق و مغرب میں فاصلہ ہے۔

مصنفؒ نے کہا یہاں تک سب کا سب حارث کا کلام ہے۔ ابو حامد نے اس کا ذکر کیا ہے اور تائید کی ہے۔ اور ثعلبہ کی حدیث سے اس کلام کو قوت دی ہے کہ ثعلبہ کو مال ملا۔ تو اس نے زکوٰۃ نہیں دی۔ ابو حامد نے کہا کہ جو کوئی انبیاء و اولیاء کے افعال و اقوال پر غور کرے گا اس کو اس بارے میں کچھ شک نہ رہے گا۔ کہ مال کے ہونے سے اس کا نہ ہونا افضل ہے اگرچہ اچھے کاموں میں کیوں نہ لگایا جائے۔ کیونکہ کم از کم اتنا ضرور ہو گا کہ مال کی اصلاح کے تردد میں پڑ کر ذکر الہی سے اس کا دل ہر طرف ہو جائے گا لہذا مرید کو چاہیے کہ مال سے علیحدہ ہو جائے حتیٰ کہ بقدر ضرورت اپنے پاس رکھے جب تک اس کے پاس ایک درہم بھی باقی رہے گا جس کی طرف اس کا دھیان نہ گاہو اللہ تعالیٰ سے محبوب رہے گا۔ مصنفؒ نے کہا کہ یہ سب باتیں عقل و شرع کے خلاف ہیں اور سمجھ کا قصور ہے کہ مال سے کیا مراد ہے۔

فصل کلام مذکورہ کے رد میں

مال کا شرف تو ہمیں سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا مرتبہ عظیم فرمایا۔ اور اس کی محافظت کا حکم دیا۔ کیونکہ اس کو آدمی کے لئے باعث قیام بنایا ہے اور آدمی شریف ہے۔ جو چیز شریف کے لئے باعث قیام و حیات ہے وہ بھی ضرور شریف ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:- ولا توتوا السفهاء اموالکم الّٰتی جعل اللہ لکم قیاما (النساء پ ۴ آیت ۵) یعنی تم اپنے مال جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے باعث قیام قرار دیا ہے بے وقوفوں کو مت دے ڈالو۔ اور نیز اللہ عز و جل نے نا سمجھ آدمی کو مال سپرد کرنے سے منع فرمایا چنانچہ ارشاد ہوا۔ فان انستم منهم رشدا فادفعوا الیہم اموالہم (النساء پ ۴ آیت ۶) یعنی جب تم یتیموں کو دیکھو کہ اچھی طرح سمجھ آگئی تو ان کے مال ان کو دے دو۔ رسول اللہ ﷺ سے صحیح طور پر ثابت ہے کہ آپ نے مال ضائع کرنے سے منع فرمایا اور سعد کو ارشاد فرمایا کہ تمہارے لئے اپنے وارثوں کو خوشحال چھوڑ کر مرنے

اس سے بہتر ہے کہ ان کو ایسی حالت میں چھوڑ جاؤ کہ محتاج ہو کر لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں۔ اور نیز آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ مجھ کو ابو بکرؓ کے مال سے بڑھ کر کسی کے مال نے نفع نہیں پہنچایا۔ عمرو بن عاص کہتے ہیں کہ مجھ کو رسول اللہ ﷺ نے بلوایا اور فرمایا کہ کپڑے پہن کر اور ہتھیار سجا کر میرے پاس آؤ۔ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ارشاد فرمایا کہ میں تم کو ایک لشکر پر حاکم کر کے بھیجتا ہوں خدا تعالیٰ تم کو سلامت رکھے گا۔ اور غنیمت عطا فرمائے گا۔ نیک نیتی کے ساتھ جس قدر جی چاہے مال لے لینا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں کچھ مال کی خواہش سے اسلام نہیں لایا۔ بلکہ اسلام کی محبت سے مسلمان ہوا ہوں۔ فرمایا اے عمر واجہا مال اچھے آدمی کے لئے ہوتا ہے۔ انس بن مالک کہتے ہیں کہ میرے لئے رسول اللہ ﷺ نے خیر و برکت کی دعا کی اور دعا کے آخری الفاظ یہ تھے کہ اللھم اکثر مالہ وولدہ وبارک لہ (خداوند! انسؓ کو مال اور اولاد زیادہ عطا فرما اور اس میں برکت دے) عبد اللہ ابن کعب بن مالک نے کہا کہ میں نے کعب بن مالکؓ سے سنا اپنا توبہ کرنے کا قصہ بیان کرتے تھے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میری توبہ یہ ہے کہ اپنا مال خدا اور رسول کے لئے خیرات کر دوں۔ ارشاد فرمایا کہ کچھ مال اپنے پاس رہنے دو۔ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔

مصنفؒ نے کہا یہ مذکور شدہ حدیثیں صحاح میں موجود ہیں اور صوفیہ کے عقیدہ کے خلاف ہیں کہ وہ کہتے ہیں مال کا زیادہ ہونا حجاب اور عذاب ہے۔ اور مال کا رکھ چھوڑنا توکل کے منافی ہے۔ اس امر کا تو انکار نہیں کیا جاسکتا کہ مال جمع کرنے میں فتنہ کا خوف ہے اور اسی لئے جماعت کثیر نے مال سے پرہیز کیا ہے اور اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ حلال طریقہ سے مال کا جمع کرنا بہت کم ہوتا ہے اور اس کے فتنہ سے دل کا سلامت رہنا بعید ہے اور باوجود مال کے آخرت کی یاد میں دل کا مشغول ہونا شاذ و نادر ہے اور اسی وجہ سے مال کے فتنہ کا خوف ہوا کرتا ہے باقی رہا مال کا حاصل کرنا تو بات یہ ہے کہ جس شخص کو ذریعہ حلال سے بقدر کفاف حاصل کرنے کی احتیاج ہے تو یہ ایسا امر ہے جو ضروری ہے اور جس شخص کا مقصود طریق حلال سے مال جمع کرنا اور بڑھانا ہو تو ہم اس کے مقصود پر غور کریں گے مگر صرف فخر اور بڑائی چاہتا ہے تو بہت برا مقصود ہے اور اگر اپنی اور اہل و عیال کی عفت چاہتا ہے اور آئندہ زمانے کی آفتوں کے لئے ذخیرہ رکھتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ بھائیوں کی امداد کرے، فقیروں کو خوش رکھے۔ نیک

کاموں کو سرانجام دے تو اس کے قصد پر اس کو ثواب ملے گا اور اس نیت سے اس کو جمع کرنا بہت سی عبادتوں سے افضل ہو گا صحابہ رضی اللہ عنہم کی نیتیں مال جمع کرنے میں خلل سے پاک تھیں۔ کیونکہ ان کے مقاصد نیک تھے۔ لہذا اس کی حرص کی اور زیادتی چاہی۔ ان عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت زبیرؓ کے لئے ان کے گھوڑے کا حصہ ایک زمین مقرر فرمائی جس کو اثر کہتے ہیں حضرت زبیرؓ نے اپنا گھوڑا دوڑایا۔ حتیٰ کہ دوڑتے دوڑتے کھڑا ہو گیا۔ تو حضرت زبیرؓ نے اپنا کوڑا آگے تک پھینک دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جہاں تک زبیرؓ کا کوڑا پہنچا ہے وہیں تک ان کو زمین دے دو۔ سعد بن عبادہؓ دعا مانگا کرتے تھے کہ خداوند مجھ کو فراخ دستی عطا فرما۔

مصنفؒ نے فرمایا اس سے بڑھ کر وہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام سے جب ان کے بیٹوں نے آکر کہا و نزداد کیل بعیر یعنی ایک اونٹ اناج کا اور زیادہ ملے گا تو حضرت یعقوب علیہ السلام بھی ادھر مائل ہو گئے۔ اپنے بیٹے بنیامین کو ان کے ساتھ بھیج دیا۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنے نفع لینے میں زیادتی کی طمع کی۔ چنانچہ حضرت موسیٰ سے کہا فان اتممت عشرا فمن عندک یعنی اگر تم دس برس پورے بحریاں چرواؤ گے تو تمہاری عنایت ہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام جب شفا پا چکے تو سونے کی مڈیاں ان کے پاس سے گزریں۔ وہ اپنی چادر ان کے پکڑنے کو پھیلانے لگے تاکہ زیادہ مالدار ہو جائیں۔ ارشاد ہوا کہ اے ایوب کیا تیرا پیٹ نہیں بھرا۔ عرض کیا اے پروردگار تیرے فضل سے کس کا پیٹ بھرتا ہے۔ غرضیکہ مال جمع کرنا ایک ایسا امر ہے جو طبیعتوں میں رکھا گیا ہے جب اس سے مقصود خیر ہو تو وہ بھی خیر محض ہو گا۔ محاسبی کا جو کچھ اس بارے میں کلام ہے وہ سراسر خطا ہے جو شریعت سے واقف نہ ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ محاسبی کا یہ قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اور رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو مال جمع کرنے سے منع فرمایا ہے۔ دروغ محض ہے بلکہ اس بات سے منع فرمایا ہے کہ مال جمع کرنے سے برا مقصود ہو یا ناجائز طریقے سے جمع کیا جائے اور کعبہؓ ابوذرؓ کی جو حدیث نقل کی ہے بالکل جھوٹ اور جاہلوں کی بنائی ہوئی ہے۔ چونکہ محاسبی سے اس حدیث کی صحت مخفی رہی لہذا اس کو مان بیٹھے۔ اس کے بعض الفاظ روایت بھی کئے گئے ہیں۔ گو کہ اس کا طریقہ کوئی ثابت نہیں ہوتا۔

مالک بن عبد اللہؓ زیادتی نے ابوذرؓ سے روایت کی کہ وہ حضرت عثمانؓ کے مکان پر آئے اور اندر آنے کی اجازت لی۔ حضرت عثمانؓ نے اجازت دے دی۔ اس

وقت ان کے ہاتھ میں لاٹھی تھی۔ اتنے میں حضرت عثمانؓ نے کعبؓ سے پوچھا کہ اے کعبؓ عبدالرحمن انتقال کر گئے اور مال چھوڑ گئے تمہاری اس میں کیا رائے ہے۔ کعبؓ بولے اگر اس مال میں سے اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرتے رہے تو کچھ ڈر نہیں۔ یہ سن کر ابوذرؓ نے اپنی لاٹھی اٹھائی۔ اور کعبؓ کے ماری۔ اور کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے فرماتے تھے کہ یہ احد کا پہاڑ اگر میرے لئے سوانن جائے میں اس کو خدا کی راہ میں صرف کروں اور وہ میری خیرات مقبول ہو جائے تو جب بھی میں پسند نہیں کرتا کہ اس میں سے چھ اوقیہ کے برابر چھوڑ کر وفات پاؤں۔ یہ کہہ کر ابوذرؓ نے تین بار کہا کہ اے عثمانؓ میں تم کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ تم نے یہ حدیث سنی ہے۔ حضرت عثمانؓ نے جواب دیا کہ ہاں۔ مصنفؒ نے کہا یہ حدیث ثابت نہیں اس کے راویوں میں ابن لہیعہ مطعون ہے۔ یحییٰ کہتے ہیں کہ ابن لہیعہ کی حدیث قابل حجت نہیں اور تاریخ سے صحیح طور پر ثابت ہے کہ ابوذرؓ نے سن پچیس ہجری میں انتقال کیا۔ اور عبدالرحمنؓ نے سن ہتیس ہجری میں رحلت کی۔ لہذا عبدالرحمنؓ بعد ابوذرؓ کے سات برس زندہ رہے علاوہ ازیں اس حدیث کے الفاظ دلالت کرتے ہیں کہ موضوع ہے۔ پھر کیونکر صحابہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم کو عبدالرحمنؓ پر خوف ہے کیا بالاجماع ثابت نہیں کہ حلال طریقہ سے مال جمع کرنا مباح ہے۔ باوجود مباح ہونے کے خوف کی کیا وجہ ہے۔ کیا شریعت ایسا بھی کرتی ہے کہ کسی چیز کی اجازت دے اور پھر اس پر عذاب کرے۔ یہ سب نا سمجھی اور کم علمی کی باتیں ہیں۔ پھر یہ دیکھنا چاہیے کہ عبدالرحمنؓ پر ابوذرؓ انکار کرتے ہیں۔ حالانکہ ابوذرؓ سے عبدالرحمنؓ افضل ہیں اس لئے وہ ایسے معروف نہیں۔ پھر ان کا ایک اکیلے عبدالرحمنؓ کے پیچھے بڑا جانا دلالت کرتا ہے کہ انہوں نے صحابہ کا رویہ اختیار نہیں کیا۔

طرح رضی اللہ عنہ اپنے بعد تین سو بہار چھوڑ گئے۔ ہر بہار میں تین تین قطار تھے۔ بہار بوجھ کو کہتے ہیں (جو تین سو رطل کا ہوتا ہے۔ اور ایک قطار ایک ہزار دو سو اوقیہ کا ہوتا ہے) زہیرؒ کا پانچ کروڑ دو لاکھ کا تھا۔ ابن مسعودؓ نے نوے ہزار چھوڑ کر انتقال کیا۔ اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم نے مال حاصل کیا اور چھوڑ گئے کسی نے ان پر اعتراض نہیں کیا۔ محاسبی کا یہ قول کہ عبدالرحمنؓ قیامت کے دن گھٹنوں کے بل چلیں گے اس امر کی دلیل ہے کہ وہ حدیث نہیں جانتے کیونکہ یہ واقعہ خواب کا تھا۔ ہمدانی میں ایسا نہیں فرمایا۔ اور خدا کی پناہ جب عبدالرحمنؓ ایسے صحابی قیامت میں گھٹنوں کے بل چلیں گے تو پھر دوڑ کر کون جائے گا حالانکہ عبدالرحمنؓ ان دس صحابہ میں سے ہیں جن کے

لئے زندگی میں جنت کی شہادت دے دی گئی اور اہل بدر اور اہل شوری میں سے ہیں۔ پھر حدیث جو محاسبی نے روایت کی وہ بروایت عمارہ بن زاذان ہے۔ اور بخاری کہتے ہیں کہ اکثر اوقات زاذان کی حدیث مضطرب ہوتی ہے۔ احمد نے کہا زاذان حضرت انسؓ سے منکر حدیثیں روایت کرتے ہیں۔ ابو حاتم رازی نے کہا کہ زاذان قابلِ حجت نہیں۔ دارقطنی نے کہا زاذان ضعیف ہیں۔

انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک بار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے گھر میں بیٹھی تھیں۔ یکایک کچھ آواز سنی۔ پوچھا یہ کیا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ عبدالرحمن بن عوف کا قافلہ ہے شام سے آیا ہے جو ہر قسم کا اسباب تجارت لایا ہے۔ انسؓ کہتے ہیں کہ سات سوانٹ تھے۔ تمام مدینہ آواز سے گونج اٹھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے فرماتے تھے کہ میں نے عبدالرحمن بن عوف کو خواب میں دیکھا ہے کہ جنت میں گھٹنوں کے بل چل کر داخل ہوتے ہیں۔ یہ خبر عبدالرحمن کو ملی کہنے لگے کہ اگر مجھ سے ہو سکا تو بہشت میں کھڑا ہو کر داخل ہوں گا۔ یہ کہہ کر وہ تمام اونٹ مع ان کے پالانوں کے اور اسباب کے خدا کی راہ میں دے دیئے۔

محاسبی کا یہ قول کہ مالِ حلال کا چھوڑ دینا اس کے جمع کرنے سے افضل ہے غلط ہے۔ ایسا ہر گز نہیں بلکہ جب قصدِ صحیح ہو تو علماء کے نزدیک بلا خلاف جمع کرنا افضل ہے اور یہ حدیث جو رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہے کہ جو شخص دنیا کی فوت شدہ چیز پر افسوس کرے گا، محض دروغ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے کبھی ایسا نہیں فرمایا اور محاسبی کا یہ مقولہ کہ دنیا میں حلال کہاں رہا ہے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ آخر پھر ٹھیک طور پر حلال کیا چیز ہے۔ رسول اللہ ﷺ تو فرماتے ہیں کہ حلال بھی ظاہر ہے اور حرام بھی ظاہر ہے کہا حلال سے آپ کی مراد یہ ہے کہ معدن سے کوئی دھنہ مل جائے جس میں کچھ شک و شبہ نہ ہو۔ حالانکہ یہ امر بہت دور کی بات ہے اور ہم سے اس کی باز پرس ہو گی۔ بلکہ اگر مسلمان کوئی چیز یہودی کے ہاتھ پہنچ ڈالے تو قیمت بلاشبہ حلال ہوگی۔ یہی فتویٰ فقہاء کا ہے مجھ کو تعجب اس امر کا ہے کہ ابو حامد نے سکوت کیا۔ بلکہ محاسبی کے قول کی تائید کی۔ وہ کیونکر کہتے ہیں کہ گو مال نیک کاموں میں صرف کیا جائے پھر بھی اس کا نہ ہونا ہونے سے افضل ہے اگر ابو حامد اس کے برخلاف اجماع ہونے کا دعویٰ کریں درست ہے۔ لیکن صواب ان کے فتوے کے خلاف ہے۔

محاسبی کا یہ قول ہے کہ مرید کو چاہیے کہ اپنے مال سے جدا ہو جائے اس بارے میں ہم بیان کر چکے کہ اگر مال حرام یا مشتبہ ہو یا انسان تھوڑے مال پر یا اپنے کسب پر قناعت کر سکے تو اس کو جائز ہے کہ اپنے مال سے علیحدہ ہو جائے۔ ورنہ کوئی اس کی وجہ نہیں باقی رہا ثقلہ کا قصہ، تو اس کو مال نے ضرر نہیں پہنچایا بلکہ مال پر حائل کرنا اس کے لئے مضر ہوا۔ اور رہے انبیاء علیہم السلام ان کا یہ حال تھا کہ حضرت ابراہیم و شعیب وغیرہ کے پاس مال اور کھیتیاں تھیں۔ سعید بن مسیب کہا کرتے تھے کہ جو شخص مال نہیں پیدا کر تا وہ خیر پر نہیں۔ مال سے قرض ادا کرے، اپنی آبرو بچائے۔ اگر مر جائے تو اپنے بعد والوں کے لئے میراث چھوڑ جائے۔ ابن مسیب چار سو دینار ترکہ چھوڑ کر گئے تھے۔ اور صحابہؓ نے جو ترکہ چھوڑا ہے وہ ہم ذکر کر چکے۔ سفیان ثوری نے دو سو ترکہ میں چھوڑے اور کہا کرتے تھے کہ اس زمانہ میں مال ایک ہتھیار ہے۔ سلف ہمیشہ مال کی تعریف کرتے رہے اور زمانے کی آفتوں اور محتاجوں کی اعانت کے لئے مال جمع کرتے رہے۔ ہاں البتہ ان میں سے بعض نے اس لئے مال سے علیحدگی اختیار کی کہ عبادات میں مشغول رہیں اور دلجمعی حاصل رہے۔ لہذا تھوڑے پر قناعت کی۔ اگر حارث محاسبی یوں کہتے کہ تھوڑا مال رکھنا بہتر ہے تو ایک بات تھی، مگر وہ تو اس کو گناہ کا مرتبہ قرار دیتے تھے۔

فصل :- جاننا چاہیے کہ محتاجی ایک مرض ہے جو اس میں مبتلا ہو اور صبر کیا اس کو اس صبر کا ثواب ملے گا۔ اسی لئے محتاج لوگ امیروں سے پانچ سو برس پیشتر جنت میں داخل ہوں گے۔ کیونکہ وہ بلا پر صابر رہے۔ اور مال ایک نعمت کے لئے شکر ضروری ہے مالدار جب کہ محنت اٹھاتا ہے اور اپنے آپ کو نیک کام میں ڈالتا ہے، ممزله مفتی اور مجاہد کے ہے اور محتاج ایسا ہے جیسے کوئی شخص ایک گوشے میں الگ بیٹھتا ہے۔ ابو عبد الرحمن سلمیٰ نے کتاب سنن الصوفیہ میں ایک باب باندھا ہے۔ جس میں ذکر کیا ہے کہ فقیر کے لئے کچھ چھوڑ کر نا کر وہ ہے۔ اور وہ حدیث لکھی ہے کہ اہل صفہ میں سے ایک صحابی نے دو دینار چھوڑ کر انتقال کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جہنم کے دوداغ ہیں۔ مصنف نے کہا کہ اس حدیث سے حجت لانا اس شخص کا کام ہے جو حقیقت حال نہیں سمجھتا کیونکہ یہ صحابی جو انتقال کر گئے تھے۔ ان کا یہ کام تھا کہ صدقہ لینے میں فقیروں سے مزاحمت کیا کرتے تھے اور جو اپنے پاس تھا اسے رکھ چھوڑا۔ لہذا یہ

فرمایا کہ دوداغ ہیں۔ اور اگر نفس مال ہی چھوڑ کر نامکروہ ہوتا تو آنحضرت ﷺ سعد سے نہ فرماتے کہ تمہارے لئے اپنے وارثوں کو خوشحال چھوڑ جانا اس سے بہتر ہے کہ ان کو ایسی حالت میں چھوڑ جاؤ کہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں۔ نیز صحابہ رضی اللہ عنہم سے کوئی اپنے بعد کچھ نہ چھوڑ جاتا۔ عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے صدقہ کی ترغیب دی۔ میں اپنا آدھا مال لے آیا۔ آپ نے فرمایا اے عمر رضی اللہ عنہ بال بچوں کے لئے کس قدر باقی رکھا۔ میں نے عرض کیا جس قدر لایا ہوں اتنا چھوڑ آیا ہوں۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرؓ سے انکار نہیں فرمایا۔ ابن جریر طبریؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں دلیل ہے اس قول کے باطل ہونے پر جو جاہل صوفیہ کہتے ہیں کہ انسان کو نہ چاہیے کہ کل کے لئے آج کچھ شے ذخیرہ رکھے اور کہتے ہیں کہ ایسا کرنے والا پروردگار کے ساتھ سوء ظن رکھتا ہے اور اس پر کماحقہ توکل نہیں کرتا۔ ابن جریر نے کہا کہ اسی لئے رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمانا کہ تم بحریاں پالو کیونکہ ان میں برکت ہے۔ ولالت کرتا ہے اس قول کے فاسد ہونے پر جو بعض صوفیہ کا خیال ہے کہ جو بندہ اپنے رب پر توکل رکھتا ہے اس کے لئے یہی بات شایان ہے کہ صبح و شام میں کسی وقت کچھ مال اور روپیہ اس کے پاس نہ ہو۔ کیا تم نہیں جانتے کہ رسول اللہ ﷺ کس طرح اپنی ازواج مطہرات کے لئے سال بھر کا رزق ذخیرہ رکھتے تھے۔

فصل :- کچھ لوگ ہیں جو اپنے پاک مالوں سے علیحدہ ہو گئے۔ اور پھر صدقات جو لوگوں کا میل کچیل ہے طلب کرنے لگے اور ان میں پڑ گئے۔ کیونکہ انسان کی حاجت منقطع نہیں ہوتی۔ اور عاقل آدمی آئندہ کے لئے سامان کیا کرتا ہے۔ اور ابندائے زہد میں اپنا مال جو علیحدہ کر ڈالتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص مکے کے راستے میں پانی سے سیراب ہو گیا لہذا جو پانی اپنے ہمراہ لایا تھا اس کو پھینک دیا۔

جابر بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ ابو حصین سلمیٰ اپنی معدن میں سے کچھ سونا نکال لائے۔ اس سے اپنا قرضہ ادا کیا۔ جس میں سے کبوتر کے انڈے کے برابر بچ رہا۔ اس کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس کو جہاں مصلحت خیال فرمائیے کام میں لائیے۔ راوی نے کہا کہ ابو حصین داہنی جانب سے آئے آپ نے منہ موڑ لیا پھر بائیں طرف سے آئے آپ نے منہ موڑ لیا۔ پھر سامنے سے حاضر ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے سر مبارک جھک لیا۔ جب انہوں نے

آپ کو بہت تنگ کیا تو آپ نے وہ سونا ان کے ہاتھ سے چھین کر ان کے کھینچ مارا کہ اگر لگ جاتا تو ان کی آنکھ پھوٹ جاتی۔ پھر رسول اللہ ﷺ ان کی طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے کہ تم میں سے بعض کی یہ حالت ہے کہ اپنا سارا مال خیرات کر ڈالتے ہیں پھر بیٹھ کر لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے ہیں۔ دیکھو صدقہ تو بعد فارغ البالی کے ہوا کرتا ہے۔ اور پہلے اپنے اہل و عیال کو دینا چاہیے ابو داؤد نے اس حدیث کو بروایت محمود بن لبید اپنے سنن میں ذکر کیا ہے کہ جابر بن عبد اللہ نے کہا ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں تھے اتنے میں ایک آدمی اٹھ کے برابر سونا لے کر آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھ کو یہ سونا اپنے قبیلہ کی معدن سے ملا ہے۔ اس کو صدقہ کرتا ہوں اور میرے پاس اس کے سوا کوئی مال نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ سن کر منہ پھیر لیا۔ پھر وہ شخص داہنی جانب سے آیا۔ آپ نے اعراض فرمایا۔ پھر بائیں طرف سے سامنے آیا تو آپ نے اس سے وہ سونے کا ٹکڑا لے کر اس کو پھینک مارا۔ اگر اس کے لگ جاتا تو آزار پہنچاتا۔ یا کوئی عضو بے کار ہو جاتا پھر فرمایا تم لوگوں میں سے بعض کا قاعدہ ہے کہ جو کچھ ان کے پاس ہوتا ہے سب کا سب لے آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ صدقہ ہے۔ پھر محتاج ہو کر بیٹھ جاتے ہیں۔ اور لوگوں کے سامنے بھیک مانگنے کو ہاتھ پھیلاتے ہیں۔ دیکھو بہتر صدقہ وہ ہے جو اپنی فارغ البالی کے بعد ہو۔ ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ آپ نے اس شخص سے فرمایا اپنا مال ہمارے سامنے سے لے جاؤ۔ ہم کو اس کی کوئی حاجت نہیں، ابو داؤد نے حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت کیا کہ ایک آدمی مسجد میں داخل ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں سے فرمایا کہ کچھ کپڑے خیرات کریں لوگوں نے کچھ کپڑے خیرات کر دیئے۔ ان کپڑوں میں سے آپ نے دو اس آدمی کو عنایت فرمائے، پھر سب کو صدقہ کی ترغیب دی۔ اس آدمی نے بھی دونوں سے ایک کپڑا اتار کر صدقہ میں ڈالا۔ آپ نے بہ آواز بلند فرمایا کہ تو اپنا کپڑا لے لے۔

مصنفؒ نے کہا میں نے خود ابو الوفاء عقیل کے ہاتھ کا لکھا ہوا دیکھا کہ ابن شہاذان کہتے تھے۔ صوفیہ کی ایک جماعت شبلی کے پاس گئی۔ شبلی نے ایک تو نگر آدمی کے پاس کسی کو بھیجا کہ ان کے کھانے کے لئے کچھ ان سے مانگ لائے۔ اس تو نگر نے قاصد کو واپس کیا اور کہلا بھیجا کہ اے ابو بکر تم تو خدا کے عارف ہو اسی سے کیوں نہیں مانگ لیتے۔ شبلی نے قاصد سے کہا کہ اس سے جا کر کہو کہ دنیا ایک سفلہ (بری) چیز ہے۔ اس کو تجھ ایسے سفلہ سے طلب کرتا ہوں اور حق سے تو حق ہی کا طالب ہوں۔ یہ

سن کر اس نے سودینار بھیج دیئے۔ ابن عقیل کہتے ہیں کہ اگر شروع ہی میں اس کلام فہج سے پیشتر وہ تو نگر سودینار دے ڈالتا تو کچھ نہ تھا۔ لیکن اب تو شبلی نے ناپاک رزق کھایا اور اپنے مہمانوں کو کھلایا۔

فصل :- بعض صوفیہ کے پاس کچھ سرمایہ نہ تھا انہوں نے سب خیرات کر ڈالا۔ اور کہنے لگے ہم اپنے آپ کو صرف خدا کے حوالے کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ کم فہمی ہے۔ کیونکہ یہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ اسباب سے قطع تعلق کرنا اور مال کو علیحدہ کرنا عین توکل ہے فزار نے ہم سے کہا کہ مجھ سے خطیب نے بیان کیا کہ مجھ کو ابو نعیم حافظ نے خبر دی کہ مجھ سے جعفر خلدی نے اپنی کتاب سے روایت کی ہے کہ میں نے جنید سے سنا وہ کہتے تھے کہ میں ایک بار ابو یعقوب زیات کے دروازے پر ان کے اصحاب کی جماعت میں جا کھڑا ہوا وہ بولے کہ تم لوگوں کو خدا تعالیٰ کے ساتھ ایسا شغل کیوں نہیں جو تم کو میرے پاس آنے سے باز رکھے۔ میں نے جواب دیا کہ جب ہمارا آپ کے پاس آنا گویا خدا کے ساتھ شغل ہے تو خدا سے ہم نے قطع تعلق کہاں کیا۔ اس کے بعد میں نے ان سے توکل کے بارے میں ایک مسئلہ دریافت کیا۔ انہوں نے پہلے ایک درہم نکالا۔ جو ان کے پاس تھا پھر مجھ کو جواب دیا اور کہا حقہ توکل کا بیان کیا۔ پھر بولے کہ مجھ کو حیا آئی اس بارے میں کہ تم کو جواب دوں اور میرے پاس کچھ مال ہو۔

مصنفؒ نے کہا کہ اگر یہ لوگ توکل کے معنی سمجھتے کہ توکل کہتے ہیں خدا تعالیٰ پر دل کے وثوق رکھنے کو نہ اس کو کہ مال علیحدہ کر دیا جائے تو ایسا نہ کہتے مگر کیا کریں ان کی سمجھ ہی کم ہے بڑے بڑے صحابہؓ و تابعینؓ ذخیرہ رکھا کرتے تھے۔ اور مال جمع کیا کرتے تھے۔ ان میں سے کسی نے ایسا نہیں کیا۔ ابو بحر صدیق رضی اللہ عنہ کی نسبت ہم روایت کر چکے کہ جب خلیفہ ہوئے۔ اور خلافت کے کاروبار کی وجہ سے اپنا کسب چھوڑ دیا تو فرمانے لگے کہ پھر میں اپنے بال بچوں کو کہاں سے کھلاؤں۔ حالانکہ یہ قول صوفیہ کے نزدیک منکر ہے اور اس طرح کہنے والے کو توکل سے خارج کر دیتے ہیں اور اسی طرح اس شخص پر بھی انکار کرتے ہیں جو یوں کہے کہ فلاں کھانا مجھ کو نقصان پہنچائے گا۔ اس بارے میں ابو طالب رازی سے ایک حکایت نقل کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ میں اپنے اصحاب کے ساتھ ایک مقام پر ٹھہرا۔ وہاں کے لوگ دودھ لے کر آئے اور مجھ سے کہنے لگے کہ یہ دودھ پی لو۔ میں نے کہا کہ میں دودھ نہیں پیوں گا۔

کیونکہ دودھ مجھ کو نقصان پہنچاتا ہے۔ اس واقعہ کو چالیس برس کا زمانہ گزر گیا۔ ایک روز میں نے مقام ابراہیم کے پیچھے نماز پڑھی اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ اور عرض کیا کہ خداوند تو جانتا ہے کہ میں نے کسی لمحہ میں تیرے ساتھ شریک نہیں کیا۔ یکایک میں نے سنا کہ ایک ہاتف مجھ کو آواز دیتا ہے کہ بھلا دودھ والے روز بھی شریک نہیں کیا۔ مصنفؒ نے کہا خدا جانے یہ حکایت کہاں تک صحیح ہے۔ جاننا چاہیے کہ جو شخص یوں کہتا ہے کہ فلاں چیز مجھ کو ضرر پہنچاتی ہے تو اس کی مراد یہ نہیں ہوتی کہ خود وہ چیز ضرر کی قائل ہے بلکہ صرف یہ معنی ہوتے ہیں کہ وہ چیز ضرر کا سبب ہے جیسا کہ حضرت خلیلؑ نے کہا انھن اضللن كثيرا من الناس یعنی ان بتوں نے بہت آدمیوں کو گمراہ کر دیا۔ اور صحیح طور پر رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا مجھ کو کسی مال نے ابو بکرؓ کے مال کے مانند نفع نہیں دیا۔ آنحضرت ﷺ کا یہ فرمانا کہ نفع نہیں دیا اسی قول کا مقابل ہے کہ نقصان نہیں پہنچایا۔ اور صحیح طور پر وارد ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ کو خیر کے زہر آلود لقمہ کا اثر ہمیشہ مدت معینہ کے بعد اثر دکھاتا رہا حتیٰ کہ اب میرے دل کی رگیں کاٹ ڈالیں یہ امر ثابت ہو چکا ہے کہ نبوت کے رتبہ سے بڑھ کر کوئی رتبہ کامل اور پورا نہیں۔ اور آنحضرت ﷺ نے نفع کو مال کی طرف اور ضرر کو کھانے کی جانب منسوب فرمایا۔ کشتی کرنا شریعت پر دست درازی ہے۔ لہذا جو شخص اس قسم سے بے ہودہ بچے اس کے ہدیان کی طرف توجہ نہ کی جائے گی۔

فصل :- مصنفؒ نے کہا کہ ہم ذکر کر چکے کہ اوائل صوفیہ اپنے مال سے بوجہ زہد و ورع کے علیحدہ ہو جایا کرتے تھے۔ اور یہ بھی بیان کر چکے کہ ان بزرگوں کا مقصود خیر تھا۔ لیکن اپنی اس حرکت میں غلطی پر ضرور تھے۔ چنانچہ ان کی مخالفت میں ہم شرع و عقل کا تذکرہ لا چکے۔ باقی رہے متاخرین صوفیہ و دنیا اور مال جمع کرنے کی طرف مائل ہیں۔ خواہ کسی صورت سے ہو وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ راحت کو اختیار کئے ہوئے ہیں اور شہوت سے محبت رکھتے ہیں۔ ان میں بعض ایسے ہیں جو کسب پر قادر ہیں۔ اور عمل میں نہیں لاتے۔ رباط یا مسجد میں بیٹھ کر لوگوں کی خیرات پر بھروسہ کرتے ہیں۔ اور ان کا دل ہر وقت اس بات پر لگا رہتا ہے کہ کوئی آدمی آکر دروازہ کھٹکھٹائے خوب معلوم ہے کہ مرد غنی اور پوری قوت والے کے لئے صدقہ لینا جائز نہیں۔ اور یہ لوگ کچھ پرواہ نہیں کرتے خواہ کوئی صدقہ بھجے۔ اکثر اوقات ظلم کرنے

والے چوگی لینے والے صدقہ بھیجتے ہیں تو اس کو رد نہیں کرتے اور اس بارے میں باہم کچھ کلمات مقرر کئے ہیں۔ ایک یہ ہے کہ اس کا نام فتوح رکھا ہے دوسرے یہ کہ خدا کی طرف سے ہے۔ لہذا خدا کا عطیہ رد نہیں کیا جاسکتا۔ اور اس کے سوا کسی کا شکر نہ کرنا چاہیے۔ حالانکہ یہ سب باتیں خلاف شریعت اور جمالت کی ہیں۔ اور حلال بھی ظاہر ہے۔ اور حرام بھی ظاہر ہے۔ ان دونوں کے درمیان مشتبہات ہیں۔ جس نے ان کو چھوڑا اس نے اپنا دین پاک کیا۔ ابو بکر صدیقؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مشتبہ چیز کے کھانے سے منع فرمایا۔ صالحین کا قاعدہ تھا کہ ظلم اور مشتبہ مال والے کا ہدیہ قبول نہ کرتے تھے اکثر سلف کا یہ حال تھا کہ عفت اور طہارت کے خیال سے اپنے بھائیوں کے صلہ نہ قبول فرماتے تھے۔ ابو بکر مروزی نے کہا میں نے ابو عبد اللہ سے ایک محدث کا تذکرہ کیا۔ سن کر بولے کہ خدا ان پر رحم کرے اگر ایک عادت ان میں نہ ہوتی تو کیا خوب آدمی تھے۔ یہ کہہ کر خاموش رہو رہے۔ پھر کہنے لگے کہ تمام خصلتوں کو انسان کامل طور پر حاصل نہیں کر سکتا۔ میں نے ان سے کہا کیا وہ محدث صاحب سنت پر نہیں۔ جواب دیا کہ اپنی جان کی قسم میں نے خود ان سے حدیث لکھی ہے۔ لیکن ایک عادت ان میں یہ تھی کہ کچھ پرواہ نہ کرتے تھے۔ جس سے چاہتے تھے لے لیتے تھے۔

مصنفؒ نے کہا ہم نے سنا ہے کہ کوئی صوفی کسی امیر کے پاس گیا جو ظالم تھا۔ اس کو نصیحت کی۔ اس نے کچھ دیا۔ صوفی نے لے لیا۔ امیر کہنے لگا کہ ہم سب لوگ شکاری ہیں۔ مگر جال مختلف ہیں۔ علاوہ اس بیان مذکورہ کے ہم کہتے ہیں کہ دنیا کے واسطے ذلت اٹھانے سے ان لوگوں کی غیرت کہاں جاتی رہی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے۔ اوپر کے ہاتھ سے مراد دینے والا ہاتھ ہے۔ علماء نے اس کے یہی معنی بیان کئے ہیں۔ اور یہی تفسیر حقیقی ہے۔ بعض صوفیہ نے اس کی تاویل کی ہے کہ اوپر کا ہاتھ لینے والا ہے۔ ان قیمیہ نے کہا یہ تاویل میرے نزدیک فقط ان لوگوں کی ہے جو بھیک مانگنے کو عمدہ جانتے ہیں لہذا وہ دون بہمتی کے محتاج ہیں۔

فصل :- مصنفؒ نے کہا اوائل صوفیہ مال کے حاصل ہونے پر غور کیا کرتے تھے کہ کس صورت سے آتا ہے اور اپنے کھانے کی تفیش کیا کرتے تھے۔ احمد بن حنبلؒ سے کسی نے سری سقطی کی نسبت سوال کیا جواب دیا کہ وہ بزرگ طیب المطمع یعنی

پاک حلال کھانے والے مشہور ہیں۔ سری کہتے ہیں ایک مرتبہ جہاد میں میر اور ایک جماعت کا ساتھ ہوا ہم نے کراہیہ پر ایک مکان لیا اس میں میں نے ایک تنور لگایا۔ وہ لوگ ورع کے خیال سے اس تنور کی روٹی نہ کھاتے تھے۔ صوفیہ حال کے زمانے والے جو نظر آتے ہیں انہوں نے نیا شیوہ اختیار کر رکھا ہے۔ کچھ پرواہ نہیں کرتے کہ کہاں سے مال حاصل کیا ہے۔ یہ امر تعجب خیز ہے۔ میں خود ایک بار ایک رباط میں داخل ہوا۔ وہاں کے شیخ کو دریافت کیا۔ معلوم ہوا کہ فلاں امیر کو خلعت ملنے کی مبارک باد دینے کے لئے اس کے پاس گئے ہیں۔ یہ امیر اہل کفر و ظلم سے تھا۔ میں نے سن کر کہاوائے ہو تم پر یہ تمہارے لئے کافی نہ ہو کہ دکان کھول رکھی ہے۔ اب امیروں کے پاس بھی جانے لگے۔ تاکہ وہاں مکر فروشی کریں۔ تم لوگ باوجود قدرت کے صدقوں اور ہدیوں پر تکیہ کر کے بیٹھ رہتے ہو۔ حتیٰ کہ ظالموں کے پاس مانگتے پھرتے ہو۔ اور ان کو اس پوشاک پر جو جائز نہیں اور اس حکومت پر جس میں انصاف نہیں مبارک باد دیتے ہو۔ خدا کی قسم تم اسلام کے لئے سب ضرر رساںوں سے بڑھ کر ضرر رساں ہو۔

فصل :- مصنفؒ نے کہا کہ شیوخ میں سے ایک جماعت کا یہ حال ہے کہ مال مشتبہ جمع کرتے ہیں۔ پھر اس جماعت کی قسمیں ہیں۔ بعض تو باوجود کثرت مال کے اور جمع کرنے کی حرص کے زہد کا دعویٰ کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ دعویٰ ظاہری حالت کے خلاف ہوتا ہے۔ اور بعض باوجود جمع کرنے کے فقر و افلاس کا اظہار کرتے ہیں۔ اور اکثر یہ لوگ زکوٰۃ کا مال لے کر فقیروں کا حق مارتے ہیں۔ حالانکہ زکوٰۃ لینا ان کو جائز نہیں۔ ابو الحسن بسطامی جو ابن ملحیان کی رباط کے شیخ تھے صوف پہنا کرتے تھے۔ لوگ دور سے ان کے ملنے کو آتے اور ان سے برکت لیتے تھے جب انتقال کیا تو چار ہزار دینار چھوڑ مرے۔ مصنفؒ نے کہا یہ نہایت قبیح بات ہے۔ صحیح طور پر مروی ہے کہ اہل صفہ میں سے ایک شخص نے انتقال کیا اور دو دینار چھوڑے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جہنم کے دوداغ ہیں۔

لباس کے بارے میں صوفیہ پر تلبیس ابلیس کا بیان

مصنفؒ نے کہا اوائل صوفیہ نے جب سنا کہ رسول اللہ ﷺ لباس مبارک میں پیوند لگایا کرتے تھے۔ اور عائشہؓ سے آپ نے فرمایا جب تک پیوند نہ لگایا کرو کپڑا جدا

نہ کیا کرو۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لباس میں پیوند لگے تھے اور اولیس قرنی ملبہ کے ڈھیر پر سے پیوند چنا کرتے تھے۔ ان کورات میں دھوتے پھری کر پہنتے تھے۔ لہذا ان لوگوں نے پیوند لگے لباس اختیار کئے۔ حالانکہ اپنے قیاس کرنے میں یہ لوگ بہت دور جا پڑے کیونکہ رسول اللہ ﷺ اور اصحاب رضی اللہ عنہم پھٹے پرانے حال میں رہنا پسند فرماتے تھے۔ اور بوجہ زہد و تقویٰ کے دنیا کی زینت سے منہ موڑتے تھے۔ اور اکثر بزرگوار تو محتاجی کے سبب سے ایسا کرتے تھے۔ چنانچہ مسلمہ بن عبد الملک سے مروی ہے۔ کہ وہ عمر بن عبد العزیزؒ کے پاس گئے دیکھا تو ایک میلا کرتا پہنے ہوئے ہیں۔ ان کی بی بی فاطمہ سے کہا کہ امیر المومنین کا کرتا دھو ڈالو۔ وہ بولیں کہ خدا کی قسم ان کے پاس بجز اس ایک کرتے کے کوئی اور کرتا نہیں۔ لیکن جب یہ فقر کی نیت اور خستہ حالی کے ارادے سے نہ ہو تو اس کے کوئی معنی نہیں۔

فصل :- مصنف نے کہا ہمارے زمانے کے صوفیہ کی تو یہ حالت ہے کہ دو یا تین کپڑے مختلف رنگ کے لے لیتے ہیں اور ان کو پھاڑ کر جوڑتے ہیں۔ لہذا ان کے لباس میں دو وصف جمع ہو جاتے، شہوت بھی اور شہرت بھی۔ کیونکہ ایسے پیوند لگے لباس کا پہننا اکثر مخلوق کے نزدیک دیباچ سے بھی مرغوب تر ہے۔ اور ایسے لباس والا مشہور ہو جاتا ہے کہ زاہدوں میں سے ہے۔ بھلا کیا تم ان لوگوں کو دیکھتے ہو کہ پیوند لگے کپڑے پہن کر سلف کے مانند ہو جاتے ہیں یہ محض ان کا خیال ہے۔ کیونکہ شیطان نے ان کو فریب دیا ہے اور ان کے کانوں میں پھونک دیا ہے کہ تم صوفیہ ہو۔ اس لئے کہ صوفیہ پیوند لگا لباس پہنا کرتے تھے اور تم بھی وہی پہنتے ہو۔ یہ کم سخت اتنا نہیں جانتے کہ تصوف صورتا نہیں ہو تا بلکہ معنی ہوتا ہے۔ اور اتلونہ صورتا تصوف سے نسبت ہے نہ معنی۔ صورتا تو اس لئے نہیں کہ متقدمین ضرورتا پیوند لگاتے تھے اور پیوند لگے لباس ہے زینت نہ چاہتے تھے اور معنی اس لئے نہیں کہ وہ بزرگوار اہل ریاضت و اہل زہد تھے۔

فصل :- مصنف نے کہا کہ اسی قوم مذموم میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو کپڑوں کے نیچے صوف پہنتے ہیں اور اس کی آستین ظاہر کر دیتے ہیں۔ تاکہ اپنا لباس لوگوں کو دکھائیں ایسے لوگ رات کے چور ہیں۔ بعض وہ ہیں جو نرم کپڑے زیب تن کرتے ہیں پھر ان کے اوپر سے صوف ڈالتے ہیں۔ یہ لوگ کھلم کھلا دن دھاڑے ڈاکہ مارتے ہیں۔ دوسرے صوفیہ ایسے آئے کہ صوفیوں سے مشابہ تو بننا چاہا۔ مگر پھٹے پرانے

حال سے رہنا ان پر گراں گزر۔ اور خوش عیشی پسند کی۔ اور یہ بھی ٹھیک نہ سمجھا کہ تصوف کی صورت سے علیحدہ ہو جائیں۔ تاکہ معاش کا سلسلہ بے کار نہ ہو جائے۔ لہذا انہوں نے اعلیٰ درجہ کا فوطہ یعنی سندی کپڑے کا کرتا اور عمامہ باندھا مگر وہ عمامہ بلا نقش و نگار یعنی سادہ رکھا۔ اب ایک شخص کا کرتا اور عمامہ پانچ ریشمی کپڑوں کی قیمت کا ہے۔ ایلین نے ان کو یہ بھی فریب دیا ہے کہ تم بذات خود صوفی ہو۔ اور مقصود ان کا صرف یہ ہے کہ تصوف کی رسمیں اور اہل دنیا کے ناز و نعمت دونوں حاصل ہو جائیں ان لوگوں کی علامت ایک یہ ہے کہ بوجہ کبر و نخوت کے امیروں سے دوستی رکھتے ہیں۔ اور فقیروں سے علیحدہ رہتے ہیں۔ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ اے بنی اسرائیل تم کو کیا ہو گیا ہے میرے پاس اس حال میں آتے ہو کہ لباس توراہیوں جیسا پہنتے ہو اور تمہارے دل پھاڑ کھانے والے بھیڑیوں ایسے ہیں۔ دیکھو لباس تو چاہے بادشاہوں جیسا پہنو۔ مگر خوف الہی سے اپنے دلوں کو نرم کرو۔

مالک بن دینار نے کہا کہ بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں کہ ادھر قاریوں سے ملتے ہیں تو ان کے ساتھ ایک حصہ لگاتے ہیں اور ادھر ظالموں اور اہل دنیا سے ملتے ہیں تو ان کے ساتھ ایک حصہ لیتے ہیں۔ پس تم لوگ خدا کے قاریوں میں سے ہو جاؤ۔ خدا تعالیٰ تم کو برکت دے۔ مالک بن دینار نے بھی کہا کہ تم ایسے زمانے میں ہو جو دورنگا ہے۔ تمہارے زمانے کو اہل بھرت ہی دیکھتا ہے۔ تم اس زمانے میں ہو جن لوگوں کا کبر و غرور بڑھ گیا ہے۔ اور ان کے مومنوں میں ان کی زبانیں سوچ گئی ہیں۔ لہذا وہ لوگ آخرت کے اعمال سے دنیا طلب کرتے ہیں۔ تم ان سے چھتے رہو۔ ایسا نہ ہو کہیں تم کو اپنے جال میں پھنسا لیں۔ نیز مالک سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک جوان آدمی کو دیکھا جو ہر وقت مسجد میں رہتا تھا۔ اس کے پاس جا بیٹھے اور کہنے لگے کیا تم چاہتے ہو کہ میں تمہارے بارے میں کسی چوگلی وصول کرنے والے حاکم سے گفتگو کروں۔ وہ تم کو کچھ دے دیا کرے اور تم ان کے ساتھ رہو۔ جواب دیا اے ابو یحییٰ جو آپ کا جی چاہے کیجئے۔ مالک نے ایک مٹھی خاک لی۔ اور اس کے سر پر ڈال دی۔ نیز مالک سے منقول ہے کہ وہ کہتے ہیں ایک جوان آدمی صوفی میرے پاس آیا کرتا تھا وہ اس بلا میں گرفتار ہوا کہ پل کی حکومت اس کو ملی۔ ایک بار وہ نماز پڑھ رہا تھا۔ دریا سے ایک کشتی گزری جس میں ایک بطخ تھی۔ اس کے اعوان و اصحاب پکارے کہ کشتی کو قریب کر تاکہ ہم عامل صاحب کے لئے ان کی بطخ پکڑ لیں۔ تو انہوں نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا یعنی دو بطخ لیں۔ راوی کہتا

ہے کہ مالکؒ اس حکایت کو نقل کر کے رو پڑتے تھے۔ اور ہم نشینوں کو ہنسایا کرتے تھے۔ محمد بن حنیف کہتے ہیں کہ میں نے رویم سے کہا مجھ کو کچھ وصیت کیجئے۔ جواب دیا کہ اصلی بات اپنی روح کا خدا کی راہ میں لگانا ہے۔ ورنہ صوفیہ کی چکنی چڑی باتوں میں مشغول نہ ہو ابو عبد الرحمن سلمیٰ نے کہا میں نے اپنے باپ سے سنا ہے کہتے تھے مجھ کو خبر ملی ہے کہ ایک آدمی نے شبلی سے آکریاں کیا کہ آپ کے اصحاب میں سے ایک جماعت یہاں اتری ہے جو جامع مسجد میں ٹھہری ہے۔ شبلی دیکھنے کو گئے دیکھا کہ مرتعے (پیوند الالباس) اور فوط پہنے ہوئے ہیں یہ دیکھ کر یہ شعر پڑھا:

اما الحیام فانھا کحیامہم

واری نساء الحی غیر نساءھا

(ترجمہ) خیمے تو ضرور ویسے ہی ہیں جیسے معشوقہ کے قبیلہ کے خیمے ہیں مگر دیکھتا ہوں کہ قبیلہ کی عورتیں ان عورتوں سے بالکل جدا ہیں۔

مصنفؒ نے کہا جانا چاہیے کہ ان صوفیوں کو متقدمین کے ساتھ تشبیہ دینے میں یہ کھوٹا پن کسی پر چھپا نہیں۔ سوائے بڑے ہی غبی و کند ذہن آدمی کے اور اہل عقل تو خوب جانتے ہیں کہ بھونڈے طریقے سے پردہ میں بات کہی ہے۔ اور یہ مضمون ایسا ہے جیسے کسی شاعر نے چند شعر کہے ہیں جن کا ترجمہ یہ ہے: ”میں نے طلبا کی نیل گایوں کو ان سے تشبیہ دی اگر تجھ میں رہی تو ساکن کے برابر نہیں ہے کیا غیر ناطق کو ناطق سے تشبیہ دی یا وحشی کو مانوس سے یا محبت والے کو دشمنی والے سے تشبیہ ہے۔ اس کو میں خوب جانتا ہوں مگر فقط مغالطہ دینے کے طور پر اپنے ساتھیوں سے پوچھا کہ یہ گھر کس کا ہے۔“

فصل :- مصنفؒ نے کہا میرے نزدیک فوط اور مرقعوں کا پہننا چار وجہ سے مکروہ ہے ایک تو یہ سلف کا یہ لباس نہیں۔ وہ بزرگ صرف ضرورتاً پیوند لگاتے تھے دوسرے اس لباس میں فقر و افلاس کا دعویٰ پایا جاتا ہے۔ حالانکہ انسانوں کو حکم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اظہار کرے تیسرے زہد و تقویٰ کا اظہار ہوتا ہے۔ حالانکہ ہم کو اس کے چھپانے کا حکم ہے۔ چوتھے ان لوگوں کی مشابہت پائی جاتی ہے جو شریعت سے دور ہیں۔ اور جو شخص کسی قوم سے مشابہت کرے گا وہ انہیں میں سے ہوگا۔ ان عمرؒ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص کسی قوم سے مشابہت رکھے گا وہ انہیں میں سے

ہے۔

ابو ذرؓ طاہر بن محمد نے بیان کیا کہ مجھ کو میرے باپ نے خبر دی کہ میں جب اپنے دوسرے سفر میں بغداد کو گیا وہاں شیخ ابو محمد عبد اللہ بن احمد عسکری کے پاس حدیث پڑھنے کے لئے حاضر ہوا وہ صوفیہ کے منکر تھے۔ میں ان سے پڑھنے لگا۔ مجھ سے بولے اے شیخ اگر تم ان جاہل صوفیوں میں سے ہوتے تو میں تم کو معذور رکھتا تم عالم آدمی ہو۔ رسول اللہ ﷺ کی حدیث میں مشغول ہو اور اس کی تلاش میں سعی کرتے ہو۔ میں نے جواب دیا اے شیخ میری کس بات پر آپ نے انکار کیا۔ بھلا دیکھوں تو سہی اگر شریعت میں اصل نکل آئی تو اس کو لازم پکڑ لوں گا۔ اور اگر شریعت میں کچھ اصل نہ ہوئی تو چھوڑ دوں گا۔ کہنے لگے یہ پیوند جو تمہارے مرقعے میں لگے ہیں۔ میں نے کہا اے شیخ حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک جبہ تھا جس میں گریبان اور آستین اور چوبغے دیباچ کے جوڑے گئے تھے۔ آپ کا انکار اس لئے واقع ہوا کہ یہ پیوند اس کپڑے کی جنس سے نہیں۔ اور دیباچ بھی جبہ مبارک کی جنس سے نہ تھا۔ لہذا ہم نے اس حدیث سے استدلال کیا کہ شریعت میں اس کی اصل ہے اور ایسا مرقع جائز ہے۔

مصنفؒ نے کہا کہ سکری کا انکار درست تھا۔ ان طاہر نے کم علمی سے ان پر رد کیا۔ کہ جوڑ لگی ہوئی آستینوں اور گریبان والے جبہ کو جو عادت کے طور پر پہنا جاتا ہے۔ ایسا خیال کیا کہ اس جبہ کے پہننے میں شہرت نہیں۔ لیکن یہ پیوند جو لگائے جاتے ہیں ان میں ظاہری شہرت اور زہد کے دعویٰ کی صورت پائی جاتی ہے اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ یہ لوگ اچھے خاصے کپڑے کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے پیوند مالتے ہیں۔ جو محض بلا ضرورت ہوتا ہے۔ اور بوجہ اس کے خوبصورت ہونے کے اپنی خواہش پوری کرتے ہیں۔ اور زہد کی شہرت بھی چاہتے ہیں۔ اس لئے یہ لباس مکروہ ہے جس کا تذکرہ خود مشائخ صوفیہ کی ایک جماعت نے کیا ہے۔ چنانچہ ہم بیان کر چکے۔

جعفر حذاء کہتے ہیں جب باطنی فوائد اس قوم نے گم کر دیئے تو ظاہری آرائش و نمائش میں پڑ گئے۔ قوم سے مراد فوط اور رنگے کپڑے پہننے والے ہیں۔ ثوری نے کہا کہ پیوند لگے لباس ایک زمانے میں موتی کے پردے تھے۔ اور اب تو مزیلوں کے مردار ہو گئے تھے۔ ان باکو یہ نے کہا مجھ کو ابو الحسن حطلی نے خبر دی کہ محمد بن علی نے پیوند لگے لباس والے لوگوں کو دیکھ کر کہا میرے بھائیو اگر تمہارے لباس

تمہارے باطن کے موافق ہیں تو تم نے لوگوں کو اپنے باطن پر مطلع کرنا پسند کیا اور اگر اس کے مخالف ہیں تو خداوند کعبہ کی قسم تم ہلاک ہو گئے۔ ابو عبد اللہ محمد بن عبد الحاق دینوری نے اپنے بعض اصحاب سے کہا تم جو آج کل کے صوفیہ کا ظاہری لباس دیکھتے ہو اس کو دیکھ کر خوش نہ ہونا۔ یہ لوگ جب اپنا باطن خراب کر چکے تو ظاہر کو آرائش دے رہے ہیں۔ ان عقل نے کہا میں ایک روز حمام میں گیا۔ ایک کھونٹی پر ایک پیوند لگا جبہ دیکھا جس میں فوط کے جوڑ لگے ہوئے تھے۔ میں نے حمائی سے پوچھا کہ یہ کھونٹی پر جبہ لڑگا ہے۔ اندر کون گیا ہے۔ اس نے مجھ سے ایک ایسے شخص کا تذکرہ کیا جو ہر طرف سے مال جمع کرنے کے لئے شہر در شہر گھومتا پھرتا ہے۔

مصنفؒ نے کہا صوفیہ میں بعض ایسے ہیں جو مرقع کو پیوند پر پیوند لگاتے رہتے ہیں یہاں تک کہ حد درجہ کا کثیف ہو جاتا ہے۔ ان حباب ابو الحسین جو لن الکربینی کی صحبت میں رہے ہیں کہتے ہیں کہ مجھ کو ابن الکربینی نے وصیت کی کہ میرا مرقع میرے بعد تم لینا۔ میں نے دیکھا تو وہ مرقع گیارہ رطل کا تھا۔ جعفر نے کہا اس وقت میں مرقعوں کا نام وزن سے لیا کرتے تھے۔

فصل:- صوفیہ نے قرار دیا ہے کہ یہ مرقع صرف شیخ ہی کے ہاتھ سے پہنا جاتا ہے اور اس کے لئے ایک اسناد متصل مقرر کی ہے جو سراسر کذب و دروغ ہے۔ محمد بن طاہر نے اپنی کتاب میں ایک باب باندھا ہے جس میں شیخ کے ہاتھ سے خرفہ پہننا سنت لکھا ہے اور اس کو سنت گردانا ہے۔ اور ام خالدؒ کی حدیث سے حجت پکڑی کیونکہ وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ام خالدؒ کو میرے پاس لاؤ۔ مجھ کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر کیا گیا۔ آپ نے اپنے دست مبارک سے مجھ کو وہ کرتی پہنائی اور فرمایا پہنو اور پھاڑو۔

مصنفؒ نے کہا رسول اللہ ﷺ نے ام خالدؒ کو فقط اس لئے پہنایا تھا کہ وہ اس وقت چار برس کی چچی تھیں۔ ان کے باپ خالد بن سعید بن العاص تھے اور مال ہمینہ بنت خلف تھیں۔ یہ دونوں حبشہ کو ہجرت کر گئے تھے۔ وہاں جا کر ام خالد پیدا ہوئیں ان کا نام امتہ تھا۔ جب حبشہ سے آئے تو رسول اللہ ﷺ نے ام خالد کو پیار کیا۔ کیونکہ وہ کم سن تھیں لہذا یہ طریقہ سنت نہ ہو گا۔ رسول اللہ ﷺ کی عادت شریفہ لوگوں کو لباس پہنانے کی نہ تھی۔ اور نہ صحابہ و تابعین نے ایسا کیا۔ علاوہ ازیں صوفیہ کے نزدیک بڑے

کو چھوڑ کر چھوٹے کو پہنانا سنت نہیں۔ اور نہ سیاہ خرقہ ہونا سنت ہے۔ بلکہ مرقعہ یا فوط سنت بتاتے ہیں۔ ام خالد کی حدیث کے موافق انہوں نے سیاہ خرقہ پہننا کیوں نہ سنت قرار دیا۔ محمد بن طاہر نے اپنی کتاب میں ایک باب باندھا ہے جس میں شیخ کا مرید کے ساتھ مرقع پہنانے میں شرط کرنا سنت لکھا ہے اور عبادہ کی حدیث سے حجت پکڑی ہے ہم نے رسول اللہ ﷺ سے اس امر پر بیعت کی کہ تنگی و فراخی میں اطاعت و فرمانبرداری کریں گے مصنفؒ نے کہا اس باریک فقہ پر غور کرنا چاہیے کہ کجا مرید کے ساتھ شیخ کا شرط کرنا اور کجا بیعت اسلام پر جو لازم اور واجب الاطاعت ہے رسول اللہ ﷺ کا شرط فرمانا۔

فصل :- باقی رہا صوفیہ کا رنگے کپڑے پہننا پس وہ اگر نیلے رنگ کے ہیں تو ان لوگوں سے سفید لباس ہے اور اس کی شہرت نیلے کپڑے سے زیادہ ہے اور اگر پیوند لگے یعنی مرقعے ہیں تو یہ اور بھی شہرت میں بڑھ کر ہیں۔ شریعت نے سفید کپڑے پہننے کا حکم دیا ہے اور شہرت کے لباس سے منع کیا ہے۔ چنانچہ سفید کپڑے پہننے کی نسبت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم سب کپڑوں میں سفید کپڑا پہنا کرو۔ کیونکہ وہ سب کپڑوں سے اچھا ہے اور اس میں اپنے مرنے والے کو کفن دیا کرو۔ سمرہ بن جندب نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم سفید کپڑے پہنا کرو کیونکہ وہ بہت پاک اور عمدہ ہوتے ہیں۔ اور ان ہی میں اپنے مردے کو کفنا کر دو۔ ترمذی نے کہا یہ دونوں حدیثیں صحیح ہیں۔ اور ابن عمرؓ سے بھی اس باب میں مروی ہے نیز ترمذی نے کہا کہ اہل علم کے نزدیک بھی مستحب ہے۔ احمد بن حنبلؒ اور اسحاق کا قول ہے کہ ہمارے نزدیک کفن دینے کے لئے سفید کپڑا محبوب تر ہے محمد بن طاہر نے اپنی کتاب میں ایک باب باندھا ہے جس میں رنگے کپڑے پہننا سنت لکھا ہے اور اس حدیث سے حجت پکڑی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سرخ حلہ پہنا اور فتح مکہ کے روز جب آپ تشریف لائے تو سیاہ عمامہ باندھے ہوئے تھے۔ مصنفؒ نے کہا اس بات سے انکار نہیں کیا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ لباس پہنا ہے اور نہ اس کا انکار کیا جاتا ہے کہ اس کا پہننا جائز ہے خود آنحضرت ﷺ سے مروی ہے کہ آپ کو سرخ رنگ اچھا لگتا تھا۔ مسنون لباس تو فقط وہ ہے جس کا آپ حکم دیتے تھے اور جس پر مداومت فرماتے تھے۔ یوں تو صحابہ رضی اللہ عنہم سیاہ سرخ لباس پہنا کرتے تھے۔ لیکن فوط اور مرقعے ہم ضرور کہیں گے کہ

شہرت کے لباس ہیں۔

فصل :- لباس شہرت کے مکروہ و ممنوع ہونے کے بارے میں ابو ذرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص شہرت کا لباس پہنے گا جب تک اس کو نہ اتارے گا، اللہ تعالیٰ اس سے روگرداں رہے گا۔ ابو ہریرہ اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دو شہرتوں سے منع کیا۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ دو شہرتیں کیا ہیں ارشاد فرمایا کہ لباس کا پتلا اور گاڑھا ہونا، نرم اور سخت ہونا، بڑا اور چھوٹا ہونا لیکن ہاں ان دونوں کے درمیان راستی و میانہ روی اختیار کرو۔ ابن عمرؓ نے کہا جو شخص شہرت والا لباس پہنے گا قیامت کے دن خدا اس کو ذلیل کرے گا۔ مصنفؒ نے کہا نیز ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شہرت والا لباس پہنے گا۔ خدا تعالیٰ اس کو ذلت پہنائے گا۔ لیث نے شہر بن حوشب سے روایت کیا کہ ابو الدرداءؓ نے کہا جو شخص مشہور چارپائے پر سواریا مشہور لباس پہنے گا جب تک وہ اس پر رہے گا۔ اللہ تعالیٰ اس سے اعراض رکھے گا۔ خواہ وہ شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابل اکرام ہی کیوں نہ ہو مصنفؒ نے کہا ہم روایت کر چکے کہ ابن عمرؓ نے اپنے بیٹے کو کوئی بڑا کم درجے کا لباس پہنے دیکھا تو فرمایا اس کو مت پہنویہ شہرت کا کپڑا ہے۔ مقابل بن بریدہ نے کہا میرے باپ بریدہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ فتح خیبر میں موجود تھا۔ اور ان لوگوں میں تھا جو قلعہ پر چڑھ گئے تھے۔ میں وہاں چڑھ کر ایسا سامنے کھڑا ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے اچھی طرح مجھ کو دیکھا۔ اور وہاں سے آیا تو میں سرخ کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ میں نہیں جانتا کہ شہرت کے واسطے اسلام میں اس سے بڑھ کر کوئی گناہ مجھ سے سرزد ہوا ہو۔ سفیان ثوری نے کہا صحابہ رضی اللہ عنہم دو شہرتوں کو مکروہ جانتے تھے۔ ایک تو ایسے نفیس کپڑے جن کی وجہ سے مشہور ہو جائے۔ اور لوگ اس کی طرف آنکھیں اٹھائیں۔ دوسرے ایسے ردی کپڑے جن سے حقیر ہو جائے اور ذلیل سمجھا جائے۔ معمر نے کہا ایوب کا کرتا لمبا دیکھ کر میں نے ان پر ناراضی ظاہر کی۔ اور کہنے لگے کہ سنو گزشتہ زمانے میں نیچا لباس رکھنا شہرت میں داخل تھا۔ مگر آج کل اونچا رکھنے میں شہرت ہے۔

فصل :- مصنفؒ نے کہا صوفیہ میں صوف کے پہننے والے بھی ہیں۔ اور حجت لاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے صوف پہنا ہے اور صوف پہننے کی فضیلت معقول

ہے رسول اللہ ﷺ کے صوف پہننے کی نسبت اصل بات یہ ہے کہ بعض اوقات آپ صوف پہنتے تھے اور اہل عرب کے نزدیک اس کا پہننا کوئی شہرت میں داخل نہ تھا اور صوف پہننے کی فضیلت میں یہ لوگ جو کچھ روایت کرتے ہیں تمام موضوعات ہیں۔ جن میں سے کچھ بھی ثبات نہیں۔ اور صوف پہننے والے کی حالت دو میں سے ایک ضرور ہو گی یا تو وہ صوف اور اس کے مانند سخت کپڑے پہننے کا عادی ہے اس کے لئے صوف پہننا مکروہ نہیں۔ کیونکہ اس کے پہننے سے اس کی شہرت نہیں ہوتی۔ اور یا عادی تو نہیں مگر تکلف اور اترانے کی راہ سے پہنتا ہے اس کے لئے دو وجہ سے جائز نہیں۔ ایک تو یہ کہ اپنے نفس کو تکلیف مالا یطاق دیتا ہے جو اس کو ناجائز ہے دوسرے اس کو پہننے میں شہرت اور اظہار زہد و دونوں پائے جاتے ہیں۔

انسؓ نے کمار رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص لوگوں میں مشہور ہونے کیلئے صوف کا لباس پہنے تو اللہ تعالیٰ اس کو قیامت میں ضرور خارش کا کپڑا پہنائے گا۔ جس سے اس کی رگیں گر پڑیں گی۔ ابن عباسؓ نے کمار رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو لوگ ریاء کی غرض سے صوف کا لباس پہنتے ہیں ان سے اللہ تعالیٰ کے سامنے زمین فریاد کرتی ہے۔ خالد بن شاذب نے کہا میں حسن (بصری) کے پاس موجود تھا۔ اتنے میں فرقہ آئے۔ حسن نے ان کا کبیل پکڑ کر ان کی طرف بڑھایا اور بولے کہ اے ام فرقہ کے بیٹے اس کبیل میں کوئی بروئیکی نہیں بلکہ اصلی بروئیکی اعتقاد دل اور صدق عمل ہے۔ ابو شداد مجاشعی نے کہا حسن (بصری) کے سامنے صوف پہننے والوں کا تذکرہ آیا۔ میں نے سنا کہ تین بار حسن بولے خدا اکھوئے ان کم سختوں کو کیا ہو گیا اپنے دلوں میں تو کبر و غرور پوشیدہ رکھتے ہیں اور لباس میں عجز و تواضع ظاہر کرتے ہیں۔ خدا کی قسم ان لوگوں کو اپنے لباس پر اس سے بھی زیادہ غرور ہے جس قدر دو شالے والے کو اپنے دو شالے پر ہو۔ حسنؓ کے پاس ایک آدمی صوف پہننے والوں میں سے آیا جو صوف کا جبہ پہنے تھا اور صوف کا عمامہ باندھے تھا اور صوف کی چادر اوڑھے تھا آکر بیٹھا اور زمین کی طرف اپنی نگاہ کر لی۔ اور ذرا اوپر سر نہ اٹھایا۔ شاید حسنؓ کو اس کی یہ حرکت مغرورانہ معلوم ہوئی۔ کہنے لگے ایسے بھی لوگ ہیں جو کبر و غرور اپنے سینوں میں رکھتے ہیں۔ خدا کی قسم انہوں نے اپنے دین کو قابل تشنیع بنالیا۔

پھر بولے کہ رسول اللہ ﷺ منافقوں کی بنیت سے پناہ مانگا کرتے تھے۔ لوگوں نے پوچھا کہ اے ابو سعید منافقوں کی بنیت کیا ہے۔ جواب دیا کہ لباس سے

خشوع ظاہر کرنا اور دل میں خشوع نہ ہونا۔ ابن عقیلؒ کہتے ہیں کہ یہ کلام ایسے شخص کا ہے جو لوگوں کو خوب پہچانتا ہے اور لباس سے دھوکا نہیں کھاتا۔ خود میں نے انہیں لوگوں سے ایک کو دیکھا جو صوف کا جبہ پہنے ہوئے تھا۔ اگر کوئی اس کو یوں کہہ کر پکارتا تھا کہ اے فلاں کے باپ تو وہ اور اس کے ساتھی برامانتے تھے۔ معلوم ہوا کہ ان لوگوں کے نزدیک صوف وہ عمل کرتا ہے جو اباباش کے نزدیک دیباچ بھی نہیں کرتا۔ ضررہ نے کہا کہ مجھ سے ایک آدمی نے بیان کیا کہ حماد بن ابی سلیمان بصرہ میں داخل ہوئے ان کے پاس فرقد سخی صوف کا کپڑا پہنے ہوئے آئے حماد ان سے بولے اپنے اوپر سے یہ اپنی نصرا نیت اتار ڈال ہم نے دیکھا کہ ہم ابراہیمؒ کی کا انتظار کیا کرتے تھے وہ نکلتے تھے اور زعفرانی لباس پہنے ہوتے تھے۔ خالد سے مروی ہے کہ ابو قلابہ نے کہا تم صوف کے لباس والوں سے بچتے رہو۔ ابو خالدؒ کہتے ہیں کہ عبدالکریم ابو امیہ صوف کا لباس پہنے ہوئے ابو العالیہ کے پاس گئے ابو العالیہ ان سے بولے کہ یہ راہبوں کی پوشاک ہے۔ مسلمانوں کا تو یہ قاعدہ تھا کہ جب کہیں آتے جاتے تھے تو آرائش کرتے تھے۔ فضیل نے کہا تم لوگوں کے لئے صوف پہن کر آرائش کرو تو تمہارے سامنے سر نہ اٹھائیں گے۔ اور قرآن شریف سے آراستہ ہو تو تمہارے آگے سر اونچا نہ کریں گے۔ اسی طرح ایک چیز چھوڑ کر دوسری چیز سے زینت اختیار کرو۔ یہ سب دنیا کی محبت کے لئے ہے۔ ابو سلیمان نے کہا بعض لوگ ساڑھے تین درہم کی عبا پہنتے ہیں۔ اور ان کے دلوں میں اس کی شہرت پانچ درہم کے برابر ہوتی ہے۔ ان کو اس بات سے شرم نہیں آتی کہ ان کی شہرت ان کے لباس سے زیادہ بڑھ گئی۔ اگر دو سفید کپڑے پہن کر لوگوں کی نگاہوں سے اپنا زہد و تقویٰ پوشیدہ رکھتے تو ان کے لئے زیادہ سلامتی کا سبب ہوتا۔ ابو سلیمان نے کہا مجھ سے میرے باپ نے پوچھا کہ صوف کا لباس پہننے سے ان لوگوں کی مراد کیا ہے؟ میں نے کہا مجزو و تواضع جواب دیا کہ ان لوگوں کا تو قاعدہ ہے کہ جب صوف کا کپڑا پہنتے ہیں اس وقت مغرور بھی ہوتے ہیں۔ عمر بن یونس نے کہا سفیان ثوری نے ایک صوفی کو دیکھا۔ بولے کہ تیرا یہ لباس بدعت ہے۔ ابو داؤد نے بھی سفیان ثوری سے ایسا ہی روایت کیا۔ عبداللہ بن المبارک نے ایک آدمی کا صوف کا مشہور لباس دیکھ کر دوبار کہا میں اس کو مکروہ جانتا ہوں۔ میں اس کو مکروہ جانتا ہوں۔ حسن بن عمرو نے کہا میں نے بصرہ میں حارث سے سنایا ان کرتے تھے کہ علی موصلی ایک بار معافی کے پاس گئے اور صوف کا جبہ پہنے ہوئے تھے۔ معافی بولے اے ابو الحسن یہ شہرت کیسی ہے؟ علی نے

جواب دیا۔ اے ابو مسعود آؤ میں اور تم دونوں باہر نکلیں۔ دیکھیں ہم میں زیادہ مشہور کون ہے؟ معافی نے کہا بدن کی شہرت ویسی نہیں جیسی لباس کی شہرت ہے۔ بصر بن حارث کہتے ہیں ایوب سجستانی کے پاس بدیل گئے ان کے چھوٹے پر مقام سبیہ کا سرخ ریشمی کپڑا بچھا ہوا تھا۔ جو گرد و غبار سے چھتا تھا۔ بدیل بولے یہ کیا ہے ایوب نے جواب دیا۔ اس صوف کے لباس سے جو تم پہنے ہو یہ کپڑا اچھا ہے۔ بصر بن حارث سے کسی نے صوف پہننے کی نسبت سوال کیا۔ ان کو بہت ناگوار و گراں گزرا۔ اور ان کے چہرے سے کراہت ظاہر ہوئی۔ پھر بولے میرے نزدیک خزاور زعفرانی لباس پہننا شرلوں میں صوف کا کپڑا پہننے سے محبوب تر ہے۔ محمد بن اور یس انباری کہتے ہیں میں نے ایک جوان آدمی کو ناٹ کا جبہ پہنے دیکھا۔ اس سے کہا کہ کس عالم نے اس کو پہنا ہے کس عالم نے ایسا کیا ہے؟ وہ شخص کہنے لگا مجھ کو بصر بن حارث نے دیکھا تو کچھ برانہ سمجھا۔ یزید کہتے ہیں کہ میں بصر کے پاس گیا اور ان سے بیان کیا کہ اے ابو نصر میں نے فلاں شخص کو ناٹ کا جبہ پہنے دیکھا۔ اس پر اعتراض کیا تو مجھ سے بولا کہ ابو نصر نے مجھ کو یہ جبہ پہنے ہوئے دیکھا تو کوئی اعتراض نہ کیا۔ یہ سن کر بصر مجھ سے کہنے لگے اے خالد مجھ سے اس شخص نے مشورہ نہیں لیا۔ اور اگر میں اس پر کچھ اعتراض کرتا تو مجھ کو جواب دیتا کہ فلاں نے پہنا ہے۔ اور فلاں نے پہنا ہے۔ ہشام ابن خالد نے کہا میں نے ابو سلیمان دارانی کو ایک صوف پہننے والے آدمی سے کہتے ہوئے سنا کہ تو نے زاہدوں کا اوزار ظاہر کر دیا۔ تو جانتا ہے کہ اس صوف نے تجھ کو کیا نفع دیا۔ وہ آدمی چپ ہو رہا۔ ابو سلیمان بولے کہ تیرا ظاہر تو روئی دار کپڑوں والا اور باطن صوفی ہونا چاہیے۔ ابن سیرویہ کہتے ہیں ابو محمد بن ابی معروف کرخی ایک بار ابو الحسن بن بخار کے پاس گئے اور صوف کا جبہ پہنے ہوئے تھے۔ ابو الحسن بولے اے ابو محمد تم نے اپنے جسم کو صوفی بنایا ہے یا دل کو۔ دیکھو تصوف اختیار کرو اور سفید پر سفید کپڑے پہنو۔ نصر بن شکیل نے کسی صوفی سے کہا تم اپنا صوف کا جبہ بچتے ہو جواب دیا کہ جب شکاری اپنا جال ہی بچ ڈالے تو شکار کس چیز سے کر لے گا۔ ابو جعفر ابن جریر طبری نے کہا وہ شخص خطا پر ہے جو باوجود روئی اور کتان کا کپڑا احلال طریقہ سے ملنے کے بال اور لون کا لباس اختیار کرے۔ اور گھبیوں کی روئی چھوڑ کر ساگ اور مسور کھانا پسند کرے اور عورتوں کی خواہش لاحق ہونے کے خوف سے گوشت کھانا چھوڑ

فصل :- مصنفؒ نے کہا سلف صالحین اوسط درجے کا لباس پہنا کرتے

تھے جو نہ بہت بڑھ کر ہوتا تھا اور نہ بالکل گھٹ کر۔ جمعہ اور عید اور بھائیوں کی ملاقات کے لئے انہیں کپڑوں میں سے نفیس لباس اختیار کرتے۔ اور بہت نفیس لباس پہننا ان کے نزدیک کوئی قبیح نہ تھا۔ مسلم نے اپنی صحیح میں عمر بن الخطابؓ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے ایک حلہ سنہری دھاریوں والا مسجد کے قریب بچتا ہوا دیکھا رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ اگر آپ جمعہ کے لئے اور باہر سے آنے والوں کے لئے یہ حلہ خرید فرما لیتے تو بہتر تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ لباس وہ لوگ پہنتے ہیں جن کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر اس حلہ سے آرائش کرنے کا انکار نہیں فرمایا۔ بلکہ بوجہ اس کے ریشمی ہونے کے انکار فرمایا۔

مصنفؒ نے کہا ہم ابو العالیہ سے روایت کر چکے کہ انہوں نے کہا مسلمانوں کا یہ قاعدہ تھا کہ جب کہیں آتے جاتے تو زیب و زینت کرتے تھے۔ محمدؐ نے کہا کہ مہاجرین اور انصار اونچے درجے کا لباس پہنا کرتے تھے۔ تمیم الداری نے ایک حلہ ہزار درہم کو خرید لیا۔ لیکن اس سے نماز پڑھا کرتے تھے۔ محمد بن سیرین سے مروی ہے کہ تمیم الداری نے ایک حلہ ہزار درہم کو مول لیا۔ اس کو پہن کر تہجد ادا کیا کرتے تھے۔ ثابت نے کہا کہ تمیم الداری کے پاس ایک حلہ تھا جو انہوں نے ہزار درہم میں خرید لیا تھا۔ اس کو اس رات پہنا کرتے تھے جس میں شب قدر کی امید کی جاتی ہے۔ ابن سیرین نے کہا تمیم الداری نے ایک چادر کو مول لی اس کو اوڑھ کر اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھایا کرتے تھے۔ مصنفؒ نے کہا کہ ابن مسعودؓ بہت نفیس لباس پہنا کرتے تھے اور بہت عمدہ خوشبو لگایا کرتے تھے۔ حسن بصریؒ اعلیٰ درجے کی پوشاک پہنا کرتے تھے۔ کلثوم بن جوشن کہتے ہیں کہ ایک بار حسن بصریؒ ایک قیمتی جبہ پہنے ہوئے اور ایک گراں بہا چادر اوڑھے ہوئے باہر نکلے۔ ان کو فرقہ نے دیکھا اور بولے اے استوا کیا آپ کا لباس ایسا ہونا چاہیے حسنؒ نے جواب دیا اے ابن ام فرقہ کیا تم نہیں جانتے کہ اکثر اہل دوزخ وہ ہیں جو صوف کا لباس پہنتے ہیں۔ مالک بن انسؒ عدن کے نفیس کپڑے پہنا کرتے تھے۔ احمد بن حنبلؒ کا کپڑا قریب قریب ایک دینار میں خریدا جاتا تھا۔ غرضیکہ سلف پچھے پرانے حال کو ایک حد تک اختیار کرتے تھے۔ اور پرانے کپڑے صرف اپنے گھروں میں پہنتے تھے۔ جب باہر نکلتے تو زیب اور زینت کرتے تھے۔ اور لباس پہنتے تھے جس کے ادنیٰ اور اعلیٰ ہونے

کی خواہش ان کو نہ ہوتی تھی۔ عیسیٰ بن حازم نے کہا ابراہیم بن ادہم کا لباس کتان رومی پوسٹین تھا۔ میں نے ان کو کبھی صوف اور شہرت کا کپڑا پہنے ہوئے نہیں دیکھا۔ محمد بن ریان کہتے ہیں کہ میرے پاؤں میں ذوالنون نے سرخ موزہ دیکھا کہنے لگے بیٹا اس کو اتار ڈالو۔ اس میں شہرت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کو نہیں پہنا۔ آپ نے تو صرف دو موزے سادھے سیاہ رنگ کے پہنے ہیں۔ ربیع بن یونس کہتے ہیں کہ ابو جعفر منصور نے کہا طعن کے قابل ہیئت رسوا کرنے والی ہیئت سے بہتر ہے۔

فصل :- مصنف نے کہا جانا چاہیے کہ جو لباس صاحب لباس کے لئے

عیب ناک ہے وہ ہے جس میں زہد اور افلاس کا اظہار پایا جائے۔ ایسا لباس گویا خدا سے شکایت کرنے کی زبان اور پہننے والے کی حقارت کا سبب ہے۔ اور یہ سب مکروہ و ممنوع ہے۔ احواس نے بیان کیا کہ میرے باپ کہتے ہیں میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میری ہیئت بوسیدہ تھی۔ آپ نے فرمایا تمہارے پاس کچھ مال ہے۔ میں نے عرض کیا کہ ہاں دریافت فرمایا کس قسم کا مال ہے۔ میں نے عرض کیا ہر قسم کا مال ہے۔ مجھ کو اللہ تعالیٰ نے اونٹ، گھوڑے، غلام، بھیریاں سب کچھ دیا ہے۔ فرمایا جب تم کو اللہ تعالیٰ نے مال عطا کیا ہے تو اپنے آپ کو تو نگر ظاہر کرو۔ جائز نے کہا ایک بار رسول اللہ ﷺ میرے مکان پر ہم سے ملنے کو تشریف لائے۔ ایک آدمی کے بال پریشان دیکھے۔ فرمایا کیا اس شخص کو ایسی چیز نہیں ملتی جس سے اپنے بال درست کرے۔ پھر ایک اور آدمی کو میلے کپڑے پہنے ہوئے دیکھا فرمایا کیا اس شخص کو ایسی چیز نہیں ملتی جس سے اپنے کپڑے دھو ڈالے۔ ابو عبیدہ عمرو بن شہب کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ ایک مرتبہ ربیع بن زیاد کی عیادت کو گئے۔ ربیع نے کہا امیر المومنین میں آپ سے اپنے بھائی عاصم کی شکایت کرتا ہوں۔ دریافت فرمایا کہ اس کا کیا حال ہے جواب دیا کہ ٹھکانہ چھوڑ دیا۔ اور عباہن لی جس کی وجہ سے اس کی بی بی اور بال بچے غمناک و اندوگین ہیں۔ حضرت علیؓ نے حکم دیا کہ عاصم کو میرے پاس لاؤ۔ جب عاصم آئے تو حضرت علیؓ خندہ پیشانی سے ان کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور فرمایا تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے دنیا کو حلال کر دیا اور تم سے دنیا کا چھین لینا نہیں چاہتا اور خدا کی قسم کہ تم اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے بھی ذلیل تر ہو۔ واللہ۔ اگر تم اس کی نعمتوں کا اظہار فعل کی راہ سے کرو تو میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے اس سے کہ قول کی راہ سے نعمت الہی کا اظہار کرو۔

عاصم نے کہا یا امیر المؤمنین میں دیکھتا ہوں کہ آپ موناکپڑے پہنتے ہیں اور موناناج کھاتے ہیں حضرت علیؑ نے ٹھنڈا سانس بھرا۔ پھر فرمایا اے عاصم وائے ہو تجھ پر اللہ تعالیٰ نے انصاف کرنے والے اماموں پر فرض کر دیا ہے کہ اپنے آپ کو عوام کے ساتھ اندازہ کریں تاکہ افلاس کے والے افلاس تابع نہ ہو۔ ابو بکر الانباری نے کہا اس آخری فقرے کے معنی یہ ہیں کہ فقر و افلاس بہت زیادہ نہ بڑھ جائے۔ محاورہ ہے کہ مذمت فلاں شخص کی تابع ہے یعنی اس کی مذمت حد سے زیادہ بڑھی ہوئی ہے۔

مصنفؒ نے کہا اگر کوئی یوں کہے کہ نفیس لباس پہننا خواہش نفسانی ہے اور ہم کو حکم ہے کہ نفس کو محنت میں ڈالیں۔ اور نیز یہ آرائش مخلوق کے لئے ہے۔ حالانکہ ہم کو معلوم ہے کہ ہمارے افعال مخلوق کے لئے نہ ہوں بلکہ خدا کے واسطے ہوں تو جواب یہ ہے کہ ہر چیز جس کی نفس خواہش کرے وہ مذموم نہیں اور ہر آرائش جو لوگوں کے لئے ہو وہ مکروہ نہیں اس سے اسی وقت منع کیا جائے گا۔ جب شریعت میں اس کی ممانعت ہو یا دین کے بارے میں ریاکی صورت نکل آئے ہر انسان چاہتا ہے کہ وہ خوبصورت معلوم ہوا کرے یہ ایسی خواہش نفسانی ہے جس پر ملامت نہیں کر سکتے اس لئے وہ بالوں میں کنگھا کرتا ہے اور آئینہ میں منہ دیکھتا ہے اور عمامہ برابر کر کے باندھتا ہے اور لباس کا استرا اندر ہونے کی وجہ سے موناک اور لبرہ اوپر ہونے کے سبب سے عمدہ رکھتا ہے ان میں کوئی ایسی شے نہیں جو مکروہ اور مذموم ہو۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا صحابہؓ کی ایک جماعت دروازہ پر رسول اللہ ﷺ کے انتظار میں تھی۔ آپ ان کے پاس جانے کو اٹھے گھر میں ایک ناند تھی۔ جس میں پانی بھرا تھا۔ اس میں آپ دیکھ کر سر کے بال اور ریش مبارک درست فرمانے لگے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ بھی ایسا کرتے ہیں۔ فرمایا ہاں جب آدمی اپنے بھائیوں کے سامنے جائے تو اپنے آپ کو درست کر لینا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے عائشہ رضی اللہ عنہا سے دوسرے طور پر مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لے جانے کے لئے اٹھے ایک ناند آپ نے دیکھی جس میں پانی تھا۔ اس میں اپنا عکس مبارک دیکھا۔ پھر ریش اقدس اور سر اطہر کو درست کیا اور باہر تشریف لے گئے۔ جب واپس آئے تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ بھی ایسا کرتے ہیں۔ فرمایا میں نے کیا کیا۔ فقط اتنا ہی تو کیا ہے پانی میں اپنا عکس دیکھا ہے اور اپنی داڑھی اور سر کے بال درست کئے اس میں کوئی حرج نہیں۔ مسلمان آدمی ایسا کیا ہی کرتا ہے کہ جب اپنے بھائیوں سے ملنے کو جاتا

ہے تو اپنے آپ کو درست کر لیتا ہے۔

مصنفؒ نے کہا اگر کوئی کہے اس کی کیا وجہ کہ تم نے سری سقطی سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا اگر میں کسی آدمی کی اپنے پاس آتے ہوئے آہٹ پاؤں اور اپنی داڑھی پر ہاتھ پھیر لوں یعنی اس آنے والے کس سبب سے داڑھی درست کر لوں تو ڈرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ مجھ کو اس حرکت پر دوزخ میں عذاب کرے۔ جواب یہ ہے کہ یہ قول اس پر محمول ہے کہ سری کی مراد دین کے بارے میں خشوع وغیرہ کا اظہار کر کے ریاکاری کا مرتکب ہونا ہے۔ ہم کہتے ہیں۔ جب کہ اپنی صورت اچھی بنانا مقصود ہو تاکہ کوئی نازیبا چیز نظر نہ آئے تو ایسا کرنا کچھ مذموم نہیں۔ جو شخص اس کو مذموم یقین کرے وہ ریا کو نہیں جانتا اور مذموم کے معنی نہیں سمجھتا۔ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کے دل میں ایک ذرہ ابر غرور ہو گا وہ بہشت میں نہ جائے گا۔ ایک آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم میں ہر ایک پسند کرتا ہے کہ اس کا لباس اچھا ہو، جو تا خوبصورت ہو۔ ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال کو محبوب رکھتا ہے۔ غرور تو اس کو کہتے ہیں کہ حق بات سے سرکشی کرے اور لوگوں کو حقیر سمجھے۔ یہ حدیث فقط صحیح مسلم میں ہے۔ اور معنی یہ ہیں کہ حق سے منہ موڑنا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا غرور کے باعث ہے۔

فصل :- مصنفؒ نے کہا صوفیہ میں ایسے بھی گزرے ہیں جو اعلیٰ درجہ کا لباس پہنتے تھے چنانچہ ہم کو خبر ملی ہے کہ ابو العباس بن عطاء بہت اعلیٰ درجہ کا کپڑا پہنا کرتے تھے۔ مثلاً دستقی اور لٹو لٹو کا مٹا ہوا کپڑا اور بہت نیچا لباس پسند کرتے تھے۔ مصنفؒ نے کہا کہ اس میں بھی مرقعوں کی طرح شہرت ہے۔ نیک لوگوں کے لباس تو اوسط درجے کے ہونے چاہئیں۔ غور کرنا چاہیے کہ شیطان ان لوگوں کے ساتھ دونوں مخالف طریقوں سے کس طرح کھیلتا ہے۔

فصل :- مصنفؒ نے کہا بعض صوفیہ ایسے ہیں کہ جب کوئی کپڑا پہنتے ہیں تو اس کا کچھ حصہ پھاڑ ڈالتے ہیں۔ اکثر اوقات اعلیٰ درجے کے لباس کو خراب کر دیتے ہیں۔ عیسیٰ بن علی وزیر کہتے ہیں کہ ایک روز ابن مجاہد میرے باپ کے پاس تھے۔ کسی نے شبلی کے اندر آنے کی خبر دی ابن مجاہد بولے میں تمہارے سامنے اسی وقت شبلی کو ساکت کر دوں گا۔ شبلی کی عادت یہ تھی کہ جو کچھ پہنتے تھے تو اس کو کسی مقام سے چاک

کر ڈالتے تھے۔ جیسے ہی شبلی آکر بیٹھے ابن مجاہد نے ان سے کہا اے ابو بکر یہ کون سے علم کی بات ہے کہ جس چیز سے نفع اٹھائیں اس کو خراب کریں شبلی نے جواب دیا کہ یہ کون سے علم کی بات ہے۔ فططق مسحاً بالسوق والاعناق یعنی حضرت سلیمان گھوڑوں کی پنڈلیاں اور گردنیں کاٹنے لگے۔ یہ سن کر ابن مجاہد خاموش ہو رہے۔ میرے باپ ان سے بولے تم شبلی کو ساکت کرنا چاہتے تھے انہوں نے التام کو ساکت کر دیا۔ پھر شبلی نے ان سے کہا سب لوگ اتفاق کرتے ہیں کہ تم قاری وقت ہو۔ بھلا یہ تو بتاؤ قرآن شریف میں کس جگہ ہے کہ حبیب اپنے کو عذاب نہیں کرتا۔ ابن مجاہد چپ ہو رہے۔ میرے باپ کہنے لگے اے ابو بکر آپ ہی بتائیے جواب دیا، قوله تعالیٰ قالت الیہود والنصری نحن ابناء الله و احباءہ، قل فلم یعذبکم بذنوبکم (المائدہ پ ۶ آیت ۱۸) یعنی یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم خدا کے پیٹے اور اس کے حبیب ہیں اے محمد آپ ان سے پوچھئے تو سہی کہ پھر تم کو خدا تعالیٰ تمہارے گناہوں کے بدلہ عذاب کیوں کرتا ہے۔ یہ سن کر ابن مجاہد بولے کہ میں نے کبھی اس آیت کو سنا ہی نہ تھا۔ مصنف نے کہا کہ مجھ کو اس حکایت کے صحیح ہونے میں شک ہے۔ کیونکہ اس کے راویوں میں حسن بن غالب ثقہ نہیں ہے۔ ابو بکر خطیب کہتے ہیں کہ حسن بن غالب نے ایسی چیزوں کا دعویٰ کیا ہے جن سے اس کی دروغ گوئی اور خلاف ورزی ظاہر ہے۔ اچھا اگر یہ قصہ صحیح بھی ہو تو اس سے شبلی کی کم فہمی ظاہر ہوتی ہے جو اس آیت سے حجت پکڑی۔ اور ابن مجاہد کی کم فہمی ہے جو اس کے جواب سے خاموش ہو رہے۔ جواب یہ تھا کہ آیت فططق مسحاً بالسوق والاعناق میں اچھی چیز کا خراب کر ڈالنا نہیں ہے۔ کیونکہ بنی معصوم کی طرف فاسد کر ڈالنے کو منسوب کرنا جائز نہیں۔ اور آیت کے معنوں میں مفسروں کا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ گھوڑوں کی گردنوں اور پنڈلیوں پر مسح کیا۔ یعنی ہاتھ پھیرا اور کہا کہ تم خدا کی راہ میں ہو۔ ان معنوں کے لحاظ سے تو یہ اصلاح ہوئی۔ اور بعض کہتے ہیں کہ ان کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔ اور گھوڑوں کا ذبح کرنا اور ان کا گوشت کھانا جائز ہے۔ لہذا حضرت سلیمان علیہ السلام نے کوئی فعل ایسا نہ کیا جس میں گناہ ہو۔ لیکن اچھے خاصے کپڑے کو بلا کسی غرض صحیح کے خراب کر ڈالنا ہرگز جائز نہیں۔ اور ممکن ہے کہ جو کچھ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کیا ان کی شریعت میں اس کا جواز ہو اور ہماری شرع میں نہ ہو۔ ابو عبد اللہ احمد بن عطاء کہتے ہیں ابو علی روزباری کا مذہب تھا کہ اپنی آستین پھاڑ ڈالتے تھے اور کرتے کو چاک کر ڈالتے تھے۔ ان کا قاعدہ تھا کہ گراں قیمت

کپڑے کو پھاڑ کر آدھا اوڑھ لیتے تھے اور آدھا باندھ لیتے تھے حتیٰ کہ ایک روز حمام کو گئے اور ایک لباس پہنے ہوئے تھے۔ ان کے ساتھیوں کے پاس کوئی ایسا کپڑا نہ تھا جس کو باندھیں۔ انہوں نے اپنے اصحاب کے شمار پر اس لباس کے ٹکڑے کئے۔ سب نے ایک ایک ٹکڑا باندھا۔ اور پیشتر ان سے یہ کہہ دیا تھا کہ جب باہر نکلیں تو وہ ٹکڑے حمام والے کو دے دیں۔ ان عطاء نے کہا کہ مجھ سے ابو سعید گازی رونی نے بیان کیا کہ میں اس روز ابو علی کے ہمراہ تھا وہ چادر جس کے انہوں نے ٹکڑے کئے تھے تمیں دینار کی تھی۔

مصنفؒ نے کہا اس قسم کی تفریط ابو الحسن بو شنی سے منقول ہے۔ وہ کہتے تھے کہ میرے پاس ایک چکور تھا جو میں نے سودر ہم میں لیا تھا۔ ایک رات میرے یہاں دو مسافر آئے میں نے اپنی ماں سے پوچھا کہ تمہارے پاس میرے مہمانوں کے لئے کچھ ہے وہ کہنے لگیں کچھ نہیں صرف روٹی ہے میں نے اس چکور کو حلال کیا اور ان کے پاس لے گیا۔ مصنفؒ نے کہا ابو الحسن کے لئے یہ بھی ممکن تھا کہ قرض لے لیتے پھر چکور کو بیچ کر ادا کر دیتے۔ غرض انہوں نے تفریط کی۔ ابو عبد الرحمن سلمیٰ نے کہا میں نے اپنے باپ سے سنا بیان کرتے تھے کہ ابو الحسن بغدادی ایک بار رے میں داخل ہوئے۔ ان کو اپنے پاؤں پر پٹی باندھنے کی ضرورت ہو ا کرتی تھی ایک آدمی نے ان کو دیتی رومال دیا۔ انہوں نے رومال کے دو ٹکڑے کئے اور پٹی باندھ لی۔ کسی نے کہا اگر آپ رومال کو بیچ کر پٹی خرید لیتے اور باقی قیمت کو خیرات کر دیتے تو بہتر تھا۔ جواب دیا کہ میں مذہب میں خیانت نہیں کرتا۔

مصنفؒ نے کہا احمد غزالیؒ بغدادی میں تھے۔ ایک بار چرخ دار کنوؤں میں گزرے اور ایک ایک چرخ پر جو چل رہی تھی اور جس میں سے آواز نکلتی تھی کھڑے ہو گئے۔ وجد میں آکر اپنی طیلان کی چادر اس پر پھینک دی۔ چرخ نے چکر کھایا چادر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔

مصنفؒ نے کہا اس جہالت اور تفریط اور بے علمی پر غور کرنا چاہیے۔ صحیح طور پر رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے مال ضائع کرنے سے منع فرمایا اور اگر آدمی درست (کھرے) دینار کو کاٹ کر خرچ میں لائے فقہاء کے نزدیک تفریط کرنے والا ٹھہرے گا۔ بھلا پھر اس فضول خرچی کا کیا ٹھکانا ہے جو بالکل حرام ہے۔ اسی قسم سے صوفیہ کا ان کپڑوں کو چاک کرنا ہے جو وجد کی حالت میں پھینکے جاتے ہیں۔ چنانچہ انشاء اللہ اس کا ذکر آئے گا۔ طرہ یہ ہے کہ صوفیہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ ایک حالت ہے

حالانکہ جو حالت شریعت کے خلاف ہو اس میں خیر نہیں۔ تم دیکھتے ہو کہ یہ اپنے نفس کے ہمدے ہیں یا ان کو حکم ملا ہے کہ اپنی اپنی رائے پر عمل کریں۔ یہ لوگ اگر اس قدر پہنچاتے ہیں کہ اس فعل میں وہ شریعت کے خلاف ہیں اور پھر بھی ایسا کرتے ہیں تو کمال سرکش ہیں۔ اور اگر اس قدر نہیں جانتے تو سخت جاہل ہیں۔ عبد اللہ رازی نے کہا جب نزاع کی حالت میں ابو عثمان کا حال متغیر ہوا تو ان کے بیٹے ابو بحر نے اپنا کرتاجو اس وقت پہنے ہوئے تھے چاک کر ڈالا۔ ابو عثمان نے آنکھ کھولی اور کہا بیٹا ظاہر میں خلاف سنت کرنا دل کی باطنی ریا کا اثر ہے۔

فصل :- مصنفؒ نے کہا بعض صوفیہ ایسے ہیں جو لباس کو نہایت تازہ رکھتے ہیں یہ بھی شہرت میں داخل ہے۔ چنانچہ علا اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا ابو سعید سے کسی نے تہبند کے بارے میں پوچھا۔ جواب دیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے فرماتے تھے مسلمان کا تہبند آدھی پنڈلیوں تک ہونا چاہیے۔ ٹخنوں اور پنڈلیوں میں جو حصہ کھلا رہے کچھ حرج نہیں۔ جو اس سے زیادہ نیچا ہو گا وہ دوزخ کی نشانی ہے۔ ابراہیم بن سعید جو ہری نے بیان کیا مجھ کو عبد الرزاق نے لکھا کہ معمر نے بیان کیا کہ ایوب کے کرتے میں دامن کچھ کم نیچا رہ گیا۔ کہنے لگے اس زمانے میں اونچا لباس رکھنا شہرت میں داخل ہے۔ اسحاق بن ابراہیم ابن ہانی روایت کرتے ہیں کہ میں ایک روز ابو عبد اللہ احمد بن حنبلؒ کے پاس گیا اور ایک کرتا اونچا گھٹنوں سے نیچا پنڈلی سے اوپر تک کا پہنے ہوئے تھا احمد نے مجھ پر اعتراض کیا اور کہا یہ کیا بلا ہے۔ تم کو ایسا لباس زیبائیں۔

فصل :- مصنفؒ نے کہا صوفیہ میں بعض ایسے ہیں جو جائے عمامہ کے سر پر ایک کپڑے کا ٹکڑا لپیٹ لیتے ہیں۔ یہ بھی شہرت ہے۔ کیونکہ اہل شریعت کے لباس کے خلاف ہے اور جس چیز میں شہرت ہو وہ مکروہ ہے۔ بضر بن حارث بیان کرتے ہیں کہ ایک بار جمعہ کے روز ابن مبارک مسجد میں داخل ہوئے ان کے سر پر کلاہ تھی۔ لوگوں کو دیکھا کہ ان کے سروں پر کلاہیں نہیں تو اس کلاہ کو اتار کر کسی طاق میں چھپا کر رکھ دیا۔

فصل :- مصنفؒ نے کہا بہت سے صوفیہ ایسے ہیں جو دوسوہ کی وجہ سے

کئی کپڑے رکھتے ہیں۔ ایک جوڑا قضاے حاجت کے لئے اور ایک جوڑا نماز کے لئے مقرر کرتے ہیں۔ ابو یزید نے اس بارے میں صوفیہ کی ایک جماعت سے روایت کی ہے اس فعل میں کچھ ڈر نہیں ہے مگر یہ نہ چاہیے کہ اس کو سنت قرار دیا جائے۔ جعفر نے اپنے باپ سے روایت کیا کہ ان سے علی ابن حسین کہنے لگے اے پیٹا اگر قضاے حاجت کے لئے میں دوسرا کپڑا مقرر کر لیتا تو بہتر تھا میں دیکھتا ہوں کہ کھیاں نجاست پر بیٹھتی ہیں پھر آکر مجھ پر بیٹھتی ہیں۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر دوبارہ جو میں علی کے پاس گیا تو کہنے لگے کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس صرف ایک ہی کپڑا تھا۔ (اور وہ دوسرا کپڑا مقرر کرنے سے باز آگئے)

فصل :- مصنفؒ نے کہا صوفیہ میں ایسے ہیں جن کے پاس فقط ایک جوڑا کپڑا ہوتا ہے۔ یہ بات اچھی ہے مگر جب جمعہ اور عید کے لئے دوسرا کپڑا لہنا لینا ممکن ہو تو عمدہ اور بہتر ہے یوسف بن عبد اللہ بن سلام کہتے ہیں کہ میرے باپ نے بیان کیا کہ ایک بار جمعہ کے دن ہم کو رسول اللہ ﷺ نے خطبہ سنایا۔ اس میں فرمایا کہ اگر تم کاروبار کے کپڑوں کے سوائے دو کپڑے جمعہ کے لئے خرید لیا کرو تو کیا حرج ہے۔ ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ محمد بن عمرو کہتے ہیں کہ کچھ حصہ اس حدیث کا مجھ سے محمد بن عبد الرحمن نے بھی بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک قیمتی یمنی چادر اور عمال کی بنی ہوئی ازار تھی۔ آپ یہ دو کپڑے جمعہ اور عید کے دن پہنا کرتے تھے۔ پھر تمہ کر کے رکھ دیئے جاتے تھے۔

کھانے پینے کے بارے میں صوفیہ

پر تلمیس ابلیس کا بیان

مصنفؒ نے کہا متقدمین صوفیہ کو اس امر کی نسبت فریب دینے میں شیطان نے بہت مبالغہ کیا کہ کھانا سخت اور کم کھائیں۔ اور ٹھنڈا پانی پینے سے ان کو باز رکھا۔ جب متاخرین کی باری آئی تو شیطان کو آرام مل گیا۔ اور ان کی خوش عیشی اور بسیار خوری دیکھ کر تعجب میں پڑ گیا۔

متقدمین صوفیہ کے افعال کا مختصر بیان

مصنفؒ نے کہا متقدمین بعض ایسے تھے جو کئی کئی دن تک بغیر کھانے کے گزار دیتے تھے۔ جب بالکل طاقت نہ رہتی تھی تو کچھ کھالیا کرتے تھے۔ اور بعض ایسے تھے کہ ہر روز تھوڑا سا کھا لیتے تھے۔ جس سے بدن قائم نہیں رہتا تھا۔ سہل بن عبد اللہ کی نسبت بیان کرتے ہیں کہ ابتدائی حالت میں ایک درہم کا کھجور کا شیرہ اور ایک درہم کا گھی اور ایک درہم کا چاولوں کا آنا خرید کر سب کو ملا لیا کرتے تھے۔ اور اس کے تین سو ساٹھ حصے بنا کر رکھ چھوڑتے تھے۔ ہر رات کو ایک حصہ پر روزہ افطار کرتے تھے۔ ابو حامد طوسی نے انہیں سہل بن عبد اللہ کی حکایت لکھی ہے کہ ایک مدت تک میری کے پتے کھاتے تھے۔ بعد ازاں ایک زمانے تک بھوسہ کھایا کرتے اور تین برس میں فقط تین درہم کا کھانا کھایا۔ ابو جعفر حداد کہتے ہیں کہ ایک روز میرے پاس ابو تراب آئے اور میں ایک پانی کے حوض پر بیٹھا تھا اور سولہ روز سے نہ کچھ کھایا تھا نہ پیا تھا۔ مجھ سے بولے کہ تم یہاں کیسے بیٹھے ہو۔ میں نے جواب دیا کہ علم اور یقین کا امتحان کرتا ہوں۔ دیکھوں کون غالب آتا ہے۔ جو غالب ہو گا اسی طرف ہو جاؤں گا۔ ابو تراب نے کہا عنقریب تمہاری کوئی حالت ہو جائے گی۔ ابو اہیم بن بناء بغدادی کہتے ہیں کہ میں اخیم سے اسکندریہ تک ذوالنون کے ہمراہ تھا۔ جب ان کے روزہ افطار کرنے کا وقت آیا میں نے روٹی کھا کر اور نمک جو میرے ساتھ تھا نکلا۔ اور ان سے کہا آئیے کھائیے۔ جواب دیا کہ تمہارا نمک پیا ہوا ہے۔ میں نے کہا ہاں۔ بولے کہ تم کو نجات نہ ملے گی۔ پھر میں نے ان کے توشہ دان کو دیکھا تو اس میں تھوڑا سا جو کا ستو تھا۔ اس کو پھانکنے لگے۔ ابو سلیمان

کا قول ہے کہ مکھن کو شہد کے ساتھ کھانا سرف میں داخل ہے۔ ابو سعید جو سہل کے اصحاب میں سے ہیں۔ بیان کرتے ہیں کہ ابو عبد اللہ زبیری اور زکریا ساجی اور ابن ابی اوفی نے سنا کہ سہل بن عبد اللہ کہتے تھے میں مخلوق کے لئے حجت الہی ہوں۔ وہ تینوں صاحب ان کے پاس آئے۔ زبیری ان سے مخاطب ہو کر بولے ہم نے سنا ہے کہ آپ کہتے ہیں میں مخلوق خدا پر خدا کی حجت ہوں۔ آپ کس بارے میں حجت ہیں۔ آپ کوئی نبی ہیں یا صدیق ہیں۔ سہل نے جواب دیا میرا یہ مطلب نہیں جو تمہارا خیال ہے۔ بلکہ میں نے یہ اس لئے کہا ہے کہ میں حلال کھاتا ہوں۔ آؤ ہم تم سب مل کر صحیح طور پر حلال معلوم کریں۔ انہوں نے پوچھا کیا آپ کو صحیح طور پر حلال معلوم ہو گیا۔ جواب دیا کہ ہاں وہ بولے کیونکر سہل نے کہا میں نے اپنی عقل اور معرفت اور قوت کے سات ٹکڑے کئے ہیں۔ ان کو ویسے ہی چھوڑ دیتا ہوں۔ حتیٰ کہ ان میں سے چھ ٹکڑے زائل ہو جاتے ہیں۔ اور ایک باقی رہتا ہے پھر میں ڈرتا ہوں کہ کہیں یہ ایک ٹکڑا بھی جاتا نہ رہے۔ اور اس کے ساتھ میری جان تلف ہو جائے۔ مجھ کو خوف آتا ہے کہ میں اپنے نفس کو تباہ کروں اور اس کا قاتل ٹھہروں۔ لہذا اس کو بھروسہ نہ کرنا اس قدر کھانا پنچا دیتا ہوں جس سے وہ چھ کے چھ ٹکڑے پھر لوٹ آتے ہیں۔ ابو عبد اللہ بن ودد کہتے ہیں چالیس برس ہوئے کہ میں اپنے نفس کو فقط ایسے وقت میں کھانا دیتا ہوں جس حالت میں اس کے لئے خدا تعالیٰ نے مردار کو حلال کر دیا ہے۔ عیسیٰ بن آدم نے کہا ایک آدمی ابو یزید کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ جس مسجد میں آپ ہیں میں بھی اس جگہ بیٹھنا چاہتا ہوں۔ ابو یزید بولے کہ تم میں اس کی طاقت نہیں۔ اس نے کہا مہربانی فرما کر مجھ کو اجازت دے دیجئے تو بہتر ہے ابو یزید نے اجازت دے دی۔ وہ شخص ایک دن تک بغیر کچھ کھائے بیٹھا رہا اور صبر کیا۔ جب دوسرا دن ہوا تو ابو یزید سے بولا کہ اے استاد مجھ کو کھانا چاہیے ابو یزید نے کہا اے صاحبزادے ہمارے یہاں کا کھانا تو ذکر الہی ہے۔ وہ کہنے لگا اے استاد مجھ کو کچھ ایسی چیز چاہیے جس سے میرا جسم خدا کی عبادت میں قائم رہے جواب دیا کہ اے صاحبزادے اجسام تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم رہتے ہیں۔ لہذا ہم خواص کہتے ہیں کہ مجھ سے میرے ایک بھائی نے جو ابو تراب کی صحبت میں رہتا تھا بیان کیا کہ ابو تراب نے ایک صوفی کو دیکھا کہ اپنا ہاتھ خریوزہ کے چھلکے کی طرف بڑھایا اور وہ صوفی تین دن کا بھوکا تھا ابو تراب نے اس سے کہا تو اپنا ہاتھ خریوزہ کے چھلکے کی طرف بڑھاتا ہے تو تصوف کے لائق نہیں بس بازار میں رہا کر ابو القاسم قیروانی بیان کرتے

ہیں کہ میں نے ایک اپنے ہم صحبت سے سنا کہتا تھا کہ ابو الحسن نصیبی اپنے اصحاب کے ساتھ ایک ہفتہ بغیر کچھ کھائے حرم میں رہے ان کے اصحاب میں سے ایک شخص طہارت کی غرض سے باہر چلا راستے میں خریوزہ کا چھلکا دیکھا اس کو اٹھا کر کھالیا۔ کسی آدمی نے اس شخص کو چھلکا کھاتے دیکھ لیا۔ کچھ کھانے کی چیز لے کر اس کے پیچھے پیچھے چلا۔ اور ان سب کے سامنے لا کر وہ کھانا رکھ دیا۔ شیخ ابو الحسن بولے تم میں سے کس نے یہ گناہ کیا۔ وہ شخص بولا کہ میں نے راستے میں ایک خریوزہ کا چھلکا پایا تھا۔ اس کو کھالیا۔ یہ سن کر شیخ نے کہا کہ جا اپنے گناہ کے ساتھ رہ اور یہ کھانا سنبھال۔ یہ کہہ کر حرم سے مع اپنے اصحاب کے چل کھڑے ہوئے۔ وہ شخص بھی پیچھے ہوا لیا۔ شیخ اس سے بولے کیا میں نے تجھ سے نہیں کہا کہ اپنے گناہ کے ساتھ رہ۔ اس نے کہا جو کچھ ہوا میں اس سے توبہ کرتا ہوں۔ شیخ نے کہا خیر توبہ کے بعد تو کچھ کلام ہی نہیں۔

ہنان بن محمد کہتے ہیں کہ میں مکہ میں مجاور تھا۔ وہیں میں نے ابراہیم خواص کو دیکھا ایک بار مجھ کو کئی دن گزر گئے کہ کہیں سے کچھ نہ آیا۔ مکہ میں ایک حجام تھا۔ جو فقیروں سے محبت رکھتا تھا اور اس کی عادت تھی کہ جب کوئی فقیر اس کے پاس پچھنا لگوانے کے لئے جاتا تو اس کے واسطے گوشت مول لیتا اور پکا کر اس کو کھلاتا۔ میں بھی اس حجام کے پاس گیا اور کہا کہ پچھنا لگوانا چاہتا ہوں۔ اس نے گوشت خریدنے کے لئے آدمی بھیجا اور اس کے پکانے کا حکم دیا۔ میں پچھنا لگوانے کو اس کے سامنے بیٹھا۔ میرا نفس مجھ سے کہنے لگا کہ بھلا کیا پھنوں سے فراغت پانے کے ساتھ گوشت کی ہانڈی بھی پک چکے گی۔ اسی اثناء میں میں چونکا اور کہا اے نفس کیا تو اسی واسطے مجھ کو پچھنا لگوانے کے لئے لایا ہے کہ کھانا کھائے میں خدا تعالیٰ کے سامنے عہد کرتا ہوں کہ اس حجام کے کھانے میں سے کچھ نہ چکھوں گا۔ غرض جب فراغت ہوئی میں اٹھ کر چلا۔ حجام کہنے لگا۔ سبحان اللہ تم تو میری رسم جانتے ہو۔ میں بولا کہ میں نے عہد لیا ہے اور قسم کھالی ہے۔ وہ چپ ہو رہا۔ میں مسجد حرام کی طرف گیا۔ وہاں بھی مجھ کو کچھ کھانے کی چیز نہ ملی۔ جب دوسرا دن ہوا تو دن بھر گزر گیا۔ شام تک میں نے کچھ نہ پایا۔ جس وقت میں عصر کی نماز کے لئے کھڑا ہوا تو گر پڑا۔ اور مجھ کو غش آگیا۔ لوگ میرے گرد جمع ہوئے اور سمجھے کہ میں دیوانہ ہوں۔ ابراہیم خواص آئے اور لوگوں کو ہٹا کر میرے پاس بیٹھے اور باتیں کرنے لگے۔ پھر مجھ سے پوچھا کہ تم کچھ کھاؤ گے۔ میں نے کہا اب تو رات بھی قریب ہے یہ سن کر بولے اے مبتدیو تم پر آفریں ہے اسی حالت پر ثبات قدم

رہو نجات پاؤ گے۔ پھر ابو الحسن اٹھ کھڑے ہوئے جب ہم عشاء کی نماز پڑھ چکے تو میرے پاس آئے اور اپنے ساتھ ایک مسور کی دال کا پیالہ اور دو روٹیاں اور ایک پانی کا کٹورہ لائے اور میرے آگے رکھ کر بولے کہ کھاؤ۔ میں نے وہ دونوں روٹیاں اور مسور کی دال کھالی پھر پوچھا کہ ابھی کچھ بھوکے رہ گئے ہو۔ اور کھاؤ گے؟ میں نے کہا ہاں۔ وہ ایک دال کا پیالہ اور دو روٹیاں پھر لائے میں نے ان کو بھی کھالیا اور ان سے کہا کہ بس اب پیٹ بھر گیا۔ کھانا کھا کر میں لیٹ رہا۔ اس رات برابر صبح تک سو رہا۔ نہ میں نے نماز پڑھی اور نہ طواف کیا۔ علی روز باری کا قول ہے کہ اگر صوفی پانچ دن کے بعد کمرے میں بھوکا ہوں تو اس سے کہو کہ بازار میں رہا کرے۔ اور کوئی کسب کرے۔ احمد صغیر کہتے ہیں۔ ابو عبد اللہ بن خفیف نے مجھ کو حکم دیا کہ ہر روز رات کو دس دانے انگور کے روزہ افطار کرانے کے لئے ان کے پاس لے جایا کروں۔ ایک روز مجھ کو ان پر ترس آیا اور پندرہ دانے لے گیا۔ انہوں نے میری طرف دیکھا اور کہا تم کو یہ حکم کس نے دیا ہے۔ یہ کہہ کر وہی دس دانے کھائے اور باقی چھوڑ دیئے۔ ابو عبد اللہ بن خفیف کہتے ہیں جب میں مبتدی تھا چالیس مہینے اس طرح گزارے کہ ہر رات ایک مٹھی ساگ پر افطار کیا کرتا تھا۔ ایک روز میں نے فصد کھلوائی میری رگ میں سے ماء اللحم کے مشابہ کچھ پانی نکلا اور مجھ کو غش آگیا۔ فساد کو حیرت ہوئی اور کہنے لگا کہ میں نے اس شخص سے سوائے کوئی بدن ایسا نہیں دیکھا جس میں خون نہ ہو۔

فصل :- مصنفؒ نے کہا صوفیہ میں ایسے بھی گزرے ہیں جو گوشت نہ کھاتے تھے حتیٰ کہ ان میں سے بعض کا مقولہ ہے ایک درہم کے برابر گوشت کھانے سے چالیس روز تک دل سخت رہتا ہے۔ اور بعض ایسے ہوئے ہیں جو ہر ایک عمدہ کھانے سے باز رہتے تھے اور اس حدیث سے حجت پکڑتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنے نفوس کو عمدہ کھانے سے محروم رکھو۔ کیونکہ اس کی وجہ سے شیطان کو رگوں میں دوڑنے کی قوت حاصل ہوتی ہے۔ اور بعض ایسے تھے کہ ٹھنڈا پانی پینے سے باز رہتے تھے۔ اور گرم پیتے تھے۔ بعض ایسے ہوئے ہیں کہ پانی کو ایک مٹکے میں بھر کر زمین میں گاڑ دیتے تھے۔ جس سے گرم ہو جاتا تھا۔ اور بعض ایسے گزرے ہیں کہ اپنے نفس کو سزا دینے کے لئے کھانے کی چیزیں چھوڑ دیتے تھے۔ ابو یزید کہتے ہیں کہ بنی آدم جو کچھ کھاتے ہیں اس میں سے چالیس برس تک میں نے کچھ

نہیں کھایا اور بہت آسان برتاؤ جو میں نے اپنے نفس سے کیا ہے یہ ہے کہ ایک بار میں نے اس سے ایک کام کرنے کو کہا اس نے انکار کیا۔ میں نے قسم کھائی کہ سال بھر تک پانی نہ پیوں گا۔ لہذا ایک برس تک پانی نہیں پیا۔ ابو حامد غزالی نے نقل کی ہے کہ ابو یزید نے کہا میں نے اپنے نفس کو خدا کی طرف بلایا وہ کچھ کسمپایا۔ اس بات پر میں نے عہد کیا کہ سال بھر تک نہ پانی پیوں گا نہ سوؤں گا۔ میں نے اس عہد کو پورا کیا۔

فصل :- مصنفؒ نے کہا ابو طالب مکی نے صوفیہ کے لئے کھانا کھانے

میں کچھ ترتیب مقرر کی ہے۔ اور کہا ہے مرید کے لئے مستحب ہے کہ دن اور رات میں دو روٹی سے زیادہ نہ کھائے ابو طالب کہتے ہیں کہ بعض لوگ ایسے گزرے ہیں جو تدبیر نکال کر اپنی خوراک کم کر دیتے تھے۔ بعض ایسے تھے کہ کھجور کی جڑ لے کر اس سے اپنی خوراک تولتے تھے۔ وہ جڑ ہر روز تھوڑی تھوڑی سوکھ کر ہلکی ہوتی رہتی تھی۔ اس قدر خوراک کم ہو جاتی تھی۔ بعض یہ تدبیر نکالتے تھے کہ ہر روز کھاتے رہتے تھے۔ پھر ہندرتن دوسرے دن اسی طرح تیسرے دن کھانے لگے۔ ابو طالب کہتے ہیں کہ بھوک سے دل کا خون کم ہو کر سفید ہو جاتا ہے۔ اس کے سفید ہو جانے میں نور الہی ہے اور بھوک سے دل کی چربی پکھل جاتی ہے۔ اس کے پکھلنے سے دل رقیق ہو جاتا ہے اور دل کا رقیق ہونا کشف کی کنجی ہے۔

مصنفؒ نے کہا کہ صوفیہ کے لئے ابو عبد اللہ محمد بن علی ترمذی نے ایک کتاب تصنیف کی ہے جس کا نام ریاضہ النفوس رکھا ہے۔ اس کتاب میں وہ لکھتے ہیں کہ مبتدی صوفی کو چاہیے کہ توبہ کے طور پر دو مہینے پے در پے روزے رکھے۔ پھر افطار کرے تو تھوڑا کھانا کھائے اور ذرا ذرا لقمہ لے۔ اور ترکاری کو بالکل چھوڑ دے۔ اور میوے اور لذت کی چیزیں اور بھائیوں میں بیٹھنا اٹھنا اور کتابوں کا مطالعہ ترک کر دے۔ اور یہ سب چیزیں نفس کو خوش کرنے والی ہیں اور نفس کا اس کی لذت سے باز رہنا اس کو غم سے بھر دیتا ہے۔ مصنفؒ نے کہا بعض متاخرین نے صوفیہ کے لئے چلہ نکالا ہے۔ چالیس روز تک ایک آدمی روٹی نہیں کھاتا لیکن عمدہ عریقات پیتا ہے اور بہت سے لذیذ میوے کھاتا ہے۔ الغرض یہ تھوڑا سا میان کھانے کے بارے میں صوفیہ کی زیادتی کرنے کا تھا اور اس قدر مذکور شدہ باقی غیر مذکور پر دلالت کر سکتا ہے۔

فصل :- (اس میان میں کہ افعال مذکورہ کی بابت صوفیہ کو شیطان نے

فریب دیا اور اس بارے میں صوفیہ کی خطا کا اظہار

مصنفؒ نے کہا سہل بن عبد اللہ کی نسبت جو کچھ نقل کیا گیا وہ ایک ناجائز فعل ہے کیونکہ اس میں نفس کو تکلیف مالا یقاف دینا ہوا۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے آدمیوں کو گہیوں کو کرامت فرمایا۔ اور اس کا چھلکا چار پاؤں کے لئے مقرر کیا۔ خود بھوسہ کھانا اور چوپاؤں کو زحمت میں ڈالنا زیبا نہیں۔ اور بھوسہ کو کسی غذا کی چیز ہے ایسی چیزیں اس قدر مشہور ہیں جن کی تردید کی ضرورت نہیں ابو حامد نے نقل کیا کہ سہل روایت کرتے ہیں جو بھوکا آدمی بھوک کے مارے ناطقت ہو کر بیٹھ کر نماز پڑھے وہ افضل ہے اس سے کہ کھانے سے قوت پا کر کھڑا ہو کر کر نماز پڑھے۔ مصنفؒ نے کہا یہ قول محض خطا ہے بلکہ سچ تو یوں ہے کہ جب کھڑے ہونے کی قوت ملی تو وہ کھانا بھی عبادت میں داخل ہوا۔ کیونکہ اس نے عبادت کے لئے اعانت کی۔ اور جب اس قدر بھوکا رہا کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے لگا تو وہ خود اپنے لئے ترک فرائض کا سبب بنا۔ لہذا بھوکا رہنا جائز نہیں۔ ہاں اگر کھانا مردار ہو تا تو یہ حرکت جائز تھی۔ لیکن جب کھانا حلال ملتا ہے تو کیونکر جائز ہو سکتی ہے۔ علاوہ ازیں اس بھوک میں قربت ہے جو عبادت کے اوزار بے کار کر دے۔ حداد کا جو یہ قول مذکور ہوا کہ میں دیکھتا ہوں کہ علم غالب ہوتا ہے یا یقین محض ایک جہالت ہے۔ کیونکہ یقین اور علم میں باہم مخالفت نہیں۔ علم کا اعلیٰ مرتبہ یقین ہے یہ کون سے یقین اور علم میں داخل ہے کہ وہ کھانا اور پینا جس کی نفس کو ضرورت ہے ترک کر دے۔ حداد نے دراصل علم کا اشارہ تو امر شریعت کی جانب کیا ہے اور یقین کا اشارہ قوت صبر کی طرف ہے۔ حالانکہ یہ نہایت قبیح تخیل ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے بدعتیں نکالیں اور تشدد کیا۔ یہ لوگ اپنے تشدد میں قریش کے مانند ہیں۔ حتیٰ کہ قریش کا نام تشدد کی وجہ سے حمس پڑ گیا تھا (یعنی دین کے بارے میں سختی کرنے والے) اسی واسطے قریش کا یہ حال تھا کہ اصل کا تو انکار کر بیٹھے اور فرع میں تشدد کیا۔ ذوالنون کا یہ قول ہے کہ تمہارا نمک پسا ہوا ہے تم کو نجات نہ ملے گی نہایت ہی قبیح بات ہے۔ بھلا جو شخص مباح شے کو استعمال میں لائے اس کو کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ تم کو نجات نہ ملے گی اور جو کا ستو کھانے سے قونج کا عارضہ ہو جاتا ہے۔ ابو سلیمان کا یہ قول کہ مکھن اور شہد ملا کر کھانا اسراف میں داخل ہے مردود ہے۔ کیونکہ اسراف شرعی طور پر ممنوع ہے اور مکھن اور شہد کھانے کی شریعت میں اجازت ہے۔ حدیث صحیح ہے کہ رسول اللہ ﷺ کلڑی

ہم نے بیان کیا کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنی عقل اور قوت کے سات ٹکڑے کئے ہیں یہ فعل مذموم ہے قابل تعریف نہیں۔ شریعت نے ایسی حرکت کی اجازت نہیں دی۔ اور قریب قریب حرام ہونے کے ہے۔ کیونکہ اس میں نفس کی حق تلفی اور اس پر ظلم کرنا ہے علیٰ ہذا القیاس اس شخص کا مقولہ جو یوں کہتا ہے کہ میں اس وقت کھاتا ہوں جب مردار میرے لئے مباح ہو جاتا ہے۔ اس شخص نے اپنی پوچھ رائے پر عمل کیا۔ اور باوجود حلال ملنے کے نفس کو تکلیف دی۔ ایذا کا یہ قول کہ ہماری روزی تو ذکر الہی ہے کلام رکیک ہے۔ کیونکہ بدن کا دار و مدار کھانے کی حاجت پر ہے۔ حتیٰ کہ دوزخی بھی دوزخ میں کھانے کے حاجت مند ہوں گے۔ اب تراب کا اس صوفی کو خربوزے کا چھلکا کھا لینے پر ملامت کرنا بلاوجہ ہے۔ اور وہ صوفی بھی جو تین دن تک بھوکا رہا۔ شرع کی ملامت سے نہیں بچ سکتا۔ ابن عمرؓ نے جو حجامت کے وقت عہد کیا کہ کچھ نہ کھاؤں گا۔ حتیٰ کہ ضعف طاری ہو گیا۔ ایک ناجائز فعل کا ارتکاب کیا۔ پھر ان سے ابراہیم خواص کا یہ کہنا کہ اے مبتدیو تم پر آفرین ہے محض خطا ہے۔ کیونکہ ان کو چاہیے تھا کہ ضرور روزہ افطار کراتے خواہ رمضان ہی میں ایسا کیوں نہ ہوتا۔ کہ کئی دن بغیر کھانے کے گزر جاتے۔ اور جو شخص پچھتا گوائے اور اس کو غش آجائے اس کو روزہ رکھنا جائز بھی نہیں۔ ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کو رمضان شریف میں تکلیف پہنچے اور وہ پھر بھی افطار نہ کرے اور مرجائے تو دوزخ میں داخل ہوگا۔ مصنفؒ نے کہا اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ عبد الرحمن بن یونس سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جس کو رمضان شریف میں تکلیف پہنچے اور افطار نہ کرے وہ دوزخی ہے۔

مصنفؒ نے کہا ان خفیف کا اس قدر خوراک کم کر دینا فعل قبیح وغیرہ مستحسن ہے۔ ایسی حکایتوں کو ان لوگوں کی خوبیاں ظاہر کرنے کی غرض سے وہی شخص بیان کرے گا۔ جو اصول شریعت سے ناواقف ہے۔ اور جو شخص علمی لیاقت رکھتا ہے وہ تو بڑے آدمی کا قول سن کر بھی مرعوب نہیں ہوتا۔ بھلا ایک جاہل کے رسمی فعل پر تو کیا التفات کرے گا۔ باقی رہا ان لوگوں کا گوشت نہ کھانا یہ مذہب برہمنوں کا ہے جن کے یہاں جاندار کا ذبح کرنا جائز نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ بدن کی مصلحتیں خوب جانتا ہے۔ لہذا اس کو قوی رکھنے کے لئے گوشت کو مباح کر دیا۔ پس گوشت کھانا طاقت عشتا ہے اور اس کو چھوڑ دینا کنز و رہناتا ہے اور بد خلقی پیدا کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ گوشت کھایا

کرتے تھے۔ اور بحری کے دست کا گوشت پسند فرماتے تھے۔ مروی ہے کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ گھر میں تشریف لائے۔ آپ کے سامنے جو گھر میں کھانا پکا تھا وہ کھانا رکھ دیا گیا۔ آپ فرمانے لگے کیا میں نے وہ تمہاری ہتھیا نہیں دیکھ لی ہے جو جوش مار رہی ہے۔ حسن بصریؒ ہر روز گوشت خرید کرتے تھے۔

سلف کا عموماً یہی قاعدہ تھا۔ لیکن اگر کوئی ان میں نادار و مفلس ہوتا تو افلاس کے سبب سے گوشت نہیں کھا سکتا تھا۔ اور جو شخص اپنے نفس کو اس کی خواہشوں سے باز رکھے تو مطلقاً یہ بات ٹھیک نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جب انسان کو حرارت و برودت و رطوبت و دیوست پر بنایا ہے اور اس کی صحت کو چاروں خلط یعنی خون و بلغم و سوداء و صفراء کے اعتدال پر موقوف رکھا ہے تو کبھی کوئی خلط زیادہ ہو جاتا ہے۔ لہذا طبیعت اس چیز کی رغبت کرتی ہے جو اس کو کم کر دے۔ مثلاً صفراء بڑھ جاتا ہے تو طبیعت ترشی کی طرف مائل ہوتی ہے یا بلغم کم ہو جاتا ہے تو طبیعت کو تر چیزوں کی رغبت ہوتی ہے۔ غرض طبیعت میں اس چیز کی خواہش قدرتی طور پر رکھی گئی ہے جو اس کے موافق ہو۔ جب نفس ایسی چیز کی خواہش کرے جس میں اس کی اصلاح ہو اور باز رکھا جائے تو گویا اللہ تعالیٰ کی حکمت کو رد کرنا چاہا۔ علاوہ ازیں بدن پر بھی اس کا اثر پڑے گا۔ اور یہ فعل شرع و عقل کے خلاف ہو۔ یہ بات معلوم ہے کہ بدن انسان کے لئے ایک سواری ہے جب سواری کے ساتھ نرم برتاؤ نہ کیا جائے گا تو منزل پر نہیں پہنچ سکتے افسوس ان لوگوں کا علم کم رہا۔ لہذا اپنی ناکارہ رایوں سے گفتگو نہیں کیں۔ اگر کبھی سند لاتے ہیں تو کوئی ضعیف یا موضوع حدیث پیش کرتے ہیں یا اس میں ان کی سمجھ ردی اور خراب ہوتی ہے مجھ کو تو ابو حامد (غزالی) پر تعجب آتا ہے کہ صوفیوں کے ساتھ فقہ کے رتبہ سے اتر کر ان کا مذہب اختیار کر لیا۔ حتیٰ کہ وہ کہتے ہیں کہ جب مرید کا نفس جماع کی خواہش کرے تو اس کو نہ چاہیے کہ کھانا کھا کر اس کو طاقت پہنچائے اور جماع کرے جس سے یہ لازم آئے کہ نفس کی دو خواہشیں پوری کیں اور نفس اس پر غالب آ جائے۔ مصنفؒ نے کہا یہ قول نہایت قبیح ہے۔ کیونکہ سالن بھی کھانے سے زیادہ ایک خواہش ہے۔ لہذا آدمی کو چاہیے کہ سالن بھی نہ کھائے۔ اور پانی بھی ایک دوسری خواہش ہے۔ بھلا کیا صحیح حدیث میں نہیں آیا کہ رسول اللہ ﷺ ایک غسل سے تمام ازواج مطہرات کے پاس تشریف لے گئے۔ پھر آپ نے ایک ہی خواہش پر اقتصار کیوں نہ فرمایا۔ بھلا کیا صحیح حدیث میں یہ حدیث نہیں کہ رسول اللہ ﷺ مکڑی کو چھوہارے

سے ملا کر کھایا کرتے تھے۔ یہ بھی دو خواہشیں ہیں۔ بھلا کیار رسول اللہ ﷺ نے ابوالمہشم بن تیمان کے یہاں روٹی اور بھنا ہوا گوشت اور گدرائے ہوئے چھوہارے نہیں کھائے اور ٹھنڈا پانی نہیں پیا۔ ثوری گوشت اور انگور اور فالودہ کھایا کرتے تھے۔ پھر اٹھ کر نماز پڑھتے تھے۔ بھلا کیا گھوڑے کو جو اور بھوسہ اور روٹی کے ٹکڑے نہیں کھلاتے اور گھوڑوں چنے اونٹ کو نہیں دیتے۔ بدن بھی بمنزلہ اونٹ کے ہے۔ متقدمین نے ایک ساتھ ہمیشہ دو سالن کھانے سے اس لئے منع کیا ہے تاکہ عادت نہ پڑ جائے۔ اور آخر کو تکلیف ہو۔ فقط فضول خواہشوں سے پرہیز کیا جاتا ہے۔ صوفیہ نے اس حدیث سے حجت پکڑی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اپنے نفسوں کو عمدہ کھانوں سے محروم رکھو۔ تو یہ حدیث موضوع اور من گھڑت ہے۔ انسان صرف جو کی روٹی اور موٹا پسا ہوا نمک کھائے گا تو اس کا مزاج پھر جائے گا۔ کیونکہ جو کی روٹی خشک اور خشکی پیدا کرنے والی ہے۔ اور نمک خشک اور قابض ہے۔ جو دماغ اور بینائی کو ضرر پہنچاتا ہے۔ کم غذا معدہ کے سمٹ جانے اور تنگی کا سبب بنتی ہے۔ یوسف ہمدانی اپنے شیخ عبداللہ حونی سے نقل کرتے ہیں کہ وہ بغیر سالن کے بلوط کی روٹی کھایا کرتے تھے۔ ان کے اصحاب درخواست کیا کرتے تھے کہ کچھ روغنی چکنی روٹی کھائیں وہ قبول نہ کرتے تھے۔ مصنف نے کہا یہ کھانا سخت قویٰ پیدا کرتا ہے۔

جاننا چاہیے کہ مذموم کھانا صرف یہ ہے کہ خوب پیٹ بھر کر کھایا جائے اور کھانے کی نسبت عمدہ ادب یہ ہے جو شارع ﷺ نے تعلیم کیا ہے۔ یحییٰ بن جابر طائی سے مروی ہے کہ میں نے مقدم بن معد یکرب سے سنا کہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سب سے برابر تن جس کو آدمی بھرتا ہے وہ پیٹ ہے۔ فرزند آدم کے لئے چند لقمے کافی ہیں جو اس کی پشت کو سیدھا رکھیں۔ اور اگر مجبوری ہی آپڑے تو ایک تہائی پانی کے لئے اور ایک تہائی سانس کے لئے رکھے۔ مصنف نے کہا شارعؐ نے اس قدر کھانے کا حکم دیا ہے جو نفس کو قائم رکھے۔ اس میں نفس کی محافظت اور اس کی مصلحت کے لئے کوشش ہے۔ شارع علیہ السلام کی اس تہائی تہائی کی تقسیم کو اگر بقرطیب بھی سن لیتا تو یہ حکمت دیکھ کر حیران رہ جاتا کیونکہ کھانا اور پانی معدے میں جا کر پھولتے ہیں اور اس کے بھر دینے کے قریب ہو جاتے ہیں۔ اور تہائی کے قریب سانس کے لئے رہ جاتا ہے۔ یہ تقسیم نہایت اعتدال پر واقع ہوئی۔ اگر اس سے تھوڑا سا کم ہو جائے تو کچھ مضر نہیں۔ اور اگر بہت ہی کمی کرے تو قوت میں ضعف آجائے گا۔ اور کھانے کے معتدنگ

ہو جائیں گے۔

فصل :- مصنفؒ نے کہا جانا چاہیے کہ صوفیہ فقط مبتدیوں اور جوانوں کو غذا کم کرنے کا حکم کرتے ہیں۔ حالانکہ جوانوں کے حق میں سب سے زیادہ ضرر رساں چیز بھوک ہے کیونکہ بوڑھے اور ادھیڑ آدمی تو بھوک پر صبر کر سکتے ہیں۔ مگر جوان ہرگز صابر نہیں ہو سکتے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ جوانی کی حرارت بہت تیز ہوتی ہے۔ لہذا ہضم عمدہ ہوتا ہے اور بدن کی کشادگی زیادہ ہوتی ہے۔ اور زیادہ کھانے کی ضرورت پڑتی ہے۔ جس طرح بوے چراغ میں زیادہ تیل کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس حالت میں جب کہ جوان آدمی بھوک پر صبر کریں گے اور آغاز ترقی میں اس کو ثابت رکھیں گے تو اپنے نفس کی نشوونما کو روکیں گے۔ ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی دیواروں کی جڑ کھودنے لگے۔ علاوہ ازیں معدہ جب غذا نہ پائے گا تو بدن میں جو فضولیات جمع ہیں ان کے لینے کے لئے ہاتھ بڑھائے گا۔ اور خلطوں کو اپنی غذا بنائے گا جس سے جسم اور ذہن خراب ہو جائے گا۔ یہ بیان بہت بڑی اصل ہے جس میں غور و فکر کی ضرورت ہے۔

فصل :- مصنفؒ نے کہا علماء نے اس کم خور کی کا ذکر کیا ہے جو بدن کو ضعیف کر دے۔ احمد بن حنبلؒ سے مروی ہے کہ ان سے عقبہ بن مکرم نے کہا یہ لوگ جو کم کھاتے ہیں اور اپنی خوراک تھوڑی کرتے ہیں مجھ کو اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ عبد الرحمن بن مہدی سے میں نے سنا ہے کہتے تھے کچھ لوگوں نے ایسا کیا تھا آخر ادائے فرض سے عاجز رہ گئے۔ اسحاق بن داؤد بن صبیح نے کہا میں نے عبد الرحمن بن مہدی سے ذکر کیا کہ اے ابو سعید ہمارے شہروں میں ان صوفیہ کی ایک جماعت ہے وہ بولے کہ ان کے قریب نہ جانا کیونکہ میں نے ان لوگوں میں سے کچھ ایسے دیکھے ہیں جو صوفی بن کر دیوانے ہو گئے اور بعض ایسے دیکھے ہیں کہ زندیق بن گئے پھر بولے کہ ایک بار سفیان ثوری سفر کو چلے میں ان کو پہنچانے کے لئے کچھ دور گیا۔ ان کے ساتھ دسترخوان تھا جس میں فالودہ اور بکری کا گوشت تھا۔ احمد بن حنبلؒ سے کسی آدمی نے کہا کہ مجھ کو پندرہ برس سے شیطان دھوکہ دے رہا ہے اور بعض اوقات مجھ کو دوسو سوہ ہوتا ہے اور میں خدا تعالیٰ کی ذات میں فکر و دوڑا نے لگتا ہوں۔ امام بولے کہ شاید تو ہمیشہ روزہ رکھتا ہے اس کو افطار کر اور چکنی چیزیں کھایا کر اور واعظوں کے پاس بیٹھا کر۔

مصنفؒ نے کہا صوفیہ میں ایسے بھی ہیں جو خراب اور ردی کھانا کھاتے ہیں اور

چکنا چھوڑ دیتے ہیں جس کی وجہ سے معدے میں اخلاط فاسدہ جمع ہو جاتے ہیں۔ معدہ ایک مدت تک ان غلطوں کو غذا بنا تا رہتا ہے۔ کیونکہ معدہ کے لئے ایسی چیز ضرور ہونا چاہیے۔ جس کو وہ ہضم کرے جو کھانا اس میں موجود تھا جب اس کو ہضم کر چکا اور پھر کچھ نہ پایا غلطوں کو لے کر ہضم کرتا ہے اور ان کو غذا بنا تا ہے۔ اور یہ خراب غذا سو اس و جنون و بد اخلاقی کا باعث ہوتی ہے اور یہ کم خور اک بنانے والے لوگ کم خور اکی کے ساتھ ساتھ ردی اور خراب کھانے بھی کھاتے ہیں۔ جس سے ان کے اخلاط فاسدہ زیادہ ہوتے ہیں اور معدہ ان اخلاط کے ہضم کرنے میں مشغول رہتا ہے۔ اور یہ لوگ ہندو بتج کم کھانے کی عادت ڈالتے ہیں اور معدہ کو تنگ کرتے ہیں اور پھر کھانے سے باز رہنے کو کرامت خیال کر بیٹھتے ہیں حالانکہ اصلی سبب وہی ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔

عبدالمعظم بن عبدالکریم نے کہا میرے باپ نے بیان کیا کہ ایک عورت بہت بڑھیا تھی اس سے کسی نے اس کی گزشتہ حالت دریافت کی کہنے لگی کہ جوانی کے عالم میں میں اپنے آپ میں ایسی حالتیں پاتی تھی جو حالت کی طاقت سے زیادہ تھیں۔ جب میں بڑی ہوئی تو وہ سب حالت مجھ سے زائل ہو گئی۔ لہذا مجھ کو معلوم ہوا کہ وہ جوانی کی قوت تھی جس پر مجھ کو احوال کا توہم ہوا۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے ابو علی دقاق سے سنا تھا کہتے تھے اس عورت کا قصہ جو شیخ نے گا وہ اس بڑھیا پر رحم کرے گا۔ اور کہتے تھے کہ یہ بڑھیا منصف تھی۔

منصفؒ نے کہا اگر کوئی کہے کہ تم خوراک کم کرنے سے کیوں منع کرتے ہو۔ حالانکہ تم نے روایت کیا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ ہر روز گیارہ لقمے کھایا کرتے تھے۔ اور ابن زبیر رضی اللہ عنہ ایک ہفتہ تک بغیر کچھ کھائے ہوئے رہتے تھے۔ اور ابراہیم تیمی دو مہینے تک بھوکے رہے۔ (جواب) یہ ہے کہ بعض وقتوں میں انسان کو اس قسم کا اتفاق ہو جاتا ہے۔ مگر وہ اس پر مداومت نہیں کرتا اور اس میں ترقی نہیں چاہتا۔ سلف میں بعض ایسے تھے جو پرہیز و غیرہ کی وجہ سے بھوکے رہتے تھے کہ ان کو صبر کی عادت ہو گئی تھی۔ اور ان کے بدن کو کچھ ضرر نہ پہنچتا تھا۔ عرب میں ایسے لوگ ہیں جو کئی کئی دن تک صرف دودھ پی کر رہتے تھے۔ اور ہم یہ حکم نہیں دیتے کہ خوب پیٹ بھر کر کھائے۔ بلکہ اس بھوک سے منع کرتے ہیں جو قوت کو ضعیف کر دے۔ اور بدن کو تکلیف پہنچائے اور جب بدن ضعیف ہو جائے گا تو عبادت میں کمی واقع ہوگی۔ اگر جوانی کی قوت پر حملہ کیا جائے گا تو بڑھاپا آجائے گا۔ جس کی وجہ سے وہ بدن جو سواری ہے

خراب ہو جائے گا۔

انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے لئے صداع بھر کر چھوہارے ڈال دیئے جاتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھاتے تھے حتیٰ کہ بہت خراب چھوہارے بھی کھا جاتے تھے۔ ابراہیم بن اوہم کی نسبت ہم بیان کر چکے کہ انہوں نے مکھن اور شہد اور سفید خمیری روٹی خریدی۔ کسی نے کہا کہ آپ ایسا کھانا کھاتے ہیں۔ جواب دیا کہ جب ہم کو میسر آتا ہے تو مردوں کا کھانا کھاتے ہیں اور جب نہیں ملتا تو مردوں کی طرح صبر کرتے ہیں۔

فصل :- مصنف نے کہا باقی رہا صاف پانی پینا اس کو رسول اللہ ﷺ نے

اختیار فرمایا ہے۔ جابر بن عبد اللہ نے کہا رسول اللہ ﷺ نے انصار کی ایک جماعت میں ایک مریض کی عیادت کو تشریف لائے اور پانی مانگا۔ وہاں ایک حوض قریب تھا فرمایا اگر تمہارے یہاں مشکیزہ میں رات کا رکھا ہوا پانی ہو تو لاؤ۔ ورنہ پھر یہی حوض کا پانی پی لیں گے۔ یہ حدیث بخاری میں ہے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے لئے حوض میں سے صاف و شیریں پانی لایا جاتا تھا۔ مصنف نے کہا یہ بات بھی معلوم ہونی چاہیے کہ گدلا پانی گردہ میں سنگریزہ اور جگر میں سدہ پیدا کرتا ہے۔ اور ٹھنڈا پانی اگر اس کی بروقت معتدل ہو تو معدہ کو مضبوط اور شہوت کو قوی اور رنگ کو خوبصورت کرتا ہے اور خون میں عفونت نہیں آنے دیتا۔ خارات کو دماغ کی جانب چڑھ جانے سے باز رکھتا ہے۔ اور تندرستی کی محافظت کرتا ہے۔ اور جب پانی گرم ہوتا ہے تو ہضم کو خراب کر دیتا ہے غفلت و سستی لاتا ہے بدن کو لاغر کرتا ہے اور جلد ہر اور دق کی بیماری پر نوبت پہنچ جاتی ہے اور اگر آفتاب کے ذریعہ سے پانی گرم کیا جائے تو جذام کے عارضہ کا خوف ہے۔

بعض زاہدوں کا قول ہے کہ جب تم عمدہ کھانا کھاؤ گے اور ٹھنڈا پانی پیو گے تو موت کو کب پسند کرو گے۔ ابو خلیل طوسی کہتے ہیں جب انسان مزیدار چیزیں کھائے گا تو اس کا دلی سخت ہو جائے گا اور موت سے نفرت کرے گا اور جس وقت اپنے نفس کو اس کی خلیہ شوں سے روکے گا اور لذتوں سے محروم رکھے گا تو اس کا نفس یہ آفتیں اٹھا کر موت کا خواہش مند ہوگا۔ مصنف نے کہا سخت تعجب آتا ہے کہ فقیہ آدمی کیونکر ایسی باتیں کرتا ہے کیا تم سمجھ سکتے ہو کہ اگر نفس کو کسی قسم کے عذاب میں ڈال دیا جائے تو

وہ موت کو پسند کرے گا۔ علاوہ ازیں ہمارے لئے کیونکر جائز ہے کہ نفس کو عذاب میں گرفتار کریں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے ولا تقتلوا انفسکم (النساء پ ۵ آیت ۲۹) یعنی تم اپنے نفسوں کو مار نہ ڈالو۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہمارے ساتھ یہ نرمی کی ہے کہ سفر میں روزہ افطار کر لینے پر ہم سے رضامندی ظاہر فرمائی اور ارشاد فرمایا یرید اللہ بکم اليسر ولا یرید بکم العسر یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے سختی نہیں چاہتا۔ پھر دیکھنا چاہیے کہ بھلا کیا نفس ہمارے لئے ایسی سواری نہیں ہے جس کے ذریعہ سے ہم منزل پر پہنچتے ہیں۔ کسی کا شعر ہے۔

وکیف لاناوی لہاوی التی

بہا قطننا السہل والحزونا

(ترجمہ) ہم اپنے اونٹنی کو اچھی طرح کیوں نہ رکھیں۔ اسی سے تم ہم نرم و سخت زمین طے کرتے ہیں۔ ابویزید کا سال بھر تک پانی چھوڑ کر اپنے نفس کو عذاب میں ڈالنا ایک مذموم حالت ہے۔ ان باتوں کو صرف جاہل لوگ اچھا جانتے ہیں۔ مذموم اس وجہ سے ہے کہ نفس کا ہم پر ایک حق ہے اور حق دار کا حق ادا نہ کرنا ظلم ہے۔ انسان کے لئے ہرگز جائز نہیں کہ اپنے نفس کو تکلیف دے اور گرمی میں دھوپ میں اس قدر بیٹھے کہ تکلیف ہو اور جاڑے میں برف پر بیٹھے۔ پانی کا خاصہ ہے کہ بدن میں اصلی رطوبتوں کی محافظت کرتا ہے۔ اور غذا کو اس کے مقام پر پہنچاتا ہے۔ اور نفس کا مدار غذا پر ہے۔ جب اس کو آدمیوں کی غذا ملے اور پانی نہ دیا گیا تو گویا اس پر حملہ کیا۔ اور یہ بڑی بھاری خطا ہے۔ علی ہذا القیاس ابویزید کا اپنے نفس کو خواب سے باز رکھنا۔

لن عقیل کہتے ہیں لوگوں کے لئے یہ امر جائز نہیں کہ اپنے جی سے سزائیں قائم کریں اور ان سزاؤں کو پورا کریں۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ انسان کا اپنے لئے خود حد شرع قائم کر لینا کافی نہیں۔ اور اگر ایسا کر گزرے تو امام اس حد کا اعادہ کرے گا۔ یہ نفوس اللہ تعالیٰ کی امانتیں ہیں حتیٰ کہ مال دار آدمیوں کے لئے مال میں تصرف کرنا علی الاطلاق نہیں بلکہ خاص خاص صورتوں میں رکھا گیا ہے۔

مصنفؒ نے کہا ہم نے ہجرت کی حدیث میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے زاد سفر کھانا پانی لیا۔ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کے لئے ایک ٹیلے کے سایہ میں چھوٹا بچھا لیا۔ اور ایک پیالہ میں آپ ﷺ کے لئے دودھ دوہا۔ پھر اس پیالہ پر پانی چھوڑا حتیٰ کہ نیچے تک ٹھنڈا ہو گیا۔ یہ سب باتیں نفس کے ساتھ

نرمی کی ہیں۔ ابو طالب نے جو ترتیب مقرر کی ہے وہ نفس پر حملہ کرنا ہے۔ تاکہ وہ ضعیف ہو جائے۔ بھوک فقط اسی وقت تک اچھی ہے جب ایک مقدار پر ہو۔ باقی رہا مکاشفہ کا ذکر تو یہ ایک خیالی بات ہے۔ ترمذی نے جو کچھ تصنیف کیا ہے تو گویا اپنی رائے فاسد سے ایک نئی شریعت نکالی توبہ کے وقت پے در پے دو مہینے کے روزے رکھنے کی کیا وجہ ہے۔ اور میوے جو مباح ہیں ان کے چھوڑ دینے میں کیا فائدہ ہے اور جب انسان کتابوں کا مطالعہ نہ کرے گا تو کس سیرت کا اتباع کرے گا اور چلے جو نکالا ہے محض خیالی مضمون ہے۔ جس کا مدار ایک بے اصل حدیث پر ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو کوئی چالیس روز تک خدا تعالیٰ کے ساتھ اخلاص رکھے گا تو یوں ہو گا۔ ہم پوچھتے ہیں کہ اخلاص تو ہمیشہ واجب ہے۔ چالیس روز کی قید لگانے کی کیا وجہ ہے؟ پھر یہ کیا بات ہے کہ میووں کا کھانا اچھا ہو گیا اور روٹی سے باز رکھا گیا یہ سب باتیں جمالت کی نہیں تو کیا ہیں۔

عبداللہ بن عبد اللہ بن قیس نے کہا کہ میرے باپ نے بیان کیا کہ صوفیہ کی جہتیں ہر ایک کی حجت سے ظاہر تر ہیں اور ان کے مذہب کے قواعد ہر ایک مذہب کے قواعد سے زیادہ قوی ہیں۔ کیونکہ لوگ یا تو اہل نقل و حدیث ہیں یا اہل عقل و فکر۔ اور اس گروہ کے مشائخ ان سب سے ترقی کر گئے ہیں جو چیز لوگوں کے لئے عیب ہے وہ صوفیہ کے لئے ظہور ہے۔ لہذا صوفیہ اہل وصال ہیں اور لوگ اہل استدلال۔ پس ان کے ارادت مند کو چاہیے کہ تعلقات کو قطع کر دے۔ اول مال سے علیحدہ ہو جائے، پھر جاہ و مرتبہ چھوڑ دے، اور جب تک خواب کا غلبہ نہ ہو آرام نہ کرے۔ اور اپنی غذا کو آہستہ آہستہ کم کرے۔ مصنف نے کہا جس کسی کو ذرا سی سمجھ بھی ہو گی وہ جان لے گا کہ یہ کلام محض تخیل ہے کیونکہ جو شخص عقل و نقل دونوں ہی سے الگ ہو گیا وہ آدمیوں کے شمار سے خارج ہے اور خلقت میں جو کوئی ہے وہ صاحب استدلال ہی ہے اور وصال کا ذکر کرنا خیالی پلاؤ ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ان مریدوں اور پیروں کی تخیل بے محفوظ رکھے۔

فصل۔ ان حدیثوں کا بیان جن سے صوفیہ کے

افعال خطا ثابت ہوتے ہیں۔

سعید بن مسیب نے کہا عثمان بن مظعون نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آ

کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرے جی میں کچھ باتیں آئی ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ جب تک آپ ﷺ سے تذکرہ نہ کر لوں کوئی نیا کام کروں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارے جی میں کیا آتا ہے۔ عرض کیا میرے جی میں یہ آتا ہے کہ خضی ہو جاؤں۔ فرمایا اے عثمان ذرا ٹھہرو، سنو میری امت کا خضی ہونا روزہ ہے۔ عرض کیا یا رسول اللہ میرے جی میں آتا ہے کہ پہاڑوں میں جا بیٹھوں۔ فرمایا اے عثمان ذرا ٹھہرو، سنو میری امت کی رہبانیت یہ ہے کہ مسجدوں میں بیٹھیں اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کریں۔ عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرے جی میں آتا ہے کہ زمین پر سیاحی کروں۔ فرمایا اے عثمان ذرا ٹھہرو، سنو میری امت کی سیاحی خدا کی راہ میں جہاد کرنا اور حج و عمرہ ہے۔ عرض کیا یا رسول اللہ میرے جی میں آتا ہے کہ اپنے تمام مال سے علیحدہ ہو جاؤں۔ فرمایا اے عثمان ذرا ٹھہرو، سنو، تمہارا ہر روز صدقہ دینا اور اپنے نفس اور بال بچوں کی پرورش کرنا اور مسکین و یتیم پر رحم کرنا، ان کو کھانا کھلانا اس فعل سے افضل ہے۔ عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرے جی میں آتا ہے کہ اپنی بی بی خولہ کو طلاق دے دوں اور چھوڑ دوں۔ فرمایا اے عثمان ذرا ٹھہرو، سنو، میری امت کی ہجرت یہ ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے چھوڑ دے یا میری زندگی میں ہجرت کر کے میرے پاس آئے یا میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کرے یا اپنے مرنے کے بعد ایک یا دو یا تین یا چار بیبیاں چھوڑ جائے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرے جی میں آتا ہے کہ اپنی بی بی سے قرمت نہ کروں۔ فرمایا اے عثمان ذرا ٹھہرو، سنو، مسلمان آدمی جب اپنی منکوحہ سے قرمت کرتا ہے تو اگر بر تقدیر اس صحبت سے لڑکانہ ہوا تو اس کو بہشت میں ایک کنیز ملے گی اور اگر لڑکا ہوا مگر اس سے پہلے مر گیا تو قیامت کے دن اس کا پیشرو اور شفیع ہوگا۔ اور اگر اس کے بعد وہ لڑکا زندہ رہا تو قیامت میں اس کے لئے نور ہوگا۔ عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرے جی میں آتا ہے کہ گوشت نہ کھاؤں۔ فرمایا اے عثمان ذرا ٹھہرو، سنو مجھ کو گوشت مرغوب ہے اور جب ملتا ہے کھاتا ہوں۔ اور اگر میں اپنے پروردگار سے سوال کروں کہ ہر روز مجھ کو گوشت کھلائے تو ضرور کھلایا کرے۔ عرض کیا یا رسول اللہ میرے جی میں آتا ہے کہ خوشبو نہ لگاؤں۔ فرمایا، اے عثمان ٹھہرو، سنو، جبرئیل نے مجھ کو گاہے گاہے خوشبو لگانے کا حکم دیا ہے اور جمعہ کے روز تو اس کو ترک ہی نہیں کرتا۔ اے عثمان میرے طریقہ سے منہ نہ موڑو۔ جو شخص میری سنت سے پھر گیا اور اسی حال میں بغیر توبہ کئے مر گیا فرشتے اس کا منہ میرے حوض سے پھیر دیں

گے۔ مصنف نے کہایہ حدیث عمیر بن مرداس کی روایت سے ہے۔

ابو بردہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی بی بی ایک بار رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات کے پاس آئیں۔ ازواج مطہرات نے ان کو کثیف حالت میں دیکھا ان سے کہنے لگیں تم کو کیا ہو گیا تمہارے شوہر سے مال دار تو قریش میں سے کوئی نہیں ہے وہ بولیں کہ ہم کو اس شخص سے کوئی نفع نہیں۔ رات بھر نماز پڑھتا ہے اور دن بھر روزہ رکھتا ہے۔ ازواج مطہرات نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں تذکرہ کیا۔ آپ ﷺ عثمان سے ملے اور فرمایا عثمان کیا تم میری پیروی نہیں کرتے، عرض کیا یا رسول اللہ میرے ماں اور باپ قربان ہوں کیا بات ہے، فرمایا تم دن بھر روزہ رکھتے ہو اور رات بھر نماز پڑھتے ہو۔ عرض کیا جی ہاں ایسا کرتا ہوں۔ فرمایا ایسا نہ کرو کیونکہ تمہاری آنکھوں کا تم پر حق ہے تمہارے بدن کا تم پر حق ہے۔ تمہاری بی بی کا تم پر حق ہے لہذا نماز بھی پڑھو اور خواب بھی کرو اور روزہ بھی رکھو افطار بھی کرو۔

ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عثمان بن مظعون ایک حجرہ میں بیٹھ کر عبادت کرنے لگے رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر پہنچی، آپ ﷺ تشریف لائے اور جس حجرہ میں عثمان رضی اللہ عنہ بیٹھے تھے اس کے دروازہ کے دونوں بازو تھام کر کھڑے ہوئے اور فرمایا اے عثمان رضی اللہ عنہ مجھ کو اللہ تعالیٰ نے رہبانیت کیلئے نہیں بھیجا۔ دویا تین بار آپ ﷺ نے یہی جملہ فرمایا پھر ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہتر دین ملت ابراہیم ہے جو خالص اور آسان ہے۔

بہمس ہلالی کہتے ہیں میں مسلمان ہوا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کو اپنے مسلمان ہونے کی خبر دی۔ پھر سال بھر تک آپ سے جدا رہا۔ اس کے بعد حاضر خدمت ہوا۔ اور اس وقت میں لاغر ہو گیا تھا۔ اور میرا جسم بالکل نزار (کنزور) تھا۔ آنحضرت ﷺ نے سر سے پاؤں تک مجھ کو دیکھا میں نے عرض کیا کیا آپ ﷺ مجھ کو نہیں پہنچاتے فرمایا تم کون ہو؟ میں نے عرض کیا بہمس ہلالی ہوں۔ فرمایا تمہارا یہ حال کیوں ہو گیا۔ میں نے عرض کیا جب سے آپ ﷺ سے جدا ہوا ہوں دن کو کبھی بے روزہ نہیں رہا اور رات کو خواب نہیں کیا۔ فرمایا تم کو کس نے حکم دیا تھا کہ اپنے نفس کو عذاب میں ڈالو۔ پس پورے رمضان بھر اور ہر مہینے ایک روزہ رکھو۔ میں نے عرض کیا میرے لئے اور کچھ بڑھاد دیجئے۔ فرمایا پورے رمضان بھر اور ہر مہینے دو روزے رکھو میں نے عرض کیا میرے لئے کچھ اور زیادہ کر دیجئے فرمایا پورے رمضان

بھر اور ہر مہینے تین روزے رکھا کرو۔

ایوبؑ نے ابو قلابہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر پہنچی کہ آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کچھ لوگوں نے عورتوں کی صحبت اور گوشت کھانے سے پرہیز اختیار کر لیا ہے آپ ﷺ نے یہ سن کر اس بارے میں سخت و عید فرمائی۔ اور ارشاد فرمایا اگر میں اس بارے میں پہلے تم کو ہدایت کر چکا ہوتا تو آج تم پر سختی کرتا۔ پھر فرمایا میں رہبانیت دے کر خدا کی طرف سے نہیں بھیجا گیا ہوں۔ اچھا دین ملت ابراہیم ہے جو خالص اور آسان ہے۔

مصنفؒ نے کہا دوسری حدیث میں ہم روایت کر چکے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اپنے بندے پر کھانے پینے میں اپنی نعمت کا اثر دیکھے بحر بن عبد اللہ کا قول ہے کہ جس شخص کو مال خیر عطا ہوا اور اس نے اپنے اوپر اس کا اظہار کیا تو اس شخص کا نام حبیب اللہ اور اس کی نعمت کا ذکر کرنے والا رکھا جائے گا اور جس کو مال خیر ملا اور اس نے اپنے اوپر اس کا اظہار نہ کیا اس کا نام بغض اللہ اور اس کی نعمت سے دشمنی رکھنے والا پڑے گا۔

فصل :- مصنفؒ نے کہا یہ حد سے زیادہ خوراک کم کر دینا جس سے ہم کو شریعت نے منع کیا ہے ہمارے زمانہ کے صوفیہ میں اس کے برعکس مضمون ہے۔ جس طرح متقدمین صوفیہ کی ہمت بھوک اور فاقہ کی طرف مبذول تھی اسی طرح ان کی ساری ہمت کھانے کی طرف مبذول ہے۔ ان لوگوں کو صدقہ کے کثیف اور میلے مال کی بدولت صبح و شام کا کھانا اور شیرینی حاصل ہے۔ انہوں نے دنیا کے کاروبار کسب و حرفت سب چھوڑ دیئے اور عبادت سے منہ پھیر لیا اور بطالت کا فرش بچھا لیا۔ ان میں سے اکثر کی ہمت کھانے اور کھیلنے کی جانب متوجہ ہے۔ اور ان کے ساتھ کوئی شخص احسان کرے تو کہتے ہیں شکریہ ادا کر اور اگر کچھ برائی کر دے تو کہتے ہیں توبہ کر اور اس قصور کے عوض میں جو کچھ اس پر لازم کرتے ہیں اس کو واجب کہتے ہیں حالانکہ جس چیز کو شریعت نے واجب قرار نہیں دیا اس کو واجب کہنا گناہ ہے۔

محمد بن عبدوس سراج بغدادی کہتے ہیں ایک بار بصرہ میں ابو مرحوم واعظ کھڑے ہو کر وعظ کہنے لگے۔ حتیٰ کہ اپنے میان سے لوگوں کو رلایا۔ جب وعظ سے فراغت پائی تو کہنے لگے ہم کو خدا کی راہ میں کون شخص چاول کھلائے گا۔ مجلس میں سے

ایک جوان آدمی اٹھ کر یو لاکہ میں یہ خدمت جلاؤں گا۔ ابو مرحوم نے کہا بیٹھو خدا تم پر رحم کرے۔ ہم کو تمہارا تہہ معلوم ہو گیا۔ وہ جوان دوبارہ اٹھ کر یو لا۔ ابو مرحوم نے کہا بیٹھو خدا تم پر رحم کرے ہم کو تمہارا منصب معلوم ہو گیا۔ پھر تیسری بار وہ جوان اٹھ کر یو لا۔ ابو مرحوم نے اپنے اصحاب سے کہا اٹھو ہمارے ساتھ اس شخص کے یہاں چلو وہ سب ان کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس جوان کے مکان پر آئے۔ وہ جوان بیان کرتا ہے کہ ہم ایک ہندیا ساگ کی لائے اور بغیر نمک کے اس کو کھایا۔ پھر ابو مرحوم بولے میرے پاس ایک پانچ بالشت کا لمبا چوڑا دس تر خوان اور پانچ پیما نے چاول یعنی بھات اور پانچ سیر گھی اور دس سیر شکر اور پانچ سیر بادام اور پانچ سیر پستہ لے آؤ۔ یہ سب چیزیں خاص کی گئیں۔ ابو مرحوم اپنے ساتھیوں سے بولے بھائیو دنیا کیسی ہو رہی ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ اس کا رنگ چمک رہا ہے۔ اور اس کا آفتاب روشن ہے۔ ابو مرحوم نے کہا اب دنیا میں بھی اس کی نہریں جاری کر دو یہ کہہ کر وہ گھی منگایا گیا اور چاولوں میں بہایا گیا۔ پھر ابو مرحوم اپنے اصحاب سے مخاطب ہو کر بولے۔ بھائیو دنیا کیسی ہو رہی ہے انہوں نے کہا اس کا رنگ چمک رہا ہے اور اس کا آفتاب روشن ہے اور اس کی نہریں اس میں جاری ہیں اور اس کے درخت لگا دیئے گئے ہیں اور اس کے پھل ہمارے لئے لٹک پڑے ہیں۔ بولے کہ بھائیو دنیا میں اس کے پتھر بھی پھینک دو۔ یہ کہہ کر وہ شکر لا کر اس میں ڈالی گئی پھر ابو مرحوم اپنے ساتھ والوں سے مخاطب ہو کر بولے کہ بھائیو دنیا کیسی ہو رہی ہے انہوں نے جواب دیا کہ اس کا رنگ چمک رہا ہے اور اس کا آفتاب روشن ہے اور اس کی نہریں اس میں جاری کر دی گئیں اور اس کے درخت بھی اس میں لگا دیئے گئے اور اس کے پھل لٹک پڑے ہیں اور اس کے پتھر اس میں پھینک دیئے گئے ہیں۔ ابو مرحوم نے کہا بھائیو ہم کو دنیا سے کیا غرض ہے اس پر ہاتھ مارو۔ یہ سن کر اس کھانے میں ہاتھ مارنے اور پانچوں انگلیوں سے کھانے لگے۔ ابو الفضل احمد بن سلمہ کہتے ہیں یہ قصہ میں نے ابو حاتم رازی سے بیان کیا۔ کہنے لگے کہ مجھ کو لکھو ادو۔ میں نے ان کو لکھوا دیا وہ بولے کہ صوفیہ کی حالت یہ ہے۔

منصفؒ نے کہا بعض صوفیہ کا میں نے یہ حال دیکھا ہے کہ جب کہیں دعوت میں جاتے ہیں تو خوب کھاتے ہیں پھر کچھ کھانا ساتھ لے جاتے ہیں۔ اور اکثر اوقات بلا اجازت صاحب خانہ کے اپنی جیب میں بھر لیتے ہیں حالانکہ یہ بالاجماع حرام ہے۔ ایک بڑھے صوفی کو میں نے دیکھا کہ اپنے ساتھ لے جانے کے لئے کچھ کھانا لیا۔ صاحب

خانہ نے اٹھ کر اس سے چھین لیا۔

سماع و رقص کے بارے میں صوفیہ

پر تلمیس ابلیس کا بیان

مصنفؒ نے کہا جانا چاہیے کہ راگ میں دو باتیں جمع ہوتی ہیں۔ ایک تو دل کو خدا تعالیٰ کی عظمت میں غور کرنے اور اس کی خدمت میں قائم رہنے سے غافل کر دیتا ہے۔ دوسرا دل کو جلد حاصل ہونے والی لذتوں کی طرف راغب کرتا ہے ان کے پورے کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ ہر قسم کی حسی شہوتیں پیدا کرتا ہے جن میں بہت بڑی شہوت نکاح ہے۔ اور نکاح کی کامل لذت نئی عورتوں میں ہے۔ نئی لذتیں حلال ذریعہ سے حاصل ہونا دشوار ہے لہذا انسان کو زنا پر براہیختہ کرتا ہے۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ زنا اور غنائیں باہم تناسب ہے اس جہت سے کہ غنا روح کی لذت ہے اور زنا لذات نفسانی کا بڑا حصہ ہے۔ اسی لئے حدیث میں آیا ہے الغناء رقیبہ الزنا یعنی راگ زنا کا فسوں ہے۔

ابو جعفر طبری نے بیان کیا ہے کہ جس شخص نے لمبو کی چیزیں نکالی ہیں وہ قابیل کی اولاد میں سے ایک آدمی ہے جس کو ثوبان کہتے ہیں اس کے زمانے میں مہلائیل بن قیمان نے آلات لمبو مثل بانسری اور طبل اور عود کے ایجاد کئے۔ قابیل کی اولاد لمبو لعب میں پڑ گئی ان لوگوں کی خبر ان کو بھی پہنچی جو شیث علیہ السلام کی نسل سے پہاڑوں میں رہتے تھے ان میں سے ایک گروہ نیچے اتر اور فواحش اور شراب کا پینا کھلم کھلا ہونے لگا۔ مصنفؒ نے کہا ان لذات کے آلات میں ایسی بات رکھی گئی ہے جو ایک دوسری چیز سے لذت حاصل ہونے کا باعث ہوتی ہے۔ خصوصاً وہ لذت جو اس لذت کے مناسب ہو۔ ابلیس کو جب اس امر میں مایوسی ہوئی کہ عبادت کرنے والوں کو کوئی آواز مثل عود وغیرہ کے سنائے تو اس چیز پر غور کیا جو عود سے حاصل ہوتی ہے۔ لہذا ابتداً رنج کام نکالنا چاہا۔ پہلے ان کو بغیر عود کے راگ سنایا اور اس کی خوبی ان پر ظاہر کر دی۔ حالانکہ اس کم محنت کا مقصد صرف یہ ہے کہ آہستہ آہستہ ایک چیز سے دوسری چیز پر ترقی کرے۔ فقیہ وہ ہے جو اسباب اور نتیجوں پر غور کرے اور مقاصد میں تامل کرے۔ مثلاً مرد پر نگاہ ڈالنا مباح ہے بخر طیکہ ہیجان شہوت سے بے خوف ہو اور اگر شہوت کا خوف ہو تو جائز

نہیں۔ اسی طرح چھوٹی لڑکی کا منہ چومنا جو تین برس کی ہو جائز ہے۔ کیونکہ ایسی جگہ اکثر شہوت واقع نہیں ہوتی۔ اور اگر شہوت پائی جاوے تو حرام ہے۔ علیٰ ہذا القیاس محرم عورتوں کے ساتھ تنہا ہونے میں اگر شہوت کا خوف ہو تو حرام ہے۔ اس قاعدہ پر غور کرنا چاہیے۔

فصل ۳۔ مصنفؒ نے کہا راگ کے بارے میں لوگوں نے بہت طویل طویل کلام کیا ہے بعض نے حرام بتایا ہے۔ اور بعض نے بغیر کراہت مباح رکھا ہے اور بعض نے لباحث کے ساتھ مکروہ کہا ہے۔ اور ٹھیک ٹھیک فیصلہ یہ ہے کہ یوں کو پہلے ایک چیز کی ماہیت و حقیقت دیکھنا چاہیے پھر اس پر حرام یا مکروہ وغیرہ ہونے کا اطلاق کیا جائے۔ غنا ایک اسم ہے جو بہت سی چیزوں پر بولا جاتا ہے۔ ایک حج کو جانے والوں کا راگ ہے جو راستوں میں گاتے چلتے ہیں اہل عجم میں بہت سے حاجیوں کے گروہ راستوں میں اشعار پڑھتے ہوئے جن میں کعبہ و زمزم و مقام ابراہیم کی تعریف کرتے ہیں۔ اور بعض اوقات اشعار پڑھنے کے ساتھ کچھ جانے لگتے ہیں۔ جو اعتدال سے خارج ہو جاتا ہے۔ اسی قسم سے غازی لوگ ہیں وہ بھی اشعار پڑھتے ہیں جن میں جہاد و غذا پر ابھارتے ہیں۔ اسی قسم سے جنگ کرنے والوں کے اشعار ہیں جو فخر کے طور پر لڑائی کے وقت پڑھتے ہیں۔ اسی قسم کے مکہ کے راستے میں خدا کے اشعار ہیں۔ چنانچہ کسی کا شعر ہے۔

بشرھا دلیلھا و قلا

غدا تزین الطلح والعجبالا

(ترجمہ) اونٹنی کو اس کے رہبر نے بشارت دی اور کہا کہ تو ریگستان اور پہاڑوں کی زینت ہے۔

ایسے اشعار سے اونٹ اور آدمی طرب میں آتے ہیں مگر یہ طرب ایسی نہیں ہوتی کہ حد اعتدال سے خارج کر دے۔

اس حد کی اصل یہ ہے جس طور پر ابو البختری نے وہب سے بروایت طلحہ مکی بیان کیا ہے کہ بعض علماء نے کہا کہ ایک رات رسول اللہ ﷺ مکہ کے راستے میں ایک قوم کی طرف جائز رہے جن میں ایک حد اخوان تھا۔ آپ ﷺ نے ان کو سلام علیک کر کے فرمایا کہ ہمارا حدی خواں سو رہا ہے۔ ہم تمہارے حدی خواں کی آواز سن کر تمہاری

طرف آنکے۔ بھلا کیا تم جانتے ہو کہ خدا کہاں سے نکلا ہے۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم کو معلوم نہیں ہے۔ ارشاد فرمایا ایک بار عرب کا جد اعلیٰ مضر اپنے کسی چرواہے کے پاس گیا اور اپنے اونٹوں کو دیکھا کہ متفرق ہو گئے تھے اس بات سے غصہ ہو کر ایک لکڑی لی اور اس کو چرواہے کے ہاتھ پر مارا۔ وہ غلام جنگل میں دوڑتا پھرنے لگا اور چلا چلا کر کہتا تھا یا یداد و ایداد یعنی ہائے میرا ہاتھ ہائے میرا ہاتھ۔ اونٹوں نے اس کی آواز سنی اور اس طرف جھک پڑے۔ مضر نے اپنے جی میں کہا اگر اس قسم کا راگ نکالا جائے تو اونٹ اس کی وجہ سے مانوس ہوں اور ایک جگہ رہا کریں اس وقت سے یہ خدا نکلا۔ مصنفؒ نے کہا رسول اللہ ﷺ کا ایک حدی خواں تھا جس کا نام انجھ تھا۔ حد افغانی کیا کرتا تھا۔ جس سے اونٹ تیز چلا کرتے تھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے انجھ ہاں ہاں ذرا ہو شیار رہا کر کہ توشیشیاں لدے ہوئے اونٹ کو ہانک رہا ہے۔

سلمہ بن اکوع کی حدیث میں ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خیبر کی طرف چلے۔ رات کو چلے جا رہے تھے۔ جماعت میں سے ایک شخص نے عامر سے کہا تم ہم کو کچھ اپنا مبارک کلام کیوں نہیں سناتے۔ عامر شاعر تھے۔ قوم کو یہ حد اسنانے لگے۔

اللهم لولا انت ما اهتدينا

ولا تصدقنا ولا صلينا

فالقين سكينه علينا

وثبت الاقدام ان لا قينا

(ترجمہ) خداوند اگر تو ہم کو توفیق نہ دیتا تو ہم ہدایت نہ پاتے اور نہ زکوٰۃ نماز ادا کرتے خداوند ہمارے دلوں میں اطمینان نبی القافر مالور جب ہم دشمن سے مقابلہ کریں تو ہم کو ثابت قدم رکھ۔ یہ اشعار سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ اونٹ ہنکانے والا کون ہے۔ لوگوں نے عرض کیا عامر بن اکوع ہیں فرمایا خدا اس پر رحم کرے۔

مصنفؒ نے کہا ہم شافعیؒ سے روایت کر چکے کہ انہوں نے کہلبد و لوگ جو خدا گاتے ہیں اس کے سننے میں کچھ حرج نہیں۔ مصنفؒ نے کہا عرب کے اشعار پڑھنے کا واقعہ ایک وہ ہے کہ مدینہ والے رسول اللہ ﷺ کے مکہ سے تشریف لانے کے وقت یہ پڑھتے تھے۔

طلوع البدر علينا

وجب الشکر علینا
مادعا لله داع

(ترجمہ) کوہ دواع کی گھاٹیوں سے ہم پر ایک چودھویں رات کا چاند چمک اٹھا جب تک دعا کرنے والے خدا سے دعا کریں ہم پر اس نعمت کا شکر واجب ہے۔

اسی قسم کے اشعار میں وہ اشعار داخل ہیں جو مدینہ والے گایا کرتے تھے۔ اور بعض اوقات گانے کے وقت دف جانے لگتے تھے۔ چنانچہ زہری نے عروہ سے روایت کیا کہ ایک بار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لے گئے حج کے ایام تھے اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس دو لڑکیاں بیٹھی ہوئی گاتی تھیں۔ اور دف جاتی تھیں اور رسول اللہ ﷺ چادر سے منہ ڈھانکے ہوئے لیٹے تھے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان لڑکیوں کو جھڑکا۔ رسول اللہ ﷺ نے چہرہ مبارک کھول کر فرمایا اے ابو بکر رضی اللہ عنہ ان کو کچھ مت کہو۔ آج کل عید کے ایام ہیں۔ یہ حدیث صحیحین میں ہے۔ مصنفؒ نے کہا بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ لڑکیاں کم سن تھیں، کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خود کم عمر تھیں۔ اور رسول اللہ ﷺ کا قاعدہ تھا کہ ان کے پاس لڑکیوں کو بھیج دیا کرتے تھے وہ ان کے ساتھ کھیلا کرتی تھیں۔ جعفر بن محمد نے کہا میں نے ابو عبد اللہ احمد بن حنبل سے دریافت کیا کہ عروہ کی حدیث جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے گانے والی لڑکیوں کی نسبت روایت کرتے ہیں۔ یہ غلط کیا چیز اور کس قسم کا تھا۔ جواب دیا ایسا تھا جیسے سوار آدمی کا راگ ہوتا ہے۔ اتینا کم اتینا کم، یعنی ہم تمہارے پاس آئے ہم تمہارے پاس آئے۔

ابو عقیل نے منہ سے روایت کیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے میان کیا ہمارے یہاں انصار میں سے ایک یتیم لڑکی تھی۔ ہم نے ایک انصاری سے اس کی شادی کر دی۔ اس کے شوہر کے ساتھ اس کو رخصت کرنے والوں میں سے ایک میں بھی تھی۔ رسول اللہ ﷺ مجھ سے فرمانے لگے اے عائشہ یہ انصار لوگ غزل کو پسند کرتے ہیں تم نے رخصتی کے وقت کیا کہا تھا میں نے عرض کیا ہر کت کی دعا کی تھی۔ فرمایا یہ کیوں نہ کہا۔ اتینا کم اتینا کم فحیونا نحییکم ولولا لذهب الاحمر ما حلت بوادیکم ولولا الحبہ السمراء لم تسمن عذار بکم۔

ابو زبیر رضی اللہ عنہ نے جابر سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت فرمایا کہ تم نے اس لڑکی کو اس کے گھر کی طرف

رخصت کر دیا۔ عرض کیا ہاں۔ فرمایا اس کے ہمراہ ایسی لڑکیاں کیوں نہ بھیج دیں جو گاتی ہوتی چلتیں اتینا کم اتینا کم فحیونا نحییکم کیونکہ انصار میں غزل کا رواج ہے۔

مصنفؒ نے کہا یہاں تک کہ جو کچھ ہم نے بیان کیا اس سے معلوم ہو گیا کہ وہ لوگ جو گایا کرتے تھے۔ اس قسم سے نہ تھا کہ طرب پیدا کرے۔ اور ایسا نہ تھا جیسا آج کل معروف ہے۔ اسی نوع کے وہ اشعار ہیں جو زاہد لوگ طرب والخان سے پڑھتے ہیں جن سے دلوں کا رجوع آخرت کی طرف ہوتا ہے۔ ان اشعار کا نام زہدیات رکھا ہے۔ چنانچہ کسی نے کہا ہے۔

یا غدیفی غفلہ ورائحا
الی متی تستحسن القبائحا
و کم الی کم لا تخاف موقفا
یستنطق اللہ بہ الجوارحا
یا عجبامنک وانت مبصر
کیف تحببت الطريق الواضحا

(ترجمہ) اے صبح و شام غفلت میں رہنے والے تو کب تک بری باتوں کو اچھا سمجھتا رہے گا۔ کب تک تجھ کو اس مقام کا خوف نہ ہو گا جس جگہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اعضاء گفتگو کریں گے۔ مجھ کو تیری حالت پر تعجب آتا ہے کہ تو آنکھوں والا ہو کر روشن راستے سے کیونکر دور ہوا جاتا ہے ایسے اشعار بھی مباح ہیں۔ احمد بن حنبلؒ نے اسی طرح کے اشعار کی جانب مباح ہونے کا اشارہ کیا ہے۔ ابو حامد خلفانی کہتے ہیں میں نے احمد بن حنبلؒ سے کہا اے ابو عبد اللہ یہ رقت آمیز قصیدے جو بہشت و دوزخ کے بیان میں ہیں آپ ان کے بارے میں کیا فرماتے ہیں۔ بولے کہ کس قسم کے قصیدے پوچھتے ہو۔ میں نے کہا مثلاً وہ کہتے ہیں۔ اذا ما قالی ربی، اما استحبیت تعصیبنی، و تخفی الذنب من خلقی، و بالعصیان تاتینی، (ترجمہ) جب مجھ سے میرا خدا فرمائے گا کہ تجھ کو میری نافرمانی کرتے ہوئے شرم نہ آئی تو میری مخلوق سے گناہوں کو چھپاتا تھا اور میرے سامنے گناہ کرتا تھا احمد بن حنبلؒ نے شعر سن کر کہا ذرا پھر پڑھو۔ میں نے دوبارہ پڑھے۔ احمد اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے حجرے میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا۔ میں نے کان لگا کر سنا کہ حجرے کے اندر ان کے رونے کی آواز آتی تھی اور وہ بار بار کہتے تھے۔

اذا ما قال لی ربی: اما استحييت تعصی، و تخفی الذنب من خلقی،
وبالعصیان تاتینی۔

وہ اشعار جو نوہ خواں لوگ پڑھتے ہیں جن سے حزن و بکاء کا جوش ہوتا ہے
ممنوع ہیں کیونکہ ان کے ضمن میں معصیت اور گناہ ہے۔ باقی رہے وہ اشعار جو گانے
والے لوگ گانے کا قصد کر کے گاتے ہیں۔ جن میں خوبصورت عورتوں اور شراب
وغیرہ کا ذکر ہوتا ہے جس کو سن کر طبیعت میں جنبش آتی ہے۔ اور حد اعتدال سے
خارج ہو جاتی ہے اور لہو و لعب کی محبت براہیختہ ہوتی ہے۔ یہی راگ اس زمانے میں
مشہور ہے، چنانچہ کسی شاعر کا قول ہے۔

ذهبی اللون تحسب من و جنتیہ النار تقتدح

خوفنی من فضیحتہ وافی وافتضح

یعنی ایک طلائی رنگ معشوق گویا اس کے رخساروں سے شعلہ برستا ہے، مجھ
کو رسوائی کا خوف دلاتا ہے کاش وہ میرے پاس آجائے اور میں رسوائی اٹھاؤں۔ ایسے
راگوں کے لئے لوگوں نے طرح طرح کے الحان نکالے ہیں۔ وہ سب الحان سننے والے
کو حد اعتدال سے خارج کر دیتے ہیں اور لہو کی محبت براہیختہ کرتے ہیں۔ ان لوگوں کے
پاس ایک اور چیز ہوتی ہے جس کا نام بسیط رکھا ہے۔ اس سے ہندرتج دلوں میں بے
قراری پیدا ہوتی ہے۔ پھر اس کے بعد شعر گاتے ہیں جس سے دل سخت بے چین ہو
جاتے ہیں۔ پھر انہوں نے اس راگ کے ساتھ باجا وغیرہ ملا دیا ہے۔ راگ کے موافق
دف اور گھنگرو اور بانسری وغیرہ جاتے ہیں۔ آج کل کے زمانے کا غنا (راگ) جو معروف
ہے یہی ہے۔

فصل :- مصنف نے کہا قبل اس کے کہ ہم راگ کی لباحت یا حرمت یا
کراہت کے بارے میں گفتگو کریں یہ کہتے ہیں کہ عاقل کو چاہیے اپنے نفس اور بھائیوں
کو نصیحت کرے اور غنا کی مذکورہ شدہ قسموں میں جن جن پر غنا کا لفظ صادق آتا ہے میان
کر کے شیطان کے فریب سے ڈرائے۔ اور ہر ایک غنا کو ایک ہی صورت پر محمول نہ
کرے۔ اس کے بعد بیان کرے کہ فلاں نے اس کو مباح سمجھا ہے اور فلاں نے مکروہ کہا
ہے۔

لہذا ہم پہلے اپنے نفس اور بھائیوں کو نصیحت کرنے میں گفتگو شروع کرتے

ہیں۔ اور کہتے ہیں یہ سب کو معلوم ہے کہ آدمیوں کی طبیعتیں متفق ہیں کبھی مختلف نہیں ہوتیں۔ اگر جوان آدمی سلیم البدن صحیح المزاج دعویٰ کرے کہ اچھی صورتیں دیکھنے سے وہ بے قرار نہیں ہوتا اور اس کے دل پر کچھ اثر نہیں پڑتا اور اس کے دین میں کچھ ضرر نہیں آتا تو ہم اس کو جھوٹا کہیں گے۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں سب طبیعتیں مساوی ہیں۔ اور اگر اس دعویٰ میں اس کی سچائی ثابت ہو جائے تو ہم جان لیں گے کہ اس کو کوئی مرض ہے جو حد اعتدال سے خارج ہو گیا۔ پھر اگر وہ یہاں ڈھونڈے اور کہے کہ میں اچھی صورتیں فقط عبرت حاصل کرنے کی غرض سے دیکھتا ہوں اور آنکھوں کی کشادگی اور ناک کی باریکی اور گورے رنگ کی صفائی میں صنعت الہی دیکھ کر تعجب کرتا ہوں۔ ہم اس شخص سے کہیں گے کہ طرح طرح کی مباح چیزوں کے دیکھنے میں بہت کافی عبرت ہے اور اچھی صورتوں کے دیکھنے میں تو طبیعت کا میلان صنعت میں غور کرنے سے باز رکھتا ہے کبھی یقین نہ کرو کہ باوجود شہوت کے غور کرنے کی نوبت آئے گی۔ کیونکہ طبعی میلان اس سے ہٹا کر دوسری طرف لگا دیتا ہے علیٰ ہذا القیاس جو شخص یوں کہے کہ یہ طرب انگیز غنا جو طبیعت کو بے قرار کرتا ہے اور اس کے لئے عشق کا محرک ہوتا ہے اور دنیا کی محبت پیدا کرتا ہے مجھ پر کچھ اثر نہیں کرتا اور جس دنیا کا ذکر اس غنا میں ہے میرا دل اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ تو ہم اس کو جھوٹا کہیں گے کیونکہ سب طبیعتیں مشترک ہیں۔ پھر اگر اس کا دل خوف الہی کے سبب سے خواہش نفسانی سے دور بھی ہو تو یہ غنا طبیعت کو اس خواہش نفسانی سے نزدیک کر دے گا۔ گو کہ کتنا ہی اس کا خوف الہی بڑھا ہوا ہو۔ علاوہ ازیں سب سے قبیح تر جگت اور کنایہ کی باتیں ہیں پھر یہ جگت اور کنایہ اس ذات پر کیونکر چل سکتا ہے جو ہر ایک راز جلی و خفی کا دانہ ہے پھر اگر دراصل یہی بات ہو جو کچھ اس صوفی کا خیال ہے جب بھی اتنا ضرور ہے کہ اسی شخص کے لئے مباح ہو سکتا ہے جس کی یہ صفت ہو۔ لیکن صوفیہ نے تو مطلق طور پر مبتدی، جوان اور نادان لڑکے کے لئے بھی مباح کر دیا ہے حتیٰ کہ ابو حامد غزال نے کہا ہے وہ تشیب جس میں رخساروں اور زلفوں کی تعریف اور قد و قامت کا وصف، اچھی عورتوں کے دیگر اوصاف کا ذکر ہو صحیح بات یہ ہے کہ حرام نہیں۔

مصنف نے کہا وہ شخص جو کہتا ہے کہ میں دنیا کے لئے راگ نہیں سنتا بلکہ اس سے فقط اشارات اخذ کرتا ہوں خطا پر ہے۔ اس کی دو وجوہات ہیں۔ ایک تو یہ کہ اشارات اخذ کرنے سے پہلے طبیعت مطلب کی طرف دوڑتی ہے۔ لہذا اس شخص کا حال

ویسا ہی ہے جیسا دوسرے شخص نے کہا تھا کہ میں صنعت الہی میں غور کرنے کے لئے خوب صورت عورت کو دیکھتا ہوں دوسری وجہ یہ کہ وہ شخص کتا ہے راگ میں ایسی باتیں موجود ہیں جن کا اشارہ خالق کی طرف ہو سکتا ہے حالانکہ خالق کی شان اس سے برتر ہے کہ اس کے حق میں یوں کہا جائے کہ وہ معشوق ہے یا اس کی طرف سے کوئی ایسا ارادہ ہوتا ہے۔ ہمارا حصہ تو اس کی معرفت سے فقط ہیبت اور تعظیم ہے۔ اب یہاں تک ہم نصیحت کا ذکر کر کے غنا کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے بیان کرتے ہیں۔

فصل :- غنا کے بارے میں امام احمدؒ کا مذہب یہ ہے کہ ان کے زمانے کا غناز ہد یہ قصیدے تھے۔ مگر ہاں لوگ ان قصیدوں کو الحان سے گاتے تھے۔ ان سے جو روایتیں پہنچی ہیں وہ مختلف ہیں۔ ان کے بیٹے عبد اللہ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ غناء دل میں نفاق اگادیتا ہے۔ مجھ کو اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ اسماعیل بن اسحاق ثقفی روایت کرتے ہیں کہ امام احمدؒ سے کسی نے قصیدے سننے کی نسبت سوال کیا جواب دیا کہ میں اس کو مکروہ سمجھتا ہوں۔ یہ بدعت ہے ایسی مجلس میں بیٹھنا نہ چاہیے ابو الحارث نے روایت کیا کہ امام احمدؒ نے کہا تغیر بدعت ہے۔ کسی نے ان سے کہا کہ تغیر سے دل پر رقت طاری ہوتی ہے جواب دیا کہ وہ بدعت ہے۔ یعقوب ہاشمی نے روایت کیا کہ امام احمدؒ نے کہا تغیر بدعت ہے اور دین میں نکالی ہوئی نئی بات ہے۔ یعقوب بن غیاث نے روایت کیا کہ امام احمدؒ نے کہا کہ میرے نزدیک تغیر مکروہ ہے اور اس کے سننے سے منع کیا۔ مصنف نے کہا یہ سب روایتیں غناء کے مکروہ ہونے کی دلیل ہیں۔ ابو بحر خلال نے کہا امام احمدؒ نے قصائد کو مکروہ کہا ہے۔ کیونکہ ان سے بیان کیا گیا کہ لوگ ان کو سن کر بے باکی اختیار کرتے ہیں۔ پھر امام احمدؒ سے ایسی بھی روایتیں پہنچی ہیں جو دلالت کرتی ہیں کہ غناء میں کچھ ڈر نہیں۔ مروزی نے کہا میں نے ابو عبد اللہ امام احمدؒ سے قصائد کی نسبت سوال کیا جواب دیا کہ بدعت ہے میں نے کہا کیا وہ لوگ متروک کئے جائیں۔ فرمایا اس درجہ تک ان کو نہ پہنچایا جائے۔ مصنف نے کہا ہم روایت کر چکے ہیں کہ امام احمدؒ نے اپنے بیٹے صالح کے پاس ایک قوال کو گاتے ہوئے سنا اور اس پر اعتراض نہیں کیا۔ صالح نے ان سے کہا بالاجان کیا آپ اس پر انکار نہیں فرمایا کرتے تھے؟ جواب دیا کہ میں نے یہ سنا تھا کہ لوگ منکرات عمل میں لاتے ہیں۔ اس لئے مکروہ جانتا تھا۔ لیکن ایسے راگ کو تو مکروہ نہیں سمجھتا۔

مصنفؒ نے کہا ہمارے اصحاب نے ابو بکر خلال اور ان کے ہم صحبت عبدالعزیز سے غنا کا مباح ہونا روایت کیا ہے۔ اس کا اشارہ صرف انہی قصائد زہدیہ کی طرف ہے جو ان دونوں بزرگوں کے زمانے میں رائج تھے۔ اور اسی پر وہ غناء محمول ہوگا جس کو امام احمد نے مکروہ نہیں جانا دلیل اس کے کہ احمد بن حنبل سے کسی نے یہ مسئلہ پوچھا کہ ایک آدمی مر گیا اور ایک بیٹا اور ایک گانے والی لونڈی چھوڑ مرا۔ لڑکے کو اس لونڈی کے فروخت کرنے کی ضرورت پڑی۔ احمد نے جواب دیا کہ گانے والی کہہ کر نہ بھی جائے گی۔ وہ شخص بولا کہ گانے والی کہنے کی حالت میں اس کی قیمت تیس ہزار درہم ہوں گے اور اگر وہ سادہ کہہ کر فروخت کی جائے تو فقط پیس ہی دینار کی فروخت ہوگی۔ احمد نے کہا وہ یہی کہہ کر بھی جائے گی کہ سادہ ہے۔ مصنف نے کہا احمد نے یہ فتویٰ اس لئے دیا کہ گانے والی لونڈی زہدیہ قصیدے نہیں گاتی بلکہ وہ اشعار جو طرب انگیز اور طبیعت کو عشق پر برا بیچنے کرنے والے ہوتے ہیں گاتی ہے یہ اس امر کی دلیل ہے کہ غناء ممنوع ہے۔ کیونکہ اگر ممنوع نہ ہوتا تو احمدؒ یتیم کا مال فوت کرنا جائز نہ رکھتے۔ اور یہ قول ایسا ہوا جیسا ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا تھا کہ میرے پاس شراب ہے جو یتیموں کا مال ہے فرمایا اس کو بہادو۔ پس اگر اس کی اصلاح کرنا جائز ہوتا تو رسول اللہ ﷺ یتیموں کا مال ضائع کرنے کا حکم نہ دیتے۔ مروزی نے احمد بن حنبلؒ سے روایت کیا کہ انہوں نے کہا محنت کی کمائی جس کو وہ غناء سے حاصل کرے ناپاک ہے یہ حکم اس لئے لگایا کہ مخنث قصائد نہیں گاتا بلکہ غزل نوچے گا یا کرتا ہے۔ اس تمام بیان سے ظاہر ہوا کہ احمد سے دوروائتیں کراہت کے بارے میں اور زہدیت کو الہان سے گانے کے غیر مکروہ ہونے میں آئی ہیں۔ باقی رہا وہ غناء جو آج کل معروف و مشہور ہے امام احمدؒ کے نزدیک ممنوع ہے اور اگر ان کو یہ معلوم ہوتا کہ لوگوں نے کیا کیا نئی باتیں نکالی ہیں تو خدا جانے کیا حکم دیتے۔

فصل :- غناء کے بارے میں امام مالکؒ کے مذہب کی نسبت عبداللہ بن

احمد نے اپنے باپ سے روایت کیا کہ اسحاق بن عیسیٰ نے کہا میں نے مالک بن انس سے اس غناء کی نسبت سوال کیا جس کی اہل مدینہ اجازت دیتے ہیں جواب دیا کہ یہ فعل فاسقوں کا ہے۔ ابو الطیب طبری نے کہا امام مالکؒ نے راگ اور اس کے سننے سے منع کیا اور کہا کہ اگر کسی لونڈی کو خرید اور اس کو گانے والی پایا تو اس عیب کی وجہ سے اس کو لوٹا

دینا مشتری کو جائز ہے۔ تمام علماء مدینہ کا یہی مذہب ہے سوائے ایک ابراہیم بن سعد کے ان کی نسبت ذکر یا ساجی نے نقل کیا ہے کہ اس عیب میں کچھ حرج نہ رکھتے تھے۔

فصل :- غناء کے بارے میں امام ابو حنیفہؒ کے مذہب کی بابت ابو الطیب طبری نے کہا کہ امام ابو حنیفہؒ باوجود نمینہ پینے کو مباح بتانے کے غناء مکروہ کہتے ہیں اور راگ سننا گناہ قرار دیتے ہیں۔ اور یہی مذہب تمام اہل کوفہ یعنی ابراہیم اور شعبی اور حماد اور سفیان ثوری وغیرہ کا ہے۔ اس بارے میں ان کے درمیان کوئی اختلاف نہیں اور اہل بصرہ میں بھی اس کے مکروہ و ممنوع ہونے میں اختلاف نہیں پایا جاتا۔ صرف عبید اللہ بن حسن غنبری سے اتنا مروی ہے کہ وہ اس میں کچھ حرج نہ جانتے تھے۔

فصل :- غناء کے بارے میں امام شافعیؒ کے مذہب کی نسبت حسن عبد العزیز جروی نے بیان کیا کہ میں نے محمد بن اور لیس شافعی سے سنا کہتے تھے میں عراق میں ایک چیز چھوڑ آیا ہوں جس کو زندیقوں نے نکالا ہے اس کا نام تغیر رکھا ہے۔ اس کے ذریعہ سے لوگوں کو قرآن سے باز رکھتے ہیں۔ مصنفؒ نے کہا ابو منصور ازہری نے میان کی اکہ مغیرہ (تغیر کرنے والے) وہ لوگ ہیں جو ذکر الہی کو دعو اور تضرع سے بدل دیتے ہیں۔ ذکر الہی کے اشعار کا جن پر ان کو طرب آتا ہے تغیر نام رکھا ہے۔ گویا جب الحان کے ذریعہ سے ان کو مشاہدہ حق ہوا تو طرب میں آگئے اور وجد کرنے لگے۔ اس لحاظ سے اس قوم کا نام مغیرہ پڑا۔ زجاج نے کہا ان لوگوں کا نام مغیرہ اس لئے ہوا کہ دنیاے فانی سے بھی لوگوں کو بے رغبت کرتے ہیں۔ اور آخرت کی ترغیب دیتے ہیں۔ بہتہ اللہ بن احمد حریری نے ابو الطیب طاہر بن عبد اللہ طبری سے روایت کیا کہ امام شافعیؒ نے کہا غناء ایک لہو مکروہ ہے جو باطل چیز کے مشابہ ہے جو شخص زیادہ غناء سنے گا وہ بے وقوف ہے اس کی شہادت رد کی جائے گی۔ ابو الطیب نے کہا شافعیؒ تغیر کو مکروہ بتاتے تھے۔ طبری نے یہ بھی کہا کہ ہر شہر کے علماء نے غناء کے مکروہ و ممنوع ہونے پر اتفاق کیا ہے۔ صرف ابراہیم بن سعد اور عبید اللہ غنبری علماء کی جماعت سے جدا ہو گئے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم بڑی جماعت کی پیروی کرو اور یہ بھی فرمایا جو شخص جماعت سے علیحدہ ہو تو وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔

مصنفؒ نے کہا اصحاب شافعیؒ میں بڑے بڑے لوگ سماع کا انکار کرتے تھے۔

ان میں سے متقدمین میں تو بعض کے انکار کرنے میں کوئی اختلاف ہی نہیں پایا جاتا۔ اور متاخرین میں جو اکابر ہیں وہ انکار پر ہیں۔ ان میں سے ابو الطیب طبری ہیں جنہوں نے غناء کے مذموم اور ممنوع ہونے میں ایک کتاب تصنیف کی ہے۔ اور ایک ان میں سے قاضی ابو بحر محمد بن مظفر شامی ہیں جن سے عبد الوہاب بن مبارک انماطی نے روایت کی کہ کہتے تھے راگ اور اس کا سننا اور عود وغیرہ جانا جائز نہیں اور کہتے تھے کہ جو شخص امام شافعیؒ کی طرف غناء کو منسوب کرے اس نے ان پر بہتان باندھا۔ امام شافعیؒ نے کتاب اوب القضاء میں قطعی طور سے کہا ہے کہ جو آدمی راگ سننے پر مدامت کرے اس کی شہادت مردود اور عدالت باطل ہے۔ مصنفؒ نے کہا علماء شافعیہ اور اہل دیانت کا یہی قول ہے اس کی نسبت فقط متاخرین شافعیہ میں ہے۔ ان لوگوں نے رخصت دی ہے جن کا علم کم تھا اور ہوائے نفسانی ان پر غالب تھی۔

غناء کے بارے میں فقہاء حنبلیہ کا قول یہ ہے کہ مغنی اور رقص کی شہادت مقبول نہیں ہوگی۔

غناء کے مکروہ ممنوع ہونے کے دلائل کا بیان

مصنفؒ نے کہا ہمارے اصحاب یعنی جنابہ نے قرآن اور سنت اور آثار سے استدلال کیا ہے قرآن سے استدلال میں تین آیتیں لاتے ہیں۔ پہلی آیت ومن الناس من يشتري لهو الحديث (لقمان پ ۲۱ آیت ۶) یعنی بعض لوگ کھیل کی بات خریدتے ہیں۔ سعید بن جبریؒ سے مروی ہے کہ ابو الصہباء نے کہا میں نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے معنی پوچھے ومن الناس من يشتري لهو الحديث جواب دیا کہ خدا کی قسم وہ غناء ہے عطاء بن سائب نے سعید بن جبیرؒ سے روایت کیا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ومن الناس من يشتري لهو الحديث سے مراد غناء اور اس کے مشابہ دوسری چیزیں ہیں۔ مجاہد نے کہا لہو الحديث کے معنی غناء ہیں۔ سعید بن جبیرؒ کہتے ہیں میں نے عکرمہ سے لہو الحديث کے بارے میں سوال کیا جواب دیا کہ غناء ہے حسن اور سعید بن جبیرؒ اور قتادہ رضی اللہ عنہ اور ابراہیم نخعی کا قول بھی یہی ہے۔

دوسری آیت وانتم سامدون (النجم پ ۷۷ آیت ۶۱) ہے یعنی تم غافل ہو یحییٰ بن سعید نے بیان کیا کہ سفیان نے اپنے باپ سے روایت کیا کہ عکرمہ نے ابن عباس

رضی اللہ عنہما سے نقل کیا کہ انہوں نے کہا و انتم سامدون سے مراد غناء ہے قبیلہ حمیر میں محاورہ ہے سمدلنا جس کے معنی ہیں غنی لنا یعنی ہم کو گانا سنایا۔ مجاہد نے کہا سامدون کے معنی غناء ہیں۔ جب کوئی گاتا ہے تو اہل یمن بولتے ہیں سمد فلان، یعنی فلاں شخص نے راگ گایا۔

تیسری آیت واستفزز من استطعت منهم بصوتك۔ (بنی اسرائیل پ ۱۵ آیت ۶۴) یعنی اے ابلیس جس کو تجھ سے ہو سکے اپنی آواز سنا کر اپنی طرف ابھار لے۔ سفیان ثوری نے لیث سے روایت کیا کہ مجاہد نے کہا اس آیت سے مراد غناء و مزامیر ہیں۔

سنت سے یوں استدلال کرتے ہیں۔ نافع نے کہا ایک بار ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کسی چرواہے کی بانسری کی آواز سنی تو جلدی سے اپنے دونوں کانوں میں انگلیاں ڈال لیں۔ اور اپنی سواری کو راستے سے موڑ دیا۔ اور بار بار پوچھتے تھے اے نافع کیا وہ آواز آتی ہے میں کہہ دیتا تھا ہاں یہ سن کر چلے چلتے تھے کہ میں نے کہا اب وہ آواز نہیں آئی۔ تب اپنے ہاتھ کانوں سے جدا کئے اور سواری کو راستے کی طرف لوٹایا۔ اور بولے کہ میرے سامنے رسول اللہ ﷺ نے کسی چرواہے کی بانسری سنی تھی تو آپ ﷺ نے یہی عمل فرمایا تھا جیسا میں نے کیا۔ مصنفؒ نے کہا جب صحابہ رضی اللہ عنہما کا یہ فعل اس آواز پر تھا جو اعتدال سے خارج نہیں کر دیتی تو بھلا اس زمانے والوں کے راگ اور باجوں کا کیا کہا جائے۔

ابو اسامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے گانے والی لونڈیوں کے خریدنے اور بیچنے اور تعلیم کرنے سے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ ان کی قیمت حرام ہے۔ اور یہ آیت پڑھی ومن الناس من يشتري الخ یعنی بعض لوگ ایسے ہیں کہ لہو کی باتیں خریدتے ہیں تاکہ خدا کی راہ سے گمراہ کر دیں اور اس کو ایک تمسخر سمجھیں ایسے ہی لوگوں کے لئے ذلت بخش عذاب ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو آدمی گانے کے لئے اپنی آواز بلند کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی طرف دو شیطان بھیجتا ہے وہ دونوں اس کے اوپر سوار ہو جاتے ہیں ایک اس جانب دوسرا اس جانب ہوتا ہے اپنے پاؤں اس گانے والے کے سینے میں مارتے ہیں حتیٰ کہ گانے سے خاموش رہے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ عزوجل نے گانے والی لونڈی کا خریدنا اور فروخت کرنا اور تعلیم دینا اور اس کا راگ سننا سب حرام کر دیا ہے۔

اتنا فرما کر یہ آیت پڑھی ومن الناس من يشتري لهو الحديث عبد الرحمان بن عوف نے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھ کو اللہ تعالیٰ نے دو آوازوں سے جن میں حماقت اور فحور پایا جاتا ہے منع فرمایا ہے ایک نغمہ کی آواز دوسرے مصیبت کے وقت کی آواز ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ گیا۔ آپ ﷺ کے صاحبزادے ابراہیم رضی اللہ عنہ اس وقت دم توڑ رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو اپنی گود میں لے لیا اور آپ ﷺ کی آنکھیں بھر آئیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ ﷺ خود تو روتے ہیں اور دوسروں کو رونے سے منع فرماتے ہیں۔ ارشاد فرمایا مجھ کو رونے سے نہیں منع فرمایا گیا بلکہ حماقت و فحور سے بھری ہوئی دو آوازوں سے ممانعت فرمائی گئی ہے ایک نغمہ کی آواز دوسرے مصیبت میں چیخ کر رونے سے اور منہ پیٹنے اور گریبان پھاڑنے اور شیطانی نوحہ کرنے سے منع کیا ہے عکرمہ رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھ کو اللہ تعالیٰ نے مزار اور طبل کے تباہ کرنے کو مبعوث فرمایا ہے۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ عزامیر کو توڑ ڈالنے کو بھیجا ہے۔

ابو الفرج بن فضالہ نے یحییٰ بن سعید سے روایت کیا کہ محمد بن عمر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب میری امت پندرہ خصلتیں اختیار کرے گی تو اس کے اوپر بلا نازل ہوگی۔ ان پندرہ میں سے ایک آپ ﷺ نے یہ فرمایا کہ گانے والی لونڈیاں اور گانے جانے کی چیزیں اختیار کریں گے۔ محمد بن یزید نے مسلم بن سعید سے روایت کیا کہ ربیع جذامی نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب لوگ محصول مملکت کو اپنی دولت بنالیں گے اور امانت کو غنیمت اور زکوٰۃ کو تاوان سمجھیں گے اور غیر دین کے لئے علم پڑھیں گے اور آدمی اپنی بی بی کا کٹنا مانے گا اور ماں کی نافرمانی کرے گا۔ اپنے دوست کو آرام پہنچائے گا۔ اور اپنے باپ کو ستائے گا اور مسجدوں میں شور مچائیں گے۔ اور خاندان کا سردار فاسق شخص ہو گا اور قوم کا رئیس ایک رذیل آدمی ہو گا اور انسان کے شر و فساد سے ڈر کر لوگ اس کی تعظیم کریں گے اور گانے والیاں اور گانے جانے کی چیزیں عام طور پر ظاہر ہوں گی۔ اور شراب پی جائیں گی، اور اس امت کے پچھلے لوگ اپنے پہلے والوں کو لعنت کریں گے اس حالت میں لوگ منتظر رہیں کہ ایک سرخ آندھی اٹھے گی اور زلزلہ آئے گا اور خسف واقع ہو گا اور صورتیں مسخ ہو جائیں گی اور آسمان سے پتھر برسیں گے اور ان

کے علاوہ اور آیتیں پے در پے ظہور کریں گی۔ جس طرح کسی موتی کی لڑی کا ڈور اتوڑ دیا جائے اور موتی لگاتار گرتے جائیں۔ سہل بن سعد نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت میں خسفت یعنی زمین میں دھنس جانا اور قذف یعنی آسمان سے پتھر برسنا اور مسخ یعنی صورتوں کا بدل جانا واقع ہوگا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کب ہوگا۔ فرمایا جب گانے جانے کی چیزیں اور گانے والیاں عام ہوں گی۔ اور شراب حلال ہوگی۔ صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ایک بار رسول اللہ ﷺ کے پاس تھے۔ اتنے میں عمرو بن قرہ نے آکر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرے لئے اللہ تعالیٰ نے شقاوت اور بد بختی مقدر فرمائی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ مجھ کو بغیر دف جانے کے رزق نہیں مل سکتا آپ ﷺ مجھ کو غناء کی اجازت دے دیجئے میں فحش گانا نہیں گاؤں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں تجھ کو اجازت نہ دوں گا اور نہ تیری عزت کروں گا اور نہ تجھ کو چشم عطا سے دیکھوں گا۔ اے خدا کے دشمن تو جھوٹ بولتا ہے اللہ تعالیٰ نے تجھ کو حلال اور پاک رزق عطا فرمایا ہے اور تو خدا کے رزق میں سے حرام اختیار کرتا ہے۔ اگر میں تجھ کو پیشتر ممانعت کو چکا ہوتا تو اس وقت تجھ سے بری طرح پیش آتا۔ چل میرے پاس سے اٹھ کھڑا ہو۔ اور خدا کے سامنے توبہ کر یاد رکھ اگر اب سمجھانے کے بعد تو نے ایسا کیا تو میں تجھ کو دردناک سزا دوں گا تیرا منہ بگاڑ دوں گا تجھ کو تیرے گھربار سے نکال کر شہر بدر کروں گا۔ اور تیرا رخت و اسباب مدینہ کے نوجوانوں میں لٹاؤں گا۔ یہ باتیں سن کر عمرو بن قرہ نہایت غمناک اور اندوہگین وہاں سے اٹھ کر چلے گئے۔ جب وہ جا چلے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ یہی لوگ عاصی و نافرمان ہیں جو کوئی ان میں سے بغیر توبہ مرے گا حشر میں اللہ تعالیٰ اس کو ننگا اٹھائے گا۔ ایک چیتھر اچھی بدن پر نہ ہوگا۔ جب کھڑا ہونے لگے گا لڑکھڑا کر گر پڑے گا۔

آدم سے یوں استدلال لاتے ہیں کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا غناء دل میں نفاق اگادیتا ہے جس طرح پانی سبزی کو اگاتا ہے۔ اور کہا جب آدمی چوپائے پر سوار ہوتا ہے اور ہم اللہ نہیں کہتا تو شیطان اس کے پیچھے بیٹھ جاتا ہے اور اس سے کہتا ہے گانا گا۔ اگر اس کو گانا اچھی طرح نہیں آتا تو شیطان کہتا ہے آواز ہی بنا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما ایک بار کچھ لڑگوں پر گزرے جو احرام باندھے ہوئے تھے ان میں ایک آدمی غناء کرتا تھا کہنے لگے خدا تعالیٰ تمہاری نہ سنے یعنی تم پر توجہ نہ کرے۔ قاسم بن محمد سے کسی نے غناء کے بارے میں پوچھا جواب دیا کہ میں تم کو غناء سے منع کرتا ہوں اور تمہارے

لئے برا جانتا ہوں۔ وہ یہ لاکہ بھلا کیا غناء حرام ہے؟ قاسم نے کہا اے برادر زادے جب اللہ تعالیٰ نے حق اور باطل میں تمیز کر دی تو غنا کو کس میں داخل رکھو گے۔ شعبی نے کہا گانے والے اور گوانے والے پر لعنت ہے۔ ابو حفص عمر بن عبید اللہ رموی نے کہا عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کے اتالیق کو تحریر کیا کہ تمہاری تعلیم میں سے پہلا عقیدہ ان لوگوں کا یہ ہونا چاہیے کہ لہو کی چیزوں سے سخت نفرت رکھیں لہو کی چیزوں کا آغاز شیطان کی طرف سے ہے۔ اور انجام اس کا خدا تعالیٰ کی ناراضی ہے میں نے علمائے ثقات سے سنا ہے کہ باجوں کی مٹھل میں جانا اور راگ سننا اور ان کا دلدادہ رہنا دل میں نفاق کا دیت ہے۔ جس طرح گھاس کو پانی اگاتا ہے۔ اور اپنی جان کی قسم کہ ایسے مقامات میں جانا چھوڑ کر اس بلا سے محفوظ رہنا صاحب عقل کے لئے اس سے زیادہ آسان ہے کہ اپنے دل کے نفاق پر ثابت قدم رہے۔ فضیل بن عیاض کا قول ہے غناہ زنا کا منتر ہے۔ ضحاک نے کہا غنا دل کو خراب اور خدا کو ناراض کرتا ہے۔ یزید بن ولید نے کہا اے بنی امیہ تم غناء سے دور رہو کیونکہ غناء شہوت کو بڑھاتا ہے اور آدمیت کی بنیاد ڈھاتا ہے۔ شراب کا قائم مقام ہے اور نشہ کا عمل کرتا ہے اور اچھا اگر تم ضرور ہی ایسا کرو تو عورتوں کو اس سے دور رکھو کیونکہ غناء حرام کاری کی طرف بلاتا ہے۔

مصنف نے کہا راگ کی آوازیں سن سن کر بہت سے عابد اور زاہد فتنہ میں پڑ گئے ہیں جن کی کچھ حکایتیں ہم نے اپنی کتاب ذم الہوی میں نقل کی ہیں۔ عبد الرحمان بن ابی الزناد اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک بار سلیمان بن عبد الملک اپنے ڈیرے میں تھے۔ ایک رات کو ٹھٹھے پر دیر سے جاگتے تھے۔ جب ان کے اہل جلسہ چلے گئے تو وضو کے لئے پانی مانگا ایک لونڈی لے کر آئی وہ وضو کرانے کے لئے پانی ڈال رہی تھی کہ اسی اثناء میں سلیمان نے اپنے ہاتھ کے لئے اس لونڈی سے کچھ مدد چاہی اور اس کی طرف اشارہ کیا۔ کیا دیکھتے ہیں کہ وہ بالکل غافل ہو رہی ہے اور کان لگائے سوئے اور اپنا تمام بدن جھکائے ہوئے ایک راگ کی آواز سن رہی ہے جو لشکر کی جانب سے آتی تھی۔ سلیمان نے بھی وہ آواز سنی۔ اس لونڈی کو حکم دیا وہ الگ ہو گئی اور خود کان لگا کر وہ آواز سننے لگے معلوم ہوا کہ کوئی آدمی گارہا ہے اس کے گانے کی آواز ہے تو خاموش ہو کر سننے لگے۔ حتیٰ کہ جو شعر وہ گارہا تھا سمجھ گئے۔ بعد ازاں اس لونڈی کے سوا دوسری لونڈی کو بلایا اور وضو کیا جب صبح ہوئی لوگوں کو اذن عام دیا کہ سب حاضر ہوں۔ جس

وقت سب لوگ آکر اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے۔ سلیمان نے راگ کا اور ان بزرگوں کا جو راگ سنتے تھے ذکر چھیڑا۔ اور سب اس بارے میں ایسی نرم بیانی کی کہ لوگ سمجھے سلیمان غنا کی خواہش رکھتے ہیں۔ لہذا سب کے سب غناء کے اصول تئیں و تحلیل و تسہیل وغیرہ کا ذکر کرنے لگے۔ سلیمان نے کہا بھلا کیا کوئی اور آدمی بھی تم میں ایسا باقی رہ گیا ہے جس سے کچھ سنا جائے۔ ایک شخص بولایا امیر المومنین میرے یہاں ایلہ کے رہنے والے دو آدمی ہیں جو اس فن میں حاذق (ماہر) ہیں۔ سلیمان نے پوچھا لشکر میں تمہارا قیام کدھر ہے؟ اس نے اسی جانب اشارہ کیا جدھر سے راگ کی آواز آئی تھی حکم دیا کہ ان دونوں کو بلوایا جائے۔ قاصد گیا تو ان میں سے ایک کو پایا اور اس کو سلیمان کے حضور میں پہنچایا۔ سلیمان نے اس کا نام پوچھا کہنے لگا میرا نام سمیر ہے۔ پھر سوال کیا کہ تو گانا کیسا جانتا ہے؟ جواب دیا کہ اس فن میں بہت بڑا کامل ہوں۔ پوچھا کہ تو نے کب سے نہیں گایا ہے؟ اس نے کہا کہ حضور نے میں نے آج ہی رات گایا تھا۔ سلیمان نے پوچھا کہ تو لشکر کی کس جانب میں تھا؟ اس نے وہی جانب بتائی جس طرف سے آواز آئی تھی۔ دریافت کیا کہ رات تو کون سا شعر گاتا تھا؟ اس نے وہی شعر بتایا جو سلیمان نے سنا تھا۔ اسی وقت سلیمان لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر بولے کہ اونٹ بلبلاتا ہے تو اونٹنی بے خود ہو جاتی ہے بحر اجوش شہوت میں آکر آواز نکالتا ہے تو بحری مست ہو جاتی ہے۔ کبوتر غرغروں کرتا ہے تو کبوتری مزے میں آتی ہے۔ اور مرد راگ گاتا ہے تو عورت طرب میں آتی ہے۔ یہ کہہ کر حکم دیداد آدمی خفی کر دیا گیا۔ اور دریافت کیا گیا کہ غناء کی اصل کہاں سے ہے؟ لوگوں نے کہا مدینہ میں مخنث لوگ اس فن کے کامل اور پیشوا ہیں۔ سلیمان نے اپنے عامل ابو بکر بن محمد بن عمرو بن حزم کو جو مدینہ پر حاکم تھے تحریر کیا کہ جس قدر تمہارے یہاں مخنث گانے والے ہیں سب کو خفی کر ڈالو۔

مصنفؒ نے کہا غناء کی نسبت ہم بیان کر چکے کہ اعتدال سے خارج کر دیتا ہے اور عقل میں تغیر لاتا ہے تو صبح اس کی یہ ہے کہ انسان جب طرب و نشاط میں آتا ہے تو باوجود صحت ہوش و حواس کے ایسی حرکتیں کر گزرتا ہے جو بری معلوم ہوتی ہیں۔ مثلاً سر ہلانا، تالی جانا، زمین پر پاؤں پٹکنا وغیرہ جو رکیک عقل والے کرتے ہیں اور راگ ایسی حرکتوں کا باعث ہوتا ہے اس میں قریب قریب شراب کا خاصہ ہے کہ عقل کو ڈھانک لیتا ہے لہذا ضروری ہے کہ اس سے منع کیا جائے۔

محمد بن منصور کے سامنے قصیدے سننے والوں کا تذکرہ آیا کہنے لگے کہ یہ لوگ

خدا کی طرف سے دھوکا کھائے ہوئے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ سے حسن معاملت اور صدق نیت رکھتے تو وہ ان کے دلوں میں ایسی باتیں القاء فرماتا کہ یہ لوگ بے ہودہ باتوں میں پڑنے سے باز رہتے۔

ابو عبد اللہ بن بطلہ عکبری نے کہا مجھ سے ایک شخص نے گانا سننے کی نسبت سوال کیا میں نے اس کو منع کیا اور بتایا کہ غناء کو علماء برا سمجھتے ہیں۔ اور بے وقوف لوگ اچھا جانتے ہیں ایک گروہ اس حرکت کے مرتکب ہیں جن کو صفیہ کہتے ہیں۔ اور اہل تحقیق نے ان کا نام احمق برے لوگ، کم ہمت والے بدعت کے طریقوں والے رکھا ہے۔ یہ لوگ زہد کا اظہار کرتے ہیں۔ اور ان کی سب باتیں تیرہ دلی کی ہیں۔ امید و بیم سے آزاد ہو کر شوق و محبت کا جھوٹا دعویٰ کرتے ہیں۔ نامردوں اور عورتوں سے گانا سن کر طرب میں آتے ہیں، تالیاں جاتے ہیں، مہوش اور مردہ بن جاتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی شدت محبت اور کثرت شوق میں ان کا یہ حال ہو گیا ہے، نعوذ باللہ، یہ جاہل جو کچھ جتے ہیں ایسی باتوں سے اللہ تعالیٰ نہایت پاک اور برتر ہے۔

ان شبہات کا بیان جن سے گانا سننے کو جائز

بتانے والے دلیل لاتے ہیں

ان میں سے ایک تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ ان کے پاس دو لڑکیاں دف جابجا رہی تھیں اور بعض الفاظ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہ ہیں کہ میرے پاس حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آئے۔ اس وقت انصار میں سے دو لڑکیاں میرے پاس وہ اشعار گارہی تھیں جو جنگ بعاث کے روز انصار نے فخریہ پڑھے تھے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بولے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے ابو بکر رضی اللہ عنہ ان کو کچھ نہ کہو۔ ہر قوم میں عید ہوتی ہے آج ہماری عید ہے۔ اس حدیث کا ذکر پیشتر گزر چکا عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک یہ حدیث ہے۔ کہ ایک عورت ایک انصاری کے ساتھ بیابھی گئی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے عائشہ ان کے ساتھ لہو کی چیزوں میں سے کیا کیا تھا۔ کیونکہ انصار لہو کو پسند کرتے تھے۔ یہ حدیث بھی مذکور ہو چکی۔ ایک فضالہ بن عبیدہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ خوش الحانی سے قرآن پڑھنے والے کی طرف اس سے بھی زیادہ کان لگاتا ہے کہ کوئی اپنی گانے والی لوٹڈی کا گانا سنتا ہو۔ ابو طاہر نے کہ اکہ اس حدیث سے دلیل لانے کی وجہ یہ ہے کہ گانا سننے کا

جواز ثابت ہو گیا کیونکہ جائز چیز کو حرام چیز پر قیاس کرنا جائز نہیں۔ ایک حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کی طرف ایسی توجہ نہیں فرمائی جیسے توجہ ایسے نبی کی طرف فرمائی جو قرآن کے ساتھ تغنی (یعنی خوش آوازی) کرتا ہے۔ اور ایک حدیث حاطب کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حلال اور حرام میں فرق دف جانے سے ہوتا ہے۔

جواب ان شبہات کا یہ ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث پر گفتگو پیشتر ہو چکی اور ہم بیان کر چکے کہ وہ لڑکیاں شعر پڑھتی تھیں اور اس کو غناء اس لئے فرمایا کہ اس میں ایک قسم کا ٹھہراؤ اور ترجیع بھر ناپایا جاتا تھا۔ اس قسم کے گانے سے طبیعتیں اعتدال سے باہر نہیں ہوتیں اور بھلا اس گانے سے جو شعر خوانی تھا جو ایسے زمانہ میں واقع ہوا جو فتنے سے محفوظ تھا اور صاف قلوب کے سامنے گایا گیا کیونکہ حجت ہو گی۔ ایسے راگ گانے پر جو آج کل کے کدورت آمیز زمانے کی طرب انگیز آوازوں پر گاتے ہیں۔ جن کو ایسے لوگ سنتے ہیں جو ہوائے نفسانی کے بندے ہیں یہ صرف سمجھ کا مغالطہ ہے۔ بھلا کیا حدیث صحیح میں نہیں آیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا اگر رسول اللہ ﷺ ملاحظہ فرماتے کہ عورتوں نے کیسی کیسی نئی باتیں نکالی ہیں تو ان کو مسجد میں آنے سے روک دیتے فتویٰ دینے والے کو چاہیے کہ لوگوں کے احوال کا اندازہ کرے جس طرح طبیب کو لازم ہے کہ وقت اور عمر اور شر کا اندازہ کر کے اسی مقدار پر علاج کرے اور بھلا کجا ان اشعار کا گانا جو انصار نے جنگ بعاث کے روز باہم پڑھے تھے اور کہاں خوبصورت امر دکارا گ جس کو وہ خوش آئندہ آلات پر گاتا ہے اور اپنا ہنر دکھاتا ہے جس کی طرف نفس کھینچتا ہے اور وہ غزلیں گاتا ہے جن میں ہرن اور ہرنی کا ذکر ہوتا ہے۔ ایسے مقام پر طبیعت کیونکر قائم رہ سکتی ہے۔ ہرگز نہیں بلکہ شوق سے لذیذ چیز کی جانب بے تابانہ دوڑے گی۔ اور اس امر کا دعویٰ کہ مجھ پر ایسی حالت نہیں گزرتی وہی شخص کرے گا جو جھوٹا یا حد آدمیت سے گزرا ہوا ہو گا۔ اور جو کوئی یہ دعویٰ کرے کہ میں ان غزلیات سے خالق کی طرف اشارہ لیتا ہوں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے حق میں ایسی چیز عمل میں لاتا ہے جو اس کی ذات کے شایان نہیں علاوہ ازیں طبیعت اسی طرف مشتاق ہوگی جو خواہش اس میں پائی جاتی ہے۔ ابو لطیب طبری نے اس حدیث سے یہ جواب بھی دیا کہ یہ حدیث ہمارے لئے حجت ہے۔ کیونکہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس گانے کا نام شیطان رکھا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پر انکار

نہیں فرمایا فقط بوجہ خوش اخلاقی کے خاص کر عید کے دن کا لحاظ کر کے انکار میں تشدد کرنے سے منع فرمایا۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس وقت کسمن تھیں۔ اور بالغ ہونے کے بعد ان سے بجز راگ کی مذمت کے اور کچھ منقول نہیں ان کے ہتھے قاسم بن محمد غناء کو برا کہتے تھے اور اس کے سننے سے منع کرتے تھے انہوں نے بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے علم حاصل کیا ہے۔

مصنفؒ نے کہا دوسری حدیث میں جو لو کا ذکر ہے یہ غناء کے بارے میں صراحت ہے بلکہ ممکن ہے کہ شعر وغیرہ کا پڑھنا مراد ہو۔ باقی رہی وہ حدیث جس میں گانے والی لونڈی کی طرف کان لگانے کے ساتھ تشبیہ واقع ہوئی ہے تو اس میں کچھ قباحت نہیں کہ مشابہہ حرام ہو کیونکہ انسان اگر یوں کہے کہ میں نے شہد میں شراب کا مزہ پایا تو یہ کلام صحیح ہو گا۔ حدیث میں صرف دونوں حالت میں کان لگانے کے ساتھ تشبیہ واقع ہوئی ہے۔ پھر ایک چیز کا حرام اور دوسری کا حلال ہونا تشبیہ کے لئے مانع نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک جگہ فرمایا ہے تم اپنے پروردگار کو اس طرح دیکھو گے جیسے چاند کو چودھویں تاریخ میں دیکھتے ہو۔ یہاں بھی صاف طور پر دیکھنے میں تشبیہ دی گئی ہے گو کہ باہم فرق واقع ہے کیونکہ چاند ایسی چیز ہے جس کو دیکھنے والے کی نگاہ احاطہ کر لیتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے منزہ و پاک ہے۔

فقہاء وضو کے پانی کی نسبت کہتے ہیں کہ اعضاء پر سے خشک نہیں کرنا چاہیے کیونکہ وہ عبادات کا اثر ہے۔ اس کو پونچھنا مسنون نہیں۔ جس طرح شہید کا خون نہیں پونچھا جاتا۔ یہاں خون اور پانی کو اس لئے جمع کر دیا کہ عبادت ہونے کی رو سے دونوں متفق ہیں گو کہ طہارت اور نجاست کے حکم جدا جدا ہیں۔ اس میان سے معلوم ہوا کہ ان طاہر کا یہ استدلال کہ قیاس ہمیشہ مباح چیز پر ہوا کرتا ہے صوفیہ کی فقہ دانی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمانا کہ قرآن شریف پڑھنے میں غناء کرے اس کے معنی سفیان بن عیینہ نے یہی لئے ہیں کہ خوش آوازی سے پڑھے۔ شافعیؒ نے یہ تفسیر کی ہے غمناک آواز میں ترنم کے ساتھ پڑھے ان دونوں کے سوا دوسرے علماء اس غناء کو ایسے گردانتے ہیں جیسے اونٹوں پر چلنے والے رات کو گاتے چلتے ہیں۔

باقی رہا دف کا جانا، تابعین کی ایک جماعت دفوں کو توڑ ڈالا کرتے تھے۔ حالانکہ اس وقت ایسے دف نہ تھے جیسے آج کل ہیں۔ اگر ان دفوں کو دیکھتے تو خدا جانے کیا کرتے۔ حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ پیغمبروں کی سنت میں سے دف کسی چیز میں داخل

نہیں۔ ابو عبیدہ قاسم بن سلام نے کہا صوفیہ میں سے جو دف کو جائز رکھتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ سے حجت لاتے ہیں وہ خطا پر ہیں۔ کیونکہ ہمارے نزدیک اس کے معنی یہ ہیں کہ نکاح کا اعلان ہو، سب میں اس کا شور مچ جائے اور لوگوں میں چرچا ہونے لگے۔ مصنفؒ نے کہا اگر دف کو حقیقی معنوں پر بھی محمول کیا جائے تو کچھ حرج نہیں بلکہ آں کہ احمد بن حنبلؒ نے کہا امید ہے کہ دف میں بیاہ شادی کے دن کوئی ڈرنہ ہو اور طبل میرے نزدیک مکروہ ہے عامر بن سعد مجلی نے کہا میں نے ثابت بن سعد کو ایک بار تلاش کیا وہ اہل بدر میں سے تھے مجھ کو ایک شادی کی محفل میں ملے۔ وہاں کچھ لڑکیاں گاتی تھیں اور دف بجاتی تھیں۔ میں نے کہا آپ اس سے منع نہیں کرتے وہ بولے کہ نہیں منع کرتا۔ کیونکہ ہم کو رسول اللہ ﷺ نے ایسے موقع پر اس کی اجازت فرمائی ہے۔ قاسم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم نکاح کا اظہار کرو اور اس کے لئے غربال یعنی دف جاؤ۔ مصنفؒ نے کہا جن حدیثوں سے ان لوگوں نے حجت پکڑی ہے ان سے اس مشہور غناء کے جواز پر جو طبیعتوں پر اثر کرتا ہے۔ استدلال نہیں لاسکتے۔

صوفیہ کے لئے کچھ لوگوں نے جو تصوف کی محبت میں مفتون ہو گئے ایسے اقوال سے حجت پکڑی ہے جن سے حجت نہیں نکلتی۔ ابو نعیم اصفہانی نے کہا براء بن مالک سماع کی طرف مائل اور ترنم کو لذیذ سمجھتے تھے۔ مصنفؒ نے کہا ابو نعیم نے براء سے صرف یہی روایت کی ہے کہ وہ ایک روز لیٹے اور ترنم کیا۔ اس کٹ جتنی پر غور کرنا چاہیے کوئی انسان ایسا نہیں جو ترنم نہ کرے بھلا کہاں ترنم اور کجا طرب انگیز راگ سننا۔

محمد بن طاہر نے صوفیہ کے لئے ایسی چیزوں سے دلیل پکڑی ہے کہ اگر ان اشیاء پر جاہلوں کے پھسل پڑنے کا خوف نہ ہوتا تو ذکر کرنے کے قابل نہ تھیں کیونکہ محض مہملات ہیں۔ ایک ان میں سے یہ ہے کہ ابو طاہر نے اپنی کتاب میں ایک باب باندھا ہے جس میں قوال سے فرمائش کرنا سنت قرار دیا ہے۔ اور اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ عمرو بن شرید نے اپنے باپ سے روایت کی کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے امیہ کے اشعار پڑھنے کو فرمایا آپ ہر شعر پر ہسی ہسی یعنی اور پڑھو فرمانے لگے۔ حتیٰ کہ میں نے سو شعر پڑھے۔ ابو طاہر نے ایک باب اور باندھا ہے جس میں غزل سننے کی دلیل یہ لکھی ہے کہ عجاج نے کہا میں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس قسم کے اشعار کی نسبت دریافت کیا۔ مصرع طاف الحیالان فہا جا سقمایینی دو صورتیں

خواب میں نظر آئیں اور مرض کو برداشت نہ کیا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا ایسے اشعار رسول اللہ ﷺ کے حضور میں پڑھے جایا کرتے تھے۔ مصنفؒ نے کہا ابو طاہر کے جنت لانے پر غور کرنا چاہیے کہ کس قدر تعجب خیز ہے یہ شخص شعر پڑھنے کے جواز سے اس کے گانے پر کیوں استدلال لاتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی کہے چونکہ عود کی پشت پہ ہاتھ مارنا جائز ہے لہذا اس کے تاروں پر بھی ہاتھ مارنا (جاننا) جائز ہوا۔ ابو طاہر کو یہ یاد نہیں رہا کہ شعر پڑھنا ایسا طرب انگیز نہیں جیسا غناء نشاط لاتا ہے۔

ابو محمد تمیمی نے کہا میں نے ابو علی بن موسیٰ ہاشمی سے سماع کے بارے میں پوچھا جواب دیا کہ میں نہیں جانتا اس بارے میں کیا حکم دوں۔ جز اس کے کہ ایک روز ۳۷۰ھ میں شیخ ابو الحسن عبدالعزیز بن حارث کے یہاں میں ایک دعوت میں گیا جس میں انہوں نے اپنے اصحاب کو مدعو کیا تھا۔ اس دعوت میں ابو بکر ابہری شیخ مالکیہ، ابو القاسم دار کی شیخ شافعیہ، ابو الحسن طاہر بن حسین شیخ اہل حدیث ابو الحسن بن سمعون شیخ واعظین وزہاد اور ابو عبد اللہ بن مجاہد شیخ متکلمین ابو بکر بن باقلانی اور یہ ہمارے شیخ ابو الحسن تمیمی شیخ حنبلہ موجود تھے۔ ابو علی نے کہا کہ اگر ان سب بزرگواروں پر چھت ٹوٹ پڑے تو عراق میں کوئی ایسا عالم نہ رہے جو حادثہ میں سنت کے مطابق فتویٰ دے۔ اس دعوت میں ان کے ساتھ ابو عبد اللہ غلام بھی تھا۔ وہ بڑی خوش الحانی سے قرآن شریف پڑھا کرتا تھا۔ اس محفل میں کسی نے اس سے کہا کوئی چیز اس وقت گاؤ۔ اس نے چند اشعار گائے یہ جتنے بزرگ جمع تھے سب سن رہے تھے۔ ان اشعار کا ترجمہ یہ ہے، معشوقہ کی انگلیوں نے کاغذ پر مجھ کو ایک خط لکھا اور یہ رسالہ معتبر بانفاں تھا (یادہ خط بے خودی میں نہیں بلکہ ہوش کی حالت میں تحریر کیا تھا) اس میں لکھا تھا کہ میں تجھ پر قربان ہو جاؤں میرے پاس آ۔ اور غرور کا برتاؤ میرے ساتھ نہ کر کیونکہ میرا تجھ سے عشق رکھنا تمام لوگوں پر ظاہر ہو گیا۔ جس نامہ بر نے معشوقہ کا خط مجھ کو لا کر دیا۔ میں نے اس سے کہا ذرا ٹھہرو میں سر آنکھوں سے وہاں چلنے کو تیار ہوں۔ ابو علی نے کہا جب سے میں نے یہ واقعہ دیکھا ہے غناء کے ممنوع یا مباح ہونے کی نسبت کچھ نہیں کہہ سکتا۔

مصنفؒ نے کہا اس حکایت کے روایت کرنے میں اگر محمد بن طاہر سے کچھ بھی ہوں کیونکہ حافظ بن ناصر کہتے ہیں کہ محمد بن طاہر ثقہ نہیں تو یہ اشعار اس امر پر محمول ہوں گے کہ اس لڑکے نے پڑھے تھے نہ یہ کہ عود و چنگ جا کر گائے تھے۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو ابو علی ضرور ذکر کرتے۔ یادہ بریں یہ جملہ عجیب خلل آمیز ہے کہ میں غناء

کے ممنوع یا مباح ہونے کی نسبت کچھ نہیں کہہ سکتا ”اگر ابو علی ان بزرگوں کے مقلد تھے تو مباح ہونے کا فتویٰ دینا چاہیے۔ اور اگر دلیل پر غور کرتے تھے تو اس محفل میں ان علماء کی موجودگی سے اس پر کیا لازم آیا۔ کیا برعکس اجتہاد مذاہب کے صحیح ہو گیا بلکہ اہل مذہب کے لئے اپنے مذہب کا اتباع کرنا بہتر ہے۔ ہم ابو حنیفہ مالک شافعی اور احمد رحمہم اللہ سے کافی بیان اس امر میں کر چکے اور اس کی تائید میں بھی بہت کچھ لکھ چکے۔

ابن طاہر نے اپنی کتاب میں ایک باب باندھا ہے جس میں قوال کی عزت کرنا اور اس کے لئے محفلیں خاص جگہ مقرر کرنا بیان کیا۔ اور اس حدیث سے حجت پڑی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی چادر جس کو آپ ﷺ اوڑھے ہوئے تھے کعب بن مالک کی طرف پھینک دی جب انہوں نے آپ کے سامنے قصیدہ بانٹ سعاد پڑھا تھا۔ مصنف نے کہا ابن طاہر کے یہ اقوال ہم نے اس لئے ذکر کر دیئے ہیں۔ تاکہ اس شخص کی فقہ دانی کا اندازہ معلوم ہو جائے ورنہ وقت اس سے زیادہ قیمتی ہے کہ ایسی تخلیط کی طرف توجہ کی جائے۔

ابراہیم بن عبد اللہ جن کو لوگ متبرک جانتے تھے کہتے ہیں کہ مجھ سے مزنی نے بیان کیا کہ ہم ایک بار شافعی اور ابراہیم بن اسماعیل کے ہمراہ ایک جماعت کے مکان کی طرف گزرے ان لوگوں کو ایک لونڈی شعر گا کر سنارہی تھی۔ جس کا ترجمہ یہ ہے ”میرے دوستو معشوقہ سے چھڑتے وقت سوار یوں کو کیا ہو گیا میں دیکھتا ہوں کہ وہ پیچھے کی طرف مڑی جاتی ہیں۔ شافعی کہنے لگے آؤ اس طرف چل کر سنیں۔ جب وہ لونڈی گا چکی شافعی نے ابراہیم سے کہا تم کو اس سے طرب آتا ہے؟ جواب دیا نہیں۔ بولے تم کو حس نہیں ہے۔ مصنف نے کہا شافعی سے ایسی روایت محال ہے۔ کیونکہ اس کے راوی سب مجہول ہیں۔ اور ابو طاہر ثقہ نہیں۔ اور شافعی کا مرتبہ اس سے بہتر تھا۔ ہمارے دعویٰ کی دلیل یہ ہے کہ ابو القاسم حریری نے کہا کہ ابو طیب طبری کہتے ہیں غیر محرم عورت سے گانا سننے کی نسبت اصحاب شافعی کہتے ہیں کہ جائز نہیں۔ خواہ وہ عورت آزاد ہو یا مملوکہ طبری نے کہا شافعی کہتے ہیں جس لونڈی کا مالک لوگوں کو جمع کر کے ان کو لونڈی کا گانا سنائے تو وہ بیوقوف ہے۔ اس کی شہادت رد کی جائے گی۔ پھر شافعی نے اس بارے میں تشدد سے گفتگو کی۔ اور دیانت کا حق ادا کیا۔ مصنف نے کہا شافعی نے اس لونڈی کے مالک کو بے وقوف (سفیہ) بمعنی فاسق قرار دیا ہے۔

محمد بن قاسم بغدادی نے ابو عبد الرحمن سلمیٰ سے روایت کیا کہ سعد بن

عبداللہ دمشق نے فقراء کے لئے ایک گاہنے والی لونڈی خریدی وہ ان کو قصیدے سنایا کرتی تھی۔ ابو طالب مکی نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے کہ ہم نے مروان قاضی کو دیکھا ہے ان کے یہاں الحان سے گانا سنانے والی لونڈیاں تھیں۔ جن کو انہوں نے صوفیہ کے لئے تیار کر رکھا تھا۔ ابو طالب نے کہا عطاء کے پاس دو لونڈیاں گانے والی تھیں۔ عطاء کے اصحاب ان کا گانا سناتے تھے۔ مصنفؒ نے کہا سعد دمشقی تو ایک جاہل آدمی ہے۔ لیکن عطاء کی نسبت ایسی حکایت کرنا محال اور دروغ ہے۔ اور مروان کی حکایت اگر صحیح ہے تو وہ فاسق ہے۔ جو کچھ ہم نے شافعی سے نقل کیا ہے اس قول کا یہ حال ہے کہ علم سے نادان رہے اور خواہش نفسانی میں پڑ گئے۔

زاہر بن طاہر نے ابو عثمان صابونی اور ابو بکر شہقی سے روایت کیا کہ حاکم ابو عبداللہ نیشاپوری نے کہا میں اور صوفی فارس بن عیسیٰ اکثر ابو بکر ابرہیمی کے مکان میں ایک جاہو کر مسماۃ ہزارہ کا گانا سناتے تھے خدا اس پر رحم کرے وہ پردہ نشین گانے والیوں میں سے تھی۔ مصنفؒ نے کہا حاکم ایسے شیخ سے ایسی حرکت صادر ہونا نہایت قبیح ہے حاکم سے یہ بات کیونکر مخفی رہی کہ غیر محرم عورت کی آواز سننا جائز نہیں۔ پھر حاکم سے اور زیادہ تعجب یہ کہ بے باک ہو کر اس واقعہ کا بیان کتاب تاریخ نیشاپور میں لکھا۔ وہ ایک علمی کتاب ہے جس میں ایسے واقعہ کے ذکر کرنے سے کنارہ کشی لازم تھی۔ حاکم کی عدالت (قابل اعتبار ہونے) میں فرق آنے کے لئے یہ قصہ کافی ہے۔

اسماعیل سمرقندی نے مرفوعاً بیان کیا کہ عون بن عبداللہ وعظؒ کہا کرتے تھے۔ جب فارغ ہوتے تو اپنی لونڈی کو حکم دیتے وہ قصے سناتی اور طرب میں لاتی۔ مغیرہ کہتے ہیں کہ میں نے عون کے پاس کسی کو بھیجا بھیجا چاہا اور کہا کہ تم خاندان صدق و صفا سے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو حماقت سکھانے کے واسطے مبعوث نہیں فرمایا اور تمہاری یہ حرکت احمقوں کی حرکت ہے مصنفؒ نے کہا ہم عون کی نسبت گمان نہیں کر سکتے کہ انہوں نے اپنی لونڈی کو آدمیوں کے سامنے وعظ کرنے کا حکم دیا بلکہ یہ چاہا ہو گا کہ تمنائی میں خود اس کا وعظ سنیں اور وہ لونڈی ان کی مملوکہ تھی۔ مغیرہ نے ان سے کہا اس بات سے درگزر کرو گویا اس کو بھی روانہ رکھا کہ خود عون اس لونڈی کے گانے سے طرب حاصل کریں۔ چہ جائے کہ غیر لوگ عورتوں کی آواز سنیں۔

ابو طالب مکی نے کہا عبداللہ بن جعفر غناء سنا کرتے تھے۔ مصنفؒ نے کہا صرف اپنی لونڈیوں سے اشعار پڑھوا کر سنتے تھے۔ ابن طاہر نے اس حکایت کے بعد جو

شافعیؒ سے نقل کی ہے ایک حکایت احمد بن حنبلؒ سے روایت کی ہے جس کو ہم نے بھی ذکر کیا ہے ابو طاہر نے وہ حکایت اس طریق سے روایت کی ہے کہ عبد الرحمن سلمیٰ نے ابو العباس فرغانی سے ذکر کیا کہ وہ کہتے ہیں میں نے صالح ابن احمد بن حنبلؒ سے سنایا کرتے تھے کہ مجھ کو سماع کا شوق تھا اور میرے باپ احمد بن حنبلؒ اس سے نفرت رکھتے تھے۔ میں نے انن خبازہ سے ایک رات وعدہ لیا وہ میرے پاس ٹھہرا رہا۔ حتیٰ کہ جب میں نے جانا میرے باپ کی آنکھ لگ گئی انن خبازہ گانے لگا، میں نے کوٹھے کی چھت پر اپنے باپ کی آہٹ محسوس کی میں اوپر چڑھا اپنے باپ کو دیکھا کہ گانا سن رہے ہیں اور اپنا دامن بغل میں دبائے ہوئے ٹھل رہے ہیں۔ گویا ان پر رقص کی حالت طاری ہے۔

مصنفؒ نے کہا ہم کو یہ قصہ کئی طریقوں سے پہنچا ہے۔ ایک طریق یہ ہے کہ ابو بکر بن مالک قطعی نے کہا کہ عبد اللہ بن احمد نے بیان کیا کہ میں انن خبازہ کو بلایا کرتا تھا اور میرے باپ ہم لوگوں کو تغیر سے منع کیا کرتے تھے۔ میرا یہ قاعدہ تھا کہ جب انن خبازہ میرے پاس ہوتا تو اس کو اپنے باپ سے چھپا دیتا تھا کہ کہیں وہ اس کا گانا نہ سن لیں۔ ایک رات وہ میرے پاس تھا اور کچھ گارہا تھا۔ میرے باپ کو ہمارے پاس آنے کی کچھ ضرورت پیش آئی۔ ہم اس وقت بالا خانے میں تھے میں دیکھنے کے لئے باہر نکلا دیکھا کیا ہوں کہ میرے باپ ادھر سے ادھر جاتے ہیں ادھر سے ادھر آتے ہیں۔ میں نے دروازہ بند کر لیا اور اندر ہو گیا۔ جب صبح ہوئی مجھ سے پوچھا کہ بیٹا اگر تم ایسا گانا سنتے ہو تو وہ کلام تو بہت خوب ہے یا کوئی ایسا ہی تعریفی جملہ زبان پر لائے۔ مصنفؒ نے کہا یہ انن خبازہ زہد یہ قصیدے پڑھا کرتا تھا۔ جن میں عقبی کا ذکر ہوتا تھا۔ اسی لئے احمدؒ نے اس طرف کان لگائے اور یہ جو روایت کیا گیا کہ احمد ادھر ادھر ملتے تھے۔ انسان کو طرب بے قرار کر ہی دیتا ہے۔ لہذا دائیں جانب اور بائیں جانب جھکنے لگتا ہے اور سنے سنے اور انن طاہر کا حال تو بیان کر دیا ہے یعنی قابل اعتبار نہیں ہیں جنہوں نے ان دونوں روایتوں سے غل مچایا ہے۔

ابو طالب مکی نے صوفیہ کے لئے جواز سماع پر منامات یعنی خواب کے وقوعات سے حجت پکڑی ہے۔ اور سماع کی کئی قسمیں نکالی ہیں۔ یہ تقسیم ایک صوفی کی ہے جس کی کوئی اصل نہیں اور ہم بیان کر چکے کہ جو شخص اس بات کا دعویٰ کرے کہ وہ راگ سنتا ہے لیکن اس پر اس کا کچھ اثر نہیں پڑتا اور اس کے نفس کو ہوا (خواہشات) کی طبری کہتے ہیں کہ اس دعویٰ میں دو وجہ سے ان لوگوں کو بہت بڑا تجاہل ہے۔ ایک تو

اس بناء پر ان کو یہ لازم آتا ہے کہ عود اور ظنور اور تمام ملاہی کو مباح کر لیں۔ کیونکہ یہ لوگ ایسی طبیعت سے سنتے ہیں جس میں دوسرا کوئی ان کا شریک نہیں اب اگر یہ لوگ تمام ملاہی مباح نہ کریں تو ان کا دعویٰ ٹوٹ گیا اور اگر مباح بتائیں تو فاسق ہیں دوسرے یہ دعویٰ کرنے والے دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو اس امر کا دعویٰ کریں کہ وہ بشری طبیعت سے علیحدہ ہو کر ممزله فرشتوں کے ہو گئے۔ اگر یہ دعویٰ ہے تو ان لوگوں نے اپنی طبیعتوں کو معرض اعتراض بنایا۔ اور ہر اہل عقل کو ان کے نفسوں پر خیال کرنے سے ان کا کذب و دروغ معلوم ہو گیا اور یہ بات بھی لازم آئی کہ ان لوگوں کو لذات و شہوات کے ترک کرنے پر کچھ ثواب نہ ہو عقل مند آدمی کبھی ایسا دعویٰ نہیں کر سکتا۔

یہ لوگ کہنے لگیں کہ ہم میں وہ بشری طبیعت موجود ہے جس کی سرشت و خمیر میں ہوا و شہوت داخل ہے ہم کہیں گے کہ پھر تم بغیر طبیعت کے کیونکر راک سنتے ہو یا بغیر کسی قسم کی نفسانی خواہش کے گانا سن کر کیوں کر طرب میں آتے ہو ابو علی ردوباری سے کسی نے ملاہی سننے والوں کی نسبت سوال کیا کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم ایسے درجہ پر پہنچ گئے کہ حالتوں کے مختلف ہونے سے ہم میں کچھ اثر نہیں ہوتا۔ ابو علی نے جواب دیا ہاں قسم ہے کہ یہ لوگ ضرور پہنچ گئے ہیں مگر جہنم میں پہنچے ہیں۔ مصنفؒ نے کہا اگر کوئی کہے کہ ہم نے سنا ہے کچھ لوگوں نے کوئی شعر سنا اور اس کو اپنے مقصود کے موافق اخذ کر کے اس سے نفع حاصل کیا۔ تو جواب یہ ہے کہ ہم اس امر کا انکار نہیں کرتے کہ انسان کوئی شعر یا کلمہ سن کر اس سے اشارہ اخذ کرے اور اس کے معنی پر غور کر کے بے قرار ہو جائے کیونکہ آواز سے طرب انگیزی پائی جاتی ہے۔ چنانچہ کسی مرید نے ایک گانے والی عورت کو یہ شعر گاتے ہوئے سنا کل یوم تلتونغیر هذا بل اجمل یہ شعر سنتے ہی نعرہ مارا اور مر گیا۔ اس مرید نے عورت کے گانا سننے کو قصد نہ کیا تھا۔ اور نہ الحان کی طرف متوجہ ہوا تھا۔ بلکہ صرف معنی نے اس کو مار ڈالا۔ علاوہ ازیں ایک شعر یا کلمہ کا سننا ایسا نہیں جیسا بہت سے طرب انگیز اشعار سننے کے لئے تیاری کرنا اور اس گانے کے ساتھ باجے اور تالیاں جانا۔ پھر اس مرنے والے مرید نے قصد اودہ شعر نہ سنا تھا اگر ہم سے کوئی پوچھے کہ میرے لئے قصد کر کے شعر کا سننا جائز ہے ہم اس کو منع کریں گے۔

ابو حامد طوسی نے صوفیہ کے لئے بہت سی چیزوں سے حجت پکڑی ہے جن میں عقل و فہم کے رتبہ سے اتر آئے ہیں۔ ما حصل ان کے تمام کلام کا یہ ہے کہ سماع کے حرام ہونے پر کوئی نص اور قیاس دلالت نہیں کرتا۔ مصنفؒ نے کہا جواب اس کا

وہی ہے جو ہم پیشتر بیان کر چکے ابو حامد کہتے ہیں عمدہ آواز کے حرام ہونے کی کوئی وجہ نہیں پھر اگر وہ موزوں ہو جب بھی حرام نہیں اور جس حالت میں افراد حرام نہ ہوئے تو مجموعہ حرام نہیں کیونکہ مباحات کے افراد جب مجتمع ہوں تو وہ مجموعہ مباح ہی ہوگا۔ مگر ہاں اس کے مفہوم پر غور کیا جائے گا اگر اس میں کوئی امر ممنوع ہے تو اس کا نثر اور نظم سب حرام ہوگا اور آواز سے اس کا گانا بھی حرام ہوگا۔ مصنفؒ نے کہا مجھ کو اس کلام پر تعجب آتا ہے کیونکہ تار منفرد طور پر یا صرف عود بغیر تار کے اگر جلیا جائے تو نہ حرام ہوگا اور نہ طرب پیدا کرے گا۔ اور جب دونوں یک جا ہوئے اور خاص طرب خارج از اعتدال کا باعث ہوتا ہے۔ اس وجہ سے ممنوع ہے۔ ابن عقیل نے کہا آوازیں تین قسم کی ہیں۔ حرام اور مکروہ اور مباح حرام تو بانسلی اور نے اور شہنائی اور طنبور اور چنگ و رباب اور اس قسم کے سب باجے ہیں۔ احمد نے قطعی طور پر ان سب باجوں کو صریح حرام کہا اور چنگ و جرافتہ (ایک آلہ) کو بھی انہیں میں شامل کیا ہے۔ کیونکہ یہ باجے طرب لاتے ہیں اور اعتدال سے خارج کر دیتے ہیں۔ اور اکثر لوگوں کی طبیعت میں نشہ کا عمل کرتے ہیں۔ ان باجوں کا استعمال غم و مصیبت میں ہو یا عیش و خوشی میں یکساں ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے دو حماقت آمیز آوازوں سے منع فرمایا ہے ایک نغمہ کی آواز دوسرے غم کا نوحہ اور مکروہ لکڑیوں کا جانا ہے۔ کیونکہ یہ فی نفسہ طرب انگیز نہیں بلکہ طرب لانے والی وہ چیز ہے جو اس کے تابع ہے۔ یعنی جب گانے کے ساتھ جائیں اور گانے کی آواز مکروہ ہے اور ہمارے بعض اصحاب اس کو بھی دیگر آلات لہو کی طرح حرام کہتے ہیں تو اس میں قوالی کی طرح دو وجہیں ہیں۔ مباح دف ہے۔ احمد سے ہم روایت کر چکے کہ انہوں نے کہا میں امید کرتا ہوں کہ شادی میاہ میں دف جانے میں کوئی ڈر نہ ہو، اور طبل میرے نزدیک مکروہ ہے۔

ابو حامد نے کہا جو شخص خدا سے محبت رکھے اور اس کا عاشق اور اس کی ملاقات کا مشتاق ہو تو اس کے حق میں سماع اس کے عشق کا تاکید کرنے والا ہوگا۔ مصنفؒ نے کہا یوں کہنا بہت ہی قبیح ہے کہ اللہ تعالیٰ معشوق ہے۔ علاوہ ازیں اس شعر میں کون سی اس کے عشق کی تاکید پائی جاتی ہے ذہبی اللون تحسب من، وحتیہ النار تقتدح (ترجمہ) طلانی رنگ معشوق گویا اس کے رخساروں سے شعلہ برستا ہے۔

ابن عقیل نے کسی صوفی کو سنا کہتا تھا کہ گروہ صوفیہ کے مشائخ کی طبیعتیں جب ٹھہر جاتی ہیں اسی وقت عزل خواں اشعار سنا کر ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف روانہ کر

دیتا ہے۔ ابن عقیل یو لے کہ اس صوفی کا قول قابل وقت نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف قرآن کے وعدہ وعید اور رسول اللہ ﷺ کی حدیث سے قلوب متوجہ ہوتے ہیں اور خوش آوازی سے طبیعتوں کا حرکت میں آتا اللہ تعالیٰ سے دور کرتا ہے اور شعر تو مخلوق اور معشوق کی تعریف کو شامل ہوتا ہے۔ جس سے نیا فتنہ اٹھتا ہے۔ جس شخص کو اس کے نفس نے یہ بات اچھی کر دکھائی کہ بشری خوبیوں اور اچھی صورتوں سے عبرت حاصل کرنا چاہیے وہ فتنہ میں پڑا ہوا ہے بلکہ ہم کو وہ چیزیں عبرت کی نگاہ سے دیکھنی چاہئیں۔ جن کی طرف ہم کو توجہ دلائی گئی ہے وہ اونٹ اور گھوڑے اور ہوائیں اور اسی قسم کی چیزیں ہیں۔ کیونکہ یہ ایسی چیزیں ہیں جن سے طبیعت میں ہيجان نہیں پیدا ہوتا۔ بلکہ فاعل کی عظمت یاد دلانے کا باعث ہوتی ہیں۔ تم لوگوں کو فقط شیطان نے بھکا دیا ہے۔ لہذا تم اپنی نفسانی خواہشوں کے بندے ہو گئے اور پھر اس پر بھی تم نے قناعت نہ کی حتیٰ کہ اس کو حقیقت کہہ کر زندیقانہ الفاظ کے قائل ہو گئے۔ تم لوگ عبادت کرنے والوں کے لباس میں زندیق ہو۔ اور اس سے بدتر زاہدوں کی صورت میں شریرو ہو۔ بلکہ فرقہ مشبہ و مجسمہ سے ہو۔ تمہارا اعتقاد ہے کہ اللہ تعالیٰ معشوق ہے اور اس کے والد و شیداء ہو سکتے ہیں اور اس سے الفت اور انس ہوتا ہے۔ یہ بڑا بڑا توہم ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ذوات و اجناس کو باہم ہم شکل پیدا فرمایا ہے اس لئے ان میں باہم انس ہوا کرتا ہے۔ وہ آپس میں ملحوظ اپنے عنصری اصول اور اشکال حادثہ کی مثالی ترکیب کے متحد ہیں۔ لہذا ایک کو دوسرے سے موافقت اور رغبت اور عشق ہے اور جس قدر صورت میں تقرب ہو گیا اسی قدر انس زیادہ ہو گا۔ انسان کو پانی سے اس لئے عشق ہے کہ اس میں پانی کا جزو موجود ہے۔ اور سبزہ سے اس لئے رغبت ہے کہ اس میں حیوانی قوتوں میں سے نشوونما کی قوت پائی جاتی ہے اور حیوان سے اس لئے انس ہے کہ وہ اخس اور اقرب نوع میں انسان کا شریک ہے۔ مگر خالق اور مخلوق میں کہاں سے مشارکت آگئی کہ خالق کی طرف رغبت اور شوق اور عشق پیدا ہو۔ بھلا آب و خاک اور خالق افلاک میں باہم کون سی مناسبت ہے۔ یہ لوگ صرف ایک صورت اللہ تعالیٰ کی قرار دے لیتے ہیں۔ وہ ان کے دلوں میں قرار پکڑ لیتی ہے۔ وہ ہر گز خدا نہیں بلکہ ایک بت ہے جس کو طبیعت اور شیطان نے تراشا ہے۔ اللہ تعالیٰ میں ایسا وصف نہیں جس کی طرف یہ طبائع مائل اور یہ نفوس مشتاق ہوں۔ بلکہ شان الوہیت چونکہ بالکل مخلوق کے خلاف ہے اس لئے نفوس میں اس کی ہیبت اور عظمت کا باعث ہوئی۔ صوفیہ میں

سے عاشقان خدا بن کر جس چیز کا دعویٰ محبت الہی میں کرتے ہیں وہ ایک وہم ہے جو اس کو پیش آیا اور ایک صورت ہے جو ذہن میں جم گئی ہے۔ اس کے لئے یہ لوگ مشتاق و بے قرار ہیں۔ اور ویسے ہی شوق و جوش طبیعت اور سرکشگی ان میں آگئی جس طرح عاشق سرگشتہ کا حال ہوتا ہے۔ ہم اس قسم کے خراب و سوسوں اور طبیعت کے عوارض سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں جن کا حکم شریعت دلوں سے محو کر دینا ایسا واجب ہے جیسے بتوں کا توڑنا۔

فصل :- مصنفؒ نے کہا متقدمین صوفیہ میں سے ایک جماعت مبتدی کے لئے سماع کا انکار کرتی تھی کیونکہ ان کو معلوم تھا کہ مبتدی کے دل میں کس چیز کا جوش پیدا ہوگا۔ عبدلہ ابن صالح کہتے ہیں مجھ سے جنیدؒ نے کہا جب تم مرید کو دیکھو کہ سماع سنتا ہے تو جان لو کہ ابھی اس میں کچھ لہو و لعب کا مادہ باقی ہے۔ مرتش نے کہا میں نے ابو الحسن ثوری سے سنا وہ اپنے ایک ہم نشین سے کہتے تھے جب تم مرید کو دیکھو کہ قصائد سنتا ہے، خوش حالی و راحت کا راغب ہے تو اس سے خیر و فلاح کی امید نہ کرو مصنفؒ نے کہا صوفیہ کے مشائخ کا تو یہ قول ہے لیکن متاخرین نے لہو و لعب کی محبت کے سبب سے اس کی اجازت دی ہے۔ اس میں دو قباحتیں پیدا ہوئیں۔ ایک تو یہ کہ عوام لوگ متقدمین صوفیہ کے ساتھ سوء ظن رکھیں گے۔ کیونکہ وہ خیال کرتے ہیں کہ سب کے سب ایسے ہی تھے۔ دوسرے عوام کو لہو و لعب پر دلیر کر دیا۔ کیونکہ عامی کے لئے لہو و لعب میں یہی حجت ہے کہ فلاں ایسا کرتا ہے اور فلاں ایسا کرتا ہے۔

فصل :- مصنفؒ نے کہا صوفیہ کی جماعت کثیر کے دلوں میں سماع کی محبت قرار پکڑ گئی ہے۔ حتیٰ کہ قرآن پڑھنا چھوڑ کر اس کو اختیار کرتے ہیں۔ یہ سب باتیں اسی وجہ سے ہیں کہ یہ لوگ ہوائے نفسانی اور غلبہ طبیعت سے مجبور ہیں اور اپنے خیال میں کچھ اور سمجھے ہوئے ہیں۔ ابو حاتم حستانی نے کہا کہ میں نے ابو نصر سراج سے سنا کہتے تھے مجھ سے میرے ایک دوست نے بیان کیا کہ ابو الحسین دراج کہتے ہیں میں بغداد سے یوسف بن حسین رازی کی ملاقات کو چلا جب رے میں پہنچا ان کا مکان دریافت کیا۔ جس شخص سے ان کا پتہ پوچھتا تھا وہ یہی جواب دیتا تھا کہ اس زندیق کو کیا پوچھتے ہو۔ یہ باتیں سن کر میں بہت تنگ دل ہوا حتیٰ کہ واپس لوٹ جانے کا ارادہ کیا۔ اس رات مسجد میں شب باشی کا اتفاق ہوا۔ پھر میں نے اپنے دل میں سوچا کہ میں اس شہر

میں آیا ہوں کم از کم ان سے مل کر ضرور جاؤں گا۔ یہ سوچ کر میں ان کا پتہ دریافت کرتا رہا۔ یہاں تک کہ جس مسجد میں وہ رہا کرتے تھے اس میں پہنچا۔ دیکھا کہ محراب میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ سامنے ایک رحل ہے اور ہاتھ میں قرآن شریف لئے ہوئے پڑھ رہے ہیں میں نے قریب جا کر سلام علیک کیا۔ سلام کا جواب دیا اور پوچھا کہ کہاں سے آئے ہو میں نے کہا بغداد سے آپ کی زیارت کا ارادہ کر کے چلا آتا ہوں۔ کہنے لگے کہ تم کوئی چیز خوش الحانی سے پڑھنا جانتے ہو؟ میں نے کہا ہاں اور یہ شعر پڑھا راتیک تبنی دائماً فی قطیعنی ، ولو کنت ذا حزم لهدمت ماتبنی (ترجمہ) (اے محبوب) میں دیکھتا ہوں کہ مجھ سے قطع تعلق کرنے کی بنیاد ڈالتا ہے اگر تو دور اندیش ہوتا تو اس بنیاد کو منہدم کر دیتا۔ یہ شعر سن کر انہوں نے قرآن شریف بند کر دیا اور اس قدر روتے رہے کہ ان کی داڑھی تر ہو گئی اور کپڑے بھیگ گئے۔ مجھ کو ان کے اس قدر رونے پر رحم آیا۔ پھر مجھ سے بولے کہ بیٹا رے کے رہنے والے مجھ کو یوں کہہ کہہ کر ملامت کرتے ہیں کہ ابو یوسف بن حسین زندیق ہے۔ اور نماز کے وقت سے یہ حالت ہے کہ میں یہاں بیٹھا ہوا قرآن شریف پڑھ رہا ہوں اور ایک قطرہ آنسو کا میری آنکھ سے نہیں ٹپکا۔ اور تمہارا یہ شعر سن کر مجھ پر قیامت نازل ہو گئی۔

ابو عبد الرحمن سلمی کہتے ہیں کہ میں استاد ابو سہل صعلو کی کی حیات میں مرد کی طرف چلا گیا تھا میرے وہاں جانے سے پہلے استاد کے یہاں کچھ دن مقرر تھے۔ جن میں ہر صبح لوگ جمع ہوتے تھے اور قرآن خوانی اور ختم کی مجلس ہوا کرتی تھی جب میں چلنے لگا تو دیکھا کہ وہ مجلس اٹھادی گئی۔ اور اس کی جگہ اسی وقت میں ابن فرغانی کے نام سے قوالی کی مجلس منعقد کی گئی۔ مجھ کو حرکت سے کھٹک پیدا ہوئی۔ اپنے جی میں کہا کرتا تھا کہ قرآن اور ختم کی مجلس کے مقابلے میں قوالی اور راگ کی محفل قائم کی گئی ہے۔ ایک روز استاد پوچھنے لگے کہ لوگ آپس میں کیا چہ میگوئیاں کرتے ہیں میں نے کہا یوں کہتے ہیں کہ قرآن کی مجلس اٹھالی گئی۔ اور راگ کی محفل جمالی گئی۔ استاد یہ سن کر بولے کہ جو کوئی اپنے استاد سے یوں کہے گا کہ ایسا کیوں وہ فلاح نہ پائے گا۔ مصنف نے کہا یہ صوفیہ کی عادت ہے کہ کہتے ہیں اپنے آپ کو بالکل پیر کے حوالے کر دیا جائے حالانکہ کوئی شخص ایسا نہیں جس کے سپرد ہم اپنے آپ کو کر دیں۔ کیونکہ آدمی شریعت اور عقل کے زور سے اپنی آفت کو دور کرتا ہے اور چوپائے جی چلا کر اپنا کام نکالتے ہیں۔

فصل :- مصنفؒ نے کہا یہ غناء جس کے بارے میں ہم بیان کر چکے ہیں

کہ کچھ علماء کے نزدیک حرام ہے۔ اور کچھ مکروہ بتاتے ہیں۔ صوفیہ میں سے ایک جماعت کا عقیدہ ہے کہ یہی غناء ایک قوم کے حق میں مستحب ہے۔ ابو علی دقاق کہتے ہیں عوام کے لئے سماع حرام ہے کیونکہ ان کے نفوس زندہ ہیں۔ اور زاہدوں کے لئے مباح ہے کیونکہ وہ مجاہدے اور نفس کشی کرتے ہیں اور ہمارے اصحاب کے حق میں مستحب ہے کیونکہ ان کے دل زندہ ہیں۔

مصنفؒ نے کہا یہ قول پانچ وجہ سے غلط ہے۔ ایک یہ کہ ابو حامد غزالی سے ہم روایت کر چکے ہیں کہ سماع ہر ایک کے لئے مباح ہے اور ان ابو علی سے ابو حامد زیادہ عارف تھے دوسرے نفوس کی طبائع میں اختلاف نہیں ہے۔ مجاہدہ کا صرف یہ فائدہ ہے کہ طبائع کے عمل کو روکتا ہے جو شخص طبائع کے بدل جانے کا دعویٰ کرے وہ ایک امر محال کا مدعی ہے اور جب طبیعت کو حرکت میں لانے والی ایک چیز موجود ہوئی اور اس کے روکنے والی چیز جاتی رہی تو عادت پھر عود کر آئے گی۔ تیسرے سماع کی حرمت اور اباحت میں علماء کا اختلاف ہے۔ کسی عالم نے سننے والے کی حالت پر نظر نہیں کی کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ سب طبیعتیں یکساں ہیں۔ اب جو کوئی یہ دعویٰ کرے کہ اس کی طبیعت آدمیوں کی طبیعت سے خارج ہے تو امر محال کا دعویٰ کرتا ہے۔ چوتھے اس بات پر علماء کا اجماع منعقد ہے کہ سماع مستحب نہیں ہے۔ غایت مافی الباب یہ ہے کہ مباح ہو۔ اب استحباب کا دعویٰ کرنا اجماع سے خارج ہونا ہے۔ پانچویں لازم آتا ہے جس شخص کی طبیعت میں تغیر آگیا ہو اس کے لئے عود کا سننا مباح یا مستحب ہو۔ کیونکہ عود اس لئے حرام ہے کہ طبیعتوں میں اثر کرتا ہے اور ان کو ہوائے نفسانی کی طرف بلاتا ہے۔ جب یہ خوف نہ رہا تو مباح ہونا چاہیے حالانکہ اس کی نسبت ہم ابو الطیب طبری سے نقل کر چکے ہیں۔

فصل :- مصنفؒ نے کہا ان میں سے ایک قوم کا دعویٰ ہے کہ سماع سے

قربت الہی حاصل ہوتی ہے۔ ابو طالب مکی نے کہا کہ ہم سے ہمارے بعض شیوخ نے بیان کیا کہ جنیدؒ کہتے ہیں کہ اس گروہ پر تین وقت میں رحمت نازل ہوتی ہے۔ ایک کھانا کھانے کے وقت کیونکہ وہ لوگ بغیر فاقہ کے نہیں کھاتے۔ دوسرے جب باہم مل کر ذکر الہی کرتے ہیں۔ کیونکہ اس حالت میں وہ صدیقیوں کے مقامات اور انبیاء کے احوال

طے کرتے ہیں۔ تیسرے سماع کے وقت کیونکہ وہ وجد کے ساتھ سنتے ہیں۔ اور ان کو شہود حق حاصل ہوتا ہے۔ مصنفؒ نے کہا میں کہتا ہوں کہ یہ نقل اگر جہنم سے صحیح ہے اور اس کو ہم اچھا جانیں تو قصائد زہدیہ کے سماع و محمول ہے کیونکہ وہی باعث رقت و زاری ہیں، لیکن یہ بات کہ سعدی اور لیلیٰ کی تعریف کے وقت نزول رحمت ہو اور اس کو صفات الہی پر محمول کریں۔ تو یہ اعتقاد جائز نہیں۔ اور اگر اس سے اشارہ لے لینا صحیح خیال کریں تو یہ اشارہ غلبہ طبیعت کے پہلو میں مستغرق ہو گا۔ ہم نے اس امر کو جس بات پر محمول کیا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ جہنم کے زمانہ میں ایسے اشعار نہ پڑھے جاتے تھے جیسے آج کل گائے جاتے ہیں۔ مگر بعض متاخرین نے جہنم کے قول کو ہر قوالی پر محمول کیا ہے۔ اسی گروہ سے نقل ہے کہ شعر خواں کے شعر گانے کے وقت اور مزار بنانے کے وقت دعا قبول ہوتی ہے اور یہ اس وجہ سے کہ وہ اپنے عقیدہ میں اس کو قربت سمجھتے ہیں جس سے تقرب الہی ہوتا ہے۔ مصنفؒ نے کہا یہ کفر ہے۔ کیونکہ جو شخص حرام یا مکروہ کو قربت الہی خیال کرے اس اس اعتقاد سے کافر ہو جائے گا۔ اور کہا کہ علماء سماع کو حرام بتاتے ہیں یا مکروہ کہتے ہیں۔

صالح المری نے کہا کہ گر پڑنے والوں میں زیادہ دیر کر کے وہ شخص اٹھے گا جس کو ہوائے نفسانی نے پچھاڑا ہے اور وہ اس کو قربت الہی سمجھتا ہے اور زیادہ ثبات قدم قیامت کے دن وہ شخص ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو لئے ہوئے ہے اور میں نے علی سائخ سے سنا کہتے تھے کہ میں نے ابو الحارث اولاسی سے سنایا کہ کرتے تھے کہ میں نے شیطان کو خواب میں اولاس کی کسی ایک چھت پر دیکھا۔ میں بھی ایک چھت پر تھا۔ ایک جماعت اس کے داہنی طرف تھی۔ اور ایک بائیں جانب اور وہ عمدہ عمدہ لباس پہنتے تھے۔ ان میں سے ایک گروہ نے کہا کہ کچھ بولو اور گاؤ میں اس راگ کی خوش آئندگی اور ذوق سے ایسا بے خود ہو گیا کہ ارادہ کیا کہ اپنے آپ کو چھت سے نیچے گرا دوں۔ پھر شیطان نے کہا کہ ناچو، وہ نہایت ہی عمدہ ناچ ناچے۔ پھر شیطان مجھ سے بولا کہ اے ابو الحارث میں نے اس رقص و غناء کے سوا تم لوگوں سے کوئی ایسی چیز نہیں پائی جس کی وجہ سے تم پر دخل پاسکوں۔

وجد میں صوفیہ پر تلبیس ابلیس کا بیان

مصنفؒ نے کہا یہ لوگ جب راگ سنتے ہیں تو وجد کرتے ہیں، تالیاں جاتے

ہیں، شور مچاتے ہیں اور کپڑے پھاڑتے ہیں۔ حالانکہ یہ سب ان کو ابلیس نے فریب دیا ہے۔ اور اپنا حیلہ کمال کو پہنچا دیا ہے۔ اور حجت اس قوم کی وہ حدیث ہے جو ہم کو ابو نصر عبد اللہ بن علی سراج طوسی سے پہنچی ہے۔ انہوں نے کہا کہ کہتے ہیں جب یہ آیت نازل ہوئی وان جہنم لموعدهم اجمعین (المحجر پ ۱۴ آیت ۴۴) یعنی ان سب کفار کی وعدہ گاہ جہنم ہے۔ تو سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے سے ایک نعرہ مارا اور سر کے بل گر پڑے پھر بھاگ کھڑے ہوئے اور تین دن تک غائب رہے۔ اور نیز وہ قول حجت ہے جو انہیں سے ہم کو پہنچا ہے کہ ابو وائلؒ نے کہا کہ ہم عبد اللہ کے ساتھ جارہے تھے اور ہمارے ساتھ ربیع بن خثیم تھے۔ ہمارا گزر ایک لوہار کے پاس ہوا۔ عبد اللہ کھڑے ہو کر اس کے لوہے کو دیکھنے لگے جو آگ میں تھا۔ ربیع نے بھی لوہا دیکھا اور لڑکھڑا کر گرنے لگے پھر عبد اللہ آگے بڑھے یہاں تک کہ فرات کے کنارے ایک لوہار کی بھٹی پر آئے۔ اس میں آگ کو شعلہ مارتے ہوئے دیکھ کر عبد اللہ نے یہ آیت پڑھی اذا راتھم من مکان بعید سمعوا لها تغیظا و زفیرا الی قوله ثبورا کثیرا (الفرقان پ ۱۸ آیت ۱۲) یعنی جب آتش دوزخ دور سے اہل دوزخ کو دیکھے گی تو ان کو اس کے جوش و خروش کی آواز سنائی دے گی۔ اور جب اس کے کسی مقام تنگ میں کئی کئی ایک زنجیر میں جکڑ کر ڈالے جائیں گے تو اس وقت واویلا پکاریں گے آج ایک واویلا کیا پکارتے ہو بہت کچھ واویلا پکارو۔ یہ آیت سن کر ربیع غش کھا کر گرے۔ ہم لوگ ان کو ان کے گھر تک اٹھالائے۔ عبد اللہ بھی ان کے پاس رہے یہاں تک کہ ظہر کی نماز پڑھی۔ ان کو ہوش نہ آیا پھر عصر کی نماز ادا کی جب بھی افاقہ نہ ہوا۔ بعد مغرب وہ سنبھلے تو عبد اللہ اپنے گھر واپس آئے۔ صوفیہ کہتے ہیں کہ کثرت سے ہند گان خدا کی نسبت مشہور ہے کہ جب انہوں نے قرآن شریف سنا تو کوئی مر گیا کوئی پچھاڑ کھا کر گر ا کوئی بے ہوش ہو گیا اور کوئی نعرہ زن ہوا۔ اس قسم کی باتیں کتب زہد میں بہت سی ہیں۔

الجواب! سلمان رضی اللہ عنہ کی نسبت جو کچھ ذکر کیا ہے غلط ہے اور محض دروغ ہے پھر اس حدیث کی کوئی اسناد بھی نہیں۔ آیت مذکورہ مکہ میں نازل ہوئی ہے اور سلمان مدینہ میں اسلام لائے۔ اور کسی صحابی نے ایسا قصہ ہرگز نقل نہیں کیا۔ باقی رہی ربیع بن خثیمؒ کی حکایت تو اس کا راوی عیسیٰ ابن سلیم ہے جس میں ضعف ہے۔ اور احمد بن حنبلؒ کہتے ہیں کہ عیسیٰ بن سلیم کا ابو وائلؒ سے روایت کرنا مجھے معلوم نہیں۔ اور ہم سے ابن آدم نے بیان کیا کہ میں نے حمزہ زیات سے سنا کہ انہوں نے سفیان سے کہا

کہ لوگ ربیع بن خثیم کی نسبت روایت کرتے ہیں کہ وہ بے خود ہو کر گر پڑے۔ سفیان نے جواب دیا کہ جو شخص یہ بیان کرتا ہے تو اس قصہ گو یعنی عیسیٰ بن سلیم ہی نے اپنی آنکھوں دیکھا ہو گا۔ حمزہ کہتے ہیں پھر میں عیسیٰ بن سلیم سے ملا اور ان سے کہا کہ تم یہ بات کس سے روایت کرتے ہو تو انہوں نے نہ پہچانا۔

مصنفؒ نے کہا میں کہتا ہوں کہ سفیان ثوری ایسا امام انکار کرتا ہے کہ ربیع بن خثیم پر یہ حالت گزری ہو کیونکہ وہ شخص سلف کے طریقہ پر تھا اور صحابہ میں کوئی ایسا نہیں ہوا جس پر ایسا واقعہ گزرا ہو۔ اور نہ کوئی تابعین میں تھا۔ پھر ہم کہتے ہیں کہ بر تقدیر صحت کے بھی یہ بات ہے کہ انسان کو کبھی خوف سے غش آجاتا ہے تو خوف اس کو ساکن اور ساکت کر دیتا ہے۔ پس وہ مردہ جیسا رہ جاتا ہے۔ اور صادق کی علامت یہ ہے کہ اگر دیوار پر ہو تو نیچے گر پڑے کیونکہ وہ اپنے آپ میں نہیں مگر جو شخص کو وجد کا مدعی ہے اور اپنے قدم کو لغزش سے محفوظ رکھتا ہے اس پر بھی حوصلہ کے ساتھ کپڑے پھاڑتا ہے اور ایسی حرکتیں کرتا ہے جس سے شریعت میں انکار ہے تو ہم یقیناً جانتے ہیں کہ اس کے ساتھ شیطان کھیلتا ہے۔ احمد بن عطاء کہتے ہیں کہ شبلیؒ جمعہ کے روز ایک تیز نگاہ والا کرتے تھے اور اس کے بعد ایک چیخ مارتے تھے تو ایک روز نعرہ مارا اور اپنے گرد کی مخلوق کو تیز نظروں سے دیکھنے لگے۔ ان کے حلقہ کے پہلو میں ابو عمران الاشیب کا حلقہ تھا۔ انہوں نے اپنے حلقہ والوں کو وہاں سے علیحدہ کر لیا۔

مصنفؒ نے کہا کہ خدا سب کو توفیق دے، جان لینا چاہیے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے قلوب نہایت ہی مصفا تھے۔ اور یہ حضرات وجد میں زاری اور تضرع سے زیادہ کچھ نہ کرتے تھے ان میں سے بعض اعراب صحرائینوں پر ایسا بھی گزرا جس کا ہم نے انکار کیا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے اس حالت کے انکار میں تاکید فرمائی۔ ثابت نے ہم کو انس رضی اللہ عنہ سے حدیث سنائی کہ رسول اللہ ﷺ ایک روز وعظ فرما رہے تھے۔ یکایک ایک آدمی غش کھا کر گر پڑا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ کون ہے؟ جو ہمارے دین کو مشتبہ کرتا ہے۔ اگر صادق ہے تو اپنے آپ کو شہرت دی اور اگر کاذب ہے تو خدا اس کو غارت کرے۔ انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم نے دیکھا اور رسول اللہ ﷺ نے ایک روز ہمیں وعظ سنایا یہاں تک کہ میں نے لوگوں کے رونے کی آواز سنی جس وقت کہ وعظ نے ان پر اثر کیا اور ان میں سے کوئی گر پڑا نہیں۔

تلاوت قرآن کے وقت صحابہ کی کیفیت

مصنفؒ نے کہا کہ یہ حدیث عرباض بن ساریہ کی ہے کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے ہم کو وعظ سنایا جس سے دل خوف کھا گئے اور آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ ابو بکر الاجری کہتے ہیں کہ راوی نے یوں تو نہیں بیان کیا کہ ہم نے شور مچایا اور اپنی چھاتیاں کوٹیں جس طرح اکثر وہ جہال کرتے ہیں جن کے ساتھ شیطان کھیلتا ہے۔ حصین بن عبد الرحمن سے روایت ہے کہ میں نے اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ اصحاب رسول اللہ ﷺ کی حالت قرآن شریف پڑھتے وقت کیا ہوتی تھی؟ جواب دیا کہ ان کا حال وہی ہوتا تھا جیسا اللہ تعالیٰ نے ان کا ذکر کیا یوں کہا کہ جیسی اللہ تعالیٰ نے ان کی توصیف کی ہے (یعنی یہ کہ) ان کی آنکھیں اشک آلود ہو جاتیں ان کے جسم پر روئیں کھڑے ہو جاتے تھے۔ میں نے کہا کہ یہاں پر اکثر ایسے آدمی ہیں کہ جب ان میں سے کسی کے سامنے قرآن شریف پڑھا جاتا ہے تو اس کو غش آ جاتا ہے۔ اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم (اللہ کی پناہ)۔

ابو حازم سے روایت ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما گزر ایک عراقی آدمی پر ہوا جو گراہوا پڑا تھا دریافت کیا کہ اس کا کیا حال ہے؟ لوگوں نے کہا کہ جب اس کے سامنے قرآن شریف پڑھا جاتا ہے تو اس کی یہ کیفیت ہو جاتی ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما بولے کہ ہم لوگ ضرور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں مگر گرتے پڑتے نہیں۔ سفیان بن عیینہ نے ہم سے حدیث بیان کی کہ عبید اللہ بن ابی بردہ رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ انہوں نے خوارج کا تذکرہ کیا اور تلاوت قرآن کے وقت جو ان پر گزرتا تھا۔ بیان کیا پھر کہا کہ وہ لوگ نماز ادا کرتے وقت محنت کشی میں یہود و نصاریٰ سے بڑھ کر نہیں۔ انس بن مالک سے کسی نے کہا کہ بعض لوگ ایسے ہیں کہ جب ان کے سامنے قرآن شریف پڑھا جاتا ہے تو بے ہوش ہو کر گر پڑتے ہیں جواب دیا کہ یہ خوارج کا فعل ہے۔

عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو خبر ملی کہ ان کے بیٹے عامر ایک قوم میں جا کر بیٹھے ہیں جو قرآن پڑھتے وقت گر پڑتے ہیں ان سے کہا کہ اے عامر خبردار آئندہ میں یہ نہ سنوں کہ تم ایسے لوگوں میں گئے تھے جو قرآن پڑھتے وقت بے ہوش ہو جاتے ہیں ورنہ میں کوڑے سے تمہاری خبر لوں گا۔ دوسری روایت میں یوں ہے کہ عامر بن زبیر

نے کہا میں اپنے باپ کے پاس آیا انہوں نے پوچھا تم کہاں تھے؟ میں نے جواب دیا کہ ایسے لوگوں کو میں نے دیکھا کہ ان سے بہتر کسی کو نہیں پایا وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تھے۔ ہر ایک ان میں سے کانپتا تھا یہاں تک کہ اس کو خدا کے خوف سے غش آجاتا تھا میں بھی ان کے ساتھ بیٹھ گیا۔ میرے باپ نے کہا کہ اب کبھی ان کے ساتھ مت بیٹھو۔ اتنا کہہ کر انہوں نے معلوم کیا کہ مجھ پر اس قول کا اثر نہیں ہوا۔ تو کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو تلاوت قرآن کرتے دیکھا ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کو قرآن پڑھتے دیکھا ان پر یہ کیفیت طاری نہیں ہوتی تھی۔ کیا یہ لوگ ابو بکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ خوف خدا رکھتے ہیں؟ پس میں نے جان لیا کہ ٹھیک بات یہی ہے اور ان لوگوں کے پاس جانا ترک کر دیا۔

بلکہ خدا تعالیٰ نے تو یوں فرمایا ہے تَفِيضُ اَعْيُنِهِمْ مِنَ الدَّمْعِ (المائدہ پ ۷ آیت ۸۳) یعنی ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں اور فرمایا ہے تَقْشَعِرْ جُلُودُهُمْ (الزمر پ ۲۳ آیت ۲۳) یعنی ان کے جسم پر روگٹئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ جریر بن حازم نے ہم کو خبر دی کہ وہ محمد بن سیرین کے پاس تھے۔ ان سے پوچھا گیا کہ یہاں پر کچھ ایسے لوگ ہیں کہ جب ان میں سے کسی کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو اس کو غش آجاتا ہے۔ محمد بن سیرین نے جواب دیا کہ ان میں سے کوئی دیوار پر بیٹھ جائے پھر تم اس کے سامنے قرآن اول سے آخر تک پڑھو اگر زمین پر گر پڑے تو صادق ہے۔ ابو عمر نے کہا کہ محمد بن سیرین کا یہ مذہب تھا کہ یہ سب بناوٹ ہے اور حق نہیں کہ ان کے دلوں میں اثر ہو۔

حسنؒ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک روز وعظ کیا ایک شخص نے مجلس وعظ میں سانس بھرا۔ حسنؒ نے کہا کہ اگر خدا کے لئے ہے تو تو نے اپنے آپ کو مشہور کیا اور اگر غیر خدا کے لئے ہے تو تو ہلاک ہو گیا۔ فضیل بن عیاض نے اپنے بیٹے سے کہا جو اسی طرح گر پڑے تھے کہ اے بیٹا اگر تم سچے ہو تو تم نے اپنے آپ کو رسوا کیا۔ اور اگر جھوٹے ہو تو اپنی جان کو ہلاک کیا۔ دوسری روایت میں یوں ہے کہ انہوں نے کہا کہ بیٹا اگر صادق ہو تو تم نے جو کچھ تمہارے پاس تھا اسے ظاہر کر دیا اور اگر کاذب ہو تو تم نے خدا کے ساتھ شرک کیا۔

فصل :- مصنفؒ نے کہا اگر کوئی کہے کہ کلام صادقین میں کیا جاتا ہے ریاکاروں کا ذکر نہیں اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو جس پر وجد طاری ہو۔ اور وہ اس کے دفعیہ پر قادر نہیں۔ تو جواب یہ ہے کہ شروع وجد میں ایک اندرونی حرکت اور جوش ہوتا ہے اگر انسان اپنے آپ کو باز رکھے اور روکے رہے تاکہ کسی کو اس کے حال کی خبر نہ ہو تو شیطان اس سے ناامید ہو کر دور ہو جاتا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ ایوب سختیابی جب حدیث بیان کرتے تھے اور ان کے دل کو رقت ہوتی تھی تو اپنی ناک پونچھتے تھے اور کہتے تھے کہ زکام کس قدر سخت ہے۔ اور اگر انسان اپنے آپ کو بے قابو چھوڑ دے تو شیطان اس میں اپنے سانس بھر دیتا ہے۔ بقدر اس کے پھونکنے کے انسان بیقرار ہوتا ہے چنانچہ زینب رضی اللہ عنہا کے بچے سے روایت ہے کہ زینب حضرت عبداللہ کی بی بی کہتی ہیں کہ ایک روز عبداللہ باہر سے آئے میرے پاس ایک بڑھیا بیٹھی تھی جو میرا سرخ بادا جھاڑتی تھی۔ میں نے اس کو چارپائی کے نیچے چھپالیا۔ عبداللہ آکر میرے پاس بیٹھ گئے تو میری گردن میں ایک ڈورا (دھاگہ) دیکھا۔ پوچھا کہ یہ ڈورا کیسا ہے۔ میں نے کہا یہ میرے واسطے پڑھ کر پھونکا گیا ہے۔ عبداللہ نے وہ ڈورا لیا اور توڑ ڈالا اور بولے کہ آل عبداللہ سے شرک سے مستغنی ہیں۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرماتے تھے کہ منتر، تعویذ اور تولہ (جادو) شرک ہے۔ زینب رضی اللہ عنہا کہتی ہیں میں نے کہا تم کیوں کہہ رہے ہو؟ حالانکہ ایک دفعہ میری آنکھ میں درد ہوتا تھا اور میں فلاں یہودی کے پاس جایا کرتی تھی۔ وہ جھاڑ دیا کرتا تھا تو درد رک جاتا تھا۔ عبداللہ نے کہا کہ یہ صرف شیطان کی کارروائی تھی۔ وہ آنکھ میں کچھ اپنے ہاتھ سے چونک دیتا تھا (مارتا تھا) پھر جب یہودی جھاڑتا تھا تو رک جاتا تھا۔ تمہارے لئے یہی کافی تھا کہ جس طرح رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے اس طرح کہتیں اذهب الباس رب الناس واشف انت الشافی لا شفاء الا شفاؤک شفاء لا یغادر سقما مصنفؒ نے کہا کہ تولہ جادو کی ایک قسم ہے جس سے شوہر کو بی بی کی محبت ہو جاتی ہے۔

فصل :- اگر کوئی کہے کہ ہم اس شخص کے بارے میں کلام کرتے ہیں جو وجد کے دفعیہ کی کوشش بہت کرتا ہے مگر قدرت نہیں رکھتا اور مغلوب ہو جاتا ہے پھر کہاں سے شیطان اگھسا تو جواب یہ ہے کہ ہم اس امر کا انکار نہیں کرتے کہ بعض طبیعتیں دفعیہ میں کمزور ہیں لیکن صادق کی پہچان یہ ہے کہ دفع کرنے پر قادر نہیں

ہوتا اور نہیں جانتا کہ اس پر کیا گزری پس وہ اس قبیل سے ہے جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا
وحر موسیٰ صغلا۔

عبداللہ بن وہب کے روپر واہوال قیامت کی کتاب پڑھی گئی وہ غش کھا کر گر
پڑے اور کوئی بات نہ کی، یہاں تک کہ اس کے بعد چند روز میں انتقال کر گئے۔ مصنفؒ
نے کہا کہ میں کہتا ہوں کہ اکثر لوگ وعظ سن کر مر گئے اور بے ہوش ہو گئے۔ ہیں ہم
کہتے ہیں کہ وجد کرنا جو مکاروں کی حرکتوں کو شامل ہے اور زور سے چیخنا اور کج مع
چلنا
بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ہلاٹ ہے اور شیطان ان لوگوں کا یار و یاور ہے۔

مصنفؒ نے کہا کہ اگر کہا جائے کہ کیا صاحب اخلاص کا حق اس پر یہ حالت
طاری ہونے سے کم ہو جائے گا تو جواب دیا جائے گا کہ ہاں دو وجہ سے ایک یہ کہ اگر اس
کا علم قوی ہوتا تو ضبط کرتا دوسرے یہ کہ صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعینؒ کے طریقہ کے
خلاف کیا گیا اور یہی نقص اور کمی کافی ہے۔

سفیان بن عیینہ سے ہم کو حدیث پہنچی انہوں نے کہا میں نے خلف بن حوشب
سے سنا ہے کہ خوات وعظ کے وقت کانپتے تھے ان سے ابراہیم نے کہا کہ اگر تم اس
حالت پر قابو رکھتے ہو تو اس میں کچھ حرج نہیں سمجھتا کہ تم کو حقیر سمجھوں۔ اور اگر
اختیار نہیں رکھتے تو اپنے سے پہلے والوں کے خلاف کرتے ہو۔ دوسری روایت میں ہے
کہ انہوں نے کہا تم ان لوگوں کی مخالفت کرتے ہو جو تم سے بہتر تھے، مصنفؒ نے کہا کہ
یہ ابراہیم وہی تھی فقیہ ہیں بڑے سنت کے پابند اور نہایت اثر کے متبع تھے اور خوات نیک
لوگوں میں سے اور ہلاٹ سے دور تھے ابراہیم کا یہ خطاب ایسے شخص سے ہے پھر وہ
انسان کس شمار میں ہے جس کی تصنع اور ہلاٹ کا حال پوشیدہ نہیں۔

فصل :- جب اہل تصوف راگن سن کر سرور میں آتے ہیں تو تالیاں
جاتے ہیں کہتے ہیں کہ حضرت ابن ہنات وجد کرتے تھے اور حضرت ابو سعید خزاز تالیاں
جاتے تھے۔

مصنفؒ نے کہا کہ تالیاں جانا بڑا اور منکر ہے جو طرب میں لاتا ہے اور اعتدال
سے باہر کر دیتا ہے۔ اہل عقل ایسی باتوں سے دور رہتے ہیں۔ اور ایسا کرنے والا
مشرکین کے مشابہ ہے جیسا کہ ان کا فعل بیت اللہ کے پاس آکر تالیاں جانا تھا۔ اسی کی
مذمت اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی۔ وما کان صلاتہم عند البیت الا مکاء وتصدیہ

(الانفال پ ۹ آیت ۳۵) یعنی مشرکین کی نماز بیت اللہ کے پاس آکر یہی ہے کہ فریاد کرتے ہیں اور تالیاں جاتے ہیں۔ مصنفؒ نے کہا کہ نیز اس میں عورتوں سے مشابہت ہے اور عاقل آدمی اس بات سے پرہیز کرتا ہے کہ وقار کو چھوڑ کر مشرکین اور عورتوں کی حرکتیں اختیار کرے۔

فصل :- پھر جب ان کو کامل سرور ہوتا ہے تو رقص کرتے ہیں ان میں سے بعض نے یوں حجت پیش کی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اركض برحلك (ص پ ۲۳ آیت ۴۲) یعنی اے ایوب اپنا پاؤں زمین پر مارو۔

مصنفؒ نے کہا میں کہتا ہوں کہ یہ حجت لانا بارد ہے۔ کیونکہ اگر یہ فرمان خوشی کے مارے زمین پر پاؤں مارنے کو ہوتا تو ان کے لئے شبہ ہو سکتا تھا پاؤں مارنے کا حکم تو فقط اس لئے تھا کہ پانی نکل آئے۔ ان عقلی کہتے ہیں کہ ایک مریض آدمی کا قصہ جس کو مصیبت دور کرنے کے وقت حکم دیا گیا کہ اپنا پاؤں زمین پر مارے تاکہ معجزہ سے پانی نکل آئے رقص کی دلیل کہاں سے ہو گیا۔ اور اگر ایسا جائز ہو کہ اس پاؤں کا ہلانا جس کو کیڑوں نے کھا کھا کر لاغر کر دیا تھا۔ اسلام میں رقص کے جواز پر دلالت کرے تو جائز ہو گا کہ اللہ تعالیٰ کا حضرت موسیٰ کو یہ فرمان اضرب بعصاك الحجر یعنی اپنی لاٹھی پر پتھر پر مارو لکڑیوں سے تاشے جانے پر دلالت کرے نعوذ باللہ من التلاعب بالشرع۔ بعض کم عقلوں نے اس حدیث سے حجت نکالی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تم میرے ہو اور میں تمہارا ہوں۔ یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ رفا تجل چلے۔ آپ ﷺ نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم خلقت اور خلق میں مجھ سے مشابہ ہو تو وہ جل چال چلے اور آپ ﷺ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم ہمارے بھائی ہو اور آزادہ کردہ ہو۔ زید رضی اللہ عنہ سن کر جل چال چلے۔ بعض صوفیہ نے یوں حجت پکڑی ہے کہ حبشیوں نے رقص کیا تھا۔ اور رسول اللہ ﷺ ان کی طرف دیکھتے تھے۔ جواب یہ ہے کہ جل ایک قسم کی رفتار ہے کہ آدمی خوشی کی حالت میں جھومتا ہو ایک ٹانگ اٹھا کر چلتا ہے تو کہاں وہ چال اور کجاہ رقص اور علی ہذا القیاس حبشیوں کا رقص کرنا ایک قسم کی چال تھی جس کی جنگ میں مقابلے کے لئے مشق کرتے تھے۔

صوفیہ کے لئے جواز رقص پر ابو عبد الرحمن السلمی یہ دلیل لائے ہیں کہ ابراہیم

بن محمد شافعی سے روایت ہے کہ سعید بن المسیب مکہ کی کسی گلی میں گزرے تو اخصر گوئے کو سنا کہ عاص بن وائل کے گھر میں یہ شعر گارہا تھا۔ جن کا ترجمہ یہ ہے بطن نعمان مشک ہے مہک اٹھے اگر وہاں زینب عطر میں بسی ہوئی عورتوں کے ہمراہ گزرے۔ پھر جب نمیری کی سواریاں دیکھے تو منہ پھیر لے اور وہ عورتیں نمیری کی ملاقات سے پرہیز کرنے والی ہوں۔

راوی کہتا ہے کہ یہ سن کر سعید بن مسیب نے تھوڑی دیر اپنا پاؤں زمین پر مارا اور کہا یہ وہ چیز ہے جس کا سننا لذت بخش ہے۔ لوگ یہ شعر سبع بن مسیب کے بیان کرتے ہیں۔ مصنفؒ نے کہا کہ میں کہتا ہوں یہ اسناد مقطوع اور مظلم ہے ابن مسیب سے صحیح نہیں اور نہ یہ ان کے شعر ہیں۔ ایسی باتوں سے ابن مسیب زیادہ عالی وقار تھے۔ یہ اشعار محمد بن عبد اللہ بن نمیری شاعر کے مشہور ہیں وہ نمیری نہیں تھا۔ اپنے دادا کی طرف منسوب اور ثقفی ہے۔ اور زینب جس کا ذکر ان اشعار میں تشبیہ کیا گیا ہے۔ وہ یوسف کی بیٹی حجاج کی بہن ہے۔ اس سے عبد الملک بن مروان نے پوچھا تھا کہ تیرے شعر میں یہ سواریاں کیا چیز ہیں؟ جواب دیا کہ مرے پاس کچھ لاغر گدھے تھے جن پر طائف سے رال لاد کر لایا تھا۔ عبد الملک ہنس پڑا اور حجاج کو حکم دیا کہ اسے ایذا نہ دے۔ مصنفؒ نے کہا پھر اگر ہم مان بھی لیں کہ ابن المسیب نے اپنے پاؤں زمین پر مارے تو یہ جواز قص پر حجت نہیں کیونکہ اکثر اوقات آدمی اپنا پاؤں زمین پر مارتا ہے۔ یا کوئی چیز سن کر زمین کو ٹھونکتا ہے اور اس کو قص نہیں کہتے۔ پس یہ تعلق کس قدر رائج ہے کجا پاؤں کا ایک یا دو بار زمین پر مارتا اور کجا ان لوگوں کا وہ قص کہ اہل عقل کے طریقہ سے باہر چلے جاتے ہیں۔ پھر ہم احتجاج سے درگزر کر کے بلا تے ہیں کہ آؤ ہم تم عقل کے پاس چل کے قصیہ فیصل کریں۔ قص میں کون سی بات ہے بجز اس کے کہ کھیل ہے جو لڑکوں کے لائق ہے اور یہ جو دعویٰ ہے کہ اس میں قلوب کو آخر کی طرف تحریک ہوتی ہے تو یہ بات محذوٰر وستی ہے۔

بعض مشائخ نے مجھ کو غزالی سے خبر پہنچائی کہ انہوں نے کہا قص ایک حماقت ہے دونوں شانوں میں جو بغیر تھکن کے زائل نہیں ہوتی۔ ابن عقیل نے کہا کہ قرآن میں قطعی طور پر قص سے ممانعت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ولا تمش فی الارض مرحباً (بنی اسرائیل پ ۱۵ آیت ۷۳) یعنی زمین پر خوش ہوتا ہوا (اکڑ کر) نہ چل۔ اللہ تعالیٰ نے محال یعنی اترا کر چلنے والے کی مذمت فرمائی اور قص نہایت ہی

خوشی اور اترنا ہوتا ہے۔ بھلا کیا ہم وہی لوگ نہیں کہ ہم نے نبیذ کو شراب پر قیاس کیا ہے جو اس کے کہ سرور لانے اور نشہ پیدا کرنے میں دونوں متفق ہیں پھر ہمیں کیا ہو گیا کہ لکڑی جانا اور اس کے ساتھ اشعار گانا ظنور اور مزار اور طبل پر قیاس نہ کریں۔ کیونکہ دونوں طرب و سرور میں متحد ہیں۔ اور کیا داڑھی والے آدمی سے کوئی شے جو عقل و وقار کو عیب لگائے اور علم و ادب کے طریقہ سے نکال دے قبیح تر ہوگی پھر کیا کہا جائے کہ بڑھے الحان اور لکڑیوں کے جتنے پر رقص کریں اور تالیاں جائیں خاص کر اگر عورتوں اور مردوں کی آوازیں ہوں اور کیا پسند کرتے ہو کہ جس شخص کے سامنے موت اور سوال (قبر) اور حشر اور صراط ہوں۔ پھر اس کا ٹھکانا بہشت و دوزخ میں سے کوئی ایک جگہ ہو وہ رقص سے یوں اچھلے کودے۔ جیسے چوپائے اچھلتے ہیں اور اس طرح تالیاں بجائے جس طرح عورتیں جاتی ہیں۔ خدا کی قسم میں نے اپنے زمانے میں وہ مشائخ دیکھے ہیں جن کا مسکرانے میں بھی کوئی دانت ظاہر نہیں ہوا چہ جائیکہ ان کو ہنسی آئے باوجودیکہ میں ہمیشہ ان کی صحبت میں رہا جیسے شیخ ابو القاسم بن زید اور عبد الملک بن بصران اور ابو طاہر بن علف اور جنید اور دنیوری۔

فصل :- جب کہ صوفیہ میں بلات رقص خوب طرب قرار پکڑتا ہے ان میں سے ایک کسی بیٹھے ہوئے کو کھینچ لیتا ہے کہ اس کے ساتھ اٹھ کھڑا ہو، اور ان کو مذہب میں یہ بات جائز نہیں کہ جس کو کھینچا جائے وہ بیٹھا رہے جب وہ کھڑا ہوتا ہے تو اس کی پیروی کی وجہ سے باقی لوگ بھی اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ پھر اگر کوئی ان میں سے اپنا سر کھول لیتا ہے تو باقی بھی اس کی موافق میں اپنے سروں کو ننگا کر لیتے ہیں اور عاقل آدمی پر پوشیدہ نہیں کہ کھولنا قبیح ہے کہ اس میں آدمیت سے دوری اور ترک ادب ہے یہ صرف مناسک حج میں اللہ تعالیٰ کے آگے اظہار عبودیت اور عاجزی کے لئے واقع ہوتا ہے۔

فصل :- جب ان کا سرور زیادہ ہوتا ہے تو کپڑے اتار کر گانے والے پر پھینک دیتے ہیں۔ بعض تو اسی طرح سالم و درست پھینک دیتے ہیں اور بعض ان کو پھاڑ دیتے ہیں پھر پھینکتے ہیں اور ان کے لئے بعض جمال نے یہ حجت پکڑی ہے کہ وہ اپنے آپ سے گزر جاتے ہیں (بے خود ہو جاتے ہیں) لہذا ملامت نہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ جب موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قوم کی گوسالہ پرستی کا غم ہوا تو توریت کے تختے پھینک دیئے اور

ان کو توڑ ڈالا اور ان کو کچھ خبر نہ تھی کہ کیا کیا۔ جواب میں ہم کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کی نسبت اس امر کی تصحیح کس نے کی کہ انہوں نے تختے اس طرح پھینکے جیسے کوئی توڑ ڈالنے چاہتا ہے اور قرآن شریف میں جو مذکور ہے تو ان کا ڈال دینا ہے۔ بس یہی کافی ہے یہ بات کہاں نکلی کہ وہ ٹوٹ گئے ہم یہ کیونکر کہہ دیں کہ انہوں نے توڑنے کا قصد کیا تھا۔ پھر اگر موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اس کو صحیح بھی مان لیں تو ہم کہیں گے کہ وہ اس وقت بے خود تھے کہ اگر اس گھڑی ان کے سامنے آگ کا دریا بھی ہوتا تو اس میں داخل ہو جاتے۔ اس گروہ کی نسبت بے خودی کون صحیح بتاتا ہے حالانکہ یہ لوگ گانے والے کو غیروں سے تمیز کر لیتے ہیں اور ان کے پاس کنواں ہو تو اس سے پختے ہیں۔ پھر انبیاء علیہم السلام احوال ان احقوں پر کیونکر قیاس کئے جاسکتے ہیں۔

صوفیہ میں سے میں نے ایک جوان کو بازار میں دیکھا کہ شور مچاتا تھا اور عوم لوگ اس کے پیچھے جاتے تھے وہ غصہ میں بڑبڑاتا تھا۔ اور نماز جمعہ کے لئے جاتا تھا۔ کئی نعرے مارتا تھا اور پھر جمعہ کی نماز پڑھتا تھا تو نماز سے خاموش ہو جاتا تھا۔ اب اگر یہ شخص نماز پڑھنے کی حالت میں غائب و بے خود تھا تو اس کا وضو باطل ہو گیا۔ اور اگر ہوش تھا تو وہ محض بنا ہوا ہے یہ شخص تن و توش والا تھا کوئی کام نہ کرتا تھا۔ ہر روز اس کے واسطے ایک زنبیل گھر گھر پھیری جاتی تھی تو اس قدر کھانا جمع ہو جاتا تھا کہ وہ اور اس کے ساتھی کھاتے تھے۔ پس یہ حالت کھانے والوں کی ہے توکل کرنے والوں کی نہیں پھر اگر ہم مان لیں کہ یہ لوگ بے خودی کی وجہ سے شور کرتے ہیں تو ان کا ایسی طرب انگیز چیز سننے کو جانا جو عقل پر پردہ ڈالتی ہے ممنوع اور منہی ہے جیسا کہ ہر چیز کے پاس جانا جس میں آزار غالب ہو۔

ان عقل سے ان لوگوں کے وجد کرنے اور کپڑے پھاڑنے کے بارے میں پوچھا گیا۔ جواب دیا کہ خطا ہے حرام ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مال ضائع کرنے اور گریبان پھاڑنے سے منع فرمایا پوچھنے والے نے ان عقل سے پوچھا کہ وہ لوگ بالکل نہیں جانتے کہ کیا کرتے ہیں جواب دیا کہ اگر باوجود اس علم کے طرب ان پر غالب ہو گا اور ان کو عقل زائل کر دے گا۔ وہ ان مقاموں میں حاضر ہوں گے بوجہ اس حالت کے جو ان پر گزرتی ہے کپڑے پھاڑنا وغیرہ جس میں شے کا فاسد کرنا ہے اور ان سے خطاب شرعی ساقط نہ ہو گا کیونکہ وہ اس مجلس میں حاضر ہونے سے پہلے مخاطب ہیں کہ ان مقامات سے باز ہیں جہاں ایسی حالت کو پہنچیں جس طرح ان کو نشہ کی چیز پینے سے منع

کيا گیا ہے۔ اب اگر وہ نشہ سے سرشار ہو جائیں اور اس حالت میں ان سے مال ضائع کرنے سے سرزد ہو تو خطاب الہی بوجہ ان کے مست و بے خود ہونے کے ساقط نہ ہوگا۔ یہ طرب اور سرور جس کو اہل تصوف وجد کہتے ہیں اگر اس میں صادق ہیں تو طبیعت پر نشہ غالب ہو گیا اور اگر کاذب ہیں تو باوجود ہوش میں ہونے کے مال ضائع کرتے ہیں۔ بہر حال دونوں صورتوں میں سلامتی نہیں۔ اور شک و شبہ کے مقامات سے بچنا واجب ہے۔

ابن طاہر نے اس قوم کے لئے اس حدیث سے حجت پکڑی ہے کہ حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا میں نے اپنے لئے ایک پردہ نصب کیا تھا جس میں نقش اور ہیل بوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے کھینچا اور چاک کر دیا۔ مصنف نے کہا اس بے چارے غریب آدمی کی سمجھ پر غور کرنا چاہیے کہ جو شخص اپنے کپڑے پھاڑتا ہے حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے مال ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے اس کی حالت کو اس پر قیاس کرتا ہے کہ گھیرنے کے لئے پردہ کھینچا جائے اور بلا قصد پھٹ جائے اگر یہ بھی مان لیں کہ آپ نے اس کے چاک کر دینے کا قصد کیا تھا اور بوجہ تنبیہ جائز ہے۔ جیسا کہ ممنوعات میں کیا جاتا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے شراب کے بارے میں اس کے مکے توڑ ڈالنے کا حکم دیا تھا۔ اب اگر کپڑے پھاڑنے والا آدمی یہ دعویٰ کرے کہ وہ بے خود ہے تو ہم جواب دیں گے کہ تجھ کو شیطان نے بے خود بنا دیا تھا اگر تو حق کے ساتھ ہوتا تو محفوظ رہتا کیونکہ حق فاسد نہیں ہوتا۔ ابو عمران الجونی نے کہا کہ ایک روز موسیٰ بن عمران علیہ السلام نے وعظ بیان کیا۔ سامعین میں سے ایک شخص نے اپنا کرتا پھاڑ ڈالا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ اس کرتے والے سے کہہ دو کہ کرتا نہ پھاڑے بلکہ میرے لئے اپنا قلب صاف کرے۔

فصل :- مشائخ صوفیہ نے چھینکے ہوئے خرتوں کے بارے میں کلام کیا ہے۔ محمد بن طاہر نے کہا کہ اس بات کی دلیل کہ خرقہ جب پھینکا جاتا ہے اس شخص کی ملک ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے پھینکا گیا۔ حضرت جریر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے کہ کچھ لوگ پوستین پہنے ہوئے آئے رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو صدقہ کی ترغیب دی۔ ایک انصاری ایک تھیلی لائے ان کو دیکھ کر اور لوگ بھی پے در پے لانے لگے۔ حتیٰ کہ میں نے دو ڈھیر غلہ اور کپڑوں کے دیکھے۔ ابن طاہر نے کہا کہ اس امر کی دلیل کہ

جب لوگ خرقوں کے تقسیم ہونے کے وقت آئیں تو ان کا حصہ لگایا جائے گا۔ حضرت ابو موسیٰ کی حدیث ہے کہ ہم لوگ خیبر کے بعد تیسرے دن آئے تو رسول اللہ ﷺ نے ہمارا حصہ لگایا۔

مصنفؒ نے کہا کہ یہ شخص شریعت کے ساتھ کھیل کرتا ہے اور کج فنی سے جو باتیں متاخرین صوفیہ کے مذہب کے موافق پاتا ہے نکالتا ہے۔ کیونکہ ہم نے متقدمین صوفیہ میں یہ باتیں نہیں دیکھیں اور اس شخص کے استخراج کی قباحت کا بیان یہ ہے کہ وہ شخص جس نے چاک شدہ خرقہ پھینکا ہے اگر ہوش میں تھا تو اس کو اس کا چاک کرنا جائز نہ تھا۔ اور اگر ان کے خیال کے مطابق خودی سے گزرا ہوا (بے خود) تھا تو اس کا کپڑا اس چیز کے مانند ہو گا جو بے خبری میں انسان سے گر پڑے کسی دوسرے کو جائز نہیں کہ اس کا مالک بنے اور اگر اس شخص نے حالت ہوش اپنا کپڑا پھینکا مگر کسی آدمی پر نہیں ڈالا تو اس کے مالک بن جانے کی کوئی نہیں کیونکہ بغیر عقد شرعی کے کسی کو مالک نہیں بنا سکتے اور پھینک دینا عقد نہیں ہے۔ پھر ہم مانتے ہیں کہ وہ کپڑا لگانے والے کی ملکیت ہے تو اور لوگوں کے اس میں تصرف کرنے کی کیا وجہ ہے پھر جب اس میں تصرف کرتے ہیں تو اس کے کئی ٹکڑے کر دیتے ہیں اور یہ دو جہوں سے جائز نہیں۔ اول یہ کہ وہ ایسی چیز میں تصرف کرتے ہیں جس کے مالک نہیں اور دوم یہ کہ مال کا ضائع کرنا ہے۔ پھر جو شخص موجود نہیں اس کا حصہ لگانے کی کیا وجہ ہے۔ اگر حضرت ابو موسیٰ کی حدیث کو کہا جائے تو خطائی وغیرہ علماء نے کہا ہے کہ یہاں احتمال ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو حاضرین جنگ کی خوشی سے دیا ہو۔ یا اس پانچویں حصہ میں سے عطا کیا ہو جو آپ ﷺ کا حق تھا اور باہر مذہب صوفیہ یہ کپڑے کے ٹکڑے ہر ایک آنے والے کو ملتے ہیں۔ اور یہ مذہب اجماع مسلمین سے خارج ہے اگر سچ پوچھئے تو یہ لوگ جو کچھ اپنی بے ہودہ راؤں سے مقرر رہے ہیں۔ کس قدر اس حالت سے ملتی جلتی ہے جو زمانہ جاہلیت کے بارے میں حمیرہ اور سائبہ اور صلیہ اور حام کے احکام کی قسم سے بیان کی گئی ہے۔

ابن طاہر نے کہا ہے کہ ہمارے مشائخ نے اجماع کیا ہے کہ چاک شدہ خرقے اور جو کچھ ان کے ساتھ درست خرقے ان کے موافق ہوں وہ سب کے سب مجمع کے حکم پر ہیں مشائخ اس میں جس طرح چاہیں تصرف کریں۔ اور ان کی حجت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے کہ غنیمت اس کے لئے جو جنگ میں حاضر تھا اس مذہب میں

ہمارے شیخ ابو اسماعیل انصاری ان کے خلاف ہیں۔ وہ خرقوں کے دو حصے کرتے ہیں جو چاک شدہ ہیں سب کو تقسیم کئے جائیں اور جو سلام و درست ہیں قوال کو دیئے جائیں۔ اور حضرت سلمہ کی حدیث سے حجت لی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ فلاں شخص کو کس نے قتل کیا؟ لوگوں نے عرص کیا کہ سلمہ نے مارا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ سلمہ ہی کو اس کا سار رخت (مال) ملے گا۔ پس یہاں پر قتل فقط قوال ہی کی طرف سے پایا گیا ہے۔ لہذا رخت اسی کو ملے گا۔

مصنفؒ نے کہا میرے بھائیو خدا ہمیں تمہیں تلمیس ابلیس سے محفوظ رکھے۔ ذرا ان نادانوں کے شریعت کے ساتھ کھیل کرنے کو غور کرو اور ان کے مشائخ کا اجماع دیکھو جو اونٹ کی میٹنگی کے برابر نہیں۔ کیونکہ مشائخ فقہاء اس پر اجماع کرتے ہیں کہ وہ کہہ کر وہ چیز اس شخص کی ہے جسے وہ کہے کی گئی خواہ ٹوٹی پھوٹی یا صحیح و درست ہو۔ اور غیر مہوب لہ (حس کو وہ نہیں کی گئی) کو اس میں تصرف کرنا جائز نہیں پھر یہ سمجھو کہ مقتول کا رخت تو وہ سب ہے جو اس کے جسم پر ہے ان لوگوں کو کیا ہو گیا کہ رخت اسی کو کہتے ہیں جو پھینک دیا گیا۔ پھر زیبا تو یہی ہے کہ انصاری کے قول کے برعکس عمل درآمد ہو کیونکہ کپڑوں میں جو پھٹے ہوئے ہیں وہ بسبب وجد کے ہیں۔ لہذا یوں چاہیے کہ قوال کو چاک شدہ دیں اور درست نہ دیں۔ غرض یہ کہ اس بارے میں اس فریق کے تمام اقوال بے ہودہ اور خرافات ہیں۔

ابو عبد اللہ تکریتی صوفی نے مجھ سے بیان کیا کہ میں نے صغر سنی میں ابو الفتوح اسفرائینی کو دیکھا وہ ایک مجلس صوفیہ میں بہت بڑی جماعت میں موجود تھے۔ جہاں ڈھول ہاجہ اور دف اور گھنگرہ تھے۔ ابو الفتوح اٹھ کر رقص کرنے لگے۔ یہاں تک کہ ان کا عمامہ گر پڑا۔ وہ اسی طرح کھلے سر رہے۔ تکریتی نے کہا کہ ابو الفتوح نے ایک روز رقص کیا اور موزہ پہنے ہوئے تھے پھر ذکر آیا کہ موزہ سمیت رقص کرنا صوفیہ کے نزدیک خطا ہے تو انہوں نے موزہ اتار ڈالا۔ پھر ایک پیراہن جو پہنے ہوئے تھے اتار اور اس گناہ کے کفارہ میں جماعت کے سامنے رکھ دیا۔ لوگوں نے اس کو پارہ پارہ کر کے باہم تقسیم کر لیا۔ ان طاہر نے کہا کہ جو خرقہ پھینکا جائے تو لوگوں سے اس کا خرید کرنا جائز نہیں اس کی دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے کہ صدقہ کر کے واپس نہ لو۔ مصنفؒ نے کہا کہ دیکھنا چاہیے کہ یہ شخص حدیث کے معنی سمجھنے سے کس قدر دور ہے۔ کیونکہ خرقہ تو ہنوز اپنے مالک کی ملک میں باقی ہے اس کو خریدنے کی حاجت

نہیں۔

فصل :- باقی رہا یہ کہ صوفیہ پھینکے ہوئے کپڑوں کو ٹکڑے ٹکڑے کرتے ہیں اور باہم بانٹتے ہیں۔ تو ہم بیان کر چکے کہ اگرچہ مالک لباس نے اس کو قوال کی طرف پھینکا ہے لیکن فقط پھینک دینے سے اس کو دے نہیں دیا کہ وہ اس کا مالک بن بیٹھا۔ پھر جب وہ قوال اس کا مالک بن گیا تو خیر کے تصرف کی اس میں کیا وجہ ہے۔ بھس فقہائے صوفیہ کے پاس میں گیا جو خرقة پھاڑتے تھے اور تقسیم کرتے تھے کہتے تھے کہ ان خرقوں سے نفع اٹھایا جاتا ہے۔ اور یہ کوئی تفریط نہیں میں نے کہا کہ اس کے سوا اور تفریط کسے کہتے ہیں۔ اسی طرح ایک اور شیخ کو میں نے دیکھا جو کہتے تھے کہ میں نے اپنے شہر میں خرقة پھاڑ کر تقسیم کئے ایک خرقة ایک آدمی کو ملا اس نے اس کا ایک دوسرا لباس بنا کر پانچ دینار میں فروخت کر دیا۔ میں نے ان سے کہا ان نادور باتوں کے لئے شریعت یہ رعونیت جائز نہیں رکھتی۔ پھر ان دونوں شیخوں سے زیادہ تعجب ابو حامد طوسی پر ہے وہ کہتے ہیں کہ صوفیہ کو کپڑوں کا پارہ پارہ کرنا جائز ہے۔ بغیر طیکہ مربع ٹکڑے پھاڑے جائیں جو کہ کپڑوں اور جانمازوں میں پوند لگانے کے کام آسکیں۔ کیونکہ ایسا ہوتا ہے کہ کپڑا پھاڑ ڈالا جاتا ہے۔ اور اس کا کرتا بنالیا جاتا ہے اور اس کو تصبیغ نہیں کہتے۔ میں اس شخص پر تعجب کرتا ہوں کہ مذہب تصوف کی محبت نے اس کو اصول فقہ اور مذہب شافعی سے کیسا مسلوب الحواس کر دیا کہ انتفاع پر نظر رکھتا ہے۔ پھر اس کے کیا معنی کہ مربع ٹکڑے ہوں۔ طول میں پھاڑنے سے بھی نفع اٹھا سکتے ہیں۔ اور تلوار کے اگر توڑ کر برابر دو ٹکڑے کے لئے جاتیں تو ایک ٹکڑے سے نفع نہیں اٹھا سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں شریعت عام فائدوں کو دیکھتی ہیں اور جس چیز کے انتفاع میں نقصان آئے اس کو تلف کر دینا کہتے ہیں۔ اسی لئے ثبات درہم کا توڑنا ممح ہے۔ کیونکہ ٹوٹنے کی وجہ سے اس کی قیمت کم ہو جاتی ہے۔ شیطان اگر جہاں صوفیہ کو فریب میں لے آئے تو کچھ تعجب نہیں۔ تعجب تو ان عالموں پر ہے جنہوں نے ابو حنیفہ اور شافعی کے حکم کو چھوڑ کر صوفیہ کی بدعتیں اختیار کی ہیں۔

فصل :- ان صوفیہ نے جو بدعتیں ایجاد کی ہیں ان میں عجیب عجیب باتیں نکالی ہیں اور جو لوگ ان کی خواہش نفسانی کی جانب مائل ہوتے ہیں۔ انہوں نے ان کے لئے عذر ڈھونڈے ہیں۔ محمد بن طاہر نے اپنی کتاب میں ایک باب باندھا ہے جس کا

عنوان یہ ہے۔

باب :- توبہ کرنیوالے سے کچھ تاوان لینے کے بارے میں سنت کیا ہے؟

اور کعب بن مالک کی حدیث سے جت لی ہے کہ ان کی توبہ کے لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارے لئے تمہاری مال صدقہ دینا کافی ہے۔ پھر کہا باب اس بات کی دلیل ہے کہ جس شخص پر تاوان واجب ہو اور اس کو ادا نہ کرے تو تاوان سے زیادہ اس پر لازم کر دیں۔ اور معاویہ بن جعدہ کی حدیث سے دلیل پکڑی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے زکوٰۃ کے حق میں فرمایا کہ جو شخص زکوٰۃ کو روکے گا میں اس سے زکوٰۃ اور اس کا آدھا مال لوں گا۔

مصنف نے کہا میں کہتا ہوں کہ ان لوگوں کے کھیل کرنے کو دیکھو اور اس صوفیہ کے لئے جت لانے والے کی جہالت پر غور کرو کہ جو چیز انہوں نے ایک شخص پر خود مل کر لازم کر دی اس کا نام تاوان رکھا ہے اور اس کو واجب بتاتے ہیں۔ حالانکہ ہمارے واسطے کسی شے کا تاوان ہونا اور واجب ہونا فقط شریعت کی طرف سے ہے۔ اور جب کہ انسان غیر واجب کو واجب اعتقاد کرے گا تو یہ اعتقاد اس کو کافر بنا دے گا۔ صوفیہ کا مذہب ہے کہ استغفار و توبہ کے وقت سر کھول لے حالانکہ یہ بدعت اور خلاف آدمیت ہے اور احرام کی حالت میں سر کھولنے کے لئے اگر شریعت نہ وارد ہوتی تو کوئی اور وجہ نہ تھی۔ باقی رہی یہ حدیث کہ کعب بن مالک نے کہا میری توبہ یہ ہے کہ اپنے مال میں سے کچھ نکالوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمہاری مال کافی ہے یہ فرمانا کوئی لازم کر دینے کی راہ سے نہ تھا۔ صرف گناہ سے پاک کرنا تھا۔ اور ان سے مال لے لیا گیا۔ اور کجا شریعت کا یہ لازم کرنا کہ جو شخص زکوٰۃ دے تو سزا کے طور پر ان سے اور زیادہ لیا جائے۔ اور مال اس قوم کا یہ تاوان کے طور پر زیادتی کا لازم کرنا پھر اگر وہ نہ دے تو اس کو دو چند کر دیتے ہیں۔ حالانکہ ان کو لازم کرنا ہی نہ چاہیے۔ لازم کر دینا فقط شریعت کے اختیار ہے اور یہ سب حرکتیں نادانی اور شریعت کے ساتھ کھیلنا ہے۔ درحقیقت یہ لوگ شریعت پر حملہ کرنے والے ہیں۔

اکثر صوفیہ کو نوجوانوں کی صحبت کے

بارہ میں تلمیس ابلیس کا بیان

جاننا چاہیے کہ اکثر صوفیہ نے اپنے اوپر نوجوان عورتوں کو دیکھنے کا دروازہ بند کر لیا ہے لہذا وہ ان کی مصاحبت سے دور رہتے ہیں اور ان کے ساتھ اختلاط رکھنے سے باز رہتے ہیں۔ اور نکاح کو چھوڑ کر عبادت الہی میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ اور ارادت کے طور پر اور تعلیم و زہد کی غرض سے ان کے ساتھ نوجوانوں کی صحبت کا اتفاق ہوتا ہے۔ اور ابلیس ان کو ان کی طرف مائل کر دیتا ہے۔

جاننا چاہیے کہ نوجوانوں کی صحبت کے بارے میں صوفیہ سات قسم کے ہیں۔ اول سب سے زیادہ خبیث ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو صوفیہ کے مانند بنتے ہیں اور حلول کے قائل ہیں ابو نصر عبد اللہ ابن سراج کہتے ہیں مجھے خبر ملی ہے کہ حلوئیہ گروہ میں سے ایک جماعت کا یہ خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بہت سے جسموں کو اپنے حلول کرنے کے لئے اختیار فرمایا ہے اور یہ ربوبیت کے معنی ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا حلول خوبصورت اشیاء میں ہے۔ ابو عبد اللہ بن حامد نے ذکر کیا کہ صوفیہ کی ایک جماعت کا قول ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو دنیا میں دیکھتے ہیں۔ اور اس بات کو جائز رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آدمی کی صفت میں ہو اور اچھی صورت میں اس کے حلول کرنے سے انکار نہیں کرتے۔ حتیٰ کہ بسا اوقات حبشی لڑکے کو دیکھتے ہیں اور مشاہدہ خدا سمجھتے ہیں۔ اور دوسری قسم وہ لوگ ہیں جو صوفیہ کے ساتھ ان کے لباس میں تشبیہ اختیار کرتے ہیں۔ اور تیسری قسم وہ لوگ ہیں جو اچھی چیز کو دیکھنا مباح جانتے ہیں۔

ابو عبد الرحمن اسکلی نے ایک کتاب موسوم بہ سنن الصوفیہ تصنیف کی ہے۔ آخر کتاب میں اس عنوان کا باب باندھا ہے۔ (باب ان چیزوں کے میان میں جن کے لئے صوفیہ کے نزدیک رخصت ہے) اس باب میں رقص اور غناء اور اچھی صورت کا دیکھنا بیان کیا ہے اور وہ حدیث لکھی ہے جو رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ فرمایا تم خیر کو اچھی صورتوں کے پاس طلب کرو۔ اور نیز فرمایا کہ تین چیزیں پینائی کو جلا بخشتی ہیں۔ سبزہ دیکھنا، پانی دیکھنا، اچھی صورت دیکھنا۔

مصنف نے کہا کہ ان دونوں حدیثوں کی رسول اللہ ﷺ سے کوئی اصل

نہیں ہے۔ پہلی حدیث کی اسناد کا آخری حصہ یوں ہے۔ عن یزید ابن ہارون ثنا محمد بن عبد الرحمن ابن المنیر عن نافع۔ وہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ خیر کو اچھی صورتوں کے پاس ڈھونڈو یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ رواۃ حدیث میں محمد بن عبد الرحمن کوئی چیز نہیں۔ مصنف نے کہا کہ یہ حدیث کئی طریقوں سے روایت کی گئی ہے۔ عقیلی کہتے ہیں کہ اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے کچھ ثابت نہیں۔ اور باقی رہی دوسری حدیث اس کی اسناد یہ ہے کہ ہم سے ابو منصور بن خیرون نے بیان کیا ان سے ابن عبید ریحانی نے کہا کہ میں نے ابو الحثری وہب بن وہب سے سنا کہتے تھے کہ میں ہارون رشید کے پاس جایا کرتا تھا اور اس کے سامنے اس کا بیٹا قاسم ہوتا تھا میں اس کی طرف ٹٹکی لگائے رہتا تھا۔ ہارون رشید نے کہا کہ میں تجھ کو دیکھتا ہوں کہ تو قاسم ہی کی طرف نگاہ رکھتا ہے۔ کیا تیرا یہ ارادہ ہے کہ قاسم تیرا ہی ہو رہے۔ میں نے کہا اے امیر المومنین خدا کی پناہ مجھ کو اس بات کی تمہمت نہ لگائیے جو میرے جی میں نہیں اور میں جو قاسم کی طرف نظر جمائے رہتا ہوں تو مجھے جعفر صادق نے بیان کیا کہ ان کے باپ نے ان کے دادا علی بن حسین رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ اور ان کے باپ نے ان کے دادا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تین چیزیں ہیں جن کا دیکھنا بیانی کی قوت زیادہ کرتا ہے۔ سبزہ اور بہتا ہوا پانی اور اچھی صورت۔ مصنف نے کہا میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث موضوع ہے اور ابو الحثری کے بارے میں علماء کا کچھ اختلاف نہیں کہ وہ جھوٹا اور ہٹا ہوا ہے۔ پھر عبد الرحمن سلمیٰ کو یوں چاہیے تھا کہ جب اچھی چیز کا دیکھنا ذکر کیا تھا تو اس کو ملی اور مملو کہ لوٹڈی کا چہرہ دیکھنے پر موقوف رکھتا لیکن بالکل مطلق رکھنا تو ظاہر کرتا ہے کہ ان کو بدی سے محبت ہے۔

محمد بن ناصر الحافظ ہمارے شیخ نے بیان کیا کہ ابن طاہر مقدسی نے ایک کتاب تصنیف کی ہے جس میں مردوں کو دیکھنے کا جواز لکھا ہے۔ مصنف نے کہا کہ جس شخص کی شہوت مرد کی طرف دیکھنے میں حرکت میں آئے تو اس کا دیکھنا حرام ہے۔ اور جب انسان یہ دعویٰ کرے کہ خوبصورت مرد کے دیکھنے سے اس کی شہوت کو جوش نہیں آتا تو وہ جھوٹا ہے۔ اور مطلق طور پر اس لئے مباح کر دیا گیا کہ لا محالہ بچوں سے خطہ ملط بھرت ضرور ہوتا ہے۔ تو اس میں حرج و مشکل نہ پڑے۔ اور جب دیکھنے میں مبالغہ واقعہ ہو تو یہ حرکت دلیل ہے کہ خواہش نفسانی کے جوش کا تقاضا ہے۔ سعید بن مسیب

نے کہا جب تم کسی کو دیکھو کہ مرد لڑکے کو نظر جما کر دیکھ رہا ہے تو اس کو تہمت لگا دو۔
چوتھی قسم وہ گروہ ہے جو کہتے ہیں کہ ہم شہوت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے بلکہ
عبرت حاصل کرنے کی غرض سے نظر کرتے ہیں۔ اور ہم کو اس دیکھنے سے کوئی
نقصان نہیں پہنچتا۔ حالانکہ ان کا یہ قول غلط ہے۔ کیونکہ سب طبیعتیں مساوی ہیں۔ پھر
جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ وہ طبیعت میں اپنے ہم جنسوں سے جدا ہے تو ایک امر محال
کا دعویٰ کرتا ہے۔ اس بات کو ہم پہلے سماع کے میان میں وضاحت کے ساتھ لکھ چکے
ہیں۔

ابو حمزہ صوفی نے بیان کیا کہ عبد اللہ بن زبیر حنفی نے کہا کہ میں ابو نصر غنوی
کے پاس بیٹھا تھا اور وہ ایک جفاکش عابد تھے۔ انہوں نے ایک حسین لڑکے کو دیکھا ان کی
دونوں آنکھیں اس لڑکے کی طرف گڑ گڑ کر رہ گئیں یہاں تک کہ اس کے قریب ہو گئے
اور اس سے کہنے لگے کہ میں تجھ سے سولا کرتا ہوں کہ خدا سمیع اور اس کی عزت رفیع
اور سلطان منع کے واسطے میرے آگے کھڑا رہ۔ میں جی بھر کر تجھے دیکھ لوں۔ لڑکا
تھوڑی دیر کھڑا رہا پھر چلنے لگا تو اس سے کہنے لگے کہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ
اس حکیم و مجید اور کریم و مبدی و معید کے واسطے کھڑا رہ۔ وہ لڑکا گھڑی بھر پھر کھڑا رہا۔
وہ اس کو سر سے پاؤں تک دیکھنے لگے۔ پھر وہ چلنے لگا تو اس سے کہنے لگے کہ میں تجھ سے
سوال کرتا ہوں کہ اس واحد اور احد اور جبار اور صمد کے واسطے جو لم یلد و لم یولد ہے کھڑا
رہ۔ لڑکا کچھ دیر کھڑا رہا انہوں نے خوب دیکھا۔ پھر چلنے لگا تو بولے میں تجھ سے سوال
کرتا ہوں کہ اس لطیف و خبیر اور سمیع و بصیر اور خدائے بے شبہ و نظیر کے واسطے ذرا کھڑا
رہ۔ لڑکا کھڑا ہو گیا۔ وہ اس کی طرف دیکھتے رہے۔ پھر اپنا سر زمین کی طرف جھکایا۔ اور
وہ لڑکا چلا گیا۔ بہت دیر کے بعد سر اوپر اٹھایا تو رو رہے تھے اور کہتے تھے کہ اس لڑکے
کے چہرے کی طرف دیکھنے سے مجھ کو وہ ذات یاد آگئی جو تشبیہ سے عالی اور تمثیل سے
پاک اور محدود ہونے سے مبرا ہے۔ خدا کی قسم میں اس کی رضا جوئی کے لئے اپنی جان کو
اس کے دشمنوں سے جہاد کی مشقت میں ڈالوں گا۔ اور اس کے دوستوں سے محبت
رکھوں گا۔ یہاں تک کہ میری مراد حاصل ہو یعنی اس کی اچھی صورت اور پاکیزہ طلعت
دیکھنے پاؤں۔ (یعنی قیامت میں) اور مجھے تمنا ہے کہ کاش وہ مجھے اپنا دیدار دیکھنے دے اور
تاقیامت زمین و آسمان مجھ کو آگ میں قید رکھے یہ کہہ کر غش کھا کر گر پڑے۔

محمد بن عبد اللہ فزاری نے ہم سے بیان کیا کہ میں نے خیر نساج سے سنا کہ

تھے کہ میں مسجد حنیف میں احرام باندھے ہوئے مخارق بن حسان صوفی کے ساتھ تھا کہ اہل مغرب میں سے ایک خوبصورت لڑکا ہمارے پاس آ بیٹھا تو میں نے مخارق کو دیکھا کہ اس لڑکے کی طرف اس طور سے نظر کرتے تھے جس کو میں نے مکروہ جانا۔ جب وہ لڑکا چلا گیا تو میں نے ان سے کہا کہ تم حالت احرام میں ہو اور یہ مہینہ حرمت کا ہے اور یہ شہر مبارک حرمت والا ہے اور مشعر حرام میں موجود ہو اس حال میں میں نے تم کو نہیں دیکھا کہ اس لڑکے کو ایسی نگاہ سے دیکھتے تھے کہ مفتونوں کے سوا اس طرح کوئی نہیں دیکھتا۔ مخارق نے جواب دیا کہ اے پر شہوت دل اور آنکھ والے کیا تو مجھ سے یوں کہتا ہے۔ کیا تو نہیں جانتا کہ مجھ کو دام ابلیس نے پھنسنے سے تین چیزیں روکتی ہیں۔ میں نے پوچھا وہ کیا چیزیں ہیں کہا ایمان کا پردہ اور اسلام کی عفت اور سب سے بڑی چیز اللہ تعالیٰ سے شرمنا ہے۔ کہ وہ اس امر پر مطلع نہ ہو کہ میں اس بری بات کی طرف راغب ہوں۔ جس سے اس نے مجھ کو منع فرمادیا۔ یہ کہہ کر ہنسا کر گھر پڑے یہاں تک کہ لوگ ان کے گرد جمع ہو گئے۔

مصنفؒ نے کہا میں کہتا ہوں کہ مذکور القبل احمق کی جہالت کو دیکھنا چاہیے اور اس کی تشبیہ کی رمز پر غور کرنا چاہیے اگرچہ تنزیہ کا قائل ہے۔ اور اس دوسرے کی حماقت پر نظر کرنا چاہیے کہ فقط فعل فاحش ہی کو گناہ خیال کرتا ہے اور یہ نہیں جانتا کہ صرف شہوت سے نگاہ ڈالنا حرام ہے اور اپنی ذات سے طبیعت کا اثر اس دعوے سے زائل کر دیا۔ جس سے اس کی نظر شہوت کو لذت حاصل تھی۔

بعض علماء نے مجھ سے کہا کہ ایک مرد لڑکے نے مجھ سے بیان کیا کہ فلاں صوفی جو مجھ سے محبت رکھتا ہے کہنے لگا اے بیٹا تجھ پر اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت و توجہ ہے کہ مجھ کو تیرا حاجت مند بنایا۔

نقل کرتے ہیں کہ صوفیہ کی ایک جماعت احمد غزالی کے پاس گئی تو ان کے پاس ایک مرد لڑکا دیکھا۔ وہ اس کے ساتھ خلوت میں بیٹھے تھے اور دونوں کے پیچ میں ایک گلاب کا پھول تھا۔ احمد کبھی گلاب کو دیکھتے تھے اور کبھی لڑکے کو جب وہ صوفیہ آکر بیٹھے تو ان میں سے کسی نے کہا کہ غالباً ہم لوگوں نے آپ کو مکدر کیا۔ جواب دیا کہ ہاں ہاں بے شک خدا کی قسم پھر سب نے مل کر وجد و حال کے طور پر نعرہ مارا۔

ابو الحسین بن یوسف نے مجھ سے بیان کیا کہ انہوں نے احمد غزالی کو ایک رقعہ میں لکھا کہ تم اپنے ترکی غلام کو جانتے ہو۔ انہوں نے رقعہ پڑھا۔ اور غلام کو بلایا۔

اور ساتھ لے کر منبر پر چڑھے اور اس کی دونوں آنکھوں کو پیسہ لے کر کہا کہ اس رقعہ کا جواب یہ ہے۔

مصنفؒ نے کہا کہ اس شخص (احمد غزالی) کی یہ حرکت اور اپنے چہرہ سے پردہ شرم و حیا اٹھا دینا تو کوئی تعجب کی بات نہیں، تعجب تو ان گدھوں پر ہے جو وہاں حاضر تھے کہ انکار و اعتراض کرنے سے کیونکر خاموش رہے لیکن افسوس شریعت کی گرمی اکثر لوگوں کے دلوں میں سرد ہو گئی۔

ابو الطیب طبری نے ہم سے بیان کیا کہ اس قوم کی نسبت جو راگ سنتی ہے مجھ کو خبر ملی ہے کہ یہ لوگ سماع کے ساتھ مرد کی طرف نظر کرنے کو بھی ضروری خیال کرتے ہیں اور بسا اوقات مرد کو زیورات اور رنگین کپڑوں اور زرین لباس سے آراستہ و پیراستہ کرتے ہیں اور گمان رکھتے ہیں کہ یہ حرکت عین ایمان ہے اور مرد کو دیکھنے سے عبرت حاصل ہوتی ہے اور صنعت سے صانع پر استدلال لاتا ہے۔ حالانکہ ان باتوں میں نہایت ہی خواہش نفسانی کا مذہ ہوتا، عقل کو فریب دینا اور علم کے خلاف کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ **وفی انفسکم افلا تبصرون** (الذاریات پ ۲۶ آیت ۲۱) یعنی اللہ تعالیٰ کی آیتیں خود تمہاری ذاتوں میں موجود ہیں کیا تمہیں نظر نہیں آتا اور فرمایا **افلا ينظرون الى الا بل كيف خلقت** (الغاشیہ پ ۳۰ آیت ۱۷) کیا اونٹ کی طرف نظر نہیں کرتے کہ کس طور پر پیدا کیا گیا ہے۔ اور فرمایا **اولم ينظروا افی ملکوت السموت والارض** (الاعراف پ ۹ آیت ۱۸۵) کیا زمین و آسمان کی کائنات پر غور نہیں کرتے۔ جس چیز سے عبرت حاصل کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا تھا اس کو چھوڑ کر یہ لوگ اس میں پڑ گئے جس سے منع فرمایا۔ اور اصل یہ ہے کہ اس گروہ کے لوگ فقط عمدہ عمدہ غذا میں اور لذیذ کھانے کھا کھا کر مذکورہ حرکتیں کرتے ہیں۔ جب غذاؤں سے ان کے جی خوب بھر جاتے ہیں تو تانچ اور راگ اور خوبصورت مردوں کو دیکھنا اس قسم کی خواہشوں میں پڑ جاتے ہیں۔ اور اگر کہیں کھانا کم کھائیں تو سماع اور نظر کے پاس نہ جائیں۔

ابو الطیب نے کہا کہ راگ سننے والوں کا حال اور جو کچھ سماع کی حالت میں ان پر کیفیت گزرتی ہے کسی صوفی نے چند اشعار میں صاف کھول دیا ہے وہ اشعار یہ ہیں۔

انذكر وقتنا وقد اجتمعنا

على طيب السماع الى الصباح

ودارت بینانا کاس الاغانی
 فاسکرت النفوس بغیر راح
 فلم نرفیہم الا نشاوی
 سرور اوالسرور هناك صاحی
 اذا لبی اخو اللذات فیہ
 منادی اللہوحی علی الملاح
 ولم نملک سوء المہجات شیا
 ارقنا ہالا لحاظ ملاح

(ترجمہ) جس حال میں کہ ہم صبح تک دل پسند راگ سننے کو جمع ہوئے ہیں تو کیا اب بھی اپنے وقت کو یاد کریں۔ ہم میں راگوں کے پیالوں کا دور چل رہا ہے۔ جن سے ہماری جانیں بغیر شراب کے نشہ میں سرشار ہو گئیں۔ محفل میں جو ہے سرور کے مارے نشہ میں ہے اور اس مجلس میں فقط سرور ہی ہو شیار ہے۔ اس محفل میں جب لہو و لعب کا منادی پکارتا ہے کہ نمکین معشوقوں کی طرف چلو تو لذت و لطف اٹھانے والا جواب دیتا ہے کہ حاضر ہوا اور ہمارے پاس دل خوں شدہ کے سوا کچھ نہیں ہے جس کو اچھی آنکھوں پر بہا دیں۔

ابو الطیب کہتے ہیں جب کہ سماع کی تاثیر دلوں میں یہ ہے جو اس شاعر نے بیان کی تو پھر سماع کیونکر کوئی نفع پہنچا سکتا ہے۔ یا کوئی فائدہ بخش سکتا ہے۔ ابن عقیل نے کہا جو شخص یوں کہتا ہے کہ مجھ کو اچھی صورتوں کے دیکھنے سے کچھ خوف نہیں تو اس کا یہ قول بے بنیاد ہے کیونکہ شریعت کا خطاب ہر ایک کے لئے عام طور پر ہے کسی کو ممتاز نہیں کیا جاسکتا۔ اور قرآن شریف کی آیتیں ایسے دعوؤں کا انکار کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا قل للؤمنین یغضوا من ابصارہم (النور پ ۱۸ آیت ۳۰) یعنی اے رسول ان اہل ایمان سے کہہ دیجئے کہ اپنی آنکھیں نیچی رکھا کریں۔ اور فرمایا افلا یبظرون الی الابل کیف خلقت (الغاشیہ پ ۳۰ آیت ۱۷) یعنی کیا اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ کس صورت میں مخلوق ہوا۔ اور آسمان کی طرف نگاہ نہیں اٹھاتے کہ کس طرح بدم کیا گیا۔ اور پہاڑوں پر نظر نہیں کرتے کہ کیونکر نصب کئے گئے۔ پس انہیں صورتوں کا دیکھنا جائز ہوا جن کی طرف نفس کو کچھ رغبت نہیں اور جن میں خواہش نفسانی کا کچھ حصہ نہیں بلکہ یہ وہ عبرت ہے جس میں ذرا بھی شہوت کی

آمیزش اور لذت کا ملاؤ نہیں۔ لیکن شہوت انگیز صورتوں کی تو یہی تعبیر کی جائے گی کہ شہوت کے ساتھ عبرت حاصل کی جاتی ہے اور ہر ایک صورت باعث گناہ ہے۔ اس قابل نہیں کہ اس پر نگاہ ڈالی جائے کیونکہ اکثر فتنہ کا سبب ہوتی ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے کسی عورت کو پیغمبر بنا کر مبعوث نہیں فرمایا اور نہ اس کو قاضی یا مالک یا موزن بنایا یہ سب کچھ اسی واسطے ہے کہ عورت آفت اور شہوت کا محل ہے۔ اور اکثر اوقات عورت کو دیکھنے سے شریعت کا مقصود منقطع ہو جاتا ہے۔ اب جو شخص یوں کہے کہ میں اچھی صورتوں سے عبرت لیتا ہوں تو ہم اس کو جھوٹا کہیں گے۔ اور جو کوئی اپنے آپ کو طبیعت میں ہماری طبیعتوں سے ممتاز سمجھے ہم اس کے دعویٰ کو باطل قرار دیں گے۔ یہ باتیں صرف شیطان کا مکر و فریب ہے کہ دعویٰ کرنے والوں کو دھوکا دے رکھا ہے۔

پانچویں قسم کے صوفیہ وہ ہیں جو مردوں سے صحبت رکھتے ہیں اور اپنے نفس کو خواہش سے روکتے ہیں اور اس کو مجاہدہ و نفس کشی اعتقاد کرتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ فقط مردوں سے صحبت رکھنا اور ان کی طرف شہوت سے دیکھنا ہی گناہ ہے اور یہ امور برے صوفیوں کی خصلتیں ہیں اور ان کے قدام بھی اسی مذہب کے تھے۔ احمد بن علی بن ثابت نے ہم کو خبر دی کہ ابو علی روزباری نے یہ شعر کہے ہیں۔

انزه فی روض المحاسن مقلتی

وامنع نفسی ان تنال محرما

واحمل من ثقل الهوی مالوانه

على الجبل الصلد الاصم تهدما

(ترجمہ) میں اپنی آنکھوں کو حسن و خوبی کے باغ میں سیر کراتا ہوں اور اپنے نفس کو حرام کے مرتکب ہونے سے باز رکھتا ہوں میں عشق و محبت کا اتنا بوجھ اٹھائے ہوئے ہوں کہ اگر سخت اور مضبوط پہاڑ اٹھائے تو منہدم ہو جائے۔

مصنفؒ نے کہا کہ عنقریب یوسف بن الحسین کا واقعہ اور ان کے اس قول کا بیان آئے گا کہ میں نے اپنے خدا سے سو بار معاہدہ کیا کہ کسی نوجوان حسین کے پاس نہ بیٹھوں گا پھر سسی قد اور غزہ بھری آنکھیں دیکھ کر وہ عہد توڑ ڈالا۔

ابو المختار الضبی کہتے ہیں کہ میں نے ابو الحکیم اندلسی جو بڑے سیاح آدمی تھے کہا کہ اپنی دیکھی ہوئی صوفیوں کی کوئی عجیب بات بیان کیجئے۔ کہنے لگے کہ صوفیہ میں سے ایک شخص کی صحبت اٹھائی جس کا نام مرجان تھا۔ وہ پہلے مجوسی تھا پھر مسلمان

ہو گیا اور صوفی بن گیا۔ میں نے اس کے ساتھ ایک خوبصورت لڑکا دیکھا کہ اس کو اپنے سے جدا نہ کرتا تھا۔ اور جب رات ہوتی تھی تو تہجد ادا کرتا۔ پھر اس کے پہلو میں لیٹ جاتا۔ پھر گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوتا، پھر جس قدر ہو سکتا نماز پڑھتا تھا۔ پھر لوٹ کر اس کے پہلو میں لیٹ جاتا حتیٰ کہ یہ حرکت رات میں بار بار کرتا تھا۔ پھر جب صبح روشن ہو جاتی یا قریب صبح ہونے کے ہوتی تو ترپڑھتا تھا۔ پھر آسمان کی طرف دونوں ہاتھ اٹھا کر کہتا تھا کہ خداوند تو خوب جانتا ہے کہ آج کی رات مجھ پر سلامتی سے گزری۔ اس رات میں میں نے کوئی فعل بد کی خواہش نہیں کی اور کراہات میں نے میرے نامہ اعمال میں کوئی گناہ نہیں لکھا۔ حالانکہ اس لڑکے کی محبت جو میرے دل میں پوشیدہ ہے۔ اگر اس کو پہاڑ بھی اٹھائیں تو ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں اور اگر زمین اٹھائے تو شق ہو جائے۔ پھر کہتا تھا کہ اے رات تجھ میں جو کچھ مجھ سے ہو اس کی گواہ رہنا۔ مجھ کو اللہ تعالیٰ کے خوف نے حرام کی خواہش اور گناہ کے تعرض سے باز رکھا۔ پھر کہتا تھا کہ اے خدا اے میرے مالک تو ہم کو پرہیزگاری پر ساتھ رکھنا۔ اور جس روز سب احباب اکٹھے ہوں ہم کو جدا نہ کرنا۔ راوی نے کہا کہ میں نے اس صوفی کے پاس عرصہ دراز تک قیام کیا۔ ہر رات اس کا یہی کام تھا اور میں اس کی یہی باتیں سنتا۔ پھر جب میں نے اس کے پاس سے واپس آنے کا ارادہ کیا تو اس سے کہا یہ کی بات ہے کہ جب رات گزر جاتی ہے تو میں تم کو اس طرح باتیں کرتا ہوا سنتا ہوں کہنے لگا کہ کیا تم سنا کرتے ہو؟ میں نے کہا ہاں۔ جواب دیا کہ اے بھائی خدا کی قسم میرے دل میں اس لڑکے کی اتنی محبت ہے کہ اگر اس قدر محبت بادشاہ کو اپنی رعایا سے ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرت کا حق دار ہو جائے۔ میں نے کہا کہ پھر یہ تو بتاؤ کہ جس شخص کی طرف سے تم کو اپنے نفس پر فسق و فجور میں مبتلا ہونے کا خوف ہے تو اس کے ساتھ صحبت رکھنے کی ہی کیا ضرورت ہے۔ ابو محمد بن جعفر بن عبد اللہ صفوی کہتے ہیں کہ ابو حمزہ صوفی نے بیان کیا کہ میں نے بیت المقدس میں ایک جوان صوفی کو دیکھا کہ ایک مدت دراز تک ایک لڑکے سے صحبت رکھتا تھا۔ پھر وہ صوفی مر گیا۔ اس لڑکے کو اس کے مرنے کا نہایت غم ہوا۔ یہاں تک کہ اس کے رنج میں لاغر ہو گیا۔ کہ اس کے جسم پر فقط کھال اور ہڈی رہ گئی ایک روز میں نے اس سے کہا کہ تم کو اپنے دوست کا بڑا صدمہ ہوا حتیٰ کہ میں خیال کرتا ہوں کہ تم کو اس کے بعد کبھی قرار نہ ہو گا جواب دیا کہ بھلا ایسے شخص کے بعد مجھ کو کیا قرار آئے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دیا تھا کہ آن واحد کے لئے بھی میرے سے جدا نہ ہو۔ اور پھر

باوجود اس قدر طول صحبت اور کثرت خلوت شب و روز کے مجھ کو فسق و فجور کی نجاست سے محفوظ رکھا۔

مصنفؒ نے کہا کہ اس قوم کو جب شیطان نے دیکھا کہ اس کے ساتھ فواحش کی طرف نہیں جھکتے تو ان کی نظروں میں فواحش کے شروعات کو آرائش دی۔ لہذا انہوں نے نظر کرنے اور صحبت رکھنے اور ہم کلام ہونے سے لذت اٹھانا شروع کی۔ اور اس طرح فواحش سے چپنے سے نفس کی مخالفت کا عزم کیا۔ اب اگر وہ صادق اور پورے ہیں تو اتنا ضرور ہے کہ وہ دل جس کو بالکل خدا سے لگانا چاہیے غیر خدا کے ساتھ مشغول ہو گیا۔ اور وہ وقت جس میں طبیعت کی جھاکشی اور ریاضت سے دل کو ان باتوں کی طرف متوجہ ہونا چاہیے جو آخرت میں فائدہ بخشیں فقط فاحشہ سے باز رہنے میں صرف ہو اور یہ سب نادانی اور آداب شریعت سے باہر آتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آنکھیں نیچی رکھنے کا حکم فرمایا ہے۔ یہی ایک طریقہ ہے جس سے دل بلا خوف و خطر اللہ تعالیٰ کی جانب متوجہ ہو جاتا ہے اور ان لوگوں کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص درندوں میں گزرا جو غافل اور اس سے بے خبر تھے اور اس کو نہ دیکھتے تھے۔ اس نے ان کو ہشکارا۔ اور ان سے مقابلہ کرنے لگا۔ اس صورت میں اگر وہ شخص ہلاک نہ ہو گا تو کم از کم مجروح ہونے سے تو ہرگز نہیں بچ سکتا۔

فصل :- صوفیہ میں اکثر ایسے بھی ہیں جن کا مجاہدہ ایک مدت تک قوی رہا اور پھر کمزور ہو گیا اور ان کے نفس نے ہدی کی خواہش کی تو اس وقت مردوں کی صحبت ترک کر دی تو ابو حمزہ صوفی کہتے ہیں کہ میں نے محمد بن علاء دمشقی سے پوچھا جو صوفیہ کے گروہ تھے اور میں نے ایک مدت تک ان کو ایک خوبصورت لڑکے کے ساتھ چلتا پھرتا دیکھا تھا۔ پھر انہوں نے اس سے علیحدگی اختیار کی تھی میں نے کہا کہ آپ نے اس نوجوان کو کیوں چھوڑ دیا۔ جس کو میں آپ کے ہمراہ دیکھا کرتا تھا۔ اور آپ اس سے بہت ملے جلے رہتے تھے اور اس کی طرف بڑے مائل تھے۔ جواب دیا کہ خدا کی قسم میں نے اس کو دشمنی اور ملال کی خاطر سے نہیں چھوڑا۔ میں نے کہا کہ آخر آپ نے ایسا کیوں کیا کہنے لگے کہ جب میں اس کے ساتھ تنہائی میں ہوتا تھا اور وہ میرے پاس بیٹھتا تو میں نے اپنے دل کو دیکھا کہ مجھ کو ایسے امر کی ترعیب دیتا تھا کہ اگر اس کا مرتکب ہو جاتا تو اللہ تعالیٰ کی نظروں سے گر جاتا۔ اس لئے میں نے اس کو چھوڑ دیا۔ تاکہ اللہ تعالیٰ

عقاب نہ فرمائے اور میرا نفس فتنوں کے مقامات سے سلامت رہے۔

فصل :- اکثر صوفیہ میں ایسے لوگ بھی ہیں جو تائب ہو گئے اور نظر اٹھا

کر دیکھنے پر بہت دیر تک روتے رہے۔ عبید اللہ نے ہم سے بیان کیا کہ میں نے اپنے بھائی ابو عبد اللہ محمد بن محمد سے سنا کہتے تھے کہ مجھ سے خیر نساج نے ذکر کیا کہ میں امیہ بن صامت صوفی کے ہمراہ تھا اتفاقاً انہوں نے ایک لڑکے کی طرف دیکھا اور یہ آیت پڑھی ہو معکم اینما کنتم واللہ بما تعملون بصیر (الحمد پ ۷۲ آیت ۴) یعنی جہاں کہیں تم ہو گے خدا تمہارے ساتھ ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو وہ سب دیکھتا ہے۔ پھر کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ کے قید خانہ سے کون بھاگ سکتا ہے۔ حالانکہ اس نے اس قید خانے کو کرخت اور سخت فرشتوں سے محفوظ کر رکھا ہے۔ اللہ اکبر میرا اس لڑکے کی طرف دیکھنا اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی آزمائش ہے میرے اس طرف دیکھنے کی مثال ایسی ہے جیسے کسی روز ہوا چل رہی ہو اور نیتان (جنگل) میں آگ لگ جائے۔ ایسی حالت میں وہ آگ جو کچھ پائے گی باقی نہ چھوڑے گی۔ پھر کہنے لگے کہ میری آنکھوں نے میرے دل پر جو کچھ بلا ڈالی ہے میں اس سے خدا کی بخشش کا خواستگار ہوں۔ اور مجھ کو اس امر کا خوف ہے کہ اس کے کچھ گناہ سے مخلص نہ پاؤں اور اس کی معصیت سے نجات نہ ملے اگرچہ میں قیامت کے روز ستر صدیقیوں کے عمل لے کر جاؤں۔ یہ کہہ کر رونے لگے حتیٰ کہ قریب مرنے کے ہو گئے میں نے سنا کہ روتے وقت یہ شعر پڑھتے تھے۔

یا طرف لا شغلنک بالبکاء

عن النظر الی البلاء

(ترجمہ) اے آنکھ میں تجھ کو اس بلا انگیز نگاہ سے ہٹا کر گریہ و زاری میں مشغول رکھوں گا۔

فصل :- اکثر صوفیہ ایسے ہیں کہ شدت محبت کی وجہ سے ان کو مرض

نے آگھیرا۔ ابو حمزہ صوفی نے کہا کہ عبد اللہ بن موسیٰ صوفیہ کے سردار اور سرگروہ تھے۔ انہوں نے کسی بازار میں ایک حسین لڑکے کی طرف دیکھا اور ایسے مبتلا ہو گئے کہ عشق و محبت کی وجہ سے قریب تھا کہ عقل زائل ہو جائے۔ ہر روز آکر اس کے راستے میں کھڑے ہو کر تے تھے اور جب وہ آتا جاتا تھا تو اس کو دیکھتے تھے اسی طرح ان کا عشق

بڑھ گیا اور لاغری نے ان کو چلنے پھرنے سے بٹھا دیا۔ یہ حال ہو گیا کہ ایک قدم نہیں چل سکتے تھے۔ ایک روز میں ان کے ہاں عیادت کے لئے گیا۔ اور پوچھا کہ اے ابو محمد تمہارا کیا حال ہے اور یہ کیا آفت ہے جو میں دیکھتا ہوں کہ تم پر نازل ہوئی جواب دیا کہ یہ وہ امور ہیں جن میں مبتلا کر کے اللہ تعالیٰ نے میرا امتحان کیا۔ میں نے اس بلا پر صبر نہ کیا اور مجھ میں اس کے سننے کی طاقت نہ تھی۔ اور اکثر ایسا گناہ جس کو انسان حقیر سمجھتا ہے اور وہ خدا کے نزدیک گناہ کبیرہ سے بھی بڑا ہے اور جو شخص نظر حرام میں پڑ جائے وہ اس امر کا مستحق ہے کہ مدت دراز تک امراض میں گرفتار رہے۔ یہ کہہ کر رونے لگے۔ میں نے پوچھا تم روتے کیوں ہو کہنے لگے کہ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں میں بد نصیب مدت دراز تک دوزخ میں نہ پڑا رہوں۔ راوی نے کہا کہ یہ باتیں کر کے میں ان کے پاس سے چلا آیا اور ان کی بری حالت دیکھ کر مجھ کو رحم آتا تھا۔

ابو حمزہ کہتے ہیں کہ محمد بن عبد اللہ بن اشعث دمشقی خدا کے نیک بندوں میں سے تھے انہوں نے ایک حسین لڑکے کو دیکھا اور غش آگیا۔ لوگ ان کو ان کے مکان پر اٹھا کر لائے۔ پھر وہ بیمار ہو گئے حتیٰ کہ ان کے پاؤں چلنے پھرنے سے رہ گئے۔ اور ان سے پاؤں کے سہارے بالکل کھڑا نہ ہو جاتا تھا ایک زمانہ دراز تک یہ کیفیت رہی۔ ہم لوگ ان کی عیادت کو جایا کرتے تھے اور ان کا حال دریافت کرتے تھے۔ البتہ دوسرے لوگ ان کے اس لڑکے کی طرف دیکھنے کا قصہ بیان کیا کرتے تھے یہ باتیں اس لڑکے کے کان تک پہنچیں وہ ان کی عیادت کو آیا اس کو دیکھ کر خوش ہو گئے۔ اور حرکت کرنے لگے اس کی صورت دیکھ کر ہنسے۔ اور اسکے دیدار سے شاداں ہوئے۔ وہ لڑکا ہمیشہ اس کی عیادت کرتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ اپنے پاؤں کے سہارے کھڑے ہونے لگے۔ اور اپنی اصلی حالت پر آ گئے۔ ایک روز اس لڑکے نے ان سے اپنے ہمراہ اپنے مکان پر چلنے کے لئے کہا انہوں نے انکار کیا اس لڑکے نے مجھ سے درخواست کی کہ ان سے اس کے گھر پر نقل کرنے کو کہوں میں نے ان سے کہا وہ انکار کرنے لگے۔ میں نے پوچھا کہ آخر آپ کے وہاں جانے میں کیا قباحت ہے جواب دیا کہ میں بلا سے محفوظ اور فتنے سے مامون نہیں ہوں۔ میں ڈرتا ہوں کہ ایسا نہ ہو شیطان مجھ پر محبت ڈال دے اور میرے اور اس کے درمیان کوئی گناہ واقع ہو اور میں اہل خسران (نقصان اٹھانے والوں) میں سے جاؤں۔

فصل :- بعض صوفیہ ایسے ہیں جن کو ان کے نفس نے فحش کی طرف بلایا انہوں نے اپنے آپ کو ہلاک کر دیا۔ ابو عبد اللہ حسین بن محمد دامغانی نقل کرتے ہیں کہ بلاد فارس کی طرف ایک بڑا نامی صوفی تھا۔ اتفاقاً ایک نوجوان کے عشق میں مبتلا ہو گیا۔ پھر اپنے نفس پر قابو نہ پاسکا یہاں تک کہ فحش کا خواہش مند ہوا۔ پس مراقبہ میں گیا اور اپنے ارادہ پر پشیمان ہوا۔ اس کا مکان ایک اونچی جگہ پر واقع تھا۔ اور اس کے عقب میں ایک دریا رواں تھا۔ جب ندامت بڑھی تو مکان کی چھت پر گیا اور دریا میں کود پڑا۔ اور یہ آیت پڑھی فتو ہوا الی بارئکم فاقتلوا انفسکم (البقرہ پ آیت ۵۴) یعنی اے بنی اسرائیل خدا کے آگے توبہ کرو اپنے آپ کو ہلاک کرو۔ پھر پانی میں ڈوب مرا۔

مصنفؒ نے کہا ایلیس کو دیکھو کہ اول تو اس بے چارے کو یہ سکھایا کہ مرد کو دیکھے پھر یہاں سے چڑھا کہ اس بات پر آمادہ کیا کہ ہر وقت اسی کو دیکھتا رہے۔ یہاں تک کہ اس کے دل میں مرد کی محبت قائم کر دی۔ حتیٰ کہ اس کو فحش کی حرص دلائی۔ پھر جب اس کو محفوظ رہنا نہ دیکھا تو جہالت سے یہ امر اس کو اچھا کر دکھایا کہ اپنے آپ کو قتل کر ڈالے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص نے فحش کا فقط دل میں ارادہ کیا تھا اور قطعی قصد نہ کیا تھا اور محض نیت گناہ کی کرنا شریعت میں معاف ہے۔ بوجہ ارشاد رسول اللہ ﷺ کہ میری امت سے وہ گناہ معاف کر دیئے گئے جن کا صرف خیال دل میں آتا ہے۔ پھر وہ شخص اپنے ارادہ پر نادم بھی ہوا تھا۔ اور ندامت خود توبہ ہے لیکن شیطان نے اس کو یوں سمجھایا کہ کمال توبہ خود کشی ہے۔ جو بنی اسرائیل کا عمل تھا۔ حالانکہ وہ خدا کی طرف سے مامور تھے۔ جیسا کہ فرمایا فاقتلوا انفسکم (البقرہ پ آیت ۵۴) یعنی اپنے آپ کو مار ڈالو۔ اور ہم لوگ اس فعل سے منع کئے گئے ہیں چنانچہ ارشاد ہے ولا تقتلوا انفسکم (النساء پ آیت ۲۹) یعنی خود کشی مت کرو۔ غرض یہ کہ صوفی بڑے گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوا۔ لیکن میں رسول اللہ ﷺ سے روایت ہے کہ جو شخص پہاڑ (اونچائی) سے نیچے گرے اور اپنے آپ کو ہلاک کرے تو وہ آتش دوزخ میں گرتا ہے۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے وہیں رہے گا۔

فصل :- بہت سے صوفیہ ایسے ہیں کہ کسی صوفی کو اس کے حبیب سے علیحدہ کر دیا گیا تو اس نے اپنے محبوب کو مار ڈالا۔ میں نے ایک صوفی کی نسبت سنا ہے کہ

وہ بغداد میں ایک رباط میں رہا کرتا تھا اور جس گھر میں وہ رہتا تھا وہیں اس کے ساتھ ایک لڑکا تھا لوگوں نے اس پر تشنیع کی۔ اور دونوں میں جدائی کر دی۔ وہ صوفی ایک چھری لے کر اس لڑکے کے پاس گیا اور اس کو مار ڈالا۔ اور اس کے پاس بیٹھ کر رونے لگا۔ رباط والے آئے اور یہ حال دیکھا۔ کیفیت پوچھی اس نے لڑکے کے مار ڈالنے کا اقرار کیا۔ لوگ اس کو پکڑ کر کو توالی لے گئے۔ وہاں بھی اقرار کیا۔ اس لڑکے کا باپ آیا۔ صوفی رونے لگا اور کہنے لگا کہ تجھ کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ مجھ سے اپنے لڑکے کا بدلہ لے لے۔ اس نے کہا کہ اب میں نے معاف کیا۔ صوفی وہاں سے اٹھا اور لڑکے کی قبر پر آیا اور اس کے لئے روتا رہا۔ پھر عمر بھر اس لڑکے کی طرف سے حج کرتا رہا۔ اور اس کو ثواب مختار ہا۔

فصل :- صوفیہ میں ایسے بھی ہیں جو فتنے کے قریب ہوئے اور اس میں مبتلا ہو گئے اور مبر و مجاہدہ کے دعویٰ نے ان کو بازنہ رکھا۔ اور یس بن اور یس کہتے ہیں کہ میں مصر میں صوفیہ کی ایک جماعت پر گزرا ان کے پاس ایک مرد لڑکا تھا جو ان کو گانا سناتا تھا۔ ان میں سے ایک شخص پر اس کو جوش غالب آیا اور اس کو کوئی تدبیر نہ سوچھی بولا کہ اے لڑکے کو لا الہ الا اللہ لڑکے نے لا الہ الا اللہ کہا وہ صوفی کہنے لگا کہ جس منہ سے لا الہ الا اللہ کہا ہے اس منہ کا بوسہ لے لوں۔

چھٹی قسم کے وہ صوفی ہیں کہ مردوں کی صحبت میں قصد نہیں کرتے بلکہ خود لڑکا تو بہ کرتا ہے اور دنیا سے بے رغبت ہو جاتا ہے۔ اور صوفیہ کے ساتھ بطور رات رہتا ہے۔ شیطان ان کو فریب دیتا ہے اور کہتا ہے کہ اس لڑکے کو خیر و نیکی سے بازنہ رکھو۔ پھر بلا قصد ان کی نگاہیں بار بار اس پر پڑتی ہیں۔ لہذا اول میں فتنہ اثر کر جاتا ہے۔ یہاں تک کہ شیطان اپنی قدرت کے موافق ان سے اپنا مطلب نکال لیتا ہے۔ اور بسا اوقات ان لوگوں کو اپنے دین پر وثوق ہوتا ہے اور شیطان ان پر دخل پاکر بڑے درجہ کے گناہ میں پھنسا دیتا ہے جیسا کہ برصیصا کے ساتھ کیا۔ مصنف نے کہا کہ برصیصا کا قصہ ہم نے شروع کتاب میں ذکر کیا ہے۔ ان کی غلطی یہ ہے کہ وہ فتنوں کے سامنے ہو جاتے ہیں اور ایسے شخص سے صحبت رکھتے ہیں جس کی صحبت میں فتنہ کا خوف ہے۔

ساتویں قسم کے وہ صوفیہ ہیں جو جانتے ہیں کہ مردوں سے صحبت رکھنا اور ان پر نگاہ ڈالنا حرام ہے مگر وہ ضبط نہیں کر سکتے۔ ابو عبد الرحمن محمد بن حسین کہتے ہیں

کہ تم مجھ کو جو کام کرتے دیکھو۔ وہ سب کرو۔ لیکن بس ایک نوجوان سے صحبت نہ رکھو۔ کیونکہ یہ بڑا بھاری فتنہ ہے۔ میں نے اپنے پروردگار کے سامنے سو بار سے زیادہ عہد کیا کہ نوجوان سے صحبت نہ رکھوں گا۔ پھر گورے گورے رخسارے سیدھی سیدھی قامت اور غمزہ بھری آنکھیں دیکھ کر وہ عہد و پیمان توڑ ڈالے۔ البتہ خدا حسینوں کے ساتھ مجھ کو کسی گناہ کے بارے میں نہیں پوچھے گا۔ (یعنی میں نے کوئی فحش فعل نہیں کیا) اور پھر صریح الغوانی کے چند شعر کہے جن کا ترجمہ یہ ہے۔ پھول ایسے رخسارے اور بڑی بڑی آنکھیں اور گل باونہ ایسے دانت اور رخساروں پر خمدار زلفیں اور سینوں پر میوہائے انار ال سب چیزوں نے مجھ کو حسین عورتوں پر پچھاڑ گرایا۔ اسی لئے مجھ کو صریح الغوانی (خوبصورت عورت کا پچھاڑا ہوا) کہتے ہیں۔

مصنفؒ نے کہا کہ میں کہتا ہوں کہ ابو عبد الرحمان نے ایسے گناہ کے بارے میں جس کو اللہ تعالیٰ نے پوشیدہ رکھا تھا۔ اپنے آپ کو رسوا کیا اور لوگوں کو خبر دی کہ جب وہ کسی فتنے کو دیکھتا ہے تو توبہ توڑ ڈالتا ہے۔ تصوف کی وہ اہم باتیں کہاں گئیں کہ نفس پر محبتیں اور جفا میں برداشت کرتے ہیں پھر اگرچہ یہ شخص اپنی جہالت سے گمان کرتا ہے کہ معصیت لفظ فحش کو کہتے ہیں لیکن اگر اس کو علم ہوتا تو جان لیتا کہ حسینوں کی صحبت اور ان کی طرف دیکھنا بھی معصیت ہے۔ جہالت پر غور کرنا چاہیے کہ جاہلوں کے ساتھ کیا کیا کرتی ہے۔

ابو مسلم خشوعی کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے بہت دیر تک ایک خوبصورت لڑکے کو دیکھا پھر کہنے لگے کہ سبحان اللہ میں اپنی آنکھ کو مکروہ چیز پر ڈال رہا ہوں اور اپنے مالک کی نافرمانی کر رہا ہوں۔ اور نگاہ کو ممنوع شے کی طرف متوجہ کرتا ہوں۔ اور جس امر سے پرہیز لازم ہے ادھر جھکا جاتا ہوں میں نے اس لڑکے کو ایسی نظر سے دیکھا ہے جس کو میں جزا اس کے کچھ نہیں خیال کرتا کہ قیامت کے میدان میں مجھ کو میرے پہچاننے والوں کے سامنے ذلیل و رسوا کرے گی۔ مجھ کو اس نظر نے ایسی حالت میں کر دیا کہ گو اللہ تعالیٰ مجھ کو بخش دے مگر اس سے شرمندہ ہی رہوں گا یہ کہہ کر بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

فصل :- جو شخص علم سے بے بہرہ رہے گا وہ ضرور خط میں پڑے گا۔ اور جس کو علم ہو اور اس پر عمل نہ کرے وہ نہایت ہی خط کرے گا اور حسب فرمان باری

تعالیٰ للمؤمنین یغضوا من ابصارهم (النور پ ۱۸ آیت ۳۰) یعنی مومنوں سے کہہ دو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔ جو شخص آداب شریعت پر عمل درآمد کرے گا وہ ابتدا ہی میں جان لے گا کہ اس کا معاملہ انتہا میں کیسا سخت ہو گا۔ اور شریعت میں مردوں کی ہم نشینی سے ممانعت آئی ہے۔ اور علماء نے اس سے احتراز رکھنے کے لئے وصیت فرمائی ہے۔ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم شہزادوں کے پاس نہ بیٹھو کیونکہ ان کا فتنہ دوشیزہ لڑکیوں کے فتنے سے بھی سخت ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی ایسا ہی منقول ہے۔

وفد عبد اللہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے ان میں ایک مرد لڑکا روشن چہرہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کو اپنی پشت مبارک کے پیچھے بٹھادیا۔ اور فرمایا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی خطا نگاہ ہی تھی۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا کہ آدمی کسی مرد لڑکے کو نظر جما کر دیکھے۔ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھ کو کسی عالم پر ایذا رساں درندے کا بھی اس قدر خوف نہیں جتنا مرد لڑکے کی طرف سے ڈر ہے۔ عبد العزیز ابن ابی السائب نے اپنے باپ سے روایت کی کہ وہ کہتے تھے کہ میں ایک عابد شخص پر ایک امر د لڑکے کے بارے میں ستر بار کہ لڑکیوں سے بھی زیادہ ڈرتا ہوں۔ ابو علی روزباری نے کہا کہ میں نے جنید سے سنا کہتے تھے کہ احمد بن حنبلؒ کے پاس ایک شخص آیا اس کے ساتھ ایک خوبصورت لڑکا تھا۔ پوچھا یہ لڑکا کون ہے جواب دیا میرا بیٹا ہے۔ کہنے لگے کہ اب دوبارہ اس کو اپنے ہمراہ نہ لانا۔ جب کھڑا ہوا تو محمد بن عبد الرحمان حافظ نے کہا اور خطیب کی روایت میں ہے کہ ان سے کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ شیخ کو توفیق دے۔ یہ شخص پرہیزگار ہے اور اس کا بیٹا اس سے بڑھ کر ہے تو امام احمدؒ نے کہا کہ ہم نے اس بارے میں جو کچھ چاہا ہے ان دونوں کے پرہیزگار ہونے کے لئے مانع نہیں یوں ہی ہم کو اشیاخ نے اسلاف سے خبر دی۔ حسن بزاز کی نسبت سنا ہے کہ احمد بن حنبلؒ کے پاس آئے اور ان کے ساتھ ایک خوبصورت مرد لڑکا تھا اور ان سے باتیں کیں۔ جب اٹھ کر جانے لگے تو ان سے ابو عبد اللہ نے کہا کہ ابو علی اس لڑکے کے ساتھ کسی رستہ میں نہ چلا کرو کہنے لگے یہ تو میرا بھانجا ہے۔ جواب دیا کہ خواہ بھانجا ہی کیوں نہ ہو۔ لوگ تمہارے بارے میں ہلاک نہ ہوں۔ (یعنی تم کو لوگ مہتمم کریں گے) شجاع بن مخلد سے روایت ہے کہ انہوں نے ہش بن حارث کو کہتے ہوئے سنا کہ ان نو عمروں سے پرہیز کرو۔ فتح موصلی کہتے ہیں کہ

میں تمیں مشائخ سے ملا جو لدال شمار کئے جاتے تھے۔ ہر ایک نے مجھ کو بروقت رخصت وصیت کی کہ نوجوانوں کی ہم نشینی سے بچتے رہنا۔ سلام السود کی نسبت کہتے ہیں کہ کسی آدمی کو دیکھا جو نوجوانوں کو دیکھ رہا تھا کہنے لگے کہ اے فلاں اپنے مرتبے کا خیال کر کے اللہ تعالیٰ سے خوف کر، کیونکہ توجب تک خدا کی تعظیم جالاتا رہے گا صاحب رتبہ و جاہ رہے گا۔ ابو منصور عبد القادر بن طاہر کا قول ہے کہ جو شخص نوجوانوں سے صحبت رکھے گا مکر و بات میں پڑ جائے گا۔ سلام نے کہا کہ ہم ابو عبد الرحمن سلمیٰ نے میان کیا کہ منظر قرمیسینی نے کہا کہ جو کوئی بشرط سلامت و نصیحت نوجوانوں سے صحبت رکھے گا تو بلا میں گرفتار ہو جائے گا۔ پھر اس شخص کا پوچھنا جو بغیر شرط سلامت ان سے صحبت رکھے۔

فصل :- اگلے لوگ مردوں سے پرہیز رکھنے کے بارے میں

تاکید کرتے تھے۔ ہم روایت کر چکے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے خوبصورت کو اپنے پس پشت بٹھایا۔ سفیان (ثوری) کسی مرد کو اپنے پاس نہ بیٹھنے دیتے تھے۔ ابو ایہم بن ہانی نے روایت کیا کہ یحییٰ بن معین نے کہا کہ اکبھی ایسا نہیں ہوا کہ ایک راستے میں کوئی لڑکا میرے ساتھ رہنے کی طمع کرے اور وہاں احمد بن حنبلؒ بھی ہوں۔ ابو ایوب نے کہا کہ ہم ابو نصر بن حارث کے ساتھ تھے۔ ان کے سامنے ایک لڑکی جس سے زیادہ خوبصورت ہم نے نہیں دیکھی آکر کھڑی ہوئی اور پوچھنے لگی کہ اے شیخ باب حرب کس مقام پر ہے انہوں نے جواب دیا کہ یہی سامنے پھاٹک ہے جس کو باب حرب کہتے ہیں۔ اس کے بعد ایک لڑکا کہ کبھی ایسا حسین دیکھنے میں نہیں آیا آکر پوچھنے لگا کہ اے شیخ باب حرب کدھر ہے۔ ابو نصر نے سر جھکا لیا۔ اور اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ ہم نے لڑکے سے کہا کہ یہاں آؤ کیا پوچھتے ہو؟ ہوا کہ باب حرب کہاں ہے۔ ہم نے جواب دیا کہ تمہارے آگے ہے۔ جب وہ لڑکا چلا گیا تو ہم نے شیخ سے سوال کیا کہ اے ابو نصر آپ کے روبرو لڑکی آئی تو آپ نے اس کو جواب دیا اور لڑکا آیا تو اس سے کلام نہ کیا۔ کہنے لگے کہ ہاں سفیان ثوری سے روایت ہے کہتے ہیں کہ لڑکی کے ساتھ ایک شیطان ہوتا اور لڑکے کے ساتھ دو شیطان۔ میں اپنے نفس پر اس کے دو شیطانوں سے ڈر گیا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ لڑکے کے ساتھ کچھ اوپر دس شیطان ہوتے ہیں۔

ابو القاسم نے ہم سے بیان کیا کہ ہم محمد بن حسین کے پاس جو یحییٰ بن معین

کے ساتھی تھے گئے۔ اور کہا جاتا تھا کہ انہوں نے چالیس برس ہوئے آسمان کی طرف سر اٹھا کر نہیں دیکھا۔ جب ہم ان کے پاس گئے تو ہمارے ساتھ ایک نوجوان لڑکا مجلس میں ان کے سامنے تھا۔ اس سے کہا کہ میرے آگے سے اٹھ جا۔ اور اس کو اپنے پیچھے بٹھایا۔ ابو اسامہ نے بیان کیا کہ ہم ایک شخص کے پاس تھے جو حدیث بیان کرتے تھے ان کے پاس ایک لڑکارہ گیا کہ ان کو حدیث سناتا تھا۔ میں نے اٹھنا چاہا انہوں نے میرا دامن تھام لیا اور کہنے لگے کہ ٹھہر داس لڑکے کو فارغ ہو جانے دو اس لڑکے کے ساتھ خلوت میں رہنا ناپسند کیا۔ ابو علی روزباری نے ہم سے بیان کیا کہ مجھ سے ابو العباس احمد المودب نے پوچھا کہ اے ابو علی ہمارے زمانہ کے صوفیوں نے نوجوان سے انس رکھنا کہاں سے نکلا۔ میں نے جواب دیا کہ صاحب تم ان لوگوں کو خوب پہچانتے ہو اکثر امور میں ان کے ساتھ سلامتی رہتی ہے۔ کہنے لگے کہ ہیسٹ ہم نے ان بزرگوں کو دیکھا ہے جو ان لوگوں سے زیادہ قوی ایمان رکھتے تھے کہ جب کسی نوجوان کو دیکھا تو ایسے بھاگ جیسے کوئی جنگ و حرب سے بھاگتا ہے اور یہ سب باتیں صرف ان اوقات کے موافق ہیں کہ اکثر لوگوں پر احوال غالب ہو جاتے ہیں۔ اور طبیعتوں کے تصرف حاوی ہوتے ہیں کمال خطرے کی بات اور نہایت ہی غلطی ہے۔

فصل :- نوجوانوں کی صحبت ابلیس کا بڑا مضبوط جال ہے جس سے وہ صوفیوں کو شکار کرتا ہے۔ ابو عبد الرحمن نے ہم سے نقل کیا کہ میں نے ابو بکر رازی سے سنا کہ یوسف بن حسین نے کہا میں نے خلقت کی آفات پر غور کیا تو معلوم ہو گیا کہ کہاں سے آئی ہیں اور صوفیہ کی آفتیں میں نے نوجوانوں کی صحبت اور ناجنس کی ہم نشینی اور عورتوں کی رفاقت میں پائیں۔ ابن فرج رستمی صوفی کہتے تھے کہ میں نے شیطان کو خواب میں دیکھا اور کہا کیوں تو نے ہم کو کیسا پایا؟ ہم نے دنیا اور اس کی لذتوں سے اور دولتوں سے منہ پھیر لیا۔ اب تجھ کو ہم پر قابو نہیں۔ کہنے لگا کہ تم کو کچھ خبر بھی ہے تمہارے دل راگ سننے پر اور نوجوان کی صحبت پر کیسے مائل ہیں ابو سعید کہتے ہیں کہ اس بلا سے صوفیہ بہت کم نجات پاتے ہیں۔

فصل :- خوبصورت لڑکوں کی طرف دیکھنے کی سزا کا بیان

ابو عبد اللہ بن الجلاء کہتے ہیں کہ میں کھڑا ہوا ایک خوبصورت نصرانی لڑکے کو دیکھتا تھا اتنے میں ابو عبد اللہؒ میرے سامنے گزرے پوچھا کیسے کھڑے ہو میں نے کہا

اے چچا آپ اس صورت کو دیکھتے ہیں۔ کیونکر آتش دوزخ میں عذاب کیا جائے گا۔ انہوں نے اپنے دونوں ہاتھ میرے شانوں کے پچ میں مارے اور کہا کہ اس کا نتیجہ تجھ کو ملے گا۔ اگرچہ کچھ مدت گزر جائے میں نے چالیس برس کے بعد اس کا ثمرہ پایا کہ قرآن شریف مجھ کو یاد نہ رہا۔ ابو الادیان کہتے ہیں کہ میں اپنے استاد ابو بکر دقاق کے ساتھ تھا۔ ایک نوجوان لڑکا سامنے آیا میں اس کو دیکھنے لگا۔ استاد نے مجھ کو اس کی طرف دیکھتے ہوئے دیکھ لیا فرمایا کہ یہاں بعد چندے تم اس کا نتیجہ پاؤ گے میں بیس برس تک منتظر رہا وہ نتیجہ نہ دیکھا ایک رات اسی سوچ چار میں سو رہا جب صبح کو اٹھا تو تمام قرآن شریف بھول گیا۔

ابو بکر کتانی نے ہم سے بیان کیا ہے کہ میں نے اپنے ایک رفیق کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ تمہارے ساتھ خدا نے کیا معاملہ کیا۔ جواب دیا کہ مجھ پر میری برائیاں پیش کیں اور کہا کہ تو نے ایسا ایسا کیا۔ میں نے کہا ہاں پھر پوچھا کہ تو نے ایسا ایسا بھی کیا۔ تو مجھ کو اس کے اقرار سے شرم آئی۔ میں نے جواب دیا کہ اس کے اقرار کرنے سے شرماتا ہوں فرمایا کہ جب ہم نے تیرے اقرار کردہ گناہ بخش دیئے تو جس پر تجھ کو شرم آئی کیوں کر نہ بخش میں نے ان سے پوچھا کہ وہ گناہ کیا تھا۔ بولے کہ ایک خوبصورت لڑکا میرے سامنے گزرا تھا۔ میں نے اس کو دیکھا تھا۔ ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ جب میں شرمندہ ہوا تو پسینہ آگیا۔ یہاں تک کہ میرے چہرے کا گوشت گر پڑا۔ ابو یعقوب طبری سے ہم کو روایت پہنچی ہے کہ انہوں نے کہا میرے پاس ایک خوبصورت جوان رہا کرتا تھا جو میری خدمت کیا کرتا تھا۔ ایک بار میرے پاس بغداد سے ایک صوفی آدمی آیا وہ اکثر اس جوان کی طرف دیکھا کرتا تھا میں اس حرکت سے اس کو فہمائش کرتا تھا۔ ایک رات میں سویا اور اللہ رب العزت کو خواب میں دیکھا مجھ سے فرمایا کہ تم نے اس شخص یعنی بغدادی کو نوجوانوں کے دیکھنے سے منع کیوں نہیں کیا۔ مجھ کو اپنی عزت کی قسم ہے کہ اس شخص کو نوجوانوں کی طرف مشغول کرتا ہوں جس کو اپنے قرب سے دور رکھتا ہوں۔ ابو یعقوب کہتے ہیں کہ میں بیدار ہوا اور نہایت بے قرار تھا اس بغدادی سے خواب بیان کیا اس نے زور سے ایک چیخ ماری اور مر گیا۔ ہم نے اس کو غسل دیا اور دفن کیا۔ اور میرا جی اسی میں لگا رہا۔ بعد ایک مہینہ کے میں نے اس کو خواب میں دیکھا پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا کیا۔ جواب دیا کہ مجھ پر جرد تو بیخ فرمائی۔ یہاں تک کہ مجھ کو خوف ہوا کہ نجات نہ ملے گی۔ پھر میرا قصور معاف کر

دیا گیا۔

میں کہتا ہوں کہ میں نے اس بارے میں قدرے طول بیانی اختیار کی کیونکہ اکثر لوگوں کے نزدیک اس میں عام لوگ مبتلا ہیں۔ اور جو شخص اس سے بھی زیادہ چاہے اس بارے میں اور نظر ڈالنے اور خواہش نفسانی کے تمام اسباب کے بارے میں تو چاہیے کہ ہماری کتاب ذمہ الہوی کو دیکھے کیونکہ اس میں ان سب باتوں کے بارے میں پوری محث ہے۔

توکل کا دعویٰ رکھنے اور مال و اسباب فراہم نہ کرنے

میں صوفیہ پر تلپیس ابلیس کا بیان

احمد بن الحواری نے ہم سے بیان کیا کہ میں نے ابو سلیمان دارانی سے سنا کہتے تھے کہ اگر ہم اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے تو دیواریں نہ بناتے اور چوروں کے خوف سے گھر کے دروازے پر قفل نہ لگاتے ذوالنون مصریٰ کہتے ہیں کہ میں نے برسوں سفر کیا۔ مگر میرا توکل درست نہیں رہا جز ایک وقت کے کہ دریا کے سفر میں تھا کشتی ٹوٹ گئی میں نے اس کے تختوں میں سے ایک تختہ پکڑ لیا۔ میرے جی نے مجھ سے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے تیرے ڈوب جانے کا حکم فرمایا ہے تو یہ تختہ تجھ کو کچھ نفع نہ دے گا۔ میں نے وہ تختہ چھوڑ دیا۔ اور پانی پر تیر کر کنارے آگیا۔ جنید سے میں نے سنا کہتے تھے کہ میں نے ابو یعقوب زیات سے توکل کے بارے میں ایک مسئلہ پوچھا۔ انہوں نے ایک درم جو ان کے پاس تھا نکالا۔ پھر مجھ کو مسئلہ کا جواب کماحقہ دیا پھر بولے کہ مجھے اس بات سے شرم آئی کہ میرے پاس کچھ مال موجود ہو اور میں تم کو توکل کے مسئلہ کا جواب دوں۔

ابو نصر السراج نے کتاب الملع میں بیان کیا ہے کہ عبد اللہ بن جلاء کے پاس ایک آدمی توکل کا کوئی مسئلہ پوچھنے آیا۔ ان کے پاس ان کے مرید بیٹھے تھے۔ اس کو کچھ جواب نہ دیا اور گھر میں گئے اس جماعت کے سامنے ایک تھیلی نکال لائے جس میں چار دانگ تھے اور بولے کہ ان کا کچھ خرید لاؤ بعد ازاں اس شخص کو مسئلہ کا جواب دیا لوگوں نے اس بارے میں ان سے سوال کیا کہنے لگے کہ مجھ کو اللہ تعالیٰ سے شرم آئی کہ توکل میں کلام کروں اور میرے پاس چار دانگ ہوں۔ سہل بن عبد اللہ نے کہا کہ جو شخص پیشہ پر طعن کرے تو اس نے گویا سنت پر طعن کیا اور جو توکل پر طعن کرے تو اس نے ایمان

پر طعن کیا۔

مصنفؒ نے کہا کہ کم علمی کی وجہ سے یہ تخلیط کی۔ اگر یہ لوگ توکل کی حقیقت پہچانتے تو جان لیتے کہ توکل اور اسباب میں باہم مخالفت نہیں۔ کیونکہ توکل یہ ہے کہ دل فقط اللہ پر بھروسہ کرے اور یہ بات اس کے خلاف نہیں کہ بدن کے ساتھ تعلق رکھنے میں اور مال جمع کرنے میں جنبش ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ولا توتوا السفهاء اموالکم التی جعل اللہ لکم قیاما (النساء پ ۴ آیت ۵) یعنی احمقوں کو اپنے وہ مال مت دو جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہاری زندگی کا سہارا بنالیا ہے۔ قیام کے یہ معنی ہیں کہ تمہارے بدن ان کی وجہ سے قائم ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اچھا وہ مال نیک ہے جو آدمی کے کام آئے اور فرمایا کہ اپنے وارثوں کو تو نگر چھوڑنا اس سے بہتر ہے کہ ان کو محتاج چھوڑ کر مرے کہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلاتے پھریں یہ بھی جانتا چاہیے کہ جس نے توکل کا حکم دیا ہے اسی نے ہتھیار باندھنے کو فرمایا ہے اور ارشاد فرمایا خذوا حذرکم (النساء پ ۵ آیت ۱۰۲) یعنی اپنے اسلحہ لے لو اور فرمایا واعدوا لہم ما استطعتم من قوۃ (انفال پ ۱۰ آیت ۶۰) یعنی کفار کے لئے جس قدر قوت ہو سکے بہم پہنچاؤ۔ اور رسول اللہ ﷺ نے اوپر تلے دوزر ہیں زیب بدن فرمائیں۔ اور دو طبیبوں سے مشورہ لیا اور غار میں پوشیدہ ہوئے اور ایک مقام پر فرمایا تھا کہ آج کی رات میری نگہبانی کون کرے گا اور دروازہ بند کر دینے کا حکم دیا۔

صحیح میں جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنا دروازہ بند کر لیا کرو اور آپ ﷺ نے خبر دے دی کہ توکل احتراز کے منافی نہیں۔ ابو قرہ نے بیان کیا کہ میں نے انس بن مالک سے سنا کہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک آدمی آیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں اپنی اونٹنی کو باندھوں اور توکل کروں یا اس کو چھوڑ دوں اور توکل کروں۔ فرمایا کہ ہاں باندھ رکھ اور توکل کر۔ سفیان بن عیینہ نے کہا توکل کی تعریف یہ ہے کہ جو کچھ اس کے ساتھ کیا جائے اس پر راضی رہے۔ ابن عقیل کہتے ہیں کہ ایک قوم کا یہ گمان ہے کہ احتیاط اور احتراز توکل کے خلاف ہے اور توکل صرف اسی کا نام ہے کہ انجام ببینی ترک کر دے۔ اور اپنی حفاظت چھوڑ دے علماء کو نزدیک یہ عجز اور تفریط ہے جس کو اہل عقل لغو اور برا جانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بعد محافظت اور پوری کوشش صرف کرنے کے توکل کا حکم فرمایا ہے۔ وشارہم فی الامر فاذا عزمتم فتوکل علی اللہ (ال عمران پ ۴ آیت ۱۵۹) یعنی آپ ﷺ صحابہ

رضی اللہ عنہ سے اپنے امور میں مشورہ لیجئے۔ پھر جب مستقل ارادہ کر لیا تو خدا پر توکل کیجئے۔ اگر احتیاط کا پابند ہونا توکل میں نقص ڈالتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو خاص نہ کرتا جیسا کہ فرمایا و شاورہم فی الامر مشورہ کرنا تو اسی کا نام کہ جس شخص میں دشمن سے گمراہی اور تحفظ کا مادہ ہو۔ اس سے رائے لی جائے اور پھر احتیاط کے بارے میں اتنا ہی نہیں کیا اس کو صحابہ رضی اللہ عنہ کی رائے اور اجتہاد پر چھوڑ دیا ہو بلکہ اس پر قطعی حکم لگا دیا۔ اور نماز میں جو خاص ترین عبادت ہے اس کو رکن قرار دیا فرمایا فلنقم طائفہ منهم معک الخ (النساء پ ۵ آیت ۱۰۲) یعنی چاہیے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نماز میں آپ کے ساتھ کھڑی ہو اور اپنے اپنے ہتھیار لئے رہیں۔ پھر اس کی علت بیان فرمائی۔ و الذین کفروا الخ یعنی کفار چاہتے ہیں کہ تم کو تمہارے اسلحہ اور سامان سے غافل پا کر ایک بارگی تم پر ٹوٹ پڑیں۔ اب جو شخص احتیاط کو اس طور سے جان لے گا تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ توکل کرنا اس چیز کو چھوڑ دینا ہے جس کو جانتے تھے بلکہ توکل یہ ہے کہ جس امر میں اپنی وسعت اور طاقت نہیں۔ اس کو خدا پر چھوڑ دیا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اونٹنی کو باندھ رکھو اور توکل کرو اور اگر توکل یہ ہوتا کہ اپنی گمراہی ترک کرے تو بہترین خلاق ﷺ بہترین احوال یعنی حالت نماز میں اس صفت کے ساتھ مخصوص ہوتے۔ امام شافعیؒ کا مذہب ہے کہ اس وقت میں ہتھیار باندھے رہنا واجب ہے لقولہ تعالیٰ و لیاخذوا حذرہم و اسلحتہم (النساء پ ۵ آیت ۱۰۲) پس توکل احتراز اور احتیاط کا مانع نہیں۔

موسیٰ علیہ السلام سے جب کہا گیا الملاء یاتمرون بک یعنی رئیس لوگ تمہارے گرفتار کرنے کا مشورہ کرتے ہیں تو آپ شہر سے نکل گئے اور ہمارے نبی ﷺ مکہ سے اپنے بارے میں تدبیر سوچنے والوں کے خوف سے باہر تشریف لے گئے۔ اور غار میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ کو اس کے سوراخ بند کر کے چھپایا اور صحابہ رضی اللہ عنہم بھی احتیاط کا پورا حق جالائے پھر توکل کیا۔

اللہ تعالیٰ نے احتیاط کے باب میں فرمایا لا تقصص رویاک علی اخوتک (یوسف پ ۱۲ آیت ۵) یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا کہ اپنا خواب اپنے بھائیوں سے بیان نہ کرنا اور فرمایا لا تدخلوا من باب واحد (یوسف پ ۱۳ آیت ۶) یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ مصر میں جا کر سب کے سب ایک دروازے سے داخل نہ ہونا اور فرمایا فامشوا

فی منا کبھا (الملک پ ۲۹ آیت ۱۵) یعنی زمین کے اونچے مقاموں پر چلو اور احتیاط اس لئے ہے کہ اپنی ذات سے ضرر دور کرنے کے واسطے حرکت کرنا۔ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا عمل میں لانا ہے۔ اور جس طرح اللہ اپنی عطا کی ہوئی نعمت کا اظہار چاہتا ہے اسی طرح اپنی ودیعتوں کا اظہار بھی چاہتا ہے۔ لہذا اس کی گنجائش نہیں کہ اس کی عنایت ہی پھر بھر وہ کر کے اس کی ودیعت کو مہمل چھوڑ دے۔ ہاں پہلے جو تمہارے قبضہ میں ہے اس کو عمل میں لاؤ پھر جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اس کو طلب کرو۔ اللہ تعالیٰ نے پرندوں اور چوپاؤں کو وہ اوزار عطا فرمائے ہیں جن کے ذریعہ سے وہ اپنے شر کو دور کرتے ہیں مثلاً پنچے اور ناخن اور دانت اور منقار۔ اور آدمی کے لئے عقل پیدا کی جو اس کو اسلحہ باندھنے کی ہدایت کرتی ہے اور مکان اور زرہ وغیرہ کے ذریعے سے محفوظ رہنے کی رہبر ہوتی ہے۔ پھر جو شخص احتیاط کو ترک کرے اللہ تعالیٰ کی نعمت کو بے کار کر دے تو گویا اس نے خدا کی حکمت کو معطل کیا جیسے کوئی شخص غذا اور دوا چھوڑ دے اور بھوک اور بیماری میں مر جائے۔ اور اس شخص سے زیادہ کوئی احمق نہیں جو عقل و علم کا دعویٰ کرے اور بلا کے سامنے گردن جھکا دے بلکہ شایان یہ ہے کہ توکل کرنے والے کے اعضاء و جوارح کسب و پیشہ میں لگے رہیں اور دل اطمینان کے ساتھ خدا کے سپرد رکھے۔ اب چاہے وہ عطا کرے یا نہ کرے۔ کیونکہ ایسا شخص یقیناً جانے گا کہ خدا کا تصرف مصلحت و حکمت سے ہوتا ہے۔ اس کا عطانہ کرنا بھی حقیقت میں عطا کرنا ہے۔ عاجز لوگوں کے لئے ان کے عجز اور ان کے نفوس نے اس امر کو اچھا اور آراستہ کر دکھایا کہ تفریط کا نام توکل ہے۔ ان کا یہ دھوکا کھانا ایسا ہے کہ جیسے بے باکی کو شجاعت اور سستی کو دور اندیشی خیال کرے۔ اور جب کہ اسباب بنائے گئے ہوں اور بے کار چھوڑ دیئے جائیں تو یہ بنانے والے کی حکمت کا نہ جاننا ہے۔ جیسے کہ کھانا پیٹ بھرنے کا سبب اور پانی پیاس چھانے کا سبب اور دوا بیماری کے لئے بنائی گئی ہے۔ اب جس وقت آدمی سبب کو حقیر سمجھ کر ان سے دست بردار ہو۔ پھر دعامانگے اور سوال کرے تو اس کو جواب ملے گا کہ ہم نے تیری عافیت کے لئے سبب بنا دیا تھا۔ جب کہ تو نے اس کو نہ اختیار کیا تو ہماری بخشش کو مہمل جانا۔ اکثر اوقات تجھ کو بغیر کسی سبب کے ہم عافیت نہ دیں گے۔ کیونکہ تو سبب کو تو ذلیل گردانتا ہے اور اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص ایسی کھیتی کے پختہ ہونے پر خوش ہوتا ہے اور اس کھیت میں ایک نہر سے پانی آتا ہے جو اس کے پاس جاری ہے۔ اب یہ شخص ٹیلے پر چڑھ کر بارش مانگنے کے لئے نماز استسقاء

پڑھنے لگے تو اس کی یہ حرکت نہ شریعت کی رو سے اچھی ہے اور نہ عقل کے لحاظ سے۔ مصنفؒ نے کہا اگر کوئی یوں کہے کہ جب ہر ایک امر مقدر ہے تو احتراز کیونکر ہو سکتا ہے؟ جواب دیا جائے گا حکم اور فرمان موجود ہیں تو کیونکر اعتراض نہ کیا جائے اس لئے کہ جس نے مقدر کیا ہے اسی نے حکم دیا ہے اور فرمایا ہے خذوا حذرکم کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک پہاڑ کی چوٹی پر نماز ادا کر رہے تھے۔ ان کے پاس شیطان آیا اور کہنے لگا کہ تمہارا یہ عقیدہ ہے کہ ہر شے قضا و قدر سے ہوتی ہے۔ جواب دیا کہ ہاں۔ بولا کہ اچھا تو پھر تم اپنے آپ کو پہاڑ سے نیچے گرا دو اور سمجھ لو کہ میرے لئے یہ مقدر تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اے لعین اللہ تعالیٰ بندوں کو آزماتا ہے بندے اللہ تعالیٰ کو نہیں آزماتے۔

فصل :- اور اسی معنی میں کہ ترک اسباب کے بارے میں اہل سنی لوگوں پر تلمیس کی ہے یہ ہے کہ بھوں پر ابلیس نے تلمیس کی کہ توکل کسب کے خلاف ہے۔ سہل بن عبد اللہ التستری کا قول ہے کہ جس نے توکل پر طعن کیا اس نے ایمان پر طعن کیا۔ اور جس نے کسب پر طعن کیا اس نے سنت پر طعن کیا۔ محمد بن عبد اللہ رازی نے ہم سے بیان کیا کہ میری موجودگی میں ایک آدمی نے ابو عبد اللہ بن سلام سے سوال کیا کہ ہم کسب کو عبادت سمجھیں یا کہ توکل کو؟ جواب دیا کہ توکل رسول اللہ ﷺ کا حال ہے اور کسب آپ ﷺ کی سنت ہے اور کسب اسی شخص کے واسطے مسنون ہے جو توکل کرنے میں ضعیف ہے۔ اور درجہ کمال یعنی حال رسول اللہ ﷺ سے ساقط ہے لہذا جو کوئی توکل کی طاقت رکھے اس کو کسب کسی حال میں مباح نہیں، مگر یہ کہ بطور مدد سنبھلنے کے کسب کرے نہ یہ کہ کسب پر بھروسہ کرے اور جو شخص توکل کرنے میں جو کچھ کہ رسول اللہ ﷺ کا حال ہے کمزور ہو اس کو بذریعہ کسب طلب معاش کرنا جائز ہے۔ تاکہ درجہ سنت نبوی سے نہ گر پڑے۔ یہاں تک کہ حالت نبوی کے درجہ سے ساقط ہو جائے۔ یوسف بن الحسین سے روایت ہے کہ کہتے تھے کہ جب تم کسی مرید کو دیکھو کہ شرع میں جو چیزیں آسان کی گئی ہیں ان کی تلاش کرتا ہے اور کمائی کرنے میں مشغول رہتا ہے تو اس سے کچھ نہ ہوگا۔

مصنفؒ نے کہا یہ کلام اس قوم کا ہے جو توکل کے معنی نہیں سمجھے اور یہ گمان کیا کہ کسب کا چھوڑنا اور عمل سے جو ارجح کا معطل کرنا توکل ہے اور ہم بیان کر چکے ہیں

کہ توکل دل کا فعل ہے۔ لہذا جو ارجح کی حرکت کے منافی نہیں۔ اور اگر ایسا ہو تا کہ جو کسب کرے وہ توکل کرنے والا نہیں ہے تو انبیاء علیہم السلام گویا توکل کرنے والے ہی نہ ٹھہرے۔ حضرت آدم علیہ السلام کا شکار تھے۔ حضرت نوح اور زکریا علیہما السلام بڑھئی کا کام کرتے تھے۔ حضرت ادريس علیہ السلام کپڑے سیتے تھے۔ حضرت ابراہیم اور لوط علیہما السلام کھیت کرتے تھے۔ حضرت صالح علیہ السلام سوداگر تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام زرہین اپنے ہاتھ سے بناتے تھے اور اس کی قیمت سے بسر کرتے تھے۔ حضرت موسیٰ اور شعیب اور ہمارے نبی علیہم الصلوٰۃ والسلام نے بحریاں چرائی ہیں۔ ہمارے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں مکہ والوں کی بحریاں چند قیراط پر چریا کرتا تھا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے مال غنیمت سے غنی کر دیا تو آپ ﷺ کو کسب کی ضرورت نہ رہی، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ عثمان رضی اللہ عنہ عبدالرحمن رضی اللہ عنہ طلحہ رضی اللہ عنہ کپڑے بچا کرتے تھے۔ اور یہی پیشہ محمد ابن سرین اور میمون بن مہران کا تھا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اور عامر بن کریر رضی اللہ عنہ پانچہ بانف تھے اور یہی پیشہ امام ابو حنیفہ کا تھا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص تیر بناتے تھے۔ حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ درزی کا کام کرتے تھے۔ اور تمام تابعین اور ان کے بعد والے ہمیشہ کسب کرتے رہے اور کسب کرنے کا حکم دیتے رہے۔

عطاء بن السائب نے ہم سے بیان کیا کہ جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو دوسرے روز صبح کو بازار کی طرف چلے اور آپ کے سر پر کپڑوں کی گٹھری تھی جن کی آپ تجارت کرتے تھے راہ میں حضرت عمر اور ابو عبیدہ رضی اللہ عنہما ملے پوچھنے لگے کہ آپ کہاں تشریف لے جاتے ہیں؟ جواب دیا کہ بازار جاتا ہوں۔ وہ کہنے لگے کہ آپ امور مسلمین کے والی اور مختار ہو کر ایسا کرتے ہیں فرمایا کہ آخر میں اپنے اہل و عیال کو کہاں سے کھلاؤں۔ میمون کہتے ہیں کہ جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے مل کر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے لئے دو ہزار درہم سالانہ مقرر کر دیئے۔ آپ نے کہا کہ اس سے اور زیادہ کرو۔ کیونکہ میرا کتبہ بہت ہے اور تجارت سے تم نے مجھے دوسری طرف لگا دیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پانچ سو اور بڑھا دیئے۔

مصنفؒ نے کہا کہ اگر کوئی شخص ان صوفیہ سے کہے کہ میں اپنے اہل و عیال کو کہاں سے کھلاؤں تو اس کو جواب دیں گے کہ تو مشرک ہے۔ اور اگر ان سے پوچھا جائے

کہ جو سوداگری کے لئے جائے اس کا کیا حکم ہے؟ تو کہیں گے کہ وہ توکل کرنے والا اور یقین کرنے والا نہیں۔ ان لوگوں کی یہ سب باتیں فقط اس وجہ سے ہیں کہ توکل اور یقین کے معنی نہیں جانتے اور اگر کوئی ان میں سے اپنے اوپر دروازہ بند کر لے اور توکل کر لے تو ان کے دعویٰ کا حال کھل جائے۔ لیکن ان لوگوں کی حالت دو حال سے خالی نہیں یا لوگوں سے مانگنا تو بعض وہ لوگ ہیں جو دنیا کے لئے کوشش کرتے ہیں اور لوگوں سے اپنی خدمت لیتے ہیں۔ بعض وہ ہیں جو اپنے خادم کو بھیجتے ہیں وہ کشتیوں کے کشتیوں سے اور کھانا جمع کرتا ہے۔ یا رباط میں مسکینوں کی صورت بنا کر بیٹھنا اور یہ بات معلوم ہے کہ رباط فتوح سے خالی نہیں۔ جس طرح دکان اس امر سے خالی نہیں کہ خرید و فروخت کا قصد کیا جاتا ہے سہل بن ہاشم نے ابراہیم بن اویس سے روایت کیا کہ سعید بن مسیب نے کہا جو شخص مسجد میں بیٹھ رہے اور کسب و حرفہ چھوڑ دے اور پھر جو چیز اس کے پاس لائیں اس کو قبول کر لے تو گویا اس شخص نے گزرگذا کر سوال کیا۔ ابو تراب اپنے مریدوں سے کہا کرتے تھے کہ تم میں سے جس نے پیوند لگا لباس پہنا تو وہ ضرور سائل ہے۔ اور جو خانقاہ یا مسجد میں بیٹھ رہا وہ بھی ضرور سائل ہے۔

مصنفؒ نے کہا کہ میں کہتا ہوں اگلے بزرگ لوگ اس قسم کی باتوں میں پڑنے سے منع کرتے تھے۔ اور کسب کا حکم دیتے تھے۔ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے قاریوں کی جماعت ذرا اپنے سر اٹھاؤ۔ کیونکہ راستہ بالکل روشن ہے نیکیوں کے لئے سبقت کرو اور مسلمانوں کے محتاج بن کر نہ رہو۔ محمد بن عاصم سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب کسی جوان آدمی کو دیکھ کر اس کی حالت سے خوش ہوتے تو اس کا حال دریافت کرتے کہ آیا کوئی پیشہ کرنا ہے۔ اگر لوگ کہتے کہ اس کا کچھ پیشہ نہیں ہے تو فرماتے کہ یہ شخص میری نظر سے گر گیا۔ قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سعید بن مسیب نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم شام کی طرف تجارت کو جایا کرتے تھے منجملہ ان کے حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ اور سعید بن زید رضی اللہ عنہ ہیں۔

ابو القاسم نے ہم سے بیان کیا کہ میں نے احمد بن حنبلؒ سے پوچھا کہ آپ ابسے شخص کے بارے میں کیا کہتے ہیں جو اپنے گھر میں یا مسجد میں بیٹھ رہے اور کہے کہ میں کچھ پیشہ نہ کروں گا۔ میرا رزق خود میرے پاس آئے گا۔ احمد بن حنبلؒ نے جواب دیا کہ یہ شخص علم نہیں رکھتا کیا تم نے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نہیں سنا کہ میرا رزق میرے

نیزہ کے سایہ تلے ہے۔ اور ایک حدیث ہے جس میں آپ ﷺ نے پرندوں کا ذکر کیا کہ وہ صبح کے وقت بھوکے ہوتے ہیں اور علی الصباح تلاش رزق میں جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَاخْرُونَ يَضْرِبُونَ فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُونَ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ (الزلزلہ پ ۲۹ آیت ۲۰) یعنی دوسرے وہ لوگ ہیں جو زمین پر سفر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل کی جستجو کرتے ہیں۔ اور فرمایا لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلا من ربکم۔ (البقرہ پ ۱۲ آیت ۱۹۸) یعنی تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں کہ اپنے پروردگار کا فضل تلاش کرو۔ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب تری و خشکی میں تجارت کے لئے پھرتے تھے۔ اور اپنے باغوں میں کام کرتے تھے۔ ہم کو صحابہ رضی اللہ عنہم ہی کی پیروی کرنی چاہیے اور ہم سابق میں امام احمد کا قوال لکھ چکے ہیں کہ ایک شخص نے ان سے کہا میں تو کل پر حج کو جانا چاہتا ہوں۔ فرمایا کہ پھر قافلہ کو چھوڑ کر جاؤ اس نے کہا یہ تو نہیں ہو سکتا جواب دیا کہ پھر کیا لوگوں کے تھیلوں پر توکل کر کے چلا ہے۔ ابو بکر مروزی نے ہم سے بیان کیا کہ میں نے ابو عبد اللہ سے کہا کہ آج توکل کرنے والے کہتے ہیں کہ ہم ایک جگہ بیٹھ جاتے ہیں۔ ہمارا روزی رسال خدا ہے۔ جواب دیا کہ یہ قول لچر پوچ ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا اِذَا نُوذِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ اِخْرُجْ (الجمعة پ ۲۸ آیت ۹) یعنی جب جمعہ کی اذان ہو تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے جلدی کرو اور خرید و فروخت چھوڑ دو پھر بولے کہ جب ایک شخص یہ کہتا ہے کہ میں کوئی پیشہ نہ کروں گا تو جب کوئی چیز کسب اور پیشہ کے ذریعہ سے حاصل کر کے اس کے پاس کوئی دوسرا آدمی لے جاتا ہے تو اس کو وہ قبول کیوں کرتا ہے۔ صالح سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنے باپ یعنی احمد بن حنبل سے پوچھا کہ توکل کیا ہے؟ جواب دیا کہ توکل اچھا ہے۔ لیکن آدمی کو چاہیے کہ لوگوں کے ذمہ نہ ہو جائے بلکہ چاہیے کہ کسب کرے تاکہ خود بھی اور اس کے اہل و عیال بھی خوشحال رہیں۔ اور حرفتہ کو نہ چھوڑیں صالح کہتے ہیں کہ میری موجودگی میں میرے باپ سے اس قوم کی نسبت سوال کیا گیا جو پیشہ نہیں کرتے اور کہتے ہیں ہم اہل توکل ہیں۔ جواب میں فرمایا کہ یہ لوگ اہل بدعت ہیں۔ انن عینہ کہا کرتے تھے کہ لوگ بدعتی ہیں۔ ابو عبد اللہ نے کہا کہ یہ لوگ برے ہیں جو کہ دنیا کو بے کار رکھنا چاہتے ہیں۔ مروزی نے ہم سے بیان کیا کہ ابو عبد اللہ سے میں نے اس آدمی کے بارے میں پوچھا جو اپنے گھر میں بیٹھ رہے اور کہے کہ میں گوشہ گزیں ہوتا ہوں اور صبر کر کے بیٹھ رہنا اس کو کسی دوسری چیز کا مرتکب نہ بنا دے۔ میں نے کہا وہ دوسری کیا چیز ہے کہنے لگے کہ

کیس ایسا نہ ہو اس بات کی توقع کرے کہ لوگ اس کے پاس کچھ لے کر آئیں۔ ابو بکر مروزی کہتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو سنا کہ ابو عبد اللہ احمد بن حنبلؒ سے کہہ رہا تھا کہ میں خوشحالی میں ہوں فرمایا کہ بازار کو اختیار کر تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ اپنے اقارب پر احسان اور اہل و عیال کو خوشحال کرے گا۔ اور ایک دوسرے شخص سے کہا کہ کام کر اور حاجت سے زائد کو اپنے اہل قرابت پر صدقہ کر۔ احمد بن حنبلؒ نے کہا کہ میں نے اپنی اولاد کو حکم دیا ہے کہ بازار میں آئیں جائیں اور تجارت میں لگے رہیں فضل بن محمد بن زیاد کہتے ہیں کہ میں نے ابو عبد اللہ کو بازار کو اختیار کرنے کا حکم کرتے ہوئے سنا اور اکثر کہا کرتے تھے کہ لوگوں سے بے نیاز ہو کر رہنا کیا اچھی بات ہے۔ یہ بھی کہتے تھے کہ میرے نزدیک درہموں میں سے وہ درہم اچھا ہے جو تجارت سے حاصل ہوا۔ اور برا درہم وہ ہے جو احباب کے احسان سے ملا۔

مصنفؒ نے کہا کہ ابراہیم بن ادہم کھیتی کاٹا کرتے تھے۔ اور سلیمان خواص خوشہ چین تھے اور حذیفہ مرعشی انیش بناتے تھے۔ ابن عقیل نے کہا کسی سبب پر عمل کرنے سے توکل نہیں ٹوٹتا کیونکہ انبیاء کے مرتبہ سے اپنی ترقی چاہنا دین کی بربادی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام سے جب کہا گیا کہ ان الملاء یاتمرون بک الخ یعنی رئیس لوگ تمہارے قتل کا مشورہ کرتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام وہاں سے بھاگ نکلے۔ اس کے بعد جب بھوک لگی اور اپنے نفس کے پاک رکھنے کی ضرورت پڑی تو آٹھ برس کے لئے اپنے آپ کو اجرت میں دے دیا۔ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا فامشوا فی مناكبہا (الملک پ ۱۲۹ آیت ۱۵) یعنی زمین کی بلندیوں میں سفر کرو۔ یہ ارشاد اس لئے ہے کہ جنبش کرنا گویا اللہ تعالیٰ کی نعمت کو عمل میں لانا ہے۔ اور اس کی نعمت قوائے انسانی ہیں۔ لہذا جو تمہارے پاس ہے پہلے اس کا استعمال کرو پھر جو خدا کے پاس ہے اس کو ڈھونڈو۔ بسا اوقات انسان اللہ تعالیٰ سے طلب فضل کرتا ہے اور جس قدر ذخیرہ مال اس کے پاس ہے اس کو بھول جاتا ہے۔ پھر جب کہ اس کے مطلب بر آنے میں تاخیر ہوتی ہے تو ناراض ہو جاتا ہے۔ تم بعض لوگوں کو دیکھتے ہو کہ ان کے پاس زمین اور جائیداد ہوتی ہے پھر جب اس پر روزی تنگ ہوتی ہے اور قرض بہت ہو جاتا ہے تو اس سے کہا جاتا ہے کہ کاش تم اپنی زمین بیچ ڈالتے۔ تو کہتا ہے کہ میں اپنی جائیداد میں کیونکر کمی کروں۔ اور لوگوں کے سامنے اپنا مرتبہ کیوں گھٹاؤں اور اس قسم کی حماقتیں صرف عادات سے ہوتی ہیں۔ اور بعض لوگ جو کسب سے دست بردار ہو گئے ہیں یا حرفتہ کو

ایک گراں باری سمجھ کر ایسا کر بیٹھے تو وہ دوہری باتوں میں پڑ گئے یا تو اپنے اہل و عیال کو ضائع کیا اور فرائض کو چھوڑ دیا۔ اور یا اس لئے ایسا کیا کہ صاحب توکل کے نام سے زینت حاصل کرے۔ لہذا کسب کرنے والے اس کے اہل و عیال پر ترس کھاتے ہیں اور ان کی دعوتیں کرتے ہیں اور ان کو کچھ دیتے ہیں اور یہ رذیل عادت بجز دنی الطبع کے کسی میں نہیں ہوگی۔ ورنہ انسان کامل وہ آدمی ہے جو اپنے جوہر کو جو اللہ تعالیٰ نے اس کو عطا ہے۔ ہر ایک پر احسان کرنے کے لئے صرف کرے۔ نہ یہ کہ لوگوں میں ایک نام پیدا کرے جس سے جاہلوں میں زینت پکڑے کیونکہ کبھی اللہ تعالیٰ انسان کو مال سے محروم کر دیتا ہے اور ایک ایسا جوہر عطا فرماتا ہے جس سے وہ ایسا سبب نکالتا ہے کہ لوگوں کے نزدیک مقبول ہو کر دنیا حاصل کرتا ہے۔

فصل :- جو لوگ کسب کرنے سے بیٹھ رہے ہیں وہ دلائل قبیحہ سے حجت پکڑتے ہیں۔ ان میں سے ایک دلیل یہ بیان کرتے ہیں کہ جو ہمارا رزق ہے وہ ضرور ہم کو ملے گا۔ حالانکہ یہ بات نہایت قبیح ہے کیونکہ انسان اگر عبادت چھوڑ دے اور کہنے لگے کہ میں اپنی عبادت سے اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو نہیں بدل سکتا اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے اہل جنت سے لکھ دیا ہے تو اہل جنت سے ہوں گا اور اگر اہل دوزخ سے لکھ دیا تو اہل دوزخ میں جاؤں گا۔ ہم اس شخص کو جواب دیں گے کہ تمہارا یہ قول تو تمام احکام الہی کو رد کرتا ہے۔ اور اگر کسی کے لئے ایسا کہنا جائز ہو تا تو حضرت آدم علیہ السلام جنت سے نہ نکلتے۔ کیونکہ وہ یہ کہہ سکتے تھے کہ میں نے وہی کام کیا جو میرے لئے مقدر تھا۔ اور یہ بات معلوم ہے کہ ہم لوگوں سے باز پرس ہوگی وہ امر کی وجہ سے ہوگی نہ بوجہ تقدیر کے۔ یہ لوگ ایک دلیل یوں لاتے ہیں کہ روزی حلال کہاں ہے جو ہم طلب کریں اور یہ قول کسی جاہل کا ہے کیونکہ رزق حلال کبھی منقطع نہ ہوگا۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حلال ظاہر ہے۔ اور حرام ظاہر ہے اور یہ سب جانتے ہیں کہ حلال وہ روزی ہے جس کے لینے کی اجازت شریعت نے دے دی ہو۔ اور ان لوگوں کا یہ قول فقط ست آدمی کی حجت ہے۔ ایک اور دلیل ان کی یہ ہے کہ جب ہم کسب کریں گے تو ظالموں اور مددگاروں کی مدد کریں گے۔ ابو عثمان بن الادمی نے ہم سے بیان کیا کہ میں نے ابراہیم خواص سے سنا کہتے تھے کہ میں حلال روزی کی غرض سے طلب معاش کے لئے نکلا۔ اور مچھلی کے شکار کا ارادہ کیا۔ جال میں ایک مچھلی آئی میں نے اس کو نکال لیا۔

پھر جال ڈالا دوسری مچھلی پڑی میں نے اس کو بھی نکال لیا۔ پھر واپس لوٹا تو مجھ کو ایک ہاتف نے آواز دی کہ اے فلاں کیا تیرے لئے فقط یہی معاش رہ گیا ہے کہ ان جانداروں کو پکڑے جو ہمارا ذکر کرتے رہتے ہیں اور تو ان کو مار ڈالتا ہے۔ یہ آواز سن کر میں نے جال پھینک دیا اور شکار چھوڑ دیا۔

مصنفؒ نے کہا کہ یہ قصد اگر سچ ہے تو یہ ہاتف شیطان ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے شکار کو مباح کر دیا ہے۔ لہذا مباح کی ہوئی چیز پر عذاب نہ فرمائے گا۔ اور کیونکر کسی سے کہا جاسکتا ہے کہ تم ایسی چیز کو کیوں ستاتے ہو جو ہمارا ذکر کرتی ہے۔ حالانکہ خود اسی نے اس چیز کا قتل جائز کر دیا ہے۔ اور کسب حلال عمدہ چیز ہے۔ اب اگر ہم شکار کرنا اور چوپاؤں کا ذبح کرنا اس وجہ سے چھوڑ دیں کہ وہ ذکر خدا کرتے ہیں تو ہمارے لئے تو وہ شے نہیں رہتی جو قوائے بدن کو قائم رکھے کیونکہ ان کا قائم رکھنے والا صرف گوشت ہے۔ پس مچھلی پکڑنے اور حیوان کے ذبح کرنے سے پرہیز رکھنا دہمعوں کا مذہب ہے۔ لہذا جمالت کو دیکھنا چاہیے کیا کرتی ہے اور شیطان کیسا دھوکہ دیتا ہے۔

فتح موصلی سے کسی نے کہا کہ تم ماہی گیری کرتے ہو۔ پھر اپنے بال بچوں کے لئے شکار کیوں نہیں کرتے؟ جواب دیا کہ مجھ کو یہ خوف ہے کہ پانی میں خدا کی عبادت کرنے والوں کا شکار کر کے لاؤں اور پھر زمین پر خدا کے نافرمان ہندوں کو کھلاؤں۔ مصنفؒ نے کہا کہ فتح موصلی کی یہ حکایت اگر درست ہے تو یہ عذر بارد ہے شرع اور عقل کے خلاف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کسب کو مباح فرمایا ہے اور لوگوں کو کسب کی طرف بلایا ہے۔ اب اگر کوئی کہنے والا کہے کہ بسا اوقات میں روٹی پکاتا ہوں اور اس کو ایک گنہگار رکھا جاتا ہے تو یہ بات لغو ہوگی۔ کیونکہ ہمارے لئے جائز ہے کہ یہود و نصاریٰ کے ہاتھ فروخت کریں۔ الہی اپنی رحمت سے ہم کو اس چیز کی توفیق دے جس سے تورا ضی ہے۔

علاج کرنے کے بارے میں صوفیہ پر تلبیس ابلیس کا بیان

مصنفؒ نے کہا کہ علماء کا اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ معالجہ کرنا جائز ہے فقط بعض کی رائے یہ ہے کہ ترک علاج عمدہ ہے۔ ہم نے اس بارے میں لوگوں کا کلام اور جو کچھ ہم کو خبر ملی ہے اپنی کتاب ”لفظ المنافع“ میں جو فن طب میں ہے بیان کیا ہے۔ اس مقام پر صرف اس قدر مقصود ہے کہ ہم یہ بیان کریں کہ جب علاج کرنے کی

باحث بالا جماع ثابت ہو گئی اور بعض علماء کے نزدیک مستحسن ٹھہرا تو ہم ان لوگوں کے قول کی طرف توجہ نہ کریں گے۔ جو کہتے ہیں علاج کرنا توکل سے خارج ہے کیونکہ اتفاق اس امر پر ہے کہ یہ بات توکل سے خارج نہیں۔ رسول اللہ ﷺ سے بروایت صحیح ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے علاج کیا اور علاج کرنے کا حکم فرمایا اور اس کی وجہ سے توکل سے نہیں نکلے۔ اور نہ اس کو توکل سے نکالا جس نے ان کو دوا کرنے کا حکم کیا صحیح بخاری میں بروایت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اجازت دی کہ حالت احرام میں اگر آشوب چشم کی شکایت ہو تو ایلوے کا لیپ کرے۔ طبری نے کہا کہ اس حدیث میں توکل کرنے والوں اور عبادت کرنے والوں کے اس قول کے فاسد ہونے پر دلیل ہے کہ جو شخص کسی مرض کی وجہ سے اپنے جسم کا کسی دوا سے علاج کرے تو اس کا توکل صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ ایسا کرنا ان کے نزدیک جس ذات پاک کے قبضہ میں عافیت ہے اور نفع و نقصان ہے اس کو چھوڑ کر دوسرے سے عافیت طلب کرنا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے جو رفع تکلیف کے لئے احرام باندھنے والے کے حق میں آنکھوں کا علاج ایلوے کے ساتھ مطلق فرمایا تو اس بات کی قوی دلیل ہے کہ توکل کے معنی وہ نہیں جو ان لوگوں نے بیان کئے ہیں جن کا قول ہم نے نقل کیا ہے اور اس امر کی دلیل ہے کہ علاج کرنے والا رضابقضائے الہی سے خارج نہیں ہوتا۔ جیسے کسی شخص کو جوع الکلب کا عارضہ ہو تو اس کا غذا کے لئے بے قرار ہونا اور اس کو رضابقضا اور توکل سے خارج نہ کرے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے موت کے سوا جو بیماری پیدا کی ہے اس کی دوا بھی ضرور اتاری ہے۔ اور مرض دور کرنے کے اسباب بنائے ہیں جس طرح کھانے کو بھوک کے زائل کرنے کا سبب قرار دیا۔ حالانکہ وہ قادر تھا کہ مخلوق کو بغیر اس کے بھی زندہ رکھے۔ لیکن اس نے مخلوق کو اہل حاجت بنا کر پیدا کیا ہے۔ لہذا ان سے بھوک کی تکلیف اسی چیز سے دور ہوگی جس کو اس کے زائل کرنے کا سبب بنایا۔ یہی حالت مرض لاحق ہے۔

تنہائی اور گوشہ نشینی اور جمعہ و جماعت ترک کرنے کے

بارے میں صوفیہ پر تلبیس ابلیس کا بیان

اگلے نیک لوگ جو تنہائی اور لوگوں سے علیحدگی اختیار کرتے تھے وہ محض اس

لئے کہ علم حاصل کرنے میں اور خدا کی عبادت میں مشغول ہوں۔ مگر ان لوگوں کی گوشہ نشینی میں یہ بات نہ تھی کہ جمعہ و جماعت میں شامل نہ ہوں۔ مریض کی عیادت نہ کریں، جنازہ کے ساتھ نہ جائیں، کسی کو حق بات نہ بتائیں یہ گوشہ نشینی محض اس لئے ہوتی تھی کہ شر سے چھل، فساد یوں سے محفوظ رہیں، برے لوگوں سے اختلاط نہ کریں۔ صوفیہ کی ایک جماعت کو شیطان نے دھوکہ دیا۔ لہذا ان میں سے بعض تو کسی پہاڑ پر راہبوں کی طرف سے الگ جا رہے۔ رات دن اکیلے رہتے ہیں۔ جمعہ اور نماز باجماعت کو چھوڑتے ہیں، اہل علم سے نہیں ملتے جلتے۔ عموماً صوفیہ رباطوں میں رہتے ہیں۔ مسجد میں نماز کے لئے نہیں آتے۔ بستر راحت پر پڑے ہوئے ہیں۔ اور کسب کو چھوڑ رکھا ہے۔ ابو حامد غزالی نے کتاب ”احیاء العلوم“ میں بیان کیا ہے کہ ریاضت سے مقصود یہ ہے کہ دل یک سو ہو جائے اور یہ بات جب ہی حاصل ہوگی کہ آدمی ایک مکان میں تنہا رہے۔ اور اگر مکان تاریک نہ ہو تو اپنا سر گریبان میں ڈالے یا کسی چادر وغیرہ سے لپیٹے۔ اس حالت میں وہ آواز حق سنے گا اور حضرت ربوبیت کے جلال کو مشاہدہ کرے گا۔

مصنفؒ نے کہا کہ ان ترتیبوں پر غور کرنا چاہیے اور تعجب یہ ہے کہ ایک فقیہ شخص سے یہ امر کیونکر صادر ہوتا ہے۔ اور اس کو یہ کیونکر معلوم ہوا کہ جو وہ سنتا ہے وہ آواز خدا ہے۔ جس کو وہ مشاہدہ کر رہا ہے جلال ربوبیت ہی ہے۔ یوں سمجھنے سے کیا مانع ہے کہ جس چیز کا اس کو وجدان ہوا وہ دوسو سے اور فاسد خیالات ہیں۔ حالانکہ جو شخص ضرورت سے کم کھانا کھائے اس کے حق میں یہ بات ظاہر ہے کیونکہ اس پر مانگو لیا غالب ہوتا ہے۔ اور بعض اوقات ایسی حالت میں آدمی دوسو اس سے محفوظ بھی رہتا ہے۔ مگر جب کہ وہ چادر اوڑھ لے اور آنکھیں بند کر لے تو اکثر چیزیں خیال میں آتی ہیں۔ کیونکہ دماغ میں تین قوتیں ہیں۔ ایک خیال کی قوت ہے دوسری فکر کی اور تیسری ذکر کی خیال کا مقام دماغ کے پردوں میں سے آگے کے دو پردے ہیں اور فکر کا مقام درمیانی پردہ ہے۔ اور ذکر و حفظ کا مقام پیچھے کا پردہ ہے جب آدمی اپنا سر جھکاتا ہے اور آنکھیں بند کر لیتا ہے تو فکر اور خیال کا جولان ہوتا ہے۔

ابو عثمان بن الادمی نے کہا کہ ابو عبیدہ سری کا قاعدہ تھا کہ رمضان شریف کی پہلی تاریخ ہوتی تو گھر میں جا کر اپنی بی بی سے کہتے تھے کہ میرے حجرے کے دروازے کو مٹی سے بند کر دو اور ہر رات روزن کی راہ سے مجھ کو ایک روٹی دے دیا کرتا، پھر جب

عید کا دن آتا تو ان کی ملی ملی اس گھر میں جا کر دیکھتی تھیں۔ تو گوشہ میں تیس روٹیاں پاتی تھیں۔ وہ نہ کھاتے نہ پیتے تھے۔ اور آخر ماہ مبارک تک ایک وضو سے رہتے تھے۔ مصنفؒ نے کہا کہ یہ قصہ میرے نزدیک دو وجہ سے صحیح نہیں ہے اول یہ کہ ایک مہینہ تک انسان کیونکر رہ سکتا ہے کہ نہ محدث ہو اور نہ وضو کرے۔ دوسرے مسلمان ہو کر جمعہ اور جماعت کی نماز چھوڑ دینا۔ حالانکہ یہ واجب ہیں اور ان کا ترک کرنا جائز نہیں۔ پھر اگر یہ حکایت درست بھی ہو تو اس شخص کے حق میں شیطان نے دھوکا دینے میں کوئی کسر نہیں اٹھار کھی۔ ابو عبد اللہ نیشاپوری کہتے ہیں کہ میں نے بارہا ابو الحسن بو سنجی صوفی کو سنا کہ جمعہ اور جماعت سے پیچھے رہ جانے اور ترک کرنے پر ان کو عتاب کیا جاتا تھا تو کہتے تھے کہ اگر فضیلت جماعت میں ہے تو سلامتی تنہائی میں ہے۔

فصل :- ایسی علیحدگی کے بارے میں جس کی وجہ سے تحصیل علم اور جہاد کفار سے محروم رہ جائے۔ ممانعت اوار د ہوئی ہے۔ قاسم نے ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ ایک لشکر میں جاتے تھے۔ ہم میں سے ایک آدمی کا گزر ایک غار پر ہوا جس میں تھوڑا سا پانی تھا۔ اس شخص نے اپنے جی میں کہا کہ میں اس غار میں مقام کروں۔ اور جو کچھ اس میں ہے اس کو قوت مقرر کروں۔ اور اس کے گرد جو سبزی پتے ہیں اس پر بسر کروں گا۔ اور دنیا سے الگ رہوں گا۔ پھر کہا کہ بہتر یہ ہے کہ میں جا کر رسول اللہ ﷺ سے عرض کروں اگر آپ اجازت دیں گے تو میں ایسا کروں گا ورنہ نہیں کروں گا۔ غرض وہ شخص آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں ایک غار پر گزرا وہاں پر پانی اور سبزی اس قدر موجود ہے جس سے میں بسر کر سکتا ہوں۔ میرے جی میں آتا ہے کہ وہاں قیام کروں اور دنیا سے علیحدہ ہو جاؤں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نصرانیت اور یہودیت کے مبعوث نہیں ہوا۔ بلکہ شریعت خالص اور آسان دین کے ساتھ مبعوث ہوا ہوں قسم اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں محمد ﷺ کی جان ہے خدا کی راہ میں صبح و شام ایک بار قدم اٹھانا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ اور تمہارے لئے جماعت کی صف میں کھڑا ہونا ساٹھ برس نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔

صوفیہ پر خشوع اور سر جھکانے اور ناموس قائم رکھنے

کے بارے میں تیس ابلیس کا بیان

مصنفؒ نے کہا جب کہ خوف الہی دل میں قرار پکڑ جاتا ہے تو ظاہر میں خشوع اور عجز و نیاز کا باعث ہوتا ہے کہ انسان اس کو ضبط نہیں کر سکتا۔ اس لئے سر جھکائے اور بالادب اور منکسر رہتا ہے سلف صالحین ایسی باتوں کے چھپانے میں کوشش کرتے تھے۔ محمد بن سیرین دن میں ہنسا کرتے تھے اور رات کو رویا کرتے تھے۔ ہمارا مقصود یہ نہیں کہ عالم کو عوام میں بیٹھ کر بے تکلفی کرنا چاہیے بلکہ اس سے تو ان کو تکلیف ہوگی۔ علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا جب تم علم کا ذکر کیا کرو تو دو قار قائم رکھو اور علم کو ہنسی کے ساتھ مخلوط نہ کرو۔ تاکہ اس کو لوگ دلوں سے نکال نہ پھینکیں۔ اس قسم کی حالت کو ریا نہیں کہتے۔ کیونکہ عوام کے قلوب علام کو کسی فعل مباح میں مبتلا دیکھ کر تاویل کرنے سے عاجز ہیں۔ لہذا چاہیے کہ خاموشی اور ادب کے ساتھ ان کے سامنے رہے۔ مذموم تو یہ ہے کہ بناوٹ سے خشوع ظاہر کرے اور رونی صورت بنائے اور سر کو جھکائے تاکہ لوگ اس کو بوازاہد سمجھیں۔ اور مصافحہ اور باتھ پر بوسہ دینے کے لئے دوڑیں۔ اور بسا اوقات جب اس سے کہا جائے کہ ہمارے لئے دعا کیجئے تو دعا مانگنے کے لئے تیار ہو جائے۔ گویا کہ وہ اجالت کو نازل کرتا ہے۔ لہذا ہم بھی کی نسبت ہم بیان کر چکے کہ ان سے کہا گیا ہمارے لئے دعا کیجئے تو ان کو بہت برا معلوم ہوا اور سخت ناگوار گزرا۔ بہت سے خوف کرنے والے ایسے ہیں جو خوف کے مارے نہایت ذلت اور شرم سے ہر کرتے ہیں اور آسمان کی طرف سر نہیں اٹھاتے حالانکہ یہ کوئی فضیلت میں داخل نہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے خشوع سے بڑھ کر کوئی خشوع نہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اکثر سر مبارک آسمان کی جانب اٹھاتے تھے۔ اس حدیث میں اس بات پر دلیل ہے کہ آیات آسمانی سے عبرت حاصل کرنے کے لئے آسمان کی طرف نظر کرنا مستحب ہے۔ وقال اللہ تعالیٰ اولم یروا الی السماء فوقہم کیف بنیناہا (ق پ ۲۶ آیت ۶) یعنی کیا آپ اوپر آسمان کو نہیں دیکھتے کہ ہم نے اس کو کس طرح بنایا ہے اور فرمایا قل انظروا ماذا فی السموات والارض یعنی دیکھو زمین اور آسمان میں کیا کیا خدا کی

نشانیاں ہیں“ ان آیتوں میں صوفیہ پر رد ہے اس دعویٰ کا کہ فلاں صوفی نے کئی سال تک آسمان کی طرف نظر نہیں اٹھائی۔

اس قوم نے اپنی بدعتوں کے ساتھ تشبیہ کی رمز کو بھی ملایا ہے۔ اور اگر یہ علم رکھتے کہ خدا سے شرمانے کے بارے میں ان کا سر جھکانا سر اٹھانے کے برابر ہے تو ایسا نہ کرتے لیکن ابلیس کا شغل یہ ہے کہ جاہلوں کے ساتھ کھیل کرتا ہے، باقی رہے علماء تو ان سے ابلیس دور رہتا ہے اور بہت ڈرتا ہے۔ کیونکہ وہ اس کی تمام کیفیت سے واقف ہیں اور اس کے مکرو فن سے احتراز کرتے ہیں۔ ابو مسلمہ بن عبد الرحمن سے روایت ہے کہ اصحاب رسول اللہ ﷺ منحرف اور شرمیلے نہ تھے اور اپنی مجلسوں میں شعر و اشعار پڑھا کرتے تھے۔ اور اپنی جاہلیت کی حالت بیان کیا کرتے تھے۔ پھر جب کسی کے سامنے اس کے امر دین کا ذکر آتا تھا تو اس کی آنکھوں کے ڈھیلے ایسے پھرتے تھے گویا کہ وہ دیوانہ ہے۔ کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کسی شخص کو دیکھا کہ سر جھکائے ہوئے تھا۔ فرمایا اے فلاں سر اٹھا۔ کیونکہ جس قدر خشوع دل میں ہے اس سے زیادہ نہیں ہوتا۔ اور جس شخص نے اپنے دلی خشوع سے زیادہ لوگوں کے سامنے خشوع ظاہر کیا تو اس نے نفاق پر نفاق ظاہر کیا۔ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے کسی شخص نے سانس بھر اگواہہ غمگین بنا تو آپ نے اس کو گھونسا مارا یا لات ماری ان ابن ابی خثیمہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ شفاعت عبد اللہ نے کچھ لوگوں کو دیکھا جو آہستہ چلتے تھے۔ اور نرم آواز سے گفتگو کرتے تھے۔ پوچھنے لگیں کہ یہ کیا بات ہے حاضرین بولے کہ عابد لوگ کہنے لگیں کہ واللہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب گفتگو کرتے تھے تو سب کو سناتے تھے اور جب چلتے تھے تو تیز قدم اٹھاتے تھے۔ اور جب کسی کو مارتے تھے تو درد میں مبتلا کر دیتے تھے۔ حالانکہ آپ سچے عابد تھے۔

مصنفؒ نے کہا کہ سلف اپنا احوال چھپاتے تھے اور ترک تصنع میں تصنع کرتے تھے ایوب سختیانیؒ کی نسبت ہم بیان کر چکے ہیں کہ ان کے لباس میں کسی قدر طول تھا۔ تاکہ حال پوشیدہ رہے۔ سفیان چوڑی کہا کرتے تھے کہ میرے اعمال جو ظاہر ہو گئے ان کو شمار نہیں کرتا۔ سفیانؒ نے کسی کو نماز پڑھتے دیکھ کر کہا کہ اس نماز کا تجھ کو کیا اجر ملے گا جسے آدمی دیکھ رہے ہیں ابو امامہؒ نے کہا کسی شخص کو سجدہ میں دیکھ کر کہا کہ یہ سجدہ کیا خوب ہوتا اگر تیرے گھر میں ہوتا۔ حسین بن عمارہ کی مجلس میں کسی نے آہ کی۔ لوگ کہتے ہیں کہ حسین اس کو دیکھنے لگے اور پوچھنے لگے کہ یہ کون آدمی ہے حتیٰ کہ خیال کیا

کہ اگر اس شخص کو پہچان جائیں گے تو اس کے بارے میں کچھ حکم لگائیں گے۔ حرمہ سے روایت ہے کہ شافعیؒ کو میں نے سنا کہ یہ شعر پڑھتے تھے۔

ودع الذین اذا اتوك تنكسوا

واذا خلوا فهم ذئاب خفاف

(ترجمہ) ایسے لوگوں کو ترک کرو جو کہ جس وقت تمہارے پاس آئیں تو سر جھکا لیں اور جب علیحدہ ہوں تو چالاک بھیڑیے بن جائیں۔

ابراہیم بن سعید نے کہا کہ میں خلیفہ مامون رشید کی خدمت میں کھڑا تھا۔ مجھے آواز دی کہ اے ابراہیم! میں نے جواب دیا ہاں حضور! کہا کہ دس اعمال نیک ایسے ہیں کہ خدا کے پاس نہیں پہنچتے ہیں ان میں کچھ بھی اللہ تعالیٰ کی جناب میں مقبول نہیں۔ میں نے پوچھا امیر المومنین وہ کیا ہیں؟ جواب دیا کہ ابراہیم بن برہہ کا منبر پر چڑھ کر رونا، عبدالرحمان بن اسحاق کا خشوع، ان بن سماعہ کے چہرہ کا درویشی سے متغیر ہو جانا، ان بن خبیوہ کا رات کو نماز پڑھنا، عیاش کا چاشت کی نماز ادا کرنا، ان بن سندی کا پیر اور جمعرات کے دن روزہ رکھنا، ابو رجاء کا حدیث بیان کرنا، حاجی کی قصہ گوئی، حصویہ کا صدقہ اور یعلیٰ بن قریش کی کتاب التیامی۔

صوفیہ پر ترک نکاح کے بارے میں تلخیص ابلیس کا بیان

مصنفؒ نے کہا کہ خوف زنا کی حالت میں نکاح کرنا واجب ہے اور اگر زنا کا خوف نہ ہو تو سنت موکدہ ہے۔ یہی جمہور فقہاء کا مذہب ہے۔ اور امام ابو حنیفہؒ اور امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ ایسی حالت میں نکاح تمام نوافل سے افضل ہے کیونکہ وجود اولاد کا سبب ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نکاح کرو اور نسل بڑھاؤ اور فرمایا کہ نکاح میری سنت ہے اب جو شخص میری سنت سے منہ موڑے گا وہ مجھ سے نہیں۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمان بن مظعون کو ترک نکاح سے منع فرمایا۔ اور اگر آپ ان کو اجازت دے دیتے تو ہم لوگ خسی ہو جاتے۔ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اصحاب رسول اللہ ﷺ میں سے ایک جماعت نے ازواج مطہرات سے دریافت کیا کہ رسول اللہ ﷺ گھر میں کیونکر عمل فرماتے ہیں؟ ازواج مطہرات نے بیان کیا۔ تو صحابہ میں سے بعض نے کہا کہ میں عورتوں سے نکاح نہ کروں گا، بعض بولے کہ میں گوشت نہ کھاؤں گا۔ بعض کہنے لگے کہ

میں رات کو چھوٹنے پر نہ سوؤں گا۔ بعض نے عہد کیا کہ ہمیشہ روزہ رکھوں گا کبھی افطار نہ کروں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ باتیں سن کر خطبہ پڑھا۔ اور حمد و ثناء کے بعد فرمایا کہ یہ لوگ کس قسم کے ہیں جو ایسا ایسا ارادہ کرتے ہیں۔ میں رات کو نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ جو شخص میری سنت سے برگشتہ ہو گا وہ مجھ سے نہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ اس امت میں سب سے افضل ترین وہ تھے جن کی بیویاں سب سے زیادہ تھیں۔ یعنی رسول اللہ ﷺ، شداد بن اوس نے کہا کہ میری شادی کر دو کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ کو وصیت فرمائی ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے من ہیابانہ جاؤں۔ محمد بن راشد نے ہم سے بیان کیا کہ مکحول نے ایک آدمی سے روایت کیا کہ ابو ذر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک شخص آیا جس کا نام عکاف بن بشر تھیں ہلائی تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے عکاف تمہارے کوئی غی می ہے؟ عرض کیا نہیں۔ دریافت فرمایا کہ کوئی لونڈی ہے؟ جواب دیا نہیں۔ استفسار فرمایا کہ تم فارغ البال ہو؟ کہا ہاں میں خوشحال ہوں۔ ارشاد فرمایا کہ تو اس وقت شیطان کا بھائی ہے اگر تو نصاریٰ میں سے ہوتا تو کوئی راہب ہوتا۔ ہماری سنت نکاح ہے۔ تم لوگوں میں برے لوگ بن گیا ہے ہیں۔ اور مرنے والوں میں رذیل تر وہ ہیں جو بن گیا ہے مرتے ہیں۔ صالحین کے لئے شیاطین کے پاس ترک نکاح سے بڑھ کر کوئی ہتھیار زیادہ کارگر نہیں ہے۔ ابو بکر المروزی نے ہم سے بیان کیا کہ میں نے احمد بن حنبلؒ سے سنا کہتے تھے کہ بن میابار ہنا امور اسلام سے کسی میں داخل نہیں کیونکہ خود رسول اللہ ﷺ نے چودہ نکاح کئے اور نو بیویاں چھوڑ کر وفات پائی پھر کہا اگر بشر بن الحارث شادی کر لیتے تو ان کے سب کام پورے ہو جاتے اور اگر آدمی نکاح کرنا چھوڑ دیتے تو نہ جہاد کرتے اور نہ حج کرتے اور نہ یہ ہوتا اور نہ وہ ہوتا۔ رسول اللہ ﷺ کی یہ حالت تھی کہ اکثر اوقات آپ ﷺ کے گھر میں کچھ کھانے پکانے کو نہ ہوتا تھا اس پر بھی آپ نکاح کو پسند فرماتے تھے اور لوگوں کو اس کی ترغیب دیتے تھے اور ترک نکاح سے منع فرماتے تھے۔ اب جو شخص رسول اللہ ﷺ کے فعل مبارک سے پھر جائے وہ کبھی حق پر نہیں۔ یعقوب علیہ السلام نے غم و ملال کی حالت میں بھی نکاح کیا۔ اور آپ کی اولاد ہوئی۔ اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ کو عورتوں کی محبت دی گئی ہے۔ لہذا ہم بن اویس سے نقل ہے کہ ایک نے ان سے شکایت کی کہ میں نے میاہ کیا تو عیال کی وجہ سے بلائیں پڑ گئیں۔ بنوز

اس نے کلام پورا نہ کیا تھا کہ ابراہیمؑ نے اس کو بلند آواز سے ڈانٹا اور کہا کہ ہم نے راہ دیکھ لی ہے خدا تجھے عافیت میں رکھے۔ تو اس طریقہ پر نظر کر جس پر حضرت علیؑ اور آپ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم تھے۔ پھر کہا کہ چہ کا اپنے باپ سے رو کر روٹی مانگنا ایسی اور ایسی فضیلت رکھتا ہے یہ باتیں بنایا ہے عابد کو کب حاصل ہیں۔

فصل :- ایلیس نے اکثر صوفیہ کو دھوکا دیا اور ان کو نکاح سے باز رکھا۔ لہذا قدمائے صوفیہ نے عبادت میں مشغول ہونے کی وجہ سے نکاح کو ترک کیا اور سمجھے کہ نکاح عبادت الہی سے پھیر دیتا ہے۔ یہ لوگ اگر نکاح کی حاجت رکھتے تھے یا کسی قسم کا رجحان اس طرف تھا تو ضرور اپنے جسم اور دین کو خطرے میں ڈالا۔ اور اگر ان کو نکاح کی ضرورت نہ تھی تو فضیلت سے محروم رہے۔ سینکڑوں میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے عضو مخصوص میں بھی صدقہ ہے صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم میں سے ایک شخص اپنی خواہش پوری کرتا ہے اس پر بھی اجر ملتا ہے؟ فرمایا بھلا یہ تو بتاؤ کہ اگر اس خواہش کو حرام جگہ پوری کرتا تو کنگھار ہوتا۔ ”عرض کیا ہاں“ فرمایا کہ پھر تم لوگ برائی کو شمار کرتے ہو اور خیر کا خیال نہیں رکھتے۔“

صوفیہ میں سے بعض کا قول ہے کہ نکاح کی وجہ سے نان و نفقہ لازم آتا ہے اور کسب کرنا دشوار ہے، یہ حجت فقط کسب کی محنت سے جان چرانے کے لئے ہے، صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک دینار وہ ہے کہ تم خدا کی راہ میں صرف کرتے ہو، ایک دینار وہ ہے جو غلام و بردہ کے لئے خرچ کرتے ہو، ایک دینار وہ ہے جو صدقہ دیتے ہو، ایک دینار وہ ہے جو اپنے اہل و عیال پر صرف کرتے ہو سب سے افضل وہی دینار ہے جو اپنے اہل و عیال پر خرچ کرتے ہو۔

صوفیہ میں سے بعض وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ نکاح دنیا کی رغبت کا باعث ہوتا ہے، ابو سلیمان دارانی سے ہم روایت کرتے ہیں کہ کہا جس وقت آدمی حدیث طلب کرے یا طلب معاش میں سفر کرے تو وہ دنیا کی طرف جھکتا ہے، مصنفؒ نے کہا کہ یہ سب شریعت کے مخالف ہے بھلا حدیث کیونکر نہ طلب کی جائے حالانکہ طالب علم کے لئے فرشتے اپنے پروں کو بچھا دیتے ہیں اور طلب معاش کیوں نہ کی جائے حالانکہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر میں اسی حالت میں مردوں کو اپنی محنت سے روزی تلاش کرتا ہوں تو مجھ کو اس سے زیادہ پسند ہے کہ خدا کی راہ میں غازی ہو کر مروں اور بھلا شادی کس طرح نہ کی جائے، حالانکہ صاحب شرع نے فرمایا ہے کہ تم نکاح کرو اور نسل بڑھاؤ، میرے نزدیک یہ سب اوصاف خلاف شریعت ہیں۔

ابو حامد نے کہا صوفیہ میں سے ایک جماعت نے نکاح ترک کر دیا ہے تاکہ زاہد مشہور ہوں اور عوام لوگ صوفی کی بہت تعظیم کرتے ہیں جب کہ اس کی کوئی فی ملی نہ ہو اور کہتے ہیں کہ فلاں بزرگ نے کبھی عورت کی شکل بھی نہیں دیکھی یہ رہبانیت ہماری شریعت کے خلاف ہے۔

تکریبی نے کہا مرید کو چاہیے کہ اپنے آپ کو شادی کی طرف مشغول نہ کرے کیونکہ نکاح اس کو سلوک سے باز رکھے گا اور جو رو سے مانوس رکھے گا اور جو شخص غیر خدا سے مانوس ہو وہ خدا تعالیٰ سے پھر گیا، مصنف نے کہا مجھ کو اس شخص کے کلام پر سخت تعجب ہے اس کو اتنی خبر نہیں کہ جو انسان اپنے نفس کی عفت اور اولاد ہونا چاہے گا اور اپنی فی ملی کی عصمت قائم رکھنے کی کوشش کرے گا تو وہ راہ سلوک سے خارج نہ ہو گا بھلا کیا جو رو سے طبعی انس ہونا عبادت خدا کی طرف انس دلی ہونے کے منافی ہے حالانکہ خود اللہ تعالیٰ نے مخلوق پر احسان فرمایا چنانچہ ارشاد ہوتا ہے جعل لکم من انفسکم ازواجاً (الثوریٰ پ ۲۵ آیت ۱۱) یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں میں سے تمہارے لئے جوڑ پیدا کئے تاکہ تم کو ان سے آرام ملے اور تم میں باہمی محبت اور رحمت پیدا کر دی۔

حدیث صحیح میں جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ اے جابر رضی اللہ عنہ تم نے باکرہ سے شادی کیوں نہیں کی تاکہ تم اس کے ساتھ کھیلتے وہ تمہارے ساتھ کھیلتی رسول اللہ ﷺ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو ایسی چیز کی ہدایت نہ کرتے جو ان کو انس الہی سے جدا کر دیتی، خود رسول اللہ ﷺ ازواج مطہرات کے ساتھ خوش طبعی فرماتے تھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ دوڑتے تھے بھلا کیا یہ امور انس الہی سے خارج تھے بلکہ یہ سب جہالت کی باتیں ہیں۔

فصل :- جاننا چاہیے کہ جو ان جو ان صوفیہ جب کہ ترک نکاح پر مداومت کرتے ہیں تو ان کے تین قسمیں ہو جاتی ہیں، قسم اول حسب منی کے مرض

میں گرفتار ہو جاتے ہیں کیونکہ منی جب مدت دراز تک بند رہتی ہے تو اس کا زہریلا اثر دماغ کو چڑھ جاتا ہے، ابو بکر محمد بن زکریا رازی کہتے ہیں کہ میں ایک قوم کو پہچانتا ہوں کہ ان میں منی بہت تھیں، پھر جب انہوں نے فلسفیت کی وجہ سے اپنے آپ کو روکا تو ان کی شہوتیں کم ہو گئیں اور ان کے جسموں میں برودت آگئی اور ان کی حرکات اور ہضم میں دشواری پڑ گئی اور کہا میں نے ایک شخص تارک جماع کو دیکھا کہ اس کی خواہش طعام زائل ہو گئی تھی اور یہ حالت ہو گئی کہ اگر تھوڑا سا کھاتا تھا تو اس کو ہضم نہیں ہوتا تھا بلکہ قے کر دیتا تھا، پھر جب اپنی جماع کی عادت کی طرف رجوع کیا تو یہ بیماریاں فوراً زائل ہو گئیں۔

دوسری قسم یہ کہ جس چیز کو وہ ترک کرتے ہیں آخر میں اس پر تل جاتے ہیں، صوفیہ میں بہت سے ایسے ہیں کہ ترک نکاح پر صبر کیا اور منی جمع رہی پھر حرکت میں آئی تو وہ لوگ مبتلا ہو گئے اور دنیا سے جس قدر بھاگتے تھے اس سے کئی حصہ زیادہ میں گرفتار ہو گئے ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص بہت دیر تک بھوکا رہا پھر جس قدر بھوک کی مدت میں چھوڑا تھا سب کھایا۔

تیسری قسم یہ کہ لڑکوں کی صحبت اختیار کرتے ہیں، اکثر صوفیہ میں سے وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو نکاح سے ناامید کر دیا اور منی نے مجتمع ہو کر ان کو مضطرب کیا تو انکی یہ حالت ہو گئی کہ مردوں کی صحبت سے راحت حاصل کرنے لگے۔

فصل :- صوفیاء میں سے ایک کو شیطان نے فریب دی کہ انہوں نے نکاح کیا اور کہنے لگے ہم شہوت کے خیال سے نکاح نہیں کرتے، اگر اس قول سے ان کی یہ مراد ہے کہ طلب نکاح سے زیادہ تر ہمارا مقصود ادائے سنت ہے تو جائز ہے اور اگر یہ مطلب ہے کہ نفس نکاح کی ان کو خواہش نہیں تو دروغ ظاہر ہے۔

فصل :- بعض لوگوں کو جہل نے اس بات پر آمادہ کیا کہ انہوں نے عضو تناسل کو کاٹ ڈالا اور محبوب ہو گئے اور خیال کرتے ہیں کہ انہوں نے خدا تعالیٰ سے شرمانے کی وجہ سے ایسی حرکت ظاہر کی حالانکہ یہ نہایت حماقت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جنس ذکر کو جنس اناث پر اسی عضو کے سبب سے شرف بخشا ہے اور یہ عضو اس لئے پیدا کیا کہ نسل قائم رہے اب جو شخص اپنے آپ کو محبوب بناتا ہے گویا زبان حال سے کہتا ہے کہ راہ صواب اس کے خلاف ہے پھر اس کے اس عضو کاٹ ڈالنے سے نفس سے

شہوت نکاح زائل نہیں ہوتی لہذا ان کا مطلب حاصل نہ ہوا۔
طلب اولاد ترک کرنے کے بارے

میں صوفیہ پر تلمیس ابلیس کا بیان

ابو الحواری نے کہا میں نے ابو سلیمان دارانی سے سنا کہتے تھے کہ جو شخص فرزند کی خواہش رکھتا ہے وہ احمق ہے نہ دنیاوی نفع ہے نہ دینی فائدہ ہے کیونکہ اگر کھانا اور سونا اور جماع کرنا چاہے گا تو اس لڑکے کی وجہ سے اس کے عیش میں خلل آئے گا اور اگر خدا کی عبادت کا ارادہ کرے گا تو وہ لڑکا اس کو مشغول کر دے گا۔

مصنفؒ نے کہا کہ یہ بہت بڑی غلطی ہے جس کا بیان یہ ہے کہ ایجاد دنیا سے اللہ تعالیٰ کی مراد چونکہ یہ تھی کہ ميعاد مقررہ تک مدامت پائی جائے اور انسان کے قیام کا زمانہ دنیا میں بہت کم مدت تک ہے لہذا اللہ تعالیٰ نے آدمی میں سے اسی کی مثل پیدا کرنا چاہا، پس اس کو اس کے سبب پر برا بیچنے کیا کبھی طبعی طور پر آتش شہوت بھڑکا دی اور کبھی از روئے شرع کا حکم فرمایا وانکحوا الایامی منکم (النور پ ۱۸ آیت ۳۲) یعنی بن مہیا ہوں کی شادی کر دو، اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نکاح کرو اور نسلیں بڑھاؤ کیونکہ میں قیامت کے دن تمہاری کثرت کی وجہ سے اور امتوں پر فخر کروں گا خواہ حمل کا گرا ہوا چہ ہی کیوں نہ ہو، خود انبیاء علیہم السلام نے اولاد طلب کی ہے اور صالحین نے جو اولاد کے لئے اسباب پیدا کئے ہیں، ہر اوقات مباشرت و جماع کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس سے ایسا لڑکا پیدا ہوتا ہے جیسے امام ابو حنیفہؒ اور ابو یوسفؒ اور محمدؒ اور شافعیؒ اور احمدؒ ایسا جماع ہزار برس کی عبادت سے بہتر ہو جاتا ہے، خود حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ جو رو سے جماع کرنے والا اولاد کو نفقہ دینے والا اور جس شخص کا لڑکا مر جائے اور جو شخص اولاد چھوڑ مرے ثواب پاتے ہیں، اب جو شخص طلب اولاد سے روگردانی کرے تو سنت اور افضل کے خلاف کرتا ہے اور صرف آرام کا طریقہ چاہتا ہے۔

جیندہ کا قول ہے کہ اولاد شہوت حلال کا عذاب ہے پھر شہوت حرام کے عذاب کو تم کیا کچھ خیال کرتے ہو، مصنفؒ نے کہا یہ غلط ہے کیونکہ مباح کا نام عذاب رکھنا برا ہے اس لئے کہ جو چیز مباح ہے اس سے جو نتیجہ نکلے تو عذاب کیونکر ہوگا، شریعت جس امر کی طرف پکارتی ہے اس کا حاصل کرنا تو ثواب ہو کر رہتا ہے۔

سیر و سیاحت کے بارے میں صوفیہ

پر تلبیس ابلیس کا بیان

اکثر صوفیہ کو شیطان نے فریب دیا تو ان کو سیاحت کے لئے نکالانہ تو کسی خاص مقام کا ارادہ ہوتا ہے نہ طلب علم کی غرض ہوتی ہے بہت سے تہا نکلے ہیں اور اپنے ساتھ زاد سفر نہیں لیتے اور اس حرکت سے توکل کا دعویٰ کرتے ہیں اکثر فرائض اور فضائل ان سے فوت ہو جاتے ہیں اور وہ خیال کرتے ہیں کہ اس سیاحت میں عبادت پر قائم ہیں اور اس کی بدولت ولایت کے قریب ہو جاتے ہیں، حالانکہ یہ لوگ نافرمان اور مخالف ہیں، سفر و سیاحت اور کسی خاص مقام پر جاننا رسول اللہ ﷺ نے بغیر حاجت کے دوڑ دھوپ سے منع فرمایا، رسول مقبول ﷺ نے فرمایا کہ زمام اور خرام اور رہبانیت اور تبتل اور سیاحت یہ چیزیں اسلام میں نہیں، لکن تمیہ نے کہا کہ زمام نکیل ڈالنے کو کہتے ہیں اور حزام بالوں کا حلقہ ہوتا ہے جو اونٹ کے تھنوں کی ایک طرف ڈالا جاتا ہے آنحضرت ﷺ کی مراد اس سے وہ ہے جو کہ بنی اسرائیل میں عبادت کرنے والے کیا کرتے تھے کہ گلے کی ہنسی میں حلقہ ڈالتے تھے اور ناک میں نکیل ڈالتے تھے اور تبتل کے معنی ترک نکاح ہیں اور سیاحت یہ ہے کہ شہر کو چھوڑ دے اور روئے زمین میں گھومتا پھرے، ابو داؤد نے سنن میں حدیث ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ایک آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھ کو سیاحت کی اجازت دیجئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کی سیاحت جہاد فی سبیل اللہ ہے، مصنف نے کہا کہ حضرت عثمان ابن مظعون کی حدیث ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ انہوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میرا جی چاہتا ہے کہ میں زمین میں سیاحت کروں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا اے عثمان ٹھہرو کیونکہ میری امت کی سیاحت جہاد اور حج اور عمرہ ہے، اسحاق بن ابراہیم نے احمد بن حنبل سے روایت کیا ہے کہ کسی نے ان سے دریافت کیا کہ جو شخص سیاحت کے ساتھ عبادت کرے آپ اس کو پسند کرتے ہیں یا جو شخص شہر میں مقیم ہے، احمد بن حنبل نے جواب دیا کہ سیاحت نہ اسلام میں سے کوئی چیز ہے اور نہ انبیاء و صالحین کا فعل ہے۔

فصل :- باقی رہا تہا سفر میں جانا، تو رسول اللہ ﷺ نے تہا سفر کرنے سے منع فرمایا، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تہا جنگل

میں چلنے والے پر لعنت کی۔

فصل :- صوفیہ رات کو تنہا چلتے ہیں حالانکہ یہ ممنوع ہے کیونکہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر لوگ تنہائی کا نقصان جانتے تو کبھی کوئی شخص رات کو تنہا نہ نکلتا اور فرمایا کہ جب رات قرار پکڑے تو تم نہ نکالا کرو کیونکہ رات میں اللہ تعالیٰ جو کچھ چاہتا ہے اپنی مخلوق میں سے پھیلاتا ہے۔

فصل :- مصنفؒ نے کہا کہ اکثر صوفیہ وہ ہیں جنہوں نے سفر اپنا شیوہ بنا رکھا ہے حالانکہ سفر فی نفسہ مقصود نہیں ہوا کرتا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سفر ایک عذاب کا ٹکڑا ہے جب تم سفر میں اپنی حاجت پوری کر چکو تو اپنے گھر جلدی آؤ اب جو شخص سفر کو اپنا شیوہ بنالے تو وہ اپنی جان کو بھی عذاب میں ڈالتا ہے اور اپنی عمر بھی ضائع کرتا ہے اور یہ دونوں مقصود فاسد ہیں کہتے ہیں ابو حمزہ خراسانی نے بیان کیا کہ میں احرام کی حالت میں رنج و مشقت اٹھاتا رہا۔ ہر برس ہزار فرسخ سفر کرتا تھا آفتاب مجھ پر طلوع کرتا تھا اور غروب ہوتا تھا جب میں حلال ہوتا تھا تو پھر احرام باندھ لیتا تھا الہی! ہم تجھ سے اس چیز کی توفیق چاہتے ہیں جو ہم سے تجھ کو راضی کرے۔

بغیر زاد سفر کے ویرانوں میں جانے کے بارے

میں صوفیہ پر تلبیس ابلیس کا بیان

مصنفؒ نے کہا کہ ابلیس نے صوفیہ کی جماعت کثیر کو دھوکہ دیا اور ان کو شبہ میں ڈالا کہ ترک زاد سفر کو توکل کہتے ہیں، ہم پیشتر اس کا فساد بیان کر چکے ہیں، لیکن یہ بات جملائے قوم میں پھیلی ہوئی ہے اور احمق قصہ گو بطور مدح کے صوفیہ کی حکایتیں ایسے توکل کی نسبت بیان کرتے ہیں گویا اس حرکت پر مبتدیوں کو ترغیب دیتے ہیں اس قوم کی ایسی حرکتوں سے اور ان جاہلوں کی تعریف سے حالات خراب ہو گئے اور صحیح راہ عوام سے پوشیدہ ہو گئی اس بارے میں ان سے بہت کچھ منقول ہے، ہم ان میں سے کچھ بیان کرتے ہیں۔

علی بن سہل بصریؒ نے بیان کیا کہ فتح موصلی نے مجھ سے بیان کیا کہ میں حج کو چلا جب ٹھیک میدان میں پہنچا تو ناگاہ ایک چھوٹا لڑکا دیکھا میں نے جی میں کہا کہ اللہ اکبر

یہ جنگل میدان اور یہ ویران زمین اور یہاں یہ چھوٹا چھوٹا قدم بڑھا کر اس کے پاس گیا اور اس کو سلام کیا، پھر اس سے کہا کہ بیٹا تم چھوٹے بچے ہو احکام شریعت تم پر جاری نہیں ہوئے کہنے لگا اے بزرگوار مجھ سے بھی چھوٹی عمر کے بچے مرچکے ہیں میں نے کہا قدم بڑھا کر چلو کیونکہ راستہ دور ہے تاکہ تم منزل تک پہنچ جاؤ وہ بولا کہ چچا جان میرے اختیار چلنا ہے اور خدا کے اختیار پہنچا دینا ہے کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا فرمان نہیں پڑھا کہ والذین جاهدوا فینا لنھدینھن سبیلنا (مکھوت پ ۲۱ آیت ۶۹) یعنی جو لوگ ہمارے لئے محنت اٹھاتے ہیں ہم ان کو اپنی راہیں بتاتے ہیں۔ میں نے پوچھا یہ کیا وجہ کہ میں تمہارے پاس توشہ اور سواری نہیں دیکھتا جواب دیا کہ اے چچا توشہ میرا یقین ہے اور سواری میری امید ہے میں نے کہا کہ میں تم سے روٹی اور پانی کے بارے میں پوچھتا ہوں کہنے لگا کہ اے چچا یہ تو بتائیے کہ اگر آپ کو کوئی آپ کا دوست یا بھائی اپنے مکان پر بلائے تو آپ یہ پسند کرتے ہیں کہ اپنے ساتھ اپنے گھر سے کھانا لے جائے اور اس کے مکان پر جا کر کھائے میں نے اس سے کہا کہ میں تم کو توشہ دے دوں کہنے لگا اے جھوٹی میرے پاس سے دور ہو اللہ تعالیٰ ہم کو کھلاتا پاتا ہے فتح موصی کہتے ہیں کہ اس لڑکے سے زیادہ میں نے کوئی چھوٹا بچہ صاحب توکل اور کوئی بڑا آدمی اس سے بڑھ کر زاہد نہیں دیکھا۔

مصنف نے کہا کہ ایسی ہی حکایتیں امور کو فاسد کرتی ہیں اور خیال ہوتا ہے کہ یہی راہ صواب ہے اور بڑا آدمی کہنے لگتا ہے کہ جب چھوٹے بچے نے ایسا کیا تو میں اس سے زیادہ مستحق ہوں کہ ایسا کروں اس لڑکے پر تو کچھ تعجب نہیں بلکہ عجب تو اس شخص پر ہے جو اس سے ملا اس کو کیوں نہ بتایا کہ یہ جو حرکت وہ کر رہا ہے خلاف شرع ہے اور کیوں نہ کہا کہ جس نے تجھ کو بلایا ہے اسی نے توشہ لینے کا حکم دیا ہے اور اسی کے مال میں سے توشہ لیا جاتا ہے لیکن قباحت تو یہ ہے کہ بڑوں کا خود یہ طریقہ ہے چھوٹوں کا کیا ذکر۔

ابو عبد اللہ الجلاء سے کسی نے ان لوگوں کے بارے میں سوال کیا جو بغیر توشہ اور اسباب کے جنگل میں جاتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ وہ اہل توکل ہیں اور وہیں جنگلوں میں مر جاتے ہیں جواب دیا کہ یہ کام اہل حق کا ہے اگر وہ مر جائیں تو خون بہا قاتل پر ہوگا مصنف نے کہا کہ یہ فتویٰ ایسے شخص کا ہے جو شریعت سے ناواقف ہے کیونکہ متفقہ طور پر فقہائے اسلام کے نزدیک جنگل میں بغیر توشہ کے داخل ہونا منہر ہے

اور جس شخص نے ایسا کیا اور بھوک کے مارے مر گیا تو وہ اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہے اور دوزخ میں پڑنے کا مستحق ہے، اسی طرح جب کہ ایسی چیز کا سامنا کرے جس سے گمان غالب ہلاکت کا ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نفوس کو ہمارے پاس امانت رکھا ہے اور فرمایا ہے لا تقتلوا انفسکم (النساء پ ۵ آیت ۲۹) یعنی اپنی جانوں کو ہلاک نہ کرو۔ ہم اس بارے میں پہلے ہی کلام کر چکے ہیں کہ آزار دینے والی چیز سے پرہیز کرنا واجب ہے، اگرچہ یہ حکم اس مسافر کے لئے نہیں جو بغیر توشہ سفر کرے لیکن اس فرمان باری تعالیٰ کے خلاف کرتا ہے کہ نزودوا یعنی تم توشہ لے کر سفر کیا کرو۔

عبداللہ بن حنیف نے کہا کہ میں اپنے تیسرے سفر میں شیراز سے چلا اور جنگل میں تنہا سویا بھوک اور پیاس کی تکلیف مجھ کو اس قدر پہنچی کہ میرے آٹھ دانت گر پڑے اور سارے بال جھڑ گئے، مصنفؒ نے کہا کہ اس شخص نے اپنا قصہ ایسا بیان کیا جس سے بظاہر اپنے فعل پر مدح چاہتا ہے حالانکہ مذمت کا زیادہ سزاوار ہے۔

ابو حمزہ صوفی نے کہا کہ مجھ کو خدا سے حیا آتی ہے کہ آسودہ شکم ہو کر جنگل کو جاؤں اور توکل کا دعویٰ کروں ایسا نہ ہو کہ میری شکم سیری ایک توشہ ہو جائے جو مکان سے لے کر چلا تھا، مصنفؒ نے کہا کہ اس قسم کے بارے میں پیشتر کلام ہو چکا ہے، ان لوگوں کا خیال ہے کہ توکل ترک اسباب کا نام ہے اگر ایسا ہوتا تو رسول اللہ ﷺ جب توشہ باندھ کر غار کو تشریف لے گئے تھے، توکل سے نکل جاتے، اسی طرح حضرت موسیٰ جب خضر علیہ السلام کی تلاش کو نکلے اور مچھلی ساتھ لے گئے اور اصحاب کف جب شہر سے چلے تو کچھ درم پیاس رکھتے تھے۔

اصل بات یہ ہے کہ اس قوم کی سمجھ میں توکل کے معنی ہی نہیں آئے لہذا جاہل رہے ابو حامد نے ان لوگوں کے لئے عذر نکالا ہے اور کہا ہے کہ جنگل میں بغیر توشہ کے جاناد و شرط سے جائز ہے ایک یہ کہ انسان کو اپنے نفس پر اس قدر اعتماد ہو کہ کھانے سے کم و بیش ایک ہفتہ صبر کر سکے، دوسرے یہ کہ اس کے لئے ممکن ہے کہ وہ گھاس پتے کھا سکے، جنگل اس بات سے خالی نہ ہو گا کہ یا تو بعد ایک ہفتہ کے اس کو کوئی آدمی مل جائے یا جنگل میں اترے ہوئے لوگوں یا گھاس کے پاس پہنچ جائے جس سے اپنا وقت کاٹ لے۔

میں کہتا ہوں بہت بری بات اس قول میں یہ ہے کہ ایک سمجھدار عالم سے صادر ہوا ہے کیونکہ کبھی کسی سے ملاقات نہیں ہوتی ہے اور کبھی راستہ بھول جاتا ہے اور

کبھی ہمار پڑ جاتا ہے تو اس کے لئے گھانس موافق نہیں ہوتی ہے اور کبھی ایسے شخص سے ملاقات ہوتی ہے جو اس کو کھانا نہیں دیتا اور اس شخص کے پاس جاتا ہے جو اس کی مہمانداری نہیں کرتا اور ہو سکتا ہے کہ وہ شخص مر جائے اور کوئی آدمی اس کے پاس نہ آئے علاوہ ازیں ہم ذکر کر چکے کہ تنہا سفر کرنا کیا حکم رکھتا ہے اور کیا حاجت ہے ان مصیبتوں کے برداشت کرنے کی کہ بھروسہ کرے عادت پر یا کسی شخص کی ملاقات پر یا گھاس کی روٹی پر اور کون سی فضیلت ہے اس حالت میں کہ انسان اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالے اور کہاں انسان کو حکم ہے کہ وہ گھاس کو کھانا مقرر کرے اور سلف میں سے کسی شخص نے ایسا کیا ہے اور گویا کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی آزمائش کرتے ہیں کہ آیا ان کو جنگل میں روزی دیتا ہے۔ یا نہیں (نعوذ باللہ من ذالک) اور جو شخص جنگل میں کھانا طلب کرتا ہے وہ غیر عادی چیز کو تلاش کرتا ہے کیا تم کو خبر نہیں کہ موسیٰ کی قوم نے جب ساگ اور کلڑی کی درخواست کی تو ان کو حکم ہوا اہبطوا مصر یعنی شہر میں اترو۔ اور یہ ارشاد اسی لئے ہوا تھا کہ جو چیزیں انہوں نے طلب کی تھیں وہ شہروں ہی میں ہوتی ہیں لہذا یہ لوگ نہایت خطا پر ہیں اور شرع اور عقل کے مخالف ہیں اور موافق نفس کے عمل کرتے ہیں۔

عمرہ رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ اہل یمن حج کو آتے تھے اور توشہ ساتھ نہ لاتے تھے اور کہتے کہ ہم اہل توکل ہیں وہ لوگ حج کرتے تھے اور مکہ میں آتے تھے اور لوگوں کے آگے دست سوال دراز کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی وتزودوا فان خیر الزاد التقوی (البقرہ پ ۲ آیت ۱۹۷) یعنی اپنے ساتھ توشہ لایا کرو کیونکہ بہتر توشہ پر ہیزگاری ہے۔

محمد بن موسیٰ جبرجانی نے کہا میں نے محمد بن کثیر صنعانی سے ان زاہدوں کے بارے میں سوال کیا جو نہ سفر میں توشہ لے جاتے ہیں اور نہ جو تا اور موزہ پہنتے ہیں جواب دیا کہ تم نے مجھ سے اولاد شیطین کی نسبت سوال کیا ہے زاہدوں کے بارے میں نہیں پوچھا میں نے کہا پھر زہد کیا چیز ہے؟ بولے کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت پر عمل کرنا اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی مشابہت کرنا۔

احمد بن حنبلؒ سے اس آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جو بغیر توشہ کے جنگل میں جاتا ہے امامؒ نے سخت انکار کیا اور کہا اف نہیں نہیں بغیر توشہ اور قافلہ اور ساتھیوں کے ہرگز نہ جانا چاہیے یہ جملہ بلند آواز سے کہا ابو عبد اللہ احمد بن حنبلؒ کے

پاس ایک شخص آیا اور کہا کہ ایک شخص سفر کرنا چاہتا ہے، آپ کیا پسند کرتے ہیں تو شہ لے جاوے یا توکل کرے جواب دیا کہ تو شہ ساتھ لے جائے یا ایسا توکل کرے کہ گردن نہ اٹھائے تاکہ اسے کچھ دیں خلال نے کہا مجھ سے ابراہیم بن خلیل نے بیان کیا کہ احمد بن نصر نے لوگوں سے بیان کیا کہ ایک شخص نے ابو عبد اللہ سے پوچھا کہ آدمی توکل پر مکے کو جاوے اور اپنے ساتھ کچھ نہ لے جاوے، فرمایا مجھ کو اچھا نہیں معلوم ہوتا ہے کہ کھائے گا کہاں سے، تو اس نے کہا کہ توکل کرے گا تو لوگ اسے دیں گے، فرمایا جب لوگ اسے نہ دیں گے تو کیا لوگوں کی طرف نظر نہ اٹھائے گا تاکہ لوگ اسے دیں، یہ مجھ کو اچھا نہیں معلوم ہوتا ہے، مجھے کوئی ایسی حدیث نہیں پہنچی کہ اصحاب رسول اللہ ﷺ یا تابعین نے ایسا کیا ہو، احمد بن حنبل کے پاس ایک خراسانی آیا اور کہنے لگا کہ اے ابو عبد اللہ میرے پاس ایک درہم ہے اس کو لے کر حج کو جاؤں، امام نے اس سے کہا کہ تم باب الکرخ کی طرف جاؤ اور اس درہم کی پوری خریدو اور سر پر رکھ کر بچتے پھرو، اس طرح جب تمہارے پاس تین سو درہم ہو جائیں تو حج کو جاؤ۔ وہ بولا اے عبد اللہ آپ لوگوں کے لئے پیشہ و کسب کا خیال کرتے ہیں، امام نے کہا یہ خبیث کیا کہتا ہے، کیا تو یہ چاہتا ہے کہ لوگوں کے لئے ان کے معاش فاسد کر دے۔ وہ کہنے لگا اے ابو عبد اللہ ہم توکل کرتے ہیں، امام نے پوچھا تو جنگل کو اکیلا جائے گا یا لوگوں کے ہمراہ، جواب دیا کہ لوگوں کے ساتھ جاؤں گا، امام نے کہا کہ تو جھوٹا ہے تو توکل کرنے والا نہیں، اکیلا جا، ورنہ تو صرف لوگوں کے تھیلوں پر توکل کرتا ہے۔

ان امور کا بیان جو صوفیہ سے سفر و سیاحت

میں خلاف شریعت سرزد ہوئے

ابو حمزہ صوفی نے کہا کہ میں نے ایک سفر توکل پر کیا، ایک رات میں چلا جا رہا تھا اور میری آنکھوں میں نیند بھری ہوئی تھی یکایک ایک کنویں میں گر پڑا تو میں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ کنویں میں موجود ہوں اور اس میں سے نکل نہ سکا، کیونکہ اس کا کنارہ بہت اونچا تھا لہذا میں بیٹھ گیا وہیں بیٹھا ہوا تھا کہ اتنے میں اس کنویں پر دو آدمی ا کھڑے ہوئے ایک نے دوسرے سے کہا کہ چلو ہم چلیں اور اس کنویں کو مسلمانوں کے رستے میں اچھوڑ دیں، دوسرے نے کہا پھر اور کیا کرو گے، میرے جی میں آیا کہ پکار اٹھوں کہ میں کنویں میں ہوں آواز آئی کہ تو ہم پر توکل کرتا ہے اور ہماری دی ہوئی بلا

کی فریاد غیر کے پاس لے جاتا ہے لہذا میں خاموش رہا وہ دونوں آدمی چلے گئے اس کے بعد پھر واپس آئے اور کوئی چیز اپنے ساتھ لائے اور اس چیز کو کنویں کے منہ پر رکھ کر ڈھانک دیا مجھ سے میرے نفس نے کہا کہ کنویں کا منہ تو محفوظ ہوگی لیکن اب تو اس کنویں میں قید رہ گیا، میں دن رات برابر وہاں رہا جب اگلے روز ہوا تو کسی چیز نے مجھ کو آواز دی اور وہ نظر آتی تھی کہ مجھ کو زور سے پکڑ میں نے اپنا ہاتھ بڑھایا تو ایک سخت چیز پر پڑا میں نے اس کو پکڑ لیا تو اس نے اوپر اٹھایا اور مجھ کو زمین پر پھینک دیا، میں نے غور سے دیکھا تو وہ ایک درندہ تھا، جب میں نے یہ حال دیکھا تو مجھ پر وہی کیفیت گزری جو ایسی حالت میں گزرتی ہے، ہاتھ نے آواز دی ابو حمزہ ہم نے تجھ کو بلا کے ہاتھوں نجات دی اور بند ریوہ خوفناک چیز کے خوفناک امر سے کفایت کی۔

یہی واقعہ ابن مالکی بیان کرتے ہیں کہ ابو حمزہ خراسانی نے کہا میں نے ایک سال حج کیا میں راستے میں جا رہا تھا کہ یکایک ایک کنویں میں گر پڑا تو میرے نفس نے مجھ سے مخالفت کی کہ میں فریاد کروں تو میں نے کہا واللہ ہر گز نہیں کروں گا۔ میں نے اپنے ارادے کو پورا نہیں کیا تھا کہ کنویں کے سرے پر دو شخص گزرے، ایک نے دوسرے سے کہا کہ آؤ اس راستے میں کنویں کا سر اہند کریں تو وہ نرسل اور ستون لائے، میں نے بولنے کا ارادہ کیا تو دل نے کہا کہ تو اس سے کہہ جو بہ نسبت ان دونوں کے تجھ سے زیادہ قریب ہے (توکل کر) اور چپکارہ یہاں تک کہ انہوں نے کنویں کا سر اہند کر دیا، پھر یکایک ایک چیز آئی اور اس نے کنویں کا سر اکھولا اور اپنے دونوں پیر لٹکائے اور گویا کہ وہ اپنی بولی میں کہتا تھا کہ (کڑ کر) لٹک جاؤ، میں اس کے ساتھ لٹک گیا اور مجھ کو اس نے نکال لیا، میں نے دیکھا تو وہ درندہ تھا اس وقت مجھ کو ایک شخص نے پکارا جو کہہ رہا تھا کہ اے ابو حمزہ کیا یہ بہتر نہیں ہے ہم نے تلف سے بواسطہ تلف کے رہائی بخشی۔

اور ابو عبد اللہ محمد بن نعیم ابو حمزہ صوفی دمشقی کی حکایت بیان کرتے ہیں کہ جب وہ کنویں سے نکلے تو چند شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے ”مجھ کو حیا مانع آئی کہ عشق کا اظہار کروں اور تیرے قرب کی وجہ سے مجھ کو اظہار عشق کی ضرورت نہ رہی تو مجھ کو غیب میں ایسا معلوم ہوا کہ گویا باوجود غیب کے مجھ کو بشارت ملتی تھی کہ تو سامنے ہے میں تجھ کو دیکھتا ہوں اور تیری ہیبت کے مارے مجھ کو وحشت ہوتی ہے اور تو لطف و عنایت سے مجھ کو مانوس کرتا ہے تو اس عاشق کو زندہ کرتا ہے جس کو عشق میں ہلاک کرتا ہے اور یہ تعجب کی بات ہے کہ ہلاکت کے ساتھ زندگی ہے۔ مصنف نے کہا کہ ان

ابو حمزہ کی نسبت جو کنویں میں گر پڑے تھے اختلاف ہے۔ ابو عبد الرحمن سلمیٰ نے کہا کہ ابو حمزہ خراسانی ہیں جو جنیدؒ کے ہمعصر تھے اور دوسری روایت میں ہم ذکر کر چکے ہیں کہ وہ دمشق میں ابو نعیم حافظ نے کہا کہ ابو حمزہ بغدادی ہیں اور ان کا نام محمد بن لہر ایم ہے اور ان کو خطیب نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے اور ان کی اس حکایت کو بھی بیان کیا ہے بہر حال کوئی بھی ہوں انہوں نے اس خلاف شرع حرکت میں خطا کی کہ کنویں میں خاموش بیٹھ رہے حالانکہ پکارنا اور کنویں کی آفت سے چھوٹنا واجب تھا جس طرح اگر کوئی شخص کسی کو قتل کرنا چاہے تو اس کا روکنا واجب ہے اور یوں کہنا کہ میں فریاد نہ کروں گا ایسا ہے جیسے کوئی کہے کہ میں کھانا نہ کھاؤں گا اور پانی نہ پیوں گا حالانکہ جو ایسا کرے وہ جاہل ہے اور یہ حرکت باعتبار وضع عالم کے خلاف حکمت ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اشیاء کو حکمت پر وضع کیا ہے آدمی کو ہاتھ دیئے ہیں تاکہ ان سے روکے اور زبان دی تاکہ گفتگو کرے اور عقل بخشی جو اس کی رہبری کرتی ہے تاکہ نقصان کو اپنے سے دور کرے اور مفصلوں کو حاصل کرے، غذائیں اور دوائیں آدمیوں کی مصلحت کے لئے مخلوق فرمائی ہیں، اب جو شخص ان چیزوں کے استعمال سے روگردانی کرے جو اس کے لئے پیدا کی گئیں اور اس کو اس کی طرف ہدایت کی گئی تو وہ امر شریعت کو چھوڑتا ہے اور صانع کی حکمت بیکار کرتا ہے، اگر کوئی جاہل کہے کہ قضا و قدر سے کیونکر احتراز کریں، ہم جواب دیں گے کہ کیوں احتراز کریں جب کہ خود مقدر فرمانے والا حکم دیتا ہے خذوا حذرکم (یعنی اپنا چاؤ کرو) رسول اللہ ﷺ غار میں جا کر پوشیدہ ہوئے اور آپ ﷺ نے سراقہ سے فرمایا تھا کہ ہمارا حال چھپانا اور مدینہ لے جانے کے لئے آپ ﷺ نے ایک راہبر کو اجرت پر لیا اور یوں نہ فرمایا کہ ہم توکل پر چلے چلیں۔ ہمیشہ ظاہر میں اسباب پر نظر فرمائی اور باطن میں مسبب پر بھروسہ کیا، اس کا بیان ہم پیشتر واضح طور پر کر چکے ہیں، ابو حمزہ کا یہ قول کہ مجھ کو میرے باطن سے آواز آئی اس نفس نادان کی گفتگو ہے جس کے نزدیک جمالت سے یہ بات قرار پا گئی کہ توکل یہ ہے کہ اسباب کو اختیار کرنا چھوڑ دے۔ کیونکہ شریعت اس امر کی درخواست نہیں کرتی جس سے منع کر چکی، ابو حمزہ کے باطن نے اس وقت کیوں نہ روکا جب ہاتھ بڑھایا اور اس چیز کو پکڑا اور اس کے ساتھ لٹک کر باہر آگئے کیونکہ یہ بھی تو اس ترک اسباب کے دعویٰ کے خلاف ہے جو انہوں نے کیا تھا اور کنویں کے اندر سے پکارنے اور یوں کہنے میں کہ میں کنویں میں ہوں اور اس چیز کے پکڑنے میں جس سے لٹکے کیا فرق ہے، بلکہ یہ پکڑنا اس کہنے

سے بڑھ کر ہے کیونکہ فعل میں بہ نسبت قول کے زیادہ تاکید ہوتی ہے، ابو حمزہ ٹھہرے کیوں نہ رہے تاکہ بلا سبب اوپر آجاتے، اگر یوں کہا جائے کہ اس چیز کو خدا نے میرے لئے بھیج دیا تھا تو ہم کہیں گے کہ جو آدمی کنویں پر گزرے تھے ان کو کس نے بھیجا تھا اور زبان کو جو پکار سکتی ہے کس نے پیدا کیا، اگر پکارتے تو گویا ان اسباب کو استعمال میں لاتے جن کو اللہ تعالیٰ نے دفع ضرر کے لئے پیدا کیا ہے لہذا پکارنا قابل ملامت نہیں اور خاموش رہ کر تو اسباب کو بیکار کر دیا اور حکمتوں کو دور کیا لہذا وہ قابل ملامت ہے اور شیریا درندے کے ذریعے سے رہائی پانا اگر صحیح ہے تو ایسا اکثر اتفاق ہوتا ہے پھر ہم اس کا انکار نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر احسان فرماتا ہے، ہم تو فعل مخالف شرع کا انکار (رد) کرتے ہیں۔

جنیدؒ نے کہا مجھ سے محمد بن سمین نے بیان کیا کہ میں کوفہ کے راستے میں اس میدان کے قریب تھا جو ہمارے راستے میں پڑتا ہے اور راستہ میں کوئی آتا جاتا نہیں میں نے سر راہ ایک اونٹ مرا ہوا پڑا لیا اور دیکھا کہ اس کو آٹھ نورندے نوچ کر کھاتے تھے اور ہر درندہ باہم ایک دوسرے پر حملہ بھی کرتا تھا، میں نے اس کو دیکھا تو میرا نفس مضطرب ہوا کیونکہ وہ سب بالکل سر راہ تھے، میرے نفس نے مجھ سے کہا کہ دائیں بائیں مڑ کر نکل جائیں میں نے نفس کی بات نہ سنی اور کہا کہ درندوں میں ہو کر نکلوں گا، پھر نفس کو ابھارا اور چل کر درندوں کے سامنے کھڑا ہو گیا اور اتنا قریب ہو گیا کہ گویا ان میں مل گیا، پھر اپنے نفس کی طرف رجوع کیا کہ دیکھو اب اس کی کیا کیفیت ہے تو خوف و ہراس موجود تھا۔ میں نے وہاں سے ہٹ جانے سے انکار کیا اور درندوں میں بیٹھ گیا پھر بیٹھ کر بھی اپنے نفس کو خائف اور ہراساں پایا، میں نے اٹھنے سے انکار کیا اور وہیں لیٹ رہا، اسی حالت میں مجھ کو نیند آگئی تو میں اسی طرح سو گیا اور درندے جہاں تھے وہیں تھے، مجھ پر سونے کی حالت میں کچھ وقت گزرا سونے کے بعد میری آنکھ کھلی تو درندے چلے گئے تھے اور کوئی باقی نہ رہا تھا اور میرا خوف بھی زائل ہو گیا تھا اسی ہیئت سے میں اٹھا اور اپنا راستہ لیا۔

مصنفؒ نے کہا کہ اس شخص نے جو درندوں سے تعرض نہ کیا (اور ان میں جا گھسا) تو یہ خلاف شریعت ہے کسی شخص کے لئے درندے یا سانپ کے سامنے ہو جانا جائز نہیں بلکہ اس کے آگے سے بھاگنا واجب ہے، سمین میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب کسی شہر میں طاعون پھیلا ہو تم وہاں نہ جاؤ، اور نیز آپ ﷺ نے فرمایا کہ

مجزوم آدمی سے ایسا دور بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہو، اور نیز آپ ایک دیوار کے نیچے سے گزرے جو جھک پڑی تھی، آپ نے تیزی سے قدم اٹھائے، اور اس شخص نے یہاں پر اپنی طبیعت سے اس امر کی درخواست کی کی کہ مضطرب نہ ہو، حالانکہ یہ ایسی شے ہے کہ جس سے حضرت موسیٰ بھی سلامت نہ رہے کیونکہ جب عصا کو سانپ دیکھا تو پیچھے ہٹ گئے، اگر اس شخص کا بیان درست ہے تو صحت سے دور ہے کیونکہ آدمیوں کی طبیعتیں برابر ہیں، جو شخص یوں کہے کہ میں اپنی طبیعت سے درندے سے نہیں ڈرتا تو ہم اس کو جھوٹا کہیں گے، جیسے کوئی کہے کہ میں اچھی چیز کو خواہش سے نہیں دیکھتا گویا کہ اس شخص نے اپنے نفس پر قہر کیا یہاں تک کہ اپنے آپ کو ہلاکت کے سپرد کر کے درندوں میں سو رہا اس خیال سے کہ یہی توکل ہے حالانکہ یہ خام خیالی ہے، اگر یہ توکل ہوتا تو جس چیز کے شر سے خوف ہو اس کے پاس جانے سے منع نہ کیا جاتا اور عجیب نہیں کہ درندے اس مردار اونٹ کے کھانے میں مشغول ہونے کی وجہ سے اس شخص سے غافل رہے ہوں، کیونکہ کبار صوفیہ میں سے ابو تراب بخشی گزرے ہیں ان کو جنگل میں درندے ملے اور پھاڑ ڈالا، چنانچہ مر گئے۔

البتہ اس بات کا انکار نہیں کیا جاتا کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر مہربانی کی اور اس کے حسن ظن کی وجہ سے اس کو نجات دی، ہم تو صرف اس کے فعل کی خطایان کرتے ہیں، عامی آدمی کے لئے کہ جب وہ اس حکایت کو سنے گا تو خیال کرے گا کہ بڑی عزیمت اور قوی یقین ہے، اور بسا اوقات اس شخص کی حالت کو حضرت موسیٰ کی حالت پر فضیلت دے گا کہ سانپ کو دیکھ کر بھاگے اور رسول اللہ ﷺ کی حالت سے بڑھائے گا کہ جب جھکی ہوئی دیوار سے ہو کر گزرے تو تیزی سے قدم اٹھائے، اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی حالت سے افضل جانے گا کہ غار کے سوراخوں کو اذیت کے خوف سے بند کیا تھا، حالانکہ اس مخالف شرع کا مرتبہ جو اپنے ظن فاسد سے خیال کرتا ہے کہ میں نے جو کچھ کیا وہی توکل ہے، انبیاء و صدیقین کے مرتبہ سے ہر گز نہیں بڑھ سکتا۔

محمد بن عبد اللہ فرغانی نے کہا کہ میں نے مول مغالی سے سنایا کرتے تھے کہ میں محمد بن سمین کے ہمراہیوں میں تھا ان کے ساتھ تکریت اور موصول کے درمیان سفر کر رہا تھا، ایک بار جنگل میں چلے جا رہے تھے کہ قریب آکر ایک شیر دھاڑا میری حالت متغیر ہو گئی میں ڈر گیا اور خوف کے آثار میرے چہرے پر نمایاں ہوئے اور آگے بڑھ چلنے کا قصد کیا، محمد بن سمین نے مجھ کو تھاما، اور کہا کہ اے مول توکل کا کام

یہاں ہے جامع مسجد میں نہیں۔ مصنف نے کہا کہ بے شک توکل کا وجود متوکل پر مصائب کے وقت ہی ظاہر ہوتا ہے لیکن توکل کی شرطوں میں سے یہ نہیں کہ اپنے آپ کو شیر کے حوالے کر دے کیونکہ یہ ناجائز ہے۔

خواص نے کہا کہ مجھ سے بھص مشائخ نے بیان کیا کہ علی رازیؒ سے کسی نے کہا ہم آپ کو ابو طالب جرجانی کے ساتھ کیوں نہیں دیکھتے، جواب دیا کہ ایک بار ہم دونوں ایک مقام میں تھے جہاں درندے تھے، جب ابو طالب نے مجھ کو دیکھا کہ نیند نہیں آئی تو مجھے دھتکار دیا اور کہا کہ آج کے بعد تو میرے پاس نہ آنا۔ مصنفؒ نے کہا کہ اس شخص نے اپنے ہمراہی پر زیادتی کی کہ اس سے ایسی چیز کا بد لٹا چاہا جو اس کی طبیعت میں داخل ہے اور اس کے اختیار میں نہیں، اور شریعت بھی اس سے اس کے بارے میں باز پرس نہ کرے گی (کہ تجھے درندوں کے مقام پر نیند کیوں نہ آئی) اور حضرت موسیٰؑ بھی اس حالت پر قادر نہ ہوئے جب ہی تو سانپ سے بھاگے لہذا اس تمام امر کی بنیاد جمالت پر ہے۔

احمد بن علی وجدی نے کہا کہ دینوری نے بارہ حج پاہر ہنہ اور سر کھلے کئے، جب ان کے پاؤں میں کوئی کانٹا لگتا تھا تو پاؤں کو زمین سے رگڑتے تھے اور چلتے چلتے کانٹا نکالنے کے لئے زمین کی طرف نہ جھکتے تھے تاکہ توکل صحیح رہے، مصنف نے کہا غور کرو جاہلوں کے ساتھ جہل کیا کیا کرتا ہے، یہ کوئی اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری نہیں کہ انسان پاہر ہنہ جنگل کو طے کرے کیونکہ اس سے جان کو سخت تکلیف ہوتی ہے اور سر کشادہ جانا بھی عبادت میں داخل نہیں اور اس سے کوئی قرمت حاصل نہیں ہوتی، اگر احرام کی مدت میں سر کھلے رہنا واجب نہ ہوتا تو سر نکار کھنے کی کوئی معنی نہ تھے، اس شخص کو کس نے حکم دیا تھا کہ اپنے پاؤں سے کانٹا نکالے اور اس سے کون سی طاعت واقع ہوتی ہے اور اگر پاؤں کاٹنے کی وجہ سے ورم کر آتا اور ضائع ہو جاتا تو اس شخص نے اپنے نفس کو خود تکلیف میں ڈالا اور پاؤں کو زمین سے رگڑنا بھی تو کانٹے کی کچھ تکلیف دفع کر ہی دیتا ہے، پھر باقی کاٹنا خود کیوں نہ نکلا، توکل میں اور ان افعال مخالف عقل و شریعت میں بڑا فرق ہے کیونکہ عقل و شریعت کا حکم ہے کہ اپنے نفس کو نفع پہنچائے اور ضرر کر اس سے دور کرے، خود شرع نے اجازت دی ہے کہ جس شخص کو احرام میں کوئی ضرر پہنچے تو احرام کی حرمت توڑ ڈالے اور فدیہ دے، عباس بن نحمد دوری کہتے ہیں کہ میں نے ابو عبیدہ سے سنا کہتے تھے کہ آدمی کی عقل میں یہی تو آتا ہے کہ دھوپ چھوڑ دے اور سایہ

میں چلے۔

علی بن عبد اللہ بن جہضم نے کہا کہ میں نے ابو بکر رقی سے سنا کہ تھے کہ مجھ سے ابو بکر دقاق نے بیان کیا کہ میں سال کے وسط میں مکہ کی طرف چلا اور ان دنوں میں نوجوان تھا اور میرے پاس ایک جھول تھا جس کو آدھا کر سے باندھا تھا اور آدھا کندھوں پر ڈالا تھا راستے میں میری آنکھیں دکھنے آگئیں میں اپنے آنسوؤں کو اس جھول سے پونچھتا تھا، جھول نے اس مقام کو زخمی کر دیا اور آنسوؤں کے ساتھ خون نکلنے لگا میں غایت ارادت اور کمال سرور کی وجہ سے خون اور آنسوؤں کو علیحدہ نہ کرتا تھا اس جج میں میری آنکھ جاتی رہی جب دھوپ کی شدت کی وجہ سے میرے جسم کو لو لگ جاتی تھی تو میں اپنے ہاتھ کو بوسہ دیتا تھا اور اپنی آنکھ پر رکھ لیتا تھا کیونکہ میں بلا (مصیبت) سے بہت خوش تھا ابو بکر رازی نے کہا میں نے ابو بکر دقاق سے پوچھا وہ ایک چشم تھے کہ تمہاری آنکھ جاتے رہنے کا کیا سبب ہے؟ جواب دیا کہ میں توکل پر جھگل جایا کرتا تھا، میں نے اپنے جی میں عہد کیا کہ قافلہ والوں سے مانگ کر کچھ نہ کھاؤں گا تاکہ توکل قائم رہے بھوک کی تکلیف سے میری ایک آنکھ رخسارے پر بہہ آئی۔

مصنف نے کہا کہ مبتدی آدمی جب اس شخص کا قصہ سنے گا تو سمجھے گا کہ یہ مجاہدہ ہے حالانکہ یہ حرکت کئی قسم کے گناہوں اور شریعت کی خلاف ورزی کی جامع ہے، ایک یہ کہ یہ شخص نصف سال گزرنے پر تنہا چلا، پھر بغیر توشہ کے سفر کیا اور جھولی کا لباس بنایا اور اس سے اپنی آنکھ پونچھی پھر یہ خیال کیا کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی قربت حاصل ہوتی ہے حالانکہ قربت الہی امر مشروع میں ہے امر ممنوع سے نہیں ہوتی، اگر کوئی آدمی کہے کہ میں اپنے نفس کو لکڑی سے ماروں گا کیونکہ وہ خدا تعالیٰ کا نافرمان ہے تو عاصی ہو گا اور اس شخص کا اس حالت پر خوش ہونا خطائے قبیح ہے، کیونکہ بلا سے اس وقت خوش ہونا چاہیے کہ بغیر سبب کے نازل ہو، اگر کوئی آدمی خود اپنے پیر توڑ ڈالے اور پھر اس مصیبت سے خوش ہو تو نہایت احمق ہو گا، پھر حالت اضطرار میں اس شخص کا سوال نہ کرنا اور اپنے نفس پر بھوک کی سختی برداشت کرنا حتیٰ کہ اس کی آنکھ بہ گئی پھر اس کا نام توکل رکھنا سب خلاف شرع ہے (ظاہر پرست) زاہدوں کی حماقتیں ہیں جن کو جمالت اور لاعلمی نے پیدا کیا۔

سفیان ثوری نے کہا جو بھوکا ہو اور سوال نہ کرے یہاں تک کہ مر جائے تو دوزخ میں جائے گا۔ مصنف نے کہا کہ فقہاء کے کلام کو دیکھنا چاہیے کہ کیسا اچھا ہے اس

کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بھوکے کو سبب پیدا کرنے کی قوت دی ہے، جب اسباب ظاہری نہ رہیں تو اس کو سوال کرنے کی قدرت ہے جو اس حالت میں 'ممنزلہ' محسوس کے ہو جائے گی، اب جو وہ اس کو چھوڑ دے گا تو اس نے نفس کی محافظت میں کمی کی اور نفس اس کے پاس ایک امانت ہے لہذا عذاب کا مستحق ہوا۔

اس شخص کی آنکھ جانے کے بارے میں جو کچھ مذکور ہوا اس سے بھی بڑھ کر ایک اور واقعہ سنئے، ابو علی روزباری ابو جرد قاق سے نقل کرتے ہیں کہ میں عرب کے ایک قبیلہ کا مہمان ہوا وہاں میں نے ایک خوبصورت لڑکی دیکھی میں نے اس کی طرف نظر کی تو میں نے اپنی آنکھ نکال ڈالی، جس سے اس کی طرف دیکھا تھا تو اس نے کہا کہ تم جیسا اللہ کے واسطے دیکھتا ہے۔

مصنفؒ نے کہا دیکھو اس شخص کی جہالت کو جو شریعت اور عبادت سے بعید ہے کیونکہ اگر اس نے اس کی طرف بلا قصد دیکھا تھا تو اس پر کچھ گناہ نہیں اور اگر قصداً دیکھا تھا تو صغیرہ گناہ کیا جس میں ندامت کافی تھی لیکن اس نے اس کے ساتھ ایک کبیرہ گناہ ملا دیا اور وہ اپنی آنکھ کا نکالنا ڈالنا ہے، اور اس سے توبہ نہیں کی کیونکہ اس نے اعتقاد رکھا کہ اس کا نکال ڈالنا قرمت الہی ہے اور جو شخص امر ممنوع کو قرمت سمجھے تو اس کی خطا انتہا کو پہنچ گئی، اور شاید اس نے یہ حکایت بعض بنی اسرائیل سے سنی کہ کسی اسرائیلی نے ایک عورت کو دیکھا تو اپنی آنکھ نکال ڈالی، یہ حکایت باوجود بعد صحت کے ممکن ہے کہ ان کی شریعت میں جائز ہو لیکن ہماری شریعت نے اس کو حرام کر دیا، اور اس قوم (صوفیہ) نے خود ایک شریعت ایجاد کر کے اس کا نام تصوف رکھا اور محمد رسول اللہ ﷺ کی شریعت چھوڑ دی۔

بعض صوفیہ عابدہ عورتوں سے بھی اس قسم کی حکایتیں نقل کی گئی ہیں۔ شہر انہ نے کہا کہ ہمارے پڑوس میں ایک صالحہ عورت رہتی تھی ایک روز بازار گئی کسی آدمی نے اس کو دیکھا اور فریفتہ ہو گیا اور اس کے مکان تک اس کے پیچھے پیچھے آیا اس عورت نے اس سے کہا کہ اے شخص تو مجھ سے کیا چاہتا ہے وہ بلا کہ میں تجھ پر مفتون ہو گیا ہوں، پوچھنے لگی کہ تجھ کو میری کون سی چیز پسند آئی اس نے کہا تیری آنکھیں آیا اچھی ہیں، وہ عورت گھر میں گئی اور اپنی آنکھیں نکال ڈالیں اور دروازے کے پاس آکر اس شخص کی طرف پھینکیں اور کہا کہ یہ آنکھیں لے جا، خدا تجھ کو برکت نہ دے۔ مصنفؒ نے کہا میرے بھائیو دیکھو تو سہی کہ شیطان جاہلوں کے ساتھ کیسا

کھلیتا ہے، یہ آدمی تو اس عورت کی وجہ سے گناہ صغیرہ ہی میں پڑا تھا، مگر وہ اس کی وجہ سے گناہ کبیرہ کی مرتکب ہوئی اور پھر یہ سمجھی کہ اس کی یہ حرکت گویا عبادت ہے علاوہ ازیں اس کو یہ بھی تو چاہیے تھا کہ غیر آدمی سے بات نہ کرتی، مگر بعض صوفیہ سے اس کے خلاف بھی پایا گیا چنانچہ ذوالنون کہتے ہیں کہ میں جنگل میں ایک عورت سے ملا۔ اس نے مجھ سے باتیں کیں اور میں نے اس سے گفتگو کی انہیں بزرگ پر ایک ہیدار دل عورت نے انکار کیا، چنانچہ محمد بن یعقوب چرخي کہتے ہیں کہ میں نے ذوالنون سے سنا کہ دریائی جیسی زمین میں میں نے ایک عورت دیکھی اور اس کو پکارا وہ بولی کہ مردوں کو عورتوں سے بات کرنے کا کیا کام، اگر تمہاری عقل میں فتور نہ ہوتا تو میں تم کو کوئی چیز اٹھا کر مارتی۔

اسماعیل بن نجید نے کہا کہ ابراہیم ہروی سبتیہ کے ہمراہ صحرا کو گئے، سبتیہ نے ان سے کہا کہ علاقہ دنیاوی میں سے جو کچھ تمہارے پاس ہو اسے پھینک دو، ابراہیم کہتے ہیں میں نے تمام چیزیں پھینک دیں اور ایک دینار رکھ لیا، چند قدم چل کر سبتیہ نے کھکا کہ جو کچھ تمہارے پاس ہو پھینک دو، اور میرے باطن کو پر آگندہ نہ کرو، میں نے دینار نکال کر ان کو دیا انہوں نے پھینک دیا۔ پھر چند قدم چل کر کہا جو کچھ تمہارے پاس ہو پھینک دو میں نے کہا میرے پاس کچھ نہیں، انہوں نے کہا میرا باطن اب تک پر آگندہ ہے، پھر مجھے یاد آیا کہ میرے پاس ایک تسموں کا دستہ ہے میں نے کہا کہ میرے پاس فقط یہ دستہ ہے انہوں نے مجھ سے دستہ لے کر پھینک دیا اور کہا کہ اب چلو، ہم دونوں چلتے گئے راہ میں مجھ کو جب کہیں تسمہ کی ضرورت ہوئی تو جنگل میں اپنے سامنے پڑاپایا، سبتیہ نے مجھ سے کہا کہ دیکھو جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ صدق معاملت سے پیش آتا ہے اس سے یہ سلوک کیا جاتا ہے، مصنف نے کہا یہ سب حرکتیں خطا ہیں اور مال کا پھینک دینا حرام ہے اور تعجب اس شخص پر آتا ہے جو اپنی مملوک چیز کو پھینکتا ہے اور اس چیز کو لیتا ہے کہ اتنا بھی نہیں جانتا کہ وہ کہاں سے آئی۔

علی بن محمد مصری سے میں نے سنا کہتے تھے کہ مجھ سے ابو سعید خزار نے بیان کیا کہ میں ایک مرتبہ بغیر توشہ کے جنگل میں داخل ہوا مجھ کو فاقہ گزرا، میں نے دور سے منزل کو دیکھا میں اپنے قریب پہنچنے پر خوش ہوا، پھر اپنے جی میں سوچا کہ میں نے برا کیا اور غیر خدا پر بھروسہ کیا لہذا میں نے قسم کھائی کہ بغیر کسی کے لے جائے ہوئے منزل تک نہ جاؤں گا، میں نے وہیں ریت میں اپنے لئے ایک گڑھا کھودا اور اپنے بدن کو

سینہ تک اس میں پوشیدہ کیا، آدھی رات گزرنے پر میں نے ایک بلند آواز سنی کہ اے اہل قریہ ایک اللہ کا ولی اپنے آپ کو اس ریگ بیابان میں چھپائے ہوئے ہے اس کی خبر لو، اس گاؤں سے کچھ لوگ آئے اور مجھ کو گاؤں میں اٹھا کر لے گئے۔

مصنفؒ نے کہا کہ اس شخص نے اپنی طبیعت پر ظلم کیا کیونکہ اس سے وہ کام چاہا جس کے لئے وہ نہیں بنائی گئی، کیونکہ آدمی کی طبیعت میں داخل ہے کہ جس چیز کو محبوب رکھتا ہے خوشی سے اس کی طرف جاتا ہے اگر پیاسا پانی کی طرف اور بھوکا کھانے کی جانب شوق سے جائے تو قابل ملامت نہیں، علیٰ ہذا القیاس ہر ایک شخص جو اپنی محبوب چیز کی طرف خوش ہو کر دوڑے، رسول اللہ ﷺ جب سفر سے تشریف لاتے تھے اور مدینہ ظاہر ہوتا تھا تو وہ جہ محبت و وطن کے چلنے میں تیزی فرماتے تھے اور جب مکہ سے واپس ہوتے تو کمال شوق کے سبب سے اس کو مڑ مڑ کر دیکھتے تھے بلال رضی اللہ عنہ مدینہ میں فرمایا کرتے تھے کہ عتبہ اور شیبہ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت کرے انہوں نے ہم کو مکہ سے نکال دیا اور یہ شعر پڑھتے تھے۔

الا لیت شعری هل ابیتن لیلہ

بواد و حولی اذخر و جلیل

(ترجمہ) کاش یہ معلوم ہوتا کہ کوئی رات ایسی آئے گی کہ وادی مکہ میں شب باش ہوں گا اور میرے گرد اذخر اور جلیل (یہ گھاس کے نام ہیں) ہوگی۔ اب جو شخص مقتضائے علم و عقل پر عمل کرنے سے اعراض کرے تو اس سے خدا اچائے، علاوہ ازیں اپنے آپ کو نماز جماعت سے باز رکھنا بھی عین قبیح ہے، اس بات میں کیا تقرب الہی ہے یہ تو محض جمالت ہے۔

بحر بن محمد کہتے ہیں کہ میں ابو الخیر نیشاپوری کے پاس تھا وہ بلا تکلف مجھ سے باتیں کرنے لگے تو اپنی ابتدا کا ذکر کیا یہاں تک کہ میں نے ان سے ان کے ہاتھ کٹ جانے کا سبب پوچھا، جواب دیا کہ اس نے قصور کیا تو کاٹا گیا، پھر میں کچھ لوگوں کے ساتھ ان کے پاس گیا تو لوگوں نے ان سے ہاتھ کٹ جانے کے بارے میں پوچھا تو کہا کہ میں نے ایک سفر کیا تھا یہاں تک کہ اسکندر یہ پہنچا اور وہاں بارہ برس رہا، میں نے وہاں ایک جھونپڑی بنائی میں وہاں رات کی رات آیا کرتا تھا، اور رباط والوں کے شکار پر اظہار کرتا تھا اور دسترخوان کو جھوٹا کتوں سے چھین لاتا اور جاڑوں میں جڑیں کھا لیتا تو میرے باطن میں مجھے آواز دی گئی کہ اے ابو الخیر تیرا خیال یہ ہے کہ مخلوق کو ان کی

روزی کے بارے میں زحمت نہیں دیتا اور توکل پر سفر کرتا ہے حالانکہ تو قوم کے پیچ میں بیٹھا ہے، میں نے عرض کیا کہ اے میرے معبود اور آقا تیری عزت کی قسم کہ میں اپنے ہاتھ اس چیز کی طرف نہیں بڑھاؤں گا جو زمین سے پیدا ہوتی ہے یہاں تک کہ ایسی جگہ سے مجھ کو رزق پہنچے کہ میرا اس میں کچھ دخل نہ ہو تو بارہ روز تک فقط فرض و سنت ادا کرتا رہا پھر سنت بھی نہ پڑھ سکا تو بارہ روز تک فقط فرض ادا کرتا پھر قیام سے عاجز ہو گیا تو بارہ روز تک قیام کیا پھر بیٹھ کر نماز پڑھتا رہا، پھر بیٹھنے کی طاقت ہی نہ رہی، میں نے دیکھا کہ میں نے اپنے آپ کو گرا دیا ہے پھر میں نے اپنے دل میں اللہ تعالیٰ سے التجا کی اور عرض کیا کہ اے میرے معبود اور آقا تو نے مجھ سے پر فرض مقرر کیا جس کے بارے میں تو مجھ سے سوال کرے گا اور میرے لئے روزی مقدر کی جس کا تو ضامن ہوا ہے اپنے فضل و کرم سے مجھ کو روزی پہنچا اور تیرے ساتھ جو میں نے عقیدہ کیا ہے اس کے بارے میں مجھ سے مواخذہ نہ کر۔ تیری عزت کی قسم ہے کہ میں کوشش کروں گا کہ تیرے ساتھ جو عہد کیا ہے اس کو نہ توڑوں، یکایک مین نے دیکھا کہ میرے آگے دو روٹیاں تھیں اور ان میں کچھ سالن تھا میں ہمیشہ وہ کھانا پاتا رہا اور ایک رات سے دوسری رات تک اس پر بسر کرتا رہا پھر مجھ سے مطالبہ کیا گیا کہ قلعہ کی طرف جاؤں، میں چلا شہر میں آیا تو جامع مسجد میں ایک واعظ کو دیکھا کہ حضرت زکریا علیہ السلام کا قصہ بیان کرتا تھا کہ جب ان کے سر پر آ رہے چلا تو اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی کہ مجھ تک تیری آہ کی آواز آئی تو تیرا نام دفتر نبوت سے مٹا دوں گا۔ زکریا علیہ السلام نے صبر کیا حتیٰ کہ دو ٹکڑے کر ڈالے گئے، میں نے کہانی الحقیقت زکریا بڑے صابر تھے، اے میرے معبود اور میرے آقا اگر تو میرا امتحان کرے گا تو میں صبر کروں گا پھر میں وہاں سے چلا اور انطاکیہ میں داخل ہوا، میرے بعض احباب نے دیکھا اور جانا کہ میں حدود سرحد کا کارادہ رکھتا ہوں تو مجھ کو ایک تلوار اور ایک ڈھال اور ایک کوڑا دیا تو میں سرحدی علاقہ میں داخل ہوا اس وقت میں اللہ تعالیٰ سے شرم رکھتا تھا کہ دشمن کے خوف سے دیوار کے پیچھے چھپ جاؤں میں نے اپنا مقام جنگل قرار دیا تھا کہ دن میں وہاں رہتا تھا اور رات کو دریا کے کنارے جاتا تھا اور ساحل پر اپنے ہتھیار گاڑتا تھا اور ڈھال کو محراب کی طرح ان کے سہارے کھڑا کرتا تھا اور تلوار کو حماکل کر کے صبح تک نماز پڑھتا تھا بعد اوائے نماز صبح کو پھر اسی جنگل کی طرف چلا جاتا تھا اور دن بھر وہیں رہتا تھا ایک روز میں نکلا اور مجھے ایک درخت ملا اس کے پھل مجھ کو اچھے معلوم ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو

عہد کیا تھا وہ بھول گیا اور قسم یاد نہ رہی کہ کسی چیز کی طرف ہاتھ نہ بڑھاؤں گا جو زمین سے پیدا ہوتی ہے، میں نے ہاتھ بڑھایا اور کچھ پھل توڑے، پھل میرے منہ میں تھا اور اس کو کھارہا تھا کہ وہ عہد و قسم یاد آئی میں نے جو منہ میں تھا پھینک دیا اور وہیں سر پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گیا۔ میرے پاس کچھ سوار آئے اور بولے کہ کھڑا ہو، مجھ کو ساحل کی طرف لے گئے، کیا دیکھتا ہوں کہ ایک سردار ہے اور اس کے گرد سوار اور پیادے ہیں اور اس کے سامنے ایک حبشیوں کی جماعت تھی جو رہزنی کرتے تھے اور سردار نے ان کو پکڑا تھا اور جو بھاگ گئے تھے ان کی تلاش میں سوار ادھر ادھر گئے ہوئے تھے انہوں نے مجھ کو بھی تلوار اور ڈھال اور ہتھیار دیکھ کر حبشی جانا، جب میں سردار کے سامنے آیا تو اس نے پوچھا تو کون ہے؟ میں نے کہا کہ خدا کے بندوں میں سے ایک بندہ ہوں، پھر حبشیوں سے دریافت کیا کہ تم اس کو پہچانتے ہو وہ بولے کہ نہیں، سردار نے کہا کہ کیوں نہیں یہ تو تمہارا سردار ہے، تم اپنی جانیں دے کر اس کو چھانا چاہتے ہو میں تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹوں گا، آگے بڑھائے گئے ایک ایک آدمی آگے بڑھایا جاتا تھا اور اس کے ہاتھ بڑھا، میں نے ہاتھ سامنے کر دیا اور وہ کاٹا گیا، پھر کہا گیا کہ پاؤں سامنے لاؤ میں نے پاؤں بڑھایا اور اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا اور عرض کیا اے میرے معبود اور آقا میرے ہاتھ نے تو گناہ کیا تھا میرے پاؤں نے کیا خطا کی تھی اتنے میں ایک سوار آیا اور حلقہ میں آکر کھڑا ہو گیا اور زمین پر اپنے آپ کو گر کر چلایا کہ اے لوگو یہ کیا کر رہے ہو کیا تم یہ چاہتے ہو کہ زمین و آسمان مل جائیں، یہ شخص مرد صالح ابو الخیر کے نام سے مشہور ہے سردار یہ سن کر زمین پر گر پڑا اور میرے دست بریدہ زمین سے اٹھا کہ بوسہ دینے لگا اور مجھ کو لپٹ کر میرے سینہ اور ہاتھوں کو چومنے لگا اور کہا کہ خدا کے لئے مجھ کو معاف فرمائیے میں نے کہا کہ جب تم نے ہاتھ کاٹنا شروع کیا تھا میں جی معاف کر چکا تھا اس لئے کاٹا گیا۔

مصنف نے کہا غور کرنا چاہیے کہ بے علمی نے اس کے ساتھ کیا کیا حالانکہ اہل خیر میں سے تھا، اگر یہ شخص علم رکھتا تو جانتا کہ جو کچھ اس نے کیا وہ اس پر حرام تھا عابدوں زاہدوں کے حق میں ابلیس کا معاون جہل سے زیادہ کوئی نہیں۔

اسناد و روایت ہے کہ ابن حدیق نے کہا ہم حاتم اصم کے ساتھ مصیعہ میں داخل ہوئے حاتم نے عہد کیا کہ میں کچھ نہ کھاؤں گا جب تک خود میرا منہ نہ کھولا جائے اور کھانے کی چیز اس میں نہ رکھی جائے۔ اپنے ہمراہیوں سے کہا کہ تم ادھر ادھر چلے جاؤ اور خود بیٹھ گئے نو دن تک بیٹھے رہے اور کچھ نہ کھایا جب دسواں روز ہوا تو ان کے پاس

ایک شخص آیا اور ان کے سامنے کھانے کی شے رکھی اور کہا کہ اسے کھاؤ، حاتم نے کچھ جواب نہ دیا تو اس نے تین مرتبہ کہا اس نے جواب نہ دیا تو اس نے کہا کہ یہ دیوانہ آدمی ہے ایک لقمہ درست کر کے ان کے منہ کی طرف لے گیا حاتم نے اپنا منہ نہ کھولا اور نہ اس سے کلام کی اور اس شخص نے ایک کنبی نکالی جو اس کی آستین میں تھی اس کنبی سے ان کا منہ کھول کر کہا کہ کھاؤ اور لقمہ ان کے منہ میں ٹھونس دیا، حاتم نے کھایا پھر اس شخص سے بولے کہ اگر تم چاہتے ہو کہ خدا تعالیٰ اس کھانے سے تم کو نفع پہنچائے تو ان لوگوں کو کھلا دو، اپنے ہمراہیوں کی طرف اشارہ کیا۔

قاضی احمد بن سيار نے کہا کہ صوفیہ میں سے ایک شخص نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک سفر میں ایک شیخ کے ساتھ میں اور چند لوگ تھے، تو کل کا کچھ ذکر آیا، رزق کا اور نفس کے ضعف و قوت کا دوبارہ توکل مذکر ہوا، شیخ نے کہا کہ میرے ساتھ آدمیرے ساتھ آؤ، یہ کہہ کر بوی سخت قسمیں کھائیں کہ میں کوئی کھانے کی چیز نہ چکھوں گا حتیٰ کہ گرم گرم فالودہ کا پیالہ میرے پاس بھیجا جائے تو بھی نہ کھاؤں گا یہاں تک کہ مجھ کو قسم دی جائے، ہم لوگ صحرا کی طرف چلے جا رہے تھے، شیخ کو ایک دوسری جماعت نے کہا کہ جاہل ہے ہم چلتے چلتے ایک گاؤں میں پہنچے ایک دن اور دو راتیں گزر گئیں شیخ نے کچھ نہ کھایا جماعت نے ان کو چھوڑ دیا فقط میں ان کے ساتھ رہا، اس گاؤں کی مسجد میں وہ لیٹ رہے اور ضعف کے مارے گویا اپنے آپ کو موت کے سپرد کر دیا، میں ان کے پاس رہا جب چوتھا دن ہوا اور آدھی رات گزری اور شیخ مرنے کے قریب ہوئے کہ یکایک مسجد کا دروازہ کھلا اور ایک سیاہ فام لڑکی ایک طبق سرپوش دار لئے ہوئے آئی جب ہم کو اس نے دیکھا تو پوچھنے لگی کہ تم مسافر ہو یا گاؤں والے ہم نے کہا کہ مسافر ہیں، اس نے وہ طبق کھولا اور ایک فالودہ کا پیالہ جو گرمی کی وجہ سے جوش مارتا تھا نکالا اور کہنے لگی کہ کھاؤ، میں نے شیخ سے کہا کہ اس کو کھائیے، جواب دیا کہ میں نہیں کھاؤں گا لڑکی نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور زور سے طمانچہ مارا اور کہنے لگی کہ واللہ اگر تو نہ کھائے گا تو ہم یونہی تجھے طمانچہ مارتے رہیں گے حتیٰ کہ تو کھائے، شیخ نے مجھ سے کہا کہ میرے ساتھ کھا، ہم دونوں نے کھایا اور پیالہ خالی کر دیا، جب اس نے جانے کا ارادہ کیا تو میں نے اس لڑکی سے پوچھا کہ تو کون ہے اور یہ پیالہ کیسا ہے وہ بولی کہ میں اس گاؤں کے رئیس کی لونڈی ہوں وہ ایک تند مزاج شخص ہے، ہم سے فالودہ کا پیالہ مانگا ہم اس کے لئے فالودہ تیار کرنے لگے تو اس میں دیر لگی، پھر اس نے جلدی کی تو ہم نے کہا بہت اچھا، پھر اس نے

جلدی کی توہم نے کہا بہت اچھا، تو اس نے طلاق کی قسم کھائی کہ یہ پیالہ نہ میں کھاؤں گا اور نہ کوئی گھر کا اور نہ کوئی گاؤں کا اور فقط مسافر آدمی کھائے، ہم مسجدوں میں فقیروں کو تلاش کرنے لگے، تمہارے سوا کوئی نہ ملا اور اگر یہ شیخ نہ کھاتا تو اس کو برابر مارتی حتیٰ کہ کھا لیتا تاکہ میری مالکچہ کو ان کے شوہر کی جانب سے طلاق نہ پڑتی شیخ نے مجھ سے کہا کہ کیوں تم نے دیکھا جب خدا رزق پہنچاتا ہے تو یوں دیتا ہے۔

مصنفؒ نے کہا کہ بسا اوقات جاہل آدمی اس قصہ کو سن کر اعتقاد کرے گا کہ یہ کرامت ہے حالانکہ اس شخص نے جو کچھ کیا برے سے برا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو آزماتا اور اس پر قسم کھاتا ہے اور اپنے نفس پر حملہ کرتا ہے اور یہ اس کے لئے جائز نہیں تھا، ہم اس کا انکار نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر مہربانی فرمائی، مگر بات یہ ہے کہ اس شخص نے خلاف صواب کیا اور بسا اوقات اس کا جاری کرنا ردی ہوتا ہے کیونکہ وہ عقیدہ رکھتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس کا اکرام کیا اور اس کا کوئی رتبہ ہے ایسی حکایت حاتم رازی کی ہے جو پہلے گزری کیونکہ اگر وہ صحیح ہو تو بے علمی اور ناجائز کام کرنے پر دلالت کرتی ہے کیونکہ انہوں نے گمان کیا کہ توکل اسباب کے ترک کر دینے کا نام ہے، اگر وہ اپنے واقع کے مقتضی پر عمل کرتے تو نہ کھانے کو چباتے اور نہ نگلتے، پھر اس بے فائدہ کام میں کون سی قربت الہی ہے اور میں تو ان میں سے اکثر باتوں کو مانگو لیا سمجھتا ہوں، یہ جاہلوں کے ساتھ شیطان کا کھیل ہے، ان میں علم شرع کی کمی کی وجہ سے (شیطان ان سے کھیلتا رہتا ہے)

ابو اسحاق ابراہیم بن احمد طبری کہتے ہیں کہ مجھ سے جعفر خلدی نے ذکر کیا کہ میں نے عرفات پر چھین بار و قوف کیا جن میں اکیس مرتبہ موافق مذہب تھا، میں نے ابو اسحاق سے دریافت کیا کہ موافق مذہب سے ان کی کیا مراد تھی جواب دیا کہ تاثر یہ کہ پل پر چڑھتے تھے اور اپنی دونوں آستینیں پھاڑ دیتے تھے کہ سب جان جائیں کہ ان کے ساتھ توشہ اور پانی کچھ نہیں پھر تلبیہ پکارتے تھے اور چلتے تھے مصنف نے کہا کہ یہ مخالف شرع ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے و تزودوا الخ یعنی اپنے ساتھ توشہ لو، خود رسول اللہ ﷺ توشہ ہمراہ لے گئے ہیں، یوں کہنا ممکن نہیں کہ یہ آدمی مہینوں کی مدت تک کسی چیز کی حاجت نہیں رکھتا، پھر اگر وہ حاجت مند ہو اور ہلاک ہو گیا تو کنگار ہو گیا اور اگر لوگوں سے تعرض کرے گا اور ان سے کچھ مانگے گا تو دعویٰ توکل کے لئے یہ بات وافی نہ ہوگی اور اگر یہ دعا کرے کہ خدا تعالیٰ اس کا اکرام فرمائے گا اور بلا سبب اس کو

رزق پہنچے گا تو اس کی نظر اس پر ہے کہ وہ اس اکرام کا خود کو حقدار سمجھتا ہے بہر حال اگر وہ شریعت کی پیروی کرتا ہے اور توشہ باندھتا تو اس کے لئے ہر حال میں بہتر تھا۔

ابو شعیبہ متقح کی نسبت مجھ کو بہت تعجب انگیز واقعہ معلوم ہوا کہ انہوں نے پیادہ پا چل کر سترج کئے ہر ایک حج میں بیت المقدس کے ٹیلے سے احرام باندھا اور میدان تبوک میں توکل پر داخل ہوئے۔ جب آخری حج کو گئے تھے تو راہ میں دیکھا کہ جنگل میں ایک کتا پیاس کے مارے زبان نکال رہا ہے پکار کر بولے کون ہے جو ایک گھونٹ پانی کے بدلے سترج خریدے ایک شخص نے پیاس بھانے بھر پانی ان کو دیا، انہوں نے کتے کو پلایا اور کہا کہ یہ عمل سترج سے بہتر ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر ذی روح کے ساتھ نیکی کرنے میں اجر ملتا ہے، میں کہتا ہوں کہ میں نے ان امور کا اس واسطے ذکر کیا ہے کہ دانا سیر کرے ان لوگوں کے مبلغ علم کی اور توکل وغیرہ کے بارے میں ان کے فہم کی اور احکام شرع کے بارے میں ان کی مخالفت کی، اور میں نہیں جانتا کہ ان میں سے جو شخص خالی ہاتھ باہر نکلے تو وضو اور نماز کے بارے میں کیا کرے گا۔ اور اگر کپڑا پھٹ جائے اور اس کے پاس سوئی نہ ہو تو کیا کرے گا اور ان کے بعض مشائخ مسافر کو سفر سے پہلے سامان لے لینے کا حکم کرتے تھے۔

مصنفؒ نے کہا کہ ابراہیم خواص توکل میں یکتا تھے اس میں بال کی کھال نکالتے تھے، مگر سوئی اور ڈور اور مشکیزہ اور قینچی کو کبھی اپنے سے جدا نہ کرتے تھے، ان سے کسی نے کہا کہ آپ یہ چیزیں کیوں جمع کرتے ہیں حالانکہ آپ ہر شے سے منع کرتے ہیں، جواب دیا کہ ایسی چیزوں سے توکل میں نقصان نہیں آتا، کیونکہ ہم پر اللہ تعالیٰ کے فرائض ہیں اور فقیر کے جسم پر صرف ایک کپڑا ہوتا ہے بسا اوقات اس کا کپڑا پھٹ جاتا ہے اگر اس کے پاس سوئی ڈور نہ ہو تو اس کی شرمگاہ کھل جائے گی اور نماز فاسد ہوگی اور اگر اس کے ساتھ مشکیزہ یا لوٹا نہ ہو تو اس کی طہارت فاسد ہوگی، جب کسی فقیر کو تم بغیر سوئی اور ڈورے اور لوٹے کے دیکھو تو نماز کے بارے میں اس کو مہتمم کرو (یعنی یہ کہ وہ نماز کے آداب نہیں جلاتا)

سفر سے واپسی کے وقت صوفیہ پر تلمیس ابلیس کا بیان

مصنفؒ نے کہا کہ اس قوم کا مذہب ہے کہ مسافر جب سفر سے آئے اور رباط میں داخل ہو اور وہاں پر لوگ ہوں تو ان کو سلام نہ کرے بلکہ پہلے وضو کرنے کے مقام

پر جائے وہاں وضو کرے اور دو رکعت نماز پڑھے پھر شیخ کو سلام کرے بعد ازاں لوگوں کو سلام کرے یہ بدعت خلاف شریعت متاخرین صوفیہ نے نکالی ہے، کیونکہ فقہائے اسلام کا اجماع ہے کہ جو شخص جماعت پر داخل ہو سنت ہے کہ ان کو سلام کرے خواہ وضو ہو یا نہ ہو، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صوفیہ نے یہ مذہب چھوٹے لڑکوں سے لیا ہے، کیونکہ اکثر جب کسی بچے سے کہتے ہیں کہ تم نے ہم کو سلام کیوں نہیں کیا تو جواب دیتا ہے کہ میں نے ابھی اپنا منہ نہیں دھویا شاید یہ بات لڑکوں نے انہیں بدعتیوں سے سیکھی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ چھوٹے کو چاہیے کہ بڑے کو سلام کرے اور چلنے والا بیٹھنے ہوئے کو سلام کرے اور تھوڑے لوگ زیادہ جماعت کو سلام کریں، یہ حدیث صحیحین میں ہے، نیز صوفیہ کا مذہب ہے کہ جب کوئی سفر سے آئے تو اس کو جسم دینا چاہیے۔ ابو زرہ طاہر ابن محمد نے ہم کو خبر دی کہ ان کے باپ نے اپنی تصنیف میں ایک باب باندھا ہے کہ جو سفر سے آئے تو بوجہ ماندگی کے پہلی رات جسم دینا سنت طریقہ کیا ہے؟ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول سے حجت پکڑی ہے کہتے ہیں میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا ایک آپ کا غلام حبشی آپ ﷺ کی پشت مبارک دبارہا تھا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا حال ہے؟ فرمایا کہ اونٹنی نے مجھ کو گرا دیا۔

مصنفؒ نے کہا میرے بھائیوں اس شخص کی حدیث مذکور سے سند پکڑنے پر غور کرو۔ اس کو اس مضمون کا باب باندھنا چاہیے تھا کہ جس شخص کو اونٹنی گرا دے اس کا جسم دینا کس طرح سنت ہے اور سنت دینا پیٹھ کا ہو گا نہ کہ قدم کا، یہ کہاں سے ان کو ثابت ہوا کہ آپ سفر میں تھے اور دبائے گئے اول رات میں، علاوہ ازیں رسول اللہ ﷺ کا پیٹھ دینا جیسا کہ اتفاق ہوا تھا بوجہ درد پشت کے سنت کرنا چاہیے ایسے قصہ کے ذکر کرنے سے اس کے استخراج کا چھوڑ دینا بہتر ہے، صوفیہ کا مذہب یہ بھی ہے کہ جو سفر سے آئے اس کی دعوت کی جائے۔

ابن طاہر نے ایک باب باندھا جس میں بیان کیا ہے کہ صوفیہ سفر سے آنے والے کے لئے عیش منائیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے حجت پکڑی کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک سفر کیا۔ قریش میں سے ایک لڑکی نے منت مانی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو خیریت لائے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں دف جالے، مصنف نے کہا کہ ہم بیان کر چکے کہ دف مباح ہے چونکہ اس لڑکی نے ایک امر مباح کی نذر کی تھی آپ

ﷺ نے فرمایا کہ اپنی نذر پوری کر اس حدیث سے مسافر کے واپس آنے کے وقت نایچ اور گانے پر کیونکر حجت پکڑی جاسکتی ہے۔

صوفیہ پر تلمیس ابلیس کا بیان جب ان کے یہاں کوئی مر جائے

اس بارے میں شیطان کے بہت سے تلمیحات ہیں۔

تلمیس اول:- یہ کہ وہ کہتے ہیں ہم کو کسی مرنے والے پر رونانہ چاہیے جو شخص کسی مردہ کو رو دیا تو اہل عرفان کے طریقہ سے نکل گیا، انن عقیل نے کہا کہ یہ دعویٰ شریعت پر زیادتی ہے اور یہ بات کم عقلی کی ہے اور عادات اور طبائع سے خارج ہے اور مزاج معتدل سے پھر جانے کی باتیں ہیں لہذا چاہیے کہ ایسے شخص کا علاج ان دو دواں سے کیا جائے جو مزاج کو اعتدال پر لائیں، خود اللہ تعالیٰ نے ایک نبی بزرگ یعنی حضرت یعقوب کی نسبت خبر دی ہے و ابیضت عیناہ من الحزن فہو کظیم الخ (یوسف پ ۱۳ آیت ۸۴) یعنی غم کے مارے روتے روتے ان کی دونوں آنکھیں سفید ہو گئیں۔ اور کہتے تھے یا اسفی علی یوسف یعنی ہائے افسوس یوسف کیسا چلا گیا رسول اللہ ﷺ اپنے بیٹے کی موت پر روئے اور فرمایا العین تدمع آنکھیں ضرور آنسو بہاتی ہیں، اور فرمایا و اکرباہ حضرت فاطمہ نے آنحضرت ﷺ کی وفات پاتے وقت کہا تھا و اکرب ابتاہ تو کسی نے برا نہ منایا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے متم کو سنا کہ اپنے بھائی کا مرثیہ پڑھتا تھا جس کے ایک شعر کا ترجمہ یہ ہے، ہم دونوں بھائی ایک مدت دراز تک ایسے ساتھ رہے جس طرح جذیمہ بادشاہ کے دو مصاحب تھے حتیٰ کہ لوگ خیال کرتے تھے اب کبھی جدا نہ ہوں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کاش میں بھی شاعر ہوتا تو اپنے بھائی زید کا مرثیہ کہتا، متم نے جواب دیا کہ کہ اگر میرا بھائی اس طرح مرتا جس طرح آپ کے بھائی نے قضا کی تو میں اس کا مرثیہ نہ کہتا، متم کا بھائی مالک کفر پر مرا تھا اور حضرت زید نے شہادت پائی تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خوش ہو کر فرمایا کہ اے متم کسی نے میرے بھائی کی تعزیت ایسی نہیں کی جیسی تو نے کی، علاوہ ازیں خیال کرنا چاہیے کہ اونٹ ایسا سخت کلیجے والا جانور اپنی جائے مالوفہ اپنی آرام گاہ اور اپنے آدمیوں کے لئے زاری کرتا ہے اور اپنے بچے کے لئے بے قرار ہو جاتا ہے اور

پرندے تک شور مچاتے ہیں جو کوئی بلا میں مبتلا ہو گا وہ ضرور ہی تضرع و زاری کرے گا اور جس شخص کو خوشی اور خوش کن باتیں نہ ہلا دیں اور غم کی باتیں متغیر نہ کر دیں وہ گویا قریب جمادات کے ہے، رسول اللہ ﷺ نے مقتضائے طبیعت سے خارج ہونے کا عیب ظاہر فرمایا، اس شخص سے فرمایا جو کہتا تھا کہ میں نے آج تک اپنی اولاد میں سے کسی کا بوسہ نہیں لیا کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے دل میں سے رحمت نکال لی۔ اور آپ ﷺ جب مکہ سے نکلے تو اس کی طرف متوجہ ہوتے جاتے تھے، تو جو شخص ایسی بات چاہتا ہے جو شریعت سے خارج اور طبیعت سے دور ہے وہ جاہل ہے، جہالت کو چاہتا ہے، شریعت نے ہم سے اسی قدر خواہش کی ہے کہ ہم منہ پر پیٹیں اور گریبان نہ پھاڑیں لیکن آنسو بہانا اور دل میں غم کرنا کوئی عیب نہیں۔

تلمیس دوم:- یہ کہ صوفیہ کسی کے مر جانے کے بعد ایک دعوت کرتے ہیں جس کا نام عرس رکھا ہے اس میں راگ گاتے ہیں رقص کرتے ہیں اور کھیلتے کودتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم اس بات کی خوشی مناتے ہیں کہ میت اپنے پروردگار سے جا ملی، اس امر میں تین وجہ سے اس قوم کو شیطان نے فریب دیا ہے، ایک یہ کہ مسنون یوں ہے کہ اہل میت کے ہاں کھانا پکا کر پہنچایا جائے کیونکہ وہ لوگ بوجہ مصیبت کے کھانا تیار کرنے سے معذور ہیں لیکن یہ کوئی سنت نہیں کہ خود اہل میت کھانا پکائیں اور غیروں کے پاس بھیجیں، اہل میت کو کھانا پہنچانے کے لئے وہ حدیث اصل ہے کہ سفیان بن عیینہ نے بیان کیا کہ ہم سے جعفر بن خالد نے روایت کیا کہ میرے باپ نے عبد اللہ بن جعفر سے خبر دی کہ جب جعفر کی خبر موت آئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جعفر کے اہل و عیال کو کھانا پکا کر پہنچاؤ کیونکہ آج ان کو ایسا صدمہ ہے کہ وہ مجبور ہیں، ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن اور صحیح ہے، دوسرے یہ کہ صوفیہ میت کے لئے خوشیاں مناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ اپنے پروردگار سے جا ملا حالانکہ خوش ہونے کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ ہم یقین نہیں کر سکتے کہ وہ عشا گیا یا نہیں، اور یہ کوئی عقل کی بات نہیں کہ ہم اس کے لئے خوشی کریں اور وہ عذاب میں گرفتار ہو، عمر بن زر نے جب ان کا بیٹا مر گیا کہا کہ میں تیرے انجام کے غم کی وجہ سے تیرے مرنے پر غم کرنے پر مجبور ہوں خار جہ بن یزید انصاری نے ام علاء سے بیان کیا کہ جب عثمان ابن مظعون نے انتقال کیا تو ہمارے پاس رسول اللہ ﷺ تشریف لائے میں نے اس وقت عثمان کے بارے میں اتنا

کہا کہ اے ابوالسائب تجھ پر خدا کی رحمت ہو۔ میں تیرے لئے شہادت دیتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے تیرا اکرام فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ یہ سن کر فرمانے لگے کہ تم کیا جانتی ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا اکرام فرمایا، تیسرے یہ کہ صوفیہ اس دعوت عرس رقص کرتے ہیں اور کھیلتے ہیں، اس حرکت سے گویا طبائع سلیمہ کی حد سے خارج ہو جاتے ہیں کیونکہ طبع سلیم پر فراق کا اثر ہوتا ہے، پھر اگر ان کا مردہ عشا گیا ہے تو یہ رقص اور بازی کوئی شکر یہ نہیں، اور اگر گرفتار عذاب ہے تو غم و ملال کے آثار کہاں ہیں؟

تحصیل علم کے شغل کو ترک کرنے کی

نسبت صوفیہ پر تلمیس ابلیس کا بیان

مصنف نے کہا جانا چاہیے کہ لوگوں کے لئے شیطان کا پسلا فریب یہ ہے کہ ان کو علم سے باز رکھا کیونکہ علم ایک نور ہے جب شیطان نے ان کے چراغ ہی جھکائیے تو اندھیرے میں جس طور سے چاہیے ان کو ٹیڑھا تر چھالے جائے، اس بارے میں صوفیہ پر شیطان نے کئی جہت سے دخل پایا، ایک یہ کہ ان کی جماعت کثیر کو کلی طور پر حکم سے باز رکھا اور ان کو دکھلادیا کہ علم میں محنت و مشقت اٹھانے کی ضرورت ہوتی ہے اور آرام و تن آسانی کو ان کے لئے عمدہ کر دکھایا لہذا انہوں نے مرقع (مخصوص لباس) پہن لیا اور فرش فاسد پر بیٹھ گئے، شافعیؒ نے فرمایا کہ تصوف کی بنیاد سستی پر رکھی گئی ہے، شافعیؒ کے قول کی توضیح یہ ہے کہ نفس کا مقصود یا ریاست ہے یا دنیا کو حاصل کرنا، ریاست اور مال کا سیمینا وجہ علوم کے دیر میں حاصل ہوتا ہے اور بدن کو رنج و مشقت میں ڈالتا ہے، خواہ مقصود حاصل ہو یا نہ ہو، صوفیہ نے ریاست کو جلد حاصل کیا، کیونکہ وہ نگاہ زد سے دیکھے جاتے ہیں اور دنیا کو حاصل کیا وہ ان کے پاس دوڑ کر آتی ہے۔

صوفیہ میں سے کچھ ایسے ہیں جو علماء کی مذمت کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ علم میں مشغول ہونا بیکار و بے سود ہے اور کہتے ہیں کہ ہمارے علوم بلا واسطہ ہیں، جب انہوں نے طلب علم میں بعد طریق دیکھا (یعنی یہ کہ اس کا حاصل کرنا آسان نہیں) تو کوتاہ کپڑے پہن لئے، پیوند لگے جبے سنبھالے لوٹا ساتھ لیا اور زہد کا اظہار کیا۔

دوسری جہت یہ ہے کہ کچھ صوفیہ نے مختصر علم پر قناعت کی لہذا افضل کثیر ان سے فوت ہو گیا، صرف الفاظ حدیث پر قانع ہوئے اور وہم میں پڑ گئے کہ اسناد کا اعلیٰ

ہونا اور حدیث کے لئے درس و تدریس میں پڑنا سب ریاست اور دنیا طلبی ہے اور نفس کو اس میں مزہ ملتا ہے، اس شیطانی فریب کا دور کرنا اس طور پر ہے کہ جو مرتبہ بلند ہوگا اس میں فضیلت بھی ہوگی اور خطرہ بھی ہوگا۔ امارت اور قضا اور فتوے سب خطرہ ہے لیکن بہت بڑی فضیلت بھی ہے، ہمیشہ کا شاگلاب کے ساتھ ہوتا ہے، انسان کو چاہیے کہ فضائل کو طلب کرے اور ان کے ضمن میں جو آفتیں ہیں ان سے بچا رہے، یہ بات کہ طبعی طور پر ریاست کی محبت انسان میں رکھی گئی ہے تو وہ اسی فضیلت کے حاصل کرنے کو عطا ہوئی ہے، جس طرح نکاح کی محبت طبعاً دی گئی تاکہ اولاد حاصل ہو اور عالم کا قصد علم ہی سے حاصل ہوتا ہے چنانچہ یزید بن ہارون نے کہا کہ ہم نے علم کو غیر خدا کے لئے طلب کیا مگر علم ہمیشہ خدا ہی کا ہو کر رہا، اس کا مطلب یہ ہے کہ علم نے ہم کو اخلاص کی ہدایت کی اور جو شخص یہ چاہے کہ نفس سے اس کی طبعی خواہش زائل کر دے تو ممکن نہیں۔

تیسری جہت یہ ہے کہ شیطان نے صوفیہ میں سے ایک قوم کو اس وہم میں ڈالا کہ مقصود اصلی عمل ہے، یہ لوگ اتنا نہ سمجھے کہ علم میں مشغول ہونا پورا پورا عمل ہے، پھر عالم اگر طریق عمل میں کوتاہی بھی کرے گا تو راہ راست پر ہوگا، اور عابد بے علم غیر طریق پر ہوگا۔

چوتھی جہت یہ ہے کہ البلیس نے ایک جماعت کثیر کو یہ پڑھا دیا کہ علم وہ ہے کہ بذریعہ باطن حاصل ہوتا ہے، حتیٰ کہ ایک صوفی جس کے وسوسے اس کے دل میں خیالات پر آگندہ ڈال دیئے کتا ہے کہ حدثنی قلبی عن ربی یعنی مجھ سے میرے دل نے بیان کیا کہ خدا فرماتا ہے شبلی یہ شعر پڑھتے تھے۔

إذا طالبونی بعلم الورق

برزت علیہم بعلم الخرق

(ترجمہ) جب لوگ مجھ سے کتاب علم کے بارے میں درخواست کرتے ہیں تو میں ان کو خرق و کرامت کا علم سکھاتا ہوں، انہوں نے علوم شرعیہ کا نام علم ظاہر رکھا اور خطرات نفسانی کا علم باطن اور اس پر حجت اس حدیث سے پکڑتے ہیں کہ حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا علم باطن ایک راز ہے اسرار الہی سے اور ایک حکم ہے احکام خدا سے، اللہ تعالیٰ اس راز کو اپنے اولیاء میں سے جس کے دل میں چاہتا ہے ڈالتا ہے۔

مصنفؒ نے کہا اس حدیث کی رسول اللہ ﷺ سے کوئی اصل نہیں اس کی اسناد میں نامعلوم غیر معتبر (مجمول) لوگ ہیں۔

ابو موسیٰ کہتے ہیں کہ ابو یزید کے پڑوس میں ایک عالم فقیہ رہتے تھے وہ ابو یزید کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ میں نے بہت سی عجیب حکایتیں سنیں جو تم سے روایت کی گئیں، جواب دیا کہ میری عجیب روایتیں جو تم نے نہیں سنی ہیں وہ بھی زیادہ ہیں عالم نے کہا کہ اے ابو یزید تم نے یہ علم کس سے حاصل کیا اور کہاں سے لائے؟ کہنے لگے میرا علم عطائے الہی ہے اور اس مقام سے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص جس قدر جانتا ہے اس پر عمل کرے گا، تو اللہ تعالیٰ اس کو اس چیز کا علم بھی بخش دے گا جس کو وہ نہیں جانتا، نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ علم کی دو قسمیں ہیں، ایک علم ظاہر جو خلق کے لئے اللہ تعالیٰ کی حجت ہے اور دوسرا علم باطن، یہی علم نافع ہے، اے بزرگ تمہارا علم تو بذریعہ لسان تعلیم کے منقول ہے اور میرا علم خدا کی طرف سے الہام ہے، عالم نے جواب دیا کہ میرا علم ثقات سے ہے جو رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ جبرائیل سے اور جبرائیل اللہ تعالیٰ سے بیان کرتے ہیں، ابو یزید بولے کہ اے شیخ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ سے ایک اور علم پہنچا جس کو نہ جبرائیل جانتے ہیں اور نہ میکائیل خبر رکھتے ہیں عالم نے کہا سچ ہے مگر میں چاہتا ہوں کہ مجھ کو صحیح طور پر تمہارا علم معلوم ہو جائے جس کو خدا کے یہاں سے بتاتے ہو، ابو یزید نے کہا کہ بہت اچھا میں تم سے اس قدر بیان کرتا ہوں جس قدر کی معرفت تمہارے دل میں قرار پکڑ سکے، پھر بولے کہ اے شیخ تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا اور رسول اللہ ﷺ سے گفتگو کی اور آنحضرت ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو بے حجاب دیکھا اور انبیاء علیہم السلام کا حکم وہی ہوتا ہے عالم نے جواب دیا کہ سچ ہے، ابو یزید بولے کہ تم جانتے ہو کہ صدیقین اور اولیاء کا کلام الہام الہی ہوتا ہے اور ان کے دلوں میں خدا کے فوائد ہوتے ہیں، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ان کو زبان حکمت عطا فرماتا ہے اور امت کو ان کی ذات سے نفع پہنچاتا ہے اور میرے اس دعویٰ کی تائید یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کی والدہ کو الہام فرمایا کہ موسیٰ کو تباہی میں ڈال دے انہوں نے ویسا ہی کیا، اور خضر علیہ السلام کو کشتی اور لڑکے اور دیوار کے بارے میں الہام فرمایا اور نیز یہ قول الہام فرمایا کہ وما فعلته عن امری (الکہف پ ۱۶ آیت ۸۲) یعنی یہ سب باتیں میں نے اپنے جی سے نہیں کیں اور جیسا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ سے فرمایا

کہ خارجہ کی لڑکی کو ایک لڑکی کا حمل ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو الہام فرمایا آپ نے خطبہ میں کہا تھا کہ یا ساریہ الجبل یعنی اے ساریہ پہاڑ کی طرف۔
ابراہیم کہتے ہیں کہ میں ابو یزید کی مجلس میں حاضر ہوا لوگ بیان کرنے لگے کہ فلاں نے فلاں سے روایت کی اور اس سے علم حاصل کیا اور بہت سی حدیثیں نقل کیں اور فلاں نے فلاں سے ملاقات کی اور حدیث روایت کی، ابو یزید سن کر بولے اے مسکینو، تم نے مرے ہوؤں کا علم مرے ہوؤں سے لیا اور ہم نے حی لایموت سے علم حاصل کیا۔

مصنفؒ نے کہا کہ پہلی حکایت میں جو ابو یزید نے استخراج فقہ کیا ہے بوجہ کم علمی کے ہے کیونکہ اگر عالم ہوتے تو جان لیتے کہ کسی شے کا الہام ہونا علم کے منافی نہیں اور الہام کے سبب علم سے فراغت نہیں ہو سکتی اور اس کا کوئی انکار نہیں کرتا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کو کسی چیز کا الہام ہوتا ہے چنانچہ حدیث شریف میں ہے۔ کہ امتوں میں محدثین ہوئے ہیں اگر میری امت میں کوئی ہے تو عمر ہے، محدث بنانے سے مراد الہام خیر ہے لیکن صاحب الہام پر اگر علم کے خلاف الہام ہو تو اس کو اس پر عمل کرنا جائز نہیں، حضرت خضر علیہ السلام کی نسبت یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ نبی ہیں اور اس بات کا انکار نہیں کیا جاتا کہ انبیاء کو وحی کے ذریعہ نتائج امور پر اطلاع ہو جاتی ہے اور الہام تو کچھ علم میں داخل بھی نہیں فقط علم اور تقویٰ کا ثمرہ ہے تو صاحب تقویٰ کو خیر کی توفیق دی جاتی ہے تو اس کو رشد کا الہام ہوتا ہے باقی رہا علم کا ترک کرنا اور الہام اور خواطر پر بھروسہ کرنا یہ کوئی چیز نہیں، کیونکہ اگر علم نقلی نہ ہو تو ہم ہر گز نہ پہچانیں کہ نفس میں جو بات القاء ہوئی الہام خیر ہے یا شیطانی و سوسہ ہے، یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ علم الہی جو قلوب میں القا ہوتا ہے علم منقول سے کفایت نہیں کرتا جیسا کہ علم عقلی علم شرعی سے گامزن ہوتا کیونکہ علم عقلی بمنزلہ غذا کے ہے اور علم شرعی مثل دوا کے ہے غذا اور دوا میں سے کوئی ایک دوسرے کے قائم مقام نہیں ہو سکتا، صوفیہ کا یہ قول کہ علماء نے مرے ہوؤں کا علم مرے ہوؤں سے لیا۔ اس قول کو بہتر ہے کہ اس کی طرف نسبت کیا جائے کہ وہ نہیں جانتا اس قول کے ضمن میں کیا باتیں ہیں، ورنہ یہ صریحاً شریعت پر طعن کرنا ہے، ابو حفص بن شاہین کہتے ہیں کہ کچھ ایسے صوفیہ ہیں جو علم میں مشغول ہونا بطالت (بیکار) خیال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے علوم بلا واسطہ ہیں، حالانکہ متقدمین جو اہل تصوف ہوئے ہیں وہ قرآن اور فقہ میں رئیس

(ماہر) تھے کیا انہوں نے بطالت کو پسند کیا۔

ابو حامد طوسی نے کہا جانا چاہیے کہ اہل تصوف کی رغبت علوم الہام کی طرف ہوتی ہے علوم تعلیمی کی جانب نہیں ہوتی، اسی لئے صوفیہ علم کے درس لینے اور مصنفوں کی تصنیفات حاصل کرنے کے حریص نہیں ہوتے بلکہ کہتے ہیں راہ راست یہ ہے کہ صفات مذمومہ کو مٹا کر اور تمام علائق سے قطع تعلق کر کے مجاہدات کو مقدم کرے اور کنہ ہمت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو اور یہ اس طور پر ہے کہ اپنے قصد کو اہل و عیال، مال و اولاد اور علم سے علیحدہ کرے اور تنہا ایک گوشہ میں بیٹھے فرائض و واجبات کے ادا کرنے پر اکتفا کرے اور اپنے قصد کو تلاوت قرآن اور اس کی تفسیر کے سوچنے کے ساتھ پرانگندہ نہ کرے اور حدیث وغیرہ نہ لکھے ہمیشہ اللہ اللہ کرتا رہے تا آنکہ ایسی حالت پر پہنچ جائے کہ زبان کو حرکت دینا بھی چھوٹ جائے پھر قلب پر سے لفظ کی صورت بھی محو ہو جائے۔

مصنف نے کہا کہ مجھ کو زیادہ اچنبھا اس بات کا ہے کہ یہ کلام ایک فقیہ سے صادر ہوا، کیونکہ اس تقریر میں جو قباحت ہے پوشیدہ نہیں، گویا حقیقت میں بساط شریعت کو بالکل تہہ کر دیا ہے وہ شریعت کہ تلاوت قرآن اور طلب علم پر برا بیخستہ کرتی ہے اور اس طرز فکر کی بنا پر علمائے کرام کے سب فضائل فوت ہو جاتے ہیں کیونکہ انہوں نے اس طریق کی پیروی نہیں کی صرف علم میں مشغول رہے اور جس بنا پر ابو حامد نے ترتیب دی ہے تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ نفس اپنے وسوساں اور خیالات کا محور ہے اور اس کے پاس وہ علم نہ ہو جو ان وسوساں کو دور کرے لہذا شیطان اس کے ساتھ خوب کھیل کھیلے گا اور وسوسہ کو کلام اور مناجات منائے گا اور اس بات کا انکار نہیں کیا جاتا کہ جب قلب پاک ہوتا ہے تو انوار ہدایت اس پر نزول کرتے ہیں اور وہ نور الہی سے دیکھتا ہے، مگر یہ ضروری ہے کہ قلب کی پاکی حسب مقتضائے علم ہر منافی علم نہ ہو، کیونکہ سخت بھوک اور میداری اور خیالات میں وقت کا ضائع کرنا ایسے امور ہیں جن سے شریعت منع کرتی ہے، صاحب شرع سے کوئی چیز اس سبب کے ذریعہ سے مل سکتی جس سے اس نے منع فرمادیا، جس طرح رخصت پر عمل کرنا اس سفر میں مباح نہیں جس سے ممانعت آئی ہے، پھر علم اور ریاضت میں کوئی منافات نہیں بلکہ ریاضت کی کیفیت عالم خوب جانتا ہے اور اس کے صحیح رکھنے کی کوشش کرتا ہے، البتہ اس قوم کے ساتھ ضروری شیطان کھیلتا ہے جو علم سے دور ہیں اور ریاضت پر اس طریق سے متوجہ ہیں

جس سے علم منع کرتا ہے اور اس قوم سے علم دور رہے۔ لہذا کبھی وہ کام کر بیٹھتے ہیں جو ممنوع ہے، اور کبھی ایسی حرکت جلاتے ہیں جس کے خلاف کرنا بہتر ہے اور ان واقعات میں علم ہی فتویٰ دیتا ہے اور یہ لوگ علم سے برطرف ہیں۔ اس رسوائی سے خدا محفوظ رکھے۔

ابن ناصر نے ابو علی بن النبا سے روایت کیا کہ بازار اسلحہ میں ہمارے پاس ایک شخص تھا جو کہتا تھا کہ قرآن حجاب ہے اور رسول حجاب ہے۔ بجز عبد اور رب کے کچھ نہیں، اس قول سے ایک جماعت فتنہ میں پڑ گئی اور عبادت کو میکار کر دیا اور وہ شخص قتل کے خوف سے چھپ رہا، بجز بن حفص کہتے ہیں کہ ضرار بن عمرو نے کہا کہ ایک قوم نے علم اور اہل علم کی مجلسوں کو چھوڑ دیا اور محرابوں کو اختیار کر لیا، روزہ رکھنے اور نماز پڑھنے لگے، حتیٰ کہ ہڈیوں سے کھال جدا ہو گئی اور سنت کے خلاف کیا لہذا اہلاک ہو گئے، قسم اس ذات پاک کی جس کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں جو عامل جہل پر عمل کرے گا وہ ضرور سنوارنے سے زیادہ اپنے آپ کو بگاڑے گا۔

فصل :- اکثر صوفیہ نے شریعت اور حقیقت میں فرق نکالا ہے حالانکہ یہ قول فقط قائل کی نافی ہے کیونکہ شریعت سب کی سب حقائق ہے پس اگر اس قول سے مراد عزیمت ہے اور رخصت ہے تو وہ دونوں بھی شریعت ہیں، خود قدمائے صوفیہ کی ایک جماعت نے ان لوگوں کے ظواہر شرع سے اعراض کرنے پر انکار ان سے اختلاف کیا ہے ابو الحسن جو بصرہ میں شعوانہ کے غلام تھے کہتے ہیں کہ ابو الحسن بن سالم نے بیان کیا کہ سہل بن عبد اللہ کے پاس ایک شخص آیا اس کے ہاتھ میں دوات اور ایک میاض تھی، سہل سے کہا کہ میں آپ کے پاس اس غرض سے آیا ہوں کہ ایسی چیز لکھ لے جاؤں جس سے خدا مجھ کو نفع پہنچائے سہل نے کہا ہاں لکھو اگر ممکن ہو سکے کہ تم خدا سے ایسی حالت میں ملو کہ تمہارے ہاتھ میں دوات اور میاض ہو تو ایسا ہی کرو، وہ بولا کہ اے محمد مجھے کوئی فائدے کی بات بتاؤ، جواب دیا کہ دنیا سراپا جہل ہے بجز علم کے اور علم بالکل حجت ہے جس پر عمل ہو اور عمل سب کا سب موقوف ہے بجز اس کے جو مطابق سنت ہو اور سنت تقویٰ پر قائم ہے، سہل بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ سیاہی کو سفیدی پر نگاہ رکھو جو شخص ظاہری کو چھوڑ دے گا ضرور زندقہ ہو جائے گا، سہل بن عبد اللہ نے کہا کہ خدا سے ملنے کا طریق علم سے افضل کوئی نہیں میں نے طریق علم سے ایک قدم تجاوز نہ

کیا ابو جرد قاق نے کہا کہ میں نے ابو سعید خزاز سے سنا ہے کہ جو باطن خلاف ظاہر ہو وہ باطل ہے ابو جرد قاق نے کہا میں اس میدان (تبیہ) میں چلا جا رہا تھا جہاں بنی اسرائیل بھٹکے پھرے تھے کہ میرے دل میں خدشہ گزرا کہ علم حقیقت شریعت کے خلاف ہے اتنے میں درخت کے تلے سے مجھ کو ایک ہاتف نے آواز دی کہ جو حقیقت تابع شریعت نہ ہو وہ کفر ہے۔

مصنفؒ نے کہا کہ امام ابو حامد غزالی نے کتاب احیاء العلوم میں اس کو بیان کیا ہے اور کہا ہے کہ جو شخص یوں کہے کہ حقیقت خلاف شریعت ہے یا باطن خلاف ظاہر ہے تو وہ بہ نسبت ایمان کے کفر سے زیادہ قریب ہے۔ ابن عقیل نے کہا کہ صوفیہ نے شریعت ایک نام گردانا ہے اور کہتے ہیں کہ مراد اس سے حقیقت ہے ابن عقیل نے کہا کہ یہ قول قبیح ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے شریعت کو خلقت کی مصلحتوں اور عبادتوں کے لئے مقرر فرمایا ہے اب اس تحقیق کے بعد جس کو حقیقت کہتے ہیں وہ کچھ نہیں صرف ایک خیال ہے جو شیطان نے نفوس میں ڈال دیا ہے۔ اور جو شخص شریعت چھوڑ کر حقیقت کو طلب کرے وہ فریب کھایا ہو اور دھوکا دیا ہوا ہے۔

علم کی کتابیں دفن کر دینے اور دریا میں بہا دینے کی

نسبت صوفیہ کی ایک جماعت پر تلمیس ابلیس کا بیان

مصنفؒ نے کہا کہ صوفیہ میں سے ایک گروہ ایسا ہے جو ایک مدت کثمت علم میں مشغول رہے پھر ان کو شیطان نے فریب دیا اور یہ پٹی پڑھائی کہ مقصود اصلی فعل ہے لہذا انہوں نے کتابیں دفن کر دیں ابراہیم بن یوسف نے ہم سے بیان کیا کہ احمد بن ابی الحواری نے اپنی کتابیں دریا میں بہا دیں اور کہا کہ کتابیں عمدہ دلیل ہیں اور بعد وصول مطلب کے دلیل میں مشغول ہونا محال ہے احمد بن ابی الحواری نے تیس برس تک تحصیل علم کی تھی جب انتہا کو پہنچ گئے تو کتابیں لے کر دریا برد کر ڈالیں اور کہا کہ اے علم میں نے تیرے ساتھ یہ معاملہ تجھ کو ذلیل کرنے اور ناقابل وقعت سمجھ کر نہیں کیا بلکہ میں تجھ کو اس لئے حاصل کرتا تھا کہ تیری وجہ سے اپنے پروردگار کا راستہ پاؤں جب مجھ کو راہ مل گئی تو تیری حاجت نہ رہی ابو الحسن بن الخلال کی نسبت ہم کو یہ خبر ملی کہ بڑے صاحب فہم تھے اور حدیث کے لئے محنت کرتے تھے اور تصوف سیکھتے تھے اور

ایک مدت حدیث کو دہرایا کرتے تھے۔ پھر رجوع کر کے لکھتے تھے، مجھ کو خبر پہنچی ہے کہ انہوں نے اپنی تمام قدیمی سنی ہوئی حدیثیں دجلہ میں پھینک دیں اور ان کا اول سماع ابو العباس اصم اور ان کے طبقہ سے ہے اور بہت سی حدیثیں ان سے لکھی تھیں۔

ابو طاہر جتہذی کہتے ہیں کہ موسیٰ بن ہارون ہم کو حدیث پڑھ کر سناتے تھے، جب جزر و پورا ہو جاتا تھا تو جلسہ اس کو دجلہ میں بہا دیتے تھے اور کہتے تھے کہ میں نے اس کا حق ادا کر دیا، ابو نصر طوسی کہتے ہیں کہ مشائخ رے سے میں نے سنا ہے کہ ابو عبد اللہ مقری اپنے باپ کے ترکہ میں سے علاوہ اسباب اور زمین کے پچاس ہزار دینار کے وارث ہوئے تو تمام سے علیحدہ ہو گئے اور اس کو فقیروں پر خیرات کر دیا، رازی کہتا ہے کہ میں نے ابو عبد اللہ سے اس بارے میں سوال کیا، تو جواب دیا کہ ایک زمانے میں جب میں نوجوان لڑکا تھا تو میں نے احرام باندھا تھا مکہ کی طرف نکلا اس وقت کوئی ایسی چیز نہ رہی جس کے لئے میں پھر واپس آؤں اور میری کوشش یہ تھی کہ کتابوں سے برطرفی اختیار کروں اور میں نے جو حدیث اور علم جمع کیا تھا وہ میرے لئے اس سے بھی سخت تر تھا کہ مکہ کی طرف جاؤں اور سفر طے کروں اور اپنی جائیداد سے علیحدہ ہوں، محمد بن الحسین بغدادی سے سنا گیا، بیان کرتے تھے کہ میں نے شبلی سے سنا کہ لگے کہ میں ایسے شخص کو جانتا ہوں جو اس شان میں اس وقت داخل ہوا ہے کہ پہلے اپنا تمام مال خیرات کر چکا اور اس دجلہ میں ستر صندوق کتابوں سے بھرے ہوئے بہا چکا جن کو اس نے اپنے قلم سے لکھا تھا اور موطاء کو حفظ کیا تھا اور فلاں فلاں کتاب پڑھی تھی، شبلی کی مراد اس شخص سے اپنی ذات تھی۔

مصنفؒ نے کہا کہ پیشتر میان ہو چکا کہ علم ایک نور ہے اور الیسیس انسان کو سمجھاتا ہے کہ نور کا بھجا دینا بہتر ہے تاکہ اس پر تاریکی میں قابو پائے اور جہل کی تاریکی سے بڑھ کر کوئی تاریکی نہیں جب الیسیس کو خوف ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو یہ لوگ پھر دوبارہ کتابوں کا مطالعہ کریں اور اس کے معاملہ پر آگاہ ہوں تو ان کو کتابوں کا دفن اور ضائع کر دینا عمدہ کر دکھایا حالانکہ یہ حرکت قبیح اور ممنوع ہے اور کتابوں کے مقصود نہ جاننے کا نتیجہ ہے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ علوم کی اصل قرآن اور سنت ہے، جب شرع نے یہ جانا کہ اس کی نگہداشت دشوار ہے تو قرآن اور حدیث لکھنے کا حکم دیا، قرآن کے بارے میں یوں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ پر کوئی آیت نازل ہوتی تھی تو آپ ﷺ کاتب کو بلواتے تھے، اور وہ آیت لکھواتے تھے، صحابہ رضی اللہ عنہم آیتوں کو لکڑیوں اور

پتھروں پر لکھا کرتے تھے، آنحضرت ﷺ کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قرآن شریف کو مصحف میں جمع کیا بعد ازاں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کی نقلیں کیں یہ سب کچھ اسی لئے تھا کہ قرآن شریف محفوظ رہے اور اس سے کوئی چیز جدا نہ ہو باقی رہی سنت تو رسول اللہ ﷺ نے شروع اسلام میں لوگوں کو صرف قرآن شریف ہی پر موقوف رکھا اور فرمایا کہ قرآن کے سوا کچھ مجھ سے سن کر مت لکھو بعد ازاں جب حدیثیں بھرت ہوئیں اور آپ نے قلت ضبط ملاحظہ فرمائی تو لکھ لینے کا حکم دے دیا، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آکر کمی حفظ کی شکایت کی آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنے حفظ پر اپنے ہاتھ سے مدد لو یعنی لکھ لیا کرو، عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے روایت کی کہ حضرت ﷺ نے فرمایا علم کو مقید کر لو، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس کا قید کرنا کیونکر ہے؟ فرمایا کہ لکھ لو، ارفع بن خدیج نے روایت کی کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم لوگ آپ سے بہت سی باتیں سنتے ہیں آیا انہیں لکھ لیا کریں؟ فرمایا لکھا کرو کوئی حرج نہیں۔ مصنف نے کہا کہ جانا چاہیے صحابہ رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ کے الفاظ اور حرکات اور افعال کو منضبط کیا ہے۔ اور روایت در روایت پہنچ کر شریعت جمع ہوئی۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو مجھ سے سنو وہ دوسروں تک پہنچا دو اور نیز یہ فرمایا کہ خدا اس شخص کو ہر اہل اہل کھے جو مجھ سے کوئی بات سنے اور اس کو خواب نگاہ رکھے پھر جس طرح سنا تھا اسی طرح دوسرے کو پہنچا دے، حدیث کو سن کر لفظ بلفظ اسی طرح بیان کرنا بغیر لکھ لینے کے مشکل ہے کیونکہ یادداشت پر بھروسہ نہیں ہو سکتا، احمد بن حنبل کی نسبت کہتے ہیں کہ آپ حدیث بیان کرتے تھے لوگ ان سے کہتے تھے کہ آپ زبانی سنا دیجئے، جواب دیتے تھے کہ نہیں بغیر کتاب کے نہ بیان کروں گا، علی بن المدینی نے کہا کہ مجھ کو میرے آقا احمد بن حنبل نے حکم دیا کہ بغیر کتاب میں دیکھے حدیث نہ بیان کروں، اب جب کہ صحابہ رضی اللہ عنہما نے سنت کو روایت کیا ہو اور ان سے تابعین نے لیا ہو اور محدثین نے سفر کئے ہوں اور زمین کے مشرق و مغرب کو طے کیا ہو تا کہ ایک کلمہ یہاں سے حاصل کریں دوسرا لفظ وہاں سے لیں اور صحیح احادیث کی تصحیح کی اور غیر صحیح کو ناقص بتایا ہو اور راویوں میں جرح و تعدیل کی ہو اور سنن کو ترتیب دی ہو اور نصیحتیں کی ہوں، پھر جو شخص اس کو دھوکا ڈالے وہ اس جفاکشی کو

کارت کرتا ہے اور کسی واقعہ میں خدا کا حکم نہیں جانتا ہے کہ ایسی باتوں میں کیا شریعت کی مخالفت کی گئی ہے، کسی دوسری شریعت میں یہ بات نہیں پائی جاتی، کیا ہم سے پہلی شریعتوں میں کسی شریعت کی اسناد اس کے نبی تک پہنچی ہے ہرگز نہیں یہ خصوصیت فقط اسی امت کے لئے ہے، امام احمد بن حنبلؒ کی نسبت ہم بیان کر چکے کہ باوجودیکہ وہ طلب حدیث میں مشرق و مغرب پھرے تھے ایک بار اپنے بیٹے سے پوچھا کہ تم نے فلاں شیخ سے کیا نقل کیا؟ ان کے بیٹے نے یہ حدیث سنائی کہ رسول اللہ ﷺ عید کے دن نماز کو ایک راستہ سے تشریف لے جاتے تھے اور دوسری راہ سے واپس ہوتے تھے، امام احمد بن حنبلؒ نے کہا کہ انا للہ وانا الیہ راجعون، سنن رسول اللہ ﷺ سے ایک سنت مجھ کو نہیں پہنچی امام کا یہ قول ہے باوجود اس کے کہ کثرت سے حدیثیں جمع کی تھیں اب اس شخص کو کیا کہا جائے جو حدیث لکھتا ہی نہیں جب لکھتا ہے تو دھوڑا لیتا ہے، تم کہہ سکتے ہو کہ جب کتابیں دفن اور دریا برد کر دی جائیں تو فتاویٰ اور نئے واقعات ظاہر ہونے کی حالت میں کس چیز پر اعتماد کیا جائے کہ فلاں زاہد اور فلاں صوفی سے فتویٰ لیا جائے گا یا نفس میں جو خطرات آتے ہیں ان پر بھروسہ کیا جائے گا، ہدایت کے بعد گمراہی سے خدا پناہ دے۔

فصل :- اور یہ کتابیں جن کو ان لوگوں نے دفن کیا تین حال سے خالی نہیں، یا ان میں حق ہو گا یا باطل، یا حق باطل کے ساتھ ملا ہوا ہو گا، اگر ان میں باطل تھا تو جس نے دفن کیا اس پر کچھ ملامت نہیں اور اگر حق باطل سے ملا ہوا تھا اور اس کی تمیز ممکن نہ تھی تو ان کے ضائع کرنے کے لئے بھی عذر ہے، کیونکہ بہت سے لوگوں نے معتبر اور جھوٹے دونوں قسم کے لوگوں سے حدیث لکھی تو اصل بات ان پر محتاط ہو گئی تو انہوں نے ان کتابوں کو دفن کر دیا، سفیان ثوریؒ سے جو کتابوں کا دفن کرنا منقول ہے وہ اسی پر محمول ہے اور اگر ان میں حق اور شرع تھی تو ان کا ضائع کرنا بالکل جائز نہیں، کیونکہ ضائع کرنا علم اور مال کے لئے قاعدہ نہیں اور جو شخص ان کے ضائع کرنے کا قصد کرتا ہے چاہیے کہ اس کی غرض پوچھی جائے اگر یوں کہے کہ کتابیں مجھ کو عبادت سے دوسری جانب مشغول کر دیں گی تو اس کا جواب تین طرح سے ہے، ایک یہ کہ اگر تم سمجھ ہوتی تو جان لیتے کہ علم کا شغل رکھنا پوری عبادت ہے، دوسرے یہ کہ جو روشن ضمیری تم کو حاصل ہوئی ہے یہ ہمیشہ نہیں رہ سکتی، گویا کہ میں تمہیں دیکھ رہا ہوں وقت

گزر جانے کے بعد تم اپنی حرکت پر پشیمانی اٹھا رہے ہو اور واضح ہو کہ دل ہمیشہ صفائی پر نہیں رہتے بلکہ رنگ آلود ہو جاتے ہیں تو ان کے جلا کرنے کی ضرورت ہوتی ہے جیسے علمی کتابوں کا دیکھنا، یوسف بن سباط نے اپنی کتابیں دفن کر دی تھیں، لیکن حدیث بیان کئے بغیر صبر بھی نہ آتا تھا، لہذا یادداشت پر حدیث سنانے لگے اور خلط کر دیا، تیسرے یہ کہ ہم مان لیتے ہیں کہ تمہاری روشن دلی کامل ہے اور ہمیشہ رہے گی اور تم کو کتابوں کی ضرورت بھی نہیں مگر اہل طلب میں سے کسی مبتدی کو جو تمہارے مقام تک نہیں پہنچا وہ کتابیں بہہ کیوں نہیں کر دیں یا ایسے لوگوں کو کیوں وقف نہ کیں جو ان سے نفع اٹھاتے کتابوں کا ضائع کرنا کسی حال میں درست نہیں، مروزی نے احمد بن حنبلؒ سے روایت کیا کہ ان سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو یہ وصیت کرے کہ اس کی کتابیں دفن کر دی جائیں، جواب دیا کہ میں اس کو پسند نہیں کرتا کہ علم کو دفن کر دیا جائے، مروزی کہتے ہیں کہ میں نے احمد بن حنبلؒ سے سنا کہتے تھے کہ میں کتابیں دفن کرنے کی کوئی وجہ نہیں جانتا۔

علم میں مشغول رہنے والوں پر اعتراض کرنے کے

بارے میں صوفیہ پر تلمیس ابلیس کا بیان

مصنفؒ نے کہا کہ جب صوفیاء کی دو قسمیں ہوئیں ایک تو وہ جو طلب علم میں کاہل رہے، دوسرے وہ جنہوں نے یہ گمان کیا کہ علم وہی ہے جو عبادت کے نتائج سے نفس میں القا ہوتا ہے اور اس کا نام علم باطن رکھا ہے، لہذا اس قوم نے علم ظاہر میں مشغول ہونے سے منع کیا ہے، ابو اسحاق ابراہیم ابن احمد بن محمد طبری نے ہم سے بیان کیا کہ میں نے جعفر خلدی سے سنا کہتے تھے کہ اگر مجھے صوفیہ چھوڑتے تو میں تم کو دنیا کی اسناد سناتا، میں جس زمانہ میں نوجوان تھا ایک بار عباس دوری کے پاس گیا اور ایک جلسہ میں جس قدر حدیثیں انہوں نے بیان کیں لکھ لایا، جب ان کے پاس سے اٹھ کر آیا تو راستے میں میرے ایک دوست جو صوفی تھے ملے، پوچھنے لگے کہ تمہارے پاس یہ کیا ہے میں نے وہ کتاب دکھائی کہنے لگے دائے ہو تجھ پر علم خرق کو چھوڑ کر علم ورق کو اختیار کرتا ہے یہ کہہ کر ان اور اق کو پھاڑ ڈالا میرے دل میں ان کا کلام گھر کر گیا پھر میں کبھی عباس کے پاس نہیں گیا۔

مصنفؒ نے کہا ابو سعید کندی کی نسبت میں نے سنا ہے بیان کرتے تھے کہ میں صوفیہ کے رباط میں قیام کرتا تھا اور خفیہ طور پر حدیث طلب کرتا تھا کہ ان کو خبر نہ ہوتی تھی ایک روز میری جیب سے دوات گر پڑی تو ایک صوفی نے مجھ سے کہا کہ اپنی شرمگاہ چھپاؤ، ابو حسین ابن احمد صفار نے بیان کیا کہ میرے ہاتھ میں دوات تھی شبلی نے دیکھ کر کہا اپنی سیاہی مجھ سے پوشیدہ کرو۔ مجھ کو اپنے دل کی سیاہی کافی ہے، علی بن مہدی سے میں نے سنا کہ میں بغداد میں شبلی کے حلقہ میں جا کھڑا ہوا۔ شبلی نے میری طرف دیکھا اور میرے پاس دوات دیکھ کر چند اشعار پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے۔

میں نے لڑائی کے واسطے خوف کا لباس پہنا اور اندوہ و قلق کے مارے شہروں میں سراپا پھرا۔ تیرے لئے میں نے جہاد کا پردہ اٹھا دیا اور جس سے گفتگو کی تیری ہی باتیں کیں۔ جب لوگ مجھ سے علم و رق کے بارے میں درخواست کرتے ہیں تو میں ان کو علم خرق بتاتا ہوں۔

مصنفؒ نے کہا اللہ تعالیٰ کی سخت مخالفت یہ ہے کہ اس کے راستے سے روکا جائے اور اللہ تعالیٰ کا بہت روشن راستہ علم ہے کیونکہ علم اللہ تعالیٰ کا دلیل اور احکام شریعت کا بیان اور اس امر کلی توضیح ہے کہ اللہ تعالیٰ کس چیز کو پسند فرماتا ہے اور کس بات سے ناراض ہے، اب علم سے منع کرنا خدا تعالیٰ اور اس کی شریعت سے عداوت رکھنا ہے لیکن یہ منع کرنے والے لوگ نہیں سمجھتے کہ کیا غضب کر رہے ہیں۔

امام احمد بن حنبلؒ طالب علموں کے ہاتھوں میں دواتیں دیکھ کر فرماتے تھے کہ یہ اسلام کی شرح ہیں اور باوجود بڑھاپے کے دوات لے کر بیٹھتے تھے، کسی نے پوچھا اے ابو عبد اللہ یہ دوات کب تک ساتھ رہے گی جو لبد یا کہ قبر تک ساتھ جائے گی؟ رسول اللہ ﷺ نے جو یہ فرمایا ہے کہ میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ فتح مند رہے گا، جو لوگ ان کو چھوڑ دیں گے وہ ان کو کچھ نقصان نہ پہنچا سکیں گے، امام احمدؒ نے کہا کہ یہ گروہ اگر اہل حدیث علم حدیث سے شغل رکھنے والے نہیں تو میں نہیں جانتا کہ پھر کون ہیں، نیز امام نے کہا کہ بدل اگر اہل حدیث نہ ہوں گے تو کون ہوگا، کسی نے امام احمدؒ سے کہا کہ فلاں شخص اصحاب حدیث کی نسبت کہتا ہے کہ برے لوگ تھے، جواب دیا کہ وہ شخص زندیق ہے، امام شافعیؒ نے فرمایا کہ میں جب اہل حدیث میں سے کسی کو دیکھتا ہوں تو گویا اصحاب رسول اللہ ﷺ میں سے ایک کو دیکھتا ہوں، یوسف بن اسباط نے کہا کہ طالبان حدیث کی برکت سے اللہ تعالیٰ اہل زمین کی بلائیں دفع کرتا ہے۔

ابن مسروق نے کہا میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا قیامت قائم ہے اور لوگ جمع ہیں، اتنے میں منادی نے ندا کی کہ اے لوگو! نماز ہونے والی ہے سب نے صفیں باندھیں میرے پاس ایک فرشتہ آیا میں نے غور سے دیکھا تو اس کی آنکھوں کے درمیان لکھا ہوا تھا جبرائیل امین اللہ میں نے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کہاں تشریف رکھتے ہیں؟ جبرائیل نے جواب دیا کہ آپ ﷺ اپنے صوفیہ بھائیوں کے دسترخوان تیار کر رہے ہیں، میں نے کہا کہ میں بھی تو صوفیہ میں سے ہوں کہنے لگے کہ ہاں تو بھی صوفی ہے مگر تجھ کو کثرت حدیث نے دوسری جانب مشغول کر دیا۔ مصنفؒ نے کہا معاذ اللہ کہ جبرائیل علم میں مشغول ہونے سے انکار کریں اس حکایت کی اسناد میں ایک راوی ابن جہضم ہے جو کذاب تھا، عجب نہیں کہ اس کی من گھڑت ہو، اور ابن مسروق کی نسبت علی بن محمد بن نصر نے بیان کیا کہ میں نے حمزہ بن یوسفؒ سے سنا کہتے تھے کہ میں نے دارقطنی سے سنایا کرتے تھے کہ ابو العباس ابن مسروق قوی نہیں اور معضلات روایت کرتا ہے۔

علمی مسائل میں کلام کرنے میں

صوفیہ پر تلمیس ابلیس کا بیان

مصنفؒ نے کہا جانا چاہیے کہ اس قوم نے جب علم کو چھوڑ دیا اور صرف اپنی رایوں کے مطابق ریاضت کے ہو رہے تو علم کے بارے میں گفتگو کرنے سے نہ رہ سکے، لہذا اپنے واقعات بیان کئے اور قبیح غلطیاں ان سے سرزد ہوئیں، کبھی تو تفسیر میں گفتگو کرتے اور کبھی حدیث میں اور کبھی فقہ میں اور کبھی علوم میں، تمام علوم کو اپنے اسی علم کے موافق لے جاتے جو فقط انہیں میں پایا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ زمانے کو ان لوگوں سے خالی نہیں رکھتا جو اس کی حفاظت کریں اور جھوٹوں کا جواب دیں اور غلطی کرنے والوں کی غلطی ظاہر کریں۔

قرآن میں جو صوفیہ نے کلام کیا اس کا تھوڑا سا بیان

جعفر بن محمد غلڈی نے بیان کیا کہ میں اپنے شیخ جنید کی خدمت میں حاضر ہوا، ان کیمان نے ان سے اس آیت کا مطلب دریافت کیا سنقرئک فلا تنسی (الاعلیٰ پ ۳۰ آیت ۶) یعنی اے محمد ہم تم کو پڑھائیں گے اور تم نہ بھولو گے، جنید نے کہا کہ مطلب یہ ہے کہ اس پر عمل کرنا مت بھولو، جعفر نے کہا کسی نے جنید سے اس آیت کے معنی پوچھے و درسوا مافیہ (الاعراف پ ۹ آیت ۱۶۹) یعنی جو اس میں لکھا تھا پڑھا۔ جنید نے کہا معنی یہ ہیں کہ اس پر عمل کرنا چھوڑ دیا تو اس نے کہا اللہ تعالیٰ تمہارے منہ کی مرنہ توڑے۔

مصنفؒ نے کہا کہ جنید کی یہ تفسیر کہ اس پر عمل کرنا مت بھولو بے وجہ ہے جس میں صریح غلطی ہے کیونکہ یہ تفسیر اس بنا پر لاتی تھی صیغہ نہیں ہے حالانکہ یہ جملہ خبریہ ہے نہی نہیں اور ماتشی کے معنوں میں ہے، کیونکہ اگر نہی ہوتا تو حالت جزی میں واقع ہوتا، غرض یہ تفسیر اجماع علماء کے خلاف ہے، اسی طرح اس کی تفسیر کہ درسوا مافیہ یہ درس سے نکلا ہے جو معنی تلاوت ہے، جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا وبما کنتم تدرسون۔ (ال عمران پ ۳ آیت ۷۹) اس مقولہ سے نہیں نکلا کہ درس الشئ جس درس کے معنی ہلاکت کے ہیں۔

محمد بن جریر نے کہا میں نے ابو العباس بن عطا سے سنان سے کسی نے اس آیت کے معنی پوچھے فنجیناک من الغم (ط پ ۱۶ آیت ۴۰) ہم نے تجھ کو غم سے نجات دی اور تجھ کو آزمایا۔

ابو العباس نے کہا یعنی تمہاری قوم کے غم سے تم کو نجات دی اور اپنے ماسوا سے جا کر کے تم کو اپنا مفتون بنالیا، مصنف نے کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے کلام پر بڑی بھاری جرات ہے، حضرت موسیٰ کی نسبت کہنا عشق الہی کے فتنہ میں پڑ گئے اور خدا کی محبت کو فتنہ قرار دینا نہایت ہی قبیح بات ہے۔

ابن عطا سے کسی نے اس آیت کے معنی پوچھے واما ان کان من المقربین فروح و ریحان و جنہ نعیم (الواقعہ پ ۷۷ آیت ۸۸، ۸۹) جواب دیا کہ روح کے معنی ہیں خدا کا دیدار دیکھنا، ریحان اس کا کلام سننا، جنہ نعیم وہ مقام ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کا کوئی حجاب نہ ہو، مصنفؒ نے کہا یہ کلام فی الواقع مفسرین کے خلاف ہے۔

ابو عبد الرحمن سلمیٰ نے قرآن کی تفسیر میں صوفیہ کے بعض کلام دو جلد میں جمع کئے ہیں جن میں اکثر بے ہودہ باتیں ہیں جو جائز نہیں ہیں ان کا نام رکھا ہے ”حقائق التفسیر“ صوفیہ کی تفاسیر میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کہتے ہیں الحمد کو فاتحہ الکتاب اس لئے کہتے ہیں کہ یہ شروعات ہیں جن سے ہم نے اپنے خطاب کو شروع کیا ہے، اگر تم نے اس کا ادب کیا تو خیر ورنہ بلاعد کے لطائف سے محروم رہ جاؤ گے، مصنف نے کہا یہ توجیہ قبیح ہے کیونکہ مفسرین بلا اختلاف کہتے ہیں کہ سورہ فاتحہ اور اوائل میں نازل نہیں ہوئی۔

قول تعالیٰ وان یاتوکم اساری (البقرہ پ ۱ آیت ۸۵) یعنی اگر کفار تمہارے پاس قید ہو کر آئیں، اس کے بارے میں ابو عثمان نے کہا کہ اساری کے معنی ہیں گناہوں میں ڈوبے ہوئے واسطی نے کہا یہ مطلب ہے کہ اپنے افعال پر نظر کرنے میں غرق ہیں جنید کہتے ہیں مراد یہ ہے کہ اسباب دنیا میں گرفتار ہیں، اللہ تعالیٰ قطع علاقہ کی ان کو ہدایت کرتا ہے، میں کہتا ہوں کہ آیت تو انکار (مذمت) کے طور پر وارد ہوئی ہے اور اس کے یہ معنی ہیں کہ جب تم کفار کو قید کرو (اور پھر ان کو چھوڑنا چاہو) تو ان سے فدیہ لے لو۔

محمد بن علی نے یحب التواہین (البقرہ پ ۲ آیت ۲۲۲) کی تفسیر میں کہا کہ دوست رکھتا ہے ان لوگوں کو جو اپنی توبہ سے توبہ کرتے ہیں۔ اور نوری نے یقبض و یبسط کی تشریح کرتے ہوئے کہا تنگ اور کشادہ کرتا ہے اپنے واسطے۔

اور اللہ تعالیٰ کے قول من دخلہ کان امنا (آل عمران پ ۴ آیت ۹۷) (یعنی حرم میں داخل ہوا وہ امن میں ہے) کے بارے میں کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ نفسانی خیالات اور شیطانی وسوسوں سے محفوظ ہے۔ حالانکہ یہ معنی نہایت قبیح ہیں، کیونکہ لفظ آیت کے خبر کے ہیں اور معنی اس کے امر کے ہیں اور تقدیر اس کی یہ ہے کہ من دخل الحرم فامنوا یعنی جو حرم میں داخل ہوا اس کو امن دو، ان لوگوں نے اس کی تفسیر امنافضتہ الف و کسرہ میم بیان کی علاوہ ازیں ان کی تفسیر پر آیت درست نہیں رہتی۔ بہت سے لوگ حرم میں داخل ہوتے ہیں اور اوہام نفسانی اور وساوس شیطانی سے نہیں بچتے۔

قولہ تعالیٰ ان تعذبوا کبائر ما تنہون عنہ (النساء پ ۵ آیت ۳۱) (یعنی

اگر تم ممنوعات کے کبار سے اجتناب کرو گے) ابو تراب نے تفسیر کرتے ہوئے کہا کہ کبار سے مراد فاسد دعوے ہیں۔

سہل کہتے ہیں کہ قرآن شریف میں والحجار ذی القربی (النساء پ ۵ آیت ۳۶) سے مراد قلب ہے اور الحجار الجنب نفس ہے اور ابن السبیل جوارح ہیں۔

قولہ تعالیٰ وہم بہا (یوسف پ ۱۲ آیت ۲۴) یعنی یوسف نے زلیخا کا قصد کیا۔ ابو بحر وراق نے کہا کہ دونوں قصد زلیخا کے ہیں اور یوسف نے اس کا قصد نہیں کیا تھا میں کہتا ہوں کہ یہ نص قرآن کے خلاف ہے۔

قولہ تعالیٰ ما هذا بشرا (یوسف پ ۱۲ آیت ۳۱) یعنی یوسف آدمی نہیں۔ محمد بن علی کہتے ہیں کہ معنی یہ ہیں کہ یوسف اس قابل نہیں کہ مباشرت کی طرف بلایا جائے۔

زنجانی نے کہا کہ ملائکہ کی دست زنی کی آواز ہے اور برق ان کے دلوں کے شعلے ہیں اور مطر (بارش) ان کی انگلیاں ہیں۔

قولہ تعالیٰ ولله المکر جمیعاً (الرعد پ ۱۳ آیت ۴۲) اس کی تشریح کرتے ہوئے حسین نے کہا کہ خدا کے مکر سے بڑھ کر اس کے بندوں کے واسطے کوئی فریب نہیں کہ ان کو شبہ میں ڈال دیا ہے کہ ایک حال میں وہ خدا کا راستہ پا سکتے ہیں یا حدوث کو قدم کے ساتھ مقرر نہ ہو۔

مصنف نے کہا کہ اس تفسیر کے معنی جو شخص سمجھے گا جان لے گا کہ یہ کفر محض ہے کیونکہ اس سے پایا جاتا ہے کہ گویا اللہ تعالیٰ مذاق اور کھیل کرتا ہے لیکن یہ مفسر حسین حلاج ہیں ان سے ایسا جملہ کچھ بعید نہیں اور آیت لعمرک (الحجرات پ ۱۴ آیت ۷۲) کی یوں تفسیر کی کہ تمہاری عمارت کی قسم ہے کہ تمہارا بھید میرے مشاہدے میں ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ساری کتاب اسی قسم کی ہے اور میں نے چاہا کہ ان میں سے بہت سا ذکر کروں تو میں نے دیکھا کہ زمانہ ایک ایسی شے کے لکھنے میں برباد ہوتا ہے جس میں کچھ کفر ہے اور کچھ خطا ہے اور کچھ بے ہودہ باتیں اور وہ اس قسم کی باتیں ہیں جو ہم نے فرقہ باطنیہ سے نقل کیں جو شخص اس کتاب کی حالت دیکھنا چاہے تو یہ اس کا نمونہ دیکھ لے اور جو شخص زیادہ چاہے تو وہی کتاب دیکھ لے۔

ابو حامد طوسی نے کتاب ذم مال میں اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے واجنبی

و بنی ان نعبد الا صنم (ابراہیم پ ۱۳ آیت ۳۵) (یعنی مجھ کو اور میری اولاد کو بتوں کی عبادت سے دور رکھ) سے مراد سیم و زر ہے کیونکہ نبوت کا رتبہ اس سے اعلیٰ ہے کہ اس سے عبادت اصنام کا خوف ہو اور کہا کہ عبادت سے مراد مال و دولت کی محبت اور اس پر فریفتہ ہونا ہے، مصنفؒ نے کہا کہ یہ ایسے معنی ہیں جو کسی مفسر نے بیان نہیں کئے، شعیب نے اس بارے میں کہا ہے وما یكون لنا ان نعود فيها الا ان يشاء الله ربنا (انفال پ ۹ آیت ۸۹) یعنی ہم بغیر خدا کی مرضی کے کیوں شرک میں پڑنے لگے، یہ امر معلوم ہے کہ انبیاء کا شرک میں پڑنا غیر ممکن ہے کیونکہ وہ معصوم ہیں، لیکن امر مستحیل نہیں، علاوہ ازیں آیت مذکورہ میں تو حضرت ابراہیم کے ساتھ ایسے لوگوں کا ذکر ہے جن سے شرک سرزد ہو سکے، لہذا جائز ہے کہ ان کے ساتھ اپنے آپ کو بھی شامل کر لیا، اور فرمایا واجنبنی و بنی یعنی مجھے اور میری اولاد کو چچا، حالانکہ یہ بات معلوم ہے کہ عرب حضرت ابراہیم کی اولاد ہیں اور ان میں سے بہتوں نے بت پرستی کی ہے۔

ابو حمزہ خراسانی نے کہا کہ قطعی طور پر بہت سے لوگوں کے ساتھ جنت میں فریب کیا جائے گا چنانچہ کہا جائے گا کلاوا و اشربوا ہنیثا بما اسلفتم فی الایام الخالیہ (الحاقہ پ ۲۹ آیت ۲۴) یعنی خوشی سے کھاؤ پیو، یہ تمہارے گزشتہ زمانے کی خوش اعمالی کا نتیجہ ہے۔ ابو حمزہ نے کہا کہ اہل بہشت کو اللہ تعالیٰ نے کھانے پینے میں لگا کر اپنے سے دوسری جانب مشغول کر دیا، اس سے بڑھ کر کوئی مکرو فریب اور اس سے بڑی کوئی حسرت نہ ہوگی۔

مصنفؒ نے کہا یا یو خدا تم کو توفیق خیر دے اس حماقت پر غور کرو کہ نعمت و احسان کا نام مکرو فریب رکھتے ہیں اور اسی مکر کو خدا کی طرف نسبت کرتے ہیں اس قول کی بنا پر لازم آتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام نہ کھائیں نہ پیئیں بلکہ خدا کی طرف ہی مشغول رہیں یہ شخص کس طرح بے دھڑک ایسے الفاظ فصیح زبان پر لاتا ہے کیا یہ بات جائز ہے کہ ہم جو مکر کے، معنی سمجھتے ہیں اس کے موافق اللہ تعالیٰ کی صفت مکر قرار دی جائے، اللہ تعالیٰ کے مکر و فریب کے تو یہ معنی ہیں کہ وہ مکرو فریب کرنے والوں کو بدلہ دیتا ہے، مجھ کو ان لوگوں پر تعجب آتا ہے کہ ایک ایک لقمے اور ایک ایک کلمے میں تورع اور احتیاط کرتے تھے، تفسیر قرآن میں اس حد تک بے تکلف کیوں کر ہو گئے حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص قرآن شریف میں اپنی رائے سے کچھ کہے تو گود رست

ہو مگر خطا پر ہے، اور فرمایا جو کوئی قرآن شریف میں اپنی عقل سے گفتگو کرے تو دوزخ میں اپنا ٹھکانا سمجھ لے۔

مصنفؒ نے کہا کہ مکر کے متعلق بعض صوفیہ سے مجھ کو عجیب حکایت پہنچی ہے جس کے بیان ہکرنے سے میرے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں، لیکن ان جاہلوں کے خیالات کی قباحت پر تنبیہ کرتا ہوں، ابو عبد اللہ بن خفیف نے کہا میں نے رویم سے سنا کہتے تھے کہ ایک رات مشائخ کی ایک جماعت شام میں جمع ہوئی باہم کہنے لگے کہ آج کے مانند عمدہ رات ہم نے کبھی نہیں دیکھی، آؤ کسی مسئلہ کا چرچا کریں، تاکہ ہماری رات فضول نہ جائے صلاح ہوئی کہ محبت کے بارے میں کلام کریں کیونکہ یہ مسئلہ بالاتفاق عمدہ ہے، ہر ایک نے حسب حیثیت گفتگو کی، اس جماعت میں عمر بن عثمان مکی بھی نے ان کو خلاف عادت اس وقت پیشاب لگا وہ اٹھ کر باہر صحن میں آئے، چاندنی رات تھی، ایک ہرن کی کھال کا ٹکڑا پڑا ملا اس کو اٹھا کر جماعت کے پاس لائے اور کہا اے لوگوں خاموش رہو، یہ ٹکڑا تمہارا جواب ہے دیکھو اس میں کیا ہے۔ اس میں لکھا ہوا تھا کہ تم لوگ مکار ہو حالانکہ تم سب کے سب خدا کی محبت کا دعویٰ کرتے ہو۔ یہ پڑھ کر تمام متفرق ہو گئے اور پھر ایام حج ہی میں ایک جگہ ہوئے، مصنفؒ نے کہا کہ یہ حکایت صحت سے بعید ہے اور ابن خفیف غیر معتبر (راوی) ہیں اور اگر صحیح ہو تو وہ کھال کا ٹکڑا شیطان نے ڈالا تھا، اگر ان کا یہ خیال تھا کہ وہ خدا کی طرف سے کوئی تحریر تھی تو یہ خیال فاسد ہے ہم بیان کر چکے کہ مکر کے معنی یہ ہیں کہ مکر کا بدلہ دیتا ہے اگر اس بنا پر اس کو مکار کہا جائے تو سخت جہالت اور نہایت حماقت ہے۔

خلدی نے کہا میں نے رویم سے سنا کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ چیزوں کو کچھ چیزوں میں رکھا ہے اپنے مکر کو اپنے علم میں اور اپنے فریب کو اپنے لطف میں اور اپنے عذاب کو اپنے اکرام میں چھپایا ہے، ابو یزید کی نسبت کہتے ہیں کہ اپنے ایک بھائی کی ملاقات کو چلے جب دریائے جیون پر پہنچے تو کنارے پر ٹھہر کر بولے اے میرے آقا یہ کیسا مکر خفی ہے تیری عزت کی قسم میں نے اس لئے تیری عبادت نہیں کی، بعد ازاں وہیں سے لوٹ آئے اور اس پار نہیں گئے، سہلکی نے کہا میں نے محمد بن احمد واعظ سے سنا ذکر کرتے تھے کہ ابو یزید نے کہا کہ جو شخص خدا کو پہچانے گا وہ جنت کے لئے دربان ہوگا اور جنت اس کے لئے وبال ہوگی۔

میں کہتا ہوں یہ بڑی جرات ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف مکر کی نسبت کی جائے

اور جنت جو کہ اعلیٰ مقصد ہے اس کو وبال ٹھہرایا جائے، مہلّا جب خدا شناسوں کیلئے جنت وبال ہوئی تو دوسروں کے لئے کیا کہا جائے یہ سب باتیں کم علمی اور نا سمجھی کی ہیں۔

احمد بن عباس مدلبی نے کہا میں نے طیفور سے جن کو ابو یزید کہتے ہیں سنایا کرتے تھے کہ آخرت میں جو عارفوں کو دیدار الہی ہو گا ان کے دو طبقے ہوں گے ایک تو وہ کہ جب چاہیں گے اور جس طور سے چاہیں گے دیدار کریں گے دوسرے وہ کہ صرف ایک بار ان کو دیدار الہی ہو گا اس کے بعد کبھی زیارت خدا نہ کریں گے، کسی نے ان سے پوچھا کہ یہ کیونکر ہو گا؟ جواب دیا کہ جب پہلی بار عارفین اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے تو ان کے لئے ایک بازار بنا دیا جائے گا جس میں خرید و فروخت کچھ نہیں صرف مردوں اور عورتوں کی صورتیں ہو گی عارفوں میں سے جو اس بازار میں داخل ہو جائے گا پھر کبھی دیدار الہی کی طرف نہ آئے گا، ابو یزید نے کہا دیکھو خدا تم کو دنیا میں بھی بازار کا فریب دیتا ہے اور آخرت میں بھی بازار کا دھوکا دے گا لہذا تم ہمیشہ بازار ہی کے بندے رہے۔

مصنف نے کہا، ثواب جنت کا نام مکرو فریب رکھنا اور اللہ تعالیٰ سے دور رہنے کا سبب بتانا جہل قبیح ہے، ان لوگوں کے لئے جو بازار مقرر کیا جائے گا وہ فریب نہ ہو گا بلکہ ثواب ہو گا، جب اس بازار کی چیزیں لینے کا ان کو حکم دیا جائے گا پھر دیدار سے محروم رکھنے کی سزا دی جائے تو یہ ثواب گویا عذاب ہوا، اس شخص کو یہ کیونکر معلوم ہوا کہ جو کوئی اس بازار میں سے کچھ لے گا وہ زیارت الہی کی طرف نہ آئے گا اور اس کو کبھی نہ دیکھے گا، اس تخلیط اور علم میں تحکم سے خدا اچائے، یہ غیب کی باتیں جو نبی کے سوا کسی کو نہیں بتائی جاتیں اس شخص کو کہاں سے معلوم ہوئیں اور کیونکر ایسا نہ ہو گا جیسا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جو کثرت سے احادیث کے راوی ہیں سعید بن مسیب سے کہا کہ ہم کو تم کو اللہ تعالیٰ جنت کے بازار میں یکجا کرے، کیا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے خدا سے دور رہنے کا عذاب گوارا کیا، لیکن یہ لوگ علم سے دور رہے اور اپنے واقعات فاسدہ پر قناعت کی جن سے حق و باطل خط ملط ہو گیا، جاننا چاہیے کہ یہ واقعات اور خطرات نتیجے ہیں۔ لہذا جو شخص عالم ہو گا اس کے خطرات صحیح ہوں گے کیونکہ اس کے علم کے نتائج ہیں اور جو جاہل ہو گا تو جہل کے نتیجے سب کے سب بد دے ہوں گے۔

حدیث وغیرہ میں کسی قدر ان صوفیہ کا کلام یہ ہے کہ عبد اللہ بن احمد بن حنبلؒ نے کہا کہ ابو تراب عیسیٰ میرے والد کے پاس آئے تو میرے والد کہنے لگے کہ فلاں راوی غیر معتبر ہے اور فلاں معتبر، تو ابو تراب نے کہا اے شیخ علماء کی غیبت نہ کرو، تو

میرے والد ان کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا کہ تم پر افسوس، یہ خیر خواہی ہے غیبت نہیں ہے۔

ابو الحسن علی بن محمد بخاری کہتے ہیں کہ میں نے محمد بن الفضل عباسی سے سنا کہتے تھے کہ ہم عبد الرحمن ابن ابی حاتم کے پاس تھے اور وہ ہم کو کتاب الجرح والتعديل سنار ہے تھے ان کے پاس یوسف بن حسین رازی آئے اور کہا اے ابو محمد یہ کیا ہے جو تم لوگوں کو سنار ہے ہو انہوں نے کہا کہ یہ ایک کتاب ہے جو میں نے جرح اور تعديل میں تصنیف کی ہے، تو انہوں نے کہا جرح اور تعديل کیا چیز ہے تو انہوں نے کہا کہ اہل علم کے حالات ظاہر کرتا ہوں کہ کون ان میں سے معتبر تھا اور کون غیر معتبر تھا، تو ان سے یوسف بن حسین نے کہا کہ اے ابو محمد تمہارے بارے میں مجھے شرم آتی ہے، یہ قوم ایک سو یادو سو برس سے جنت میں داخل ہے اور تم دنیا میں ان کا ذکر غیبت کے ساتھ کرتے ہو تو عبد الرحمن روئے اور کہا اے یعقوب اگر اس کتاب کے تصنیف کرنے سے پہلے یہ بات میں سنتا تو اس کو تصنیف نہ کرتا۔

میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ابو حاتم کے گناہ معاف کرے، اگر فقیہ ہوتے تو اس کو وہی جواب دیتے جیسا کہ امام احمد بن حنبلؒ نے ابو تراب کو دیا، اگر جرح و تعديل نہ ہوتی تو کہاں سے صحیح اور غلط حدیثوں میں تمیز ہوتی، پھر کسی گروہ کا جنت میں ہونا اس بات سے منع نہیں کرتا ہے کہ وہ ان کے نقصانات بیان کریں، پھر اس کا نام غیبت رکھنا کس قدر برا ہے، جو شخص یہ نہ جانے گا کہ جرح اور تعديل کیا چیز ہے اس کا کلام کیونکر قابل ذکر ہوگا، یوسف کے لئے تو یہ لائق تھا کہ وہ ان ہی عجیب باتوں میں مشغول رہتے جو مثل اس کے ان سے منقول ہیں۔

ابو العباس بن عطاء کہتے ہیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کو پہچانے گا وہ اپنی حاجتوں کو اس کے پاس پیش کرنے سے رک جائے گا کیونکہ اس نے جان لیا کہ وہ اس کے حالات کو جانتا ہے، میں کہتا ہوں کہ یہ سوال اور دعا کے دروازے کو بند کرنا ہے اور یہ بے علمی ہے۔

ابو بحر دیف صوفی نے کہا میں نے شبلی سے سنا کسی نے ان سے پوچھا کہ اے ابو بحر تم فقط اللہ کیوں کہتے ہو لا الہ الا اللہ کیوں نہیں کہتے جواب دیا کہ مجھے شرم آتی ہے کہ اثبات کے بعد نفی کو لاؤں، اس شخص نے کہا کہ میں اس سے بڑھ کر کوئی دلیل چاہتا ہوں، شبلی نے جواب دیا کہ مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ ایسا نہ ہو میں کلمہ انکار میں مبتلا

رہوں اور دراصل کلمہ اقرار ہونا چاہیے، مصنفؒ نے کہا اس نکتہ دانی پر غور کرنا چاہیے، رسول اللہ ﷺ لا الہ الا اللہ کہنے کا حکم فرماتے ہیں، لیکن میں ہے رسول اللہ ﷺ جب تہجد کے لئے کھڑے ہوتے تھے تو کہا کرتے تھے لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک اور جب نماز کے لئے اٹھتے تو فرماتے لا الہ الا اللہ انت۔ الخ اور آپ ﷺ نے بہت بڑا ثواب اس شخص کے لئے فرمایا ہے جو کہ لا الہ الا اللہ شریعت پر یہ زیادتی کرنا اور وہ امر اختیار کرنا جس کو رسول اللہ ﷺ نے اختیار نہیں فرمایا غور کرنے کے قابل ہے۔

ابو الحسن نوریؒ کی نسبت میں سنا ہے لوگ کہتے تھے کہ انہوں نے مؤذن کی اذان سنی تو طعن سے کہا یہ موت کا ذہر ہے، پھر کتے کو بھونکتے سنا تو کہا لبیک و سعیدک لوگوں نے اس کا مطلب پوچھا تو جواب دیا کہ مؤذن کے بارے میں مجھ کو خوف ہے کہ غفلت کے ساتھ ذکر الہی کرتا ہے اور اس کام پر اجرت لیتا ہے ورنہ اذان نہ دیتا لہذا میں نے طعن سے کہا، اور کتاب لاریا ذکر خدا کرتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وان من شئ الا یسبح بحمدہ (بنی اسرائیل پ ۱۵ آیت ۴۴) یعنی ہر ایک چیز حمد الہی کی تسبیح پڑھتی ہے، مصنفؒ نے کہا بھائیو خدا تم کو ہم کو لغزشوں سے محفوظ رکھے۔ اس فقہ دقیق اور اجتہاد ظریف پر غور کرو۔

منقول ہے کہ نوریؒ نے ایک شخص کو اپنی داڑھی پکڑے ہوئے دیکھا تو اس سے کہا کہ خدا کی داڑھی سے اپنے ہاتھ کو دور کر، یہ بات خلیفہ تک پہنچی، جب ابو الحسن خلیفہ کے سامنے آئے خلیفہ نے پوچھا کہ میں نے سنا ہے تم نے کتے کو بھونکتے سن کر لبیک کہا اور مؤذن کی آواز سن کر طعن کیا، جواب دیا کہ ہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وان من شئ الا یسبح بحمدہ میں نے لبیک اس لئے کہا کہ کتے نے خدا کا ذکر کیا اور مؤذن خدا کا ذکر کرتا ہے حالانکہ گناہوں سے آلودہ اور خدا سے غافل ہے، کہا اور تمہارا یہ قول کہ خدا کی داڑھی سے اپنے ہاتھ کو دور کر، جواب دیا ہاں، کیا بندہ اور اس کی داڑھی اللہ تعالیٰ کی نہیں ہے اور دنیا اور آخرت میں ہے سب اس کی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ بے علمی نے ان لوگوں کو خط میں ڈالا، اور ان کو اس کی کیا حاجت پڑی کہ ملکیت کی صفت ذات کی صفت ہے۔

شبلی کی نسبت سنا ہے کہ ان کا کوئی ہم نشین تھا ایک روز اس نے شبلی سے کہا میں توبہ کرنا چاہتا ہوں، شبلی نے کہا کہ اپنا مال بیچ ڈال اور قرض ادا کر اور اپنی بی بی کو طلاق دے اور اپنی اولاد کو یتیم کر اور اپنے تعلق سے ان کو نامید کر تاکہ تجھ کو مرے

سامنے کرے جو زمین پر خدا کی طرف شہادت دینے والے ہیں، اگر کوئی آدمی سر راہ کھڑے ہو کر اپنی ٹی ٹی سے باتیں کرے تاکہ واقف لوگ اس کو فاسق کہیں تو اس حرکت سے گنہگار ہوگا، پھر کیونکر جائز ہے کہ غیر کے مال میں بغیر اس کی اجازت کے تصرف کرے، امام احمد اور شافعی کے مذہب میں نص ہے کہ جو شخص حمام سے وہ کپڑے چرائے جن پر گھبان موجود ہو اس کا ہاتھ کاٹ ڈالنا واجب ہے کون سے لوگ صاحب احوال ہیں کہ لوگ ان کے واقعات پر عمل کریں، ہرگز نہیں، خدا کی قسم ہماری شریعت وہ شریعت ہے کہ اگر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بھی چاہیں کہ اس کو چھوڑ کر اپنی رائے پر عمل کریں تو ان کی بات بھی نہ مانی جائے گی۔

کہتے ہیں کہ ابو جعفر حداد نے پچیس برس اس طرح گزارے کہ ہر روز ایک دینار کماتے تھے اور اس کو فقیروں پر خیرات کر دیتے تھے اور خود روزہ رکھتے تھے اور مغرب و عشاء کے درمیان گھروں سے بھیک مانگے کر اس پر افطار کرتے تھے، مصنف نے کہا اگر یہ شخص جانتا کہ جو آدمی کسب کر سکتا ہے اس کو سوال کرنا اور صدقہ لینا جائز نہیں تو ایسا نہ کرتا اور اگر ہم اس کو جائز بھی مان لیں تو اس سوال کرنے سے نفوس کی غیرت کہاں باقی رہی، رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا تم میں سے جو کوئی ہمیشہ سوال کرتا رہے گا قیامت کے دن خدا کے سامنے جائے گا اور اس کے چہرہ پر گوشت کا ٹکڑا بھی نہ ہوگا، آپ نے یہ بھی فرمایا کہ آدمی ایک رسی لے اور اس میں لکڑیاں باندھ کر لائے پھر ان کو بازار میں رکھ کر بچے اور اس سے تو مگری حاصل کرے اپنا خرچ چلائے تو اس کے لئے یہ بہتر ہوگا اس سے کہ لوگوں سے سوال کرے کہ وہ اس کو کچھ دیں یا نہ دیں یہ دوسری حدیث فقط بخاری میں ہے، اور اس سے پہلے والی حدیث متفق علیہ ہے، عبد اللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لا تحل الصدقة لغنی ولا لذی مرة سوی یعنی صدقہ لینا نہ تو نگر کو جائز ہے اور نہ پوری قوت والے کو، یہاں ذی مرہ کا لفظ آیا ہے، مرہ کے معنی قوت کے ہیں اور اصل میں رسی کی مضبوطی کے لئے آیا ہے، بولا جاتا ہے مررت الحبل جبکہ رسی کو مضبوط بناتے ہیں، پس حدیث میں مرہ کے معنی یہ ہیں کہ جسم مضبوط ہو اور بدن تندرست ہو جس تندرستی میں کوشش اور تعب برداشت کر سکے شافعی نے کہا جو شخص ایسی قوت رکھتا ہے جس سے کسب پر قادر ہو اس کو صدقہ لینا جائز نہیں۔

یونس بن ابی الشلیبی نے اپنے باپ سے حکایت کی کہ وہ ایک رات تمام شب

مصنفؒ نے کہا یہ کلام فصیح ترا قوال میں سے ہے، کیونکہ یہ قول اس چیز کے حقیر جاننے پر شامل ہے جس کو اللہ تعالیٰ امر عظیم قرار دیتا ہے، اللہ تعالیٰ نے دوزخ کی صفت میں مبالغہ فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے فاتقوا النار التي و قودها الناس والحجارة (البقرہ پ ۱ آیت ۲۴) یعنی اس آگ سے جو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں نیز فرمایا اذا راتھم من مکان بعید سمعوا لها تغیظا و زفیرا (الفرقان پ ۸ آیت ۱۲) جب دوزخ اہل دوزخ کو دور سے دیکھے گی تو ان کو اس کے جوش و خروش کی آواز سنائی دے گی، اسی طرح اکثر آیات آئی ہیں رسول اللہ ﷺ نے خبر دی اور فرمایا کہ یہ آگ جو بنی آدم جلاتے ہیں دوزخ کی حرارت کے ستر جزوں سے ایک جزء ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ سن کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ عذاب کو تو یہی آگ کافی ہے، فرمایا کہ وہ آگ اس آگ سے انتہی حد سے زیادہ ہے ہر حصہ اس آگ کی گرمی کے برابر ہے، یہ حدیث یحکم میں ہے، صحیح مسلم میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن دوزخ کو لائیں گے اس روز اس کو ستر ہزار مہاریں ہوں گی، ہر مہار کے ساتھ ستر ہزار فرشتے اس کو کھینچتے ہوں گے کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے کعب ہم کو خوف کی باتیں سناؤ میں نے کہا اے امیر المومنین جس قدر ایک آدمی سے ہو سکتا ہے اسی قدر عمل کیجئے کیونکہ جب قیامت قائم ہوگی تو اگر آپ ستر نبیوں کے اعمال لے کر بھی انھیں گے تو آپ کے اعمال ناقص ہوں گے۔ زیادہ کیا کموں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیر تک سر جھکایا، پھر سر اٹھا کر فرمایا اے کعب اور زیادہ بیان کرو، کعب بولے اے امیر المومنین اگر دوزخ میں سے ہیل کے نتھنے کے برابر مشرق کی جانب کھل جائے اور ایک آدمی مغرب میں ہو تو اس کا دماغ پکنے لگے یہاں تک کہ اس کی گرمی سے یہہ نکلے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ دیر تک سر جھکائے رہے، پھر آفاقہ میں آکر فرمایا اے کعب اور زیادہ سناؤ کعب نے کہا یا امیر المومنین قیامت کے دن دوزخ ایک سانس لے گی جس کی وجہ سے ہر ایک فرشتہ مقرب اور ہر ایک نبی مرسل گھٹنوں کے بل گر پڑے گا اور عرض کرے گا، رب نفسی نفسی اے خدا مجھے چاہیے، آج اپنے سوا کسی کے لئے تجھ سے درخواست نہیں کرتا، ابن السائب نے ذاذان سے روایت کیا انہوں نے کعب احبار سے سنا کہتے تھے کہ جب قیامت کا دن ہو گا اللہ تعالیٰ سب اگلوں پچھلوں کو ایک میدان میں جمع فرمائے گا، فرشتے اتریں گے اور صفیں باندھ کر کھڑے ہوں گے اللہ تعالیٰ فرمائے گا

کہ اے جبرئیل میرے سامنے دوزخ کو لاؤ، جبرئیل اس کو لینے جائیں گے اور ستر ہزار مہاروں سے کھینچتے ہوئے لائیں گے، یہاں تک کہ جب مخلوق سے سو برس کی راہ پر ہو گی تو ایک سانس لے گی جس سے مخلوقات کے دل اڑ جائیں گے، پھر دوسرا سانس لے گی جس سے تمام مقرب فرشتے اور نبی مرسل گھنٹوں کے بل گر پڑیں گے، پھر تیسرا سانس لے گی جس سے دل منہ کو آئیں گے عقلیں زائل ہو جائیں گی، ہر شخص گھبرا کر اپنے عمل کو دیکھے گا، حتیٰ کہ ابراہیم خلیل اللہ کہیں گے، اے خدا بذریعہ اپنی خلعت کے آج اپنے سوا کسی کی نسبت درخواست نہیں کرتا اور موسیٰ کہیں گے، بوسیلہ اپنے کلام کے آج اپنے سوا کچھ نہیں سوال کرتا، عیسیٰ کہیں گے، ہر کت اس کے کہ تو نے میرا اکرام فرمایا ہے، آج اپنی جان کے سوا کسی کے لئے کچھ نہیں مانگتا حتیٰ کہ مریم جس سے میں پیدا ہوا ہوں اس کی نسبت بھی سوال نہیں کرتا۔

مصنفؒ نے کہا، ہم روایت کر چکے کہ رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا اے جبرئیل کیا وجہ ہے کہ میں نے میکائیل کو ہتے نہیں دیکھا؟ عرض کیا جب سے آگ پیدا کی گئی ہے میکائیل نہیں ہنستے اور جب سے دوزخ پیدا ہوئی ہے میرے آنسو نہیں تھمتے اس ڈر سے کہ کہیں ایسا نہ ہو میں خدا تعالیٰ کی نافرمانی کر بیٹھوں اور وہ مجھ کو اس میں جھونک دے۔

مصنفؒ نے کہا جب یہ حالت ملا نکہ اور انبیاء اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی ہو جو نجاستوں سے پاک تھے اور دوزخ سے اس قدر گھبراہٹیں تو پھر یہ دعویٰ کرنے والا دوزخ کو کیونکر سہل چیز سمجھتا ہے اور اپنی ذات پر ولایت اور نجات کا قطعی حکم لگاتا ہے، حالانکہ نجات کا قطعی حکم صرف صحابہ میں سے ایک جماعت کے لئے لگایا گیا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص دعویٰ کرے کہ میں جنتی ہوں وہ دوزخی ہے، محمد بن واسع کو دیکھو کہ اپنی موت کے وقت کہتے تھے کہ بھائیوں تم جانتے ہو کہ مجھے کہاں لے جائیں گے قسم اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں، میں نہیں جانتا کہ دوزخ کی طرف لے جائیں گے یا دوسری طرف۔

اہل بسطام میں سے ایک شخص نے نقل کیا کہ اس نے ابو یزید کو یوں دعا کرتے سنا کہ یا اللہ اگر تیرے علم ازلی میں مقدر ہو کہ تو اپنی مخلوق میں سے کسی کو عذاب کرے گا تو میری خلقت کو بڑھادے حتیٰ کہ میرے ساتھ کوئی دوسرا دوزخ میں نہ سما سکے، مصنفؒ نے کہا کہ ابو یزید کا یہ قول تین وجہ سے خطا ہے، ایک یہ کہ انہوں نے یوں

کہا اگر تیرے علم ازلی میں مقدر ہو، حالانکہ ہم قطعی جانتے ہیں کہ ایک خاصی مخلوق کو دوزخ کا عذاب ہو گا، ان میں سے ایک جماعت کا نام خود اللہ تعالیٰ نے لیا ہے جیسے فرعون اور ابولہب، پھر کیونکر جائز ہے کہ قطعی یقین کے بعد یوں کہا جائے کہ اگر تیرے علم میں مقدر ہو، دوسرے یوں کہنا کہ میری خلقت کو بڑھادے اگر اس کے بعد یوں کہا کہ میرے سوا اس میں دوسرا نہ سما سکے لہذا کفار پر بھی شفقت کی، حالانکہ یہ خدا کی رحمت کو چھوڑ دینا ہے، تیسرے یہ کہ دو حال سے خالی نہیں یا تو اس آگ کی حقیقت نہیں جانتے یا اپنے نفس پر صبر کا وثوق ہوتا، حالانکہ دونوں میں سے ان میں ایک بھی نہیں۔

سمنون کی نسبت میں نے سنا ہے کہ وہ اپنا نام
کذاب اب رکھتے بوجہ چند اشعار کے جو انہوں
نے کہے تھے ولیس لی فی سواک حظ
فکیفما ما شئت فامتحنی

(ترجمہ) مجھے تیرے سوا کسی میں مزا نہیں ملتا تو جس طرح مجھ کو آزمائے تو اسی وقت ان کا پیشاب بند ہو گیا اس کے بعد وہ مکتبوں میں پھر اکر تے تھے اور ہاتھ میں ایک شیشہ تھا جس میں ان کا پیشاب ٹپکتا تھا اور لڑکوں سے کہتے تھے اپنے کذاب چچا کے لئے دعا کرو، مصنفؒ نے کہ اس قصہ سے میرے بدن پر رو گئے کھڑے ہوتے ہیں، دیکھو تو سہی یہ شخص کس کے سامنے دعویٰ کرتا ہے یہ سب جہالت کا نتیجہ ہے اگر اللہ تعالیٰ کو پہچانتا تو بجز عافیت کے اس سے سوال نہ کرتا۔

صوفیہ خود ہی کہتے ہیں کہ جو شخص خدا کو پہچانتا ہے اس کی زبان گونگی ہو جاتی ہے۔

ابو یعقوب خراط نے بیان کی کہ ابو الحسن نوری نے کہا کہ میرے دل میں ان کرامات کے بارے میں کچھ شبہ تھا میں نے لڑکوں سے ایک نرسل لیا اور دو کشتیوں کے درمیان کھڑا ہوا اور کہا تیری عزت کی قسم اگر اس وقت میرے لئے ایک مچھلی نہ نکل پڑے جو پورے تین رطل سے کم ہو نہ زیادہ تو اپنے آپ کو ڈبو دوں گا، کہا کہ پھر ایک مچھلی نکلی جو تین رطل کی تھی، یہ خبر جنید کو ملی تو انہوں نے کہا اس کا حکم یہ ہے کہ اس کے لئے ایک سانپ نکلے اور اسے کاٹ کھائے محمد بن لبان نے کہا میں نے ابو سعید خزاز کو سنا کہتے تھے خدا کے یہاں میرا سب سے بڑا گناہ ان کی معرفت ہے، مصنفؒ نے کہا

میں کہتا ہوں کہ اگر یہ قول اس معنی پر محمول ہو کہ جب مجھ کو اس کی معرفت حاصل ہوئی تو میں نے اس معرفت کے موافق عمل نہیں کیا لہذا مجھ سے بڑا گناہ ہوا، جیسے کوئی شخص جان بوجھ کر نافرمانی کرے اس کا گناہ بڑا ہو گا یہ معنی ٹھیک ہو سکتے ہیں، ورنہ یہ قول قبیح ہے۔

شبلی کے مرض موت میں کچھ لوگ ان کے پاس گئے، پوچھنے لگے اے ابو بکر کیا کیفیت ہے، شبلی نے دو شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے، ”اس کا بادشاہ عشق کہتا ہے کہ میں رشوت نہیں لیتا میں اس کے قربان جاؤں اس سے کہو کہ مجھے ویسے ہی قبول کرے“، لکن عقیل نے کہا شبلی سے نقل کرتے ہیں کہ وہ کہتے تھے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ولسوف يعطيك ربك فترضى (الضحیٰ پ ۳۰ آیت ۵) یعنی اے محمد ﷺ تم کو خدا اس قدر دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔ خدا کی قسم محمد ﷺ راضی نہ ہوں گے جب تک ایک بھی ان کی امت میں سے دوزخ میں ہوگا، پھر شبلی بولے کہ محمد ﷺ اپنی امت کی شفاعت کریں گے اور ان کے بعد میں شفاعت کروں گا یہاں تک کہ کوئی دوزخ میں باقی نہ رہے گا، لکن عقیل کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فاجروں کے عذاب پر راضی نہ ہوں گے۔ غلط دعویٰ اور جہالت پر پیش قدمی ہے یہ کیونکر ہو سکتا ہے، حالانکہ شراب کے بارے میں دس آدمی ملعون ہو چکے ہیں، پھر یہ دعویٰ کرنا کہ آپ فاجروں کے عذاب ہونے پر راضی نہ ہوں گے باطل ہے اور حکم شریعت کے نہ جاننے پر اقدام ہے اور یہ دعویٰ کرنا کہ وہ خود بھی اہل شفاعت ہے سب کی شفاعت کریں گے رسول اللہ ﷺ کی شفاعت پر زیادہ بڑھائیں گے کفر ہے کیونکہ انسان جب قطعی طور سے اپنے آپ کو اہل جنت سمجھے گا وہ اہل دوزخ سے ہوگا، پھر اس شخص کی نسبت بھلا کیا کہا جائے جو اپنے آپ کو یہ خیال کرتا ہے کہ مقام محمود سے بھی بڑھ کر اس کو مقام ملے گا اور وہ مقام شفاعت ہے۔

محمد بن حسین سلمیٰ نے کہا میں نے اپنے باپ کی کتاب میں خود انہیں کے ہاتھ کا لکھا ہوا دیکھا کہ میں نے ابو العباس دینوری سے سنا کہتے تھے کہ ان لوگوں نے تصوف کے ارکان توڑ ڈالے اس کی راہ کو منہدم کر دیا اس کے معنی کو بدل ڈالا، اپنی طرف سے نام تراش لئے کہ طمع کا نام زہد رکھا، بے ادبی کو اخلاص کہتے ہیں، راہ حق سے خارج ہونا شطح ہے، مذموم چیز سے لذت اٹھانا طیبہ ہے، بد اخلاقی صولت ہے، مٹل جو انمردی ہے، ابتلاع ہوا امتحان ہے، دنیا کی طرف رجوع کرنا وصول ہے، بھیک مانگنا

عمل ہے اور بد زبانی ملامت ہے، حالانکہ یہ طریقہ قوم کا نہیں ان عقیل نے کہا ہے صوفیہ نے حرام کو ایسی عبارتوں سے ادا کیا کہ ان کے نام تو بدل ڈالے اور معنی باقی رہے اس طرح کہ ظرافت اور گانے وغیرہ پر جمع ہونے کو اوقات کہا، ان لوگوں نے مردوں کو شہود کیا، معشوقہ کو بہن، محبت رکھنے والی عورتوں کو مریدہ، رقص و طرب و وجد اور لعب و بطلالت کے ٹھکانے کو رباط، حالانکہ ناموس کے بدلنے سے یہ چیزیں مباح نہیں ہو سکتیں۔

بعض اور افعال منکرہ کا بیان جو صوفیہ سے نقل کئے جاتے ہیں

بہت سے افعال کا ذکر پہلے گزر چکا کہ وہ سب کے سب برے تھے اور یہاں پر ہم ان کے صرف بڑے بڑے اور عجیب فعل ذکر کرتے ہیں، ابوالمکثر بنی کی نسبت جو جنیدؒ کے استاد تھے بیان کرتے ہیں کہ ان کو احتلام ہوا وہ ایک موٹے کپڑے کا خرقہ پہنے ہوئے تھے، دجلہ کے کنارے آئے سردی سخت تھی، ان کے نفس نے وجہ سردی کے پانی میں داخل ہونے سے انکار کیا انہوں نے خرقہ سمیت اپنے آپ کو پانی میں ڈال دیا اور برابر غوطہ لگاتے رہے پھر نکل کر بولے کہ میں عہد کرتا ہوں جب تک میرے جسم پر یہ خرقہ خشک نہ ہو جائے گا۔ نہ اتاروں گا، ایک مہینہ بھر وہ خرقہ خشک نہ ہوا، اس شخص نے اپنا یہ قصہ لوگوں کے سامنے اس لئے بیان کیا کہ اس کی بزرگی ظاہر ہو، حالانکہ یہ جمل محض ہے کیونکہ اس شخص نے اپنی اس حرکت میں خدا تعالیٰ کی نافرمانی کی اس فعل سے عوام نادان خوش ہوتے ہیں، علماء پسند نہیں کرتے اور کسی شخص کو جائز نہیں کہ اپنے نفس کو عذاب کرے اس شخص نے اپنی ذات کے لئے کئی قسم کے عذاب جمع کئے، اپنے آپ کو ٹھنڈے پانی میں ڈالنا اور ایسے خرقہ میں ہونا کہ حسب خواہش حرکت نہ کر سکے اور عجب نہیں کہ اس کی کثافت کی وجہ سے نیچے کے کچھ حصہ میں پانی نہ پہنچا ہو، پھر اسی طرح بھگیا ہوا خرقہ مہینہ بھر تک جسم پر رہا جس نے اس کو لذت خواب سے باز رکھا یہ سب حرکتیں خطا اور گناہ ہیں۔

کہتے ہیں کہ احمد بن ابی الحواری اور ابو سلیمان میں باہم معاہدہ تھا کہ جو کچھ ابو سلیمان حکم کریں وہ اس کے خلاف نہ کریں، ایک روز ابو سلیمان مجلس میں بیٹھے کچھ باتیں کر رہے تھے احمد آئے اور کہنے لگے کہ ہم تنور گرم کر چکے آپ کیا حکم کرتے ہیں ابو سلیمان نے کچھ جواب نہ دیا، احمد نے پھر دوبارہ یا تین بار کہا، تیسری مرتبہ ابو سلیمان

بولے جاؤ اور تم تنور میں بیٹھ جاؤ احمد نے ایسا ہی کیا اور سلیمان لوگوں سے بولے چلو اس کو جا کر دیکھیں کیونکہ مجھ میں اس میں باہم معاہدہ ہے کہ جو کچھ میں حکم کروں گا اس کے خلاف نہ کرے گا یہ کہہ کر خود اٹھے اور لوگ بھی ان کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے تنور پر آکر دیکھا تو کچھ آنچ بھی نہ پہنچی تھی مصنفؒ نے کہا یہ حکایت صحت سے بعید ہے اور اگر صحیح بھی ہو تو اس شخص کا آگ میں داخل ہونا گناہ ہے، یحییٰ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کہیں ایک لشکر کا ٹکڑا آ (سریہ) بھیجا اور انصار میں سے ایک شخص کو سردار بنایا جب وہ چلے تو راستے میں وہ انصاری کسی بات سے ان پر غصہ ہو گئے اور ان سے کہا کہ کیا تم کو رسول اللہ ﷺ نے حکم نہیں فرمایا کہ ہر بات میں میری اطاعت کرو سب بولے بیشک فرمایا انہوں نے کہا اچھا لکڑیاں جمع کرو لوگوں نے لکڑیاں اکٹھی کیں پھر آگ منگا کر سلگائی پھر کہا کہ میں تم کو قسم دیتا ہوں کہ اس آگ میں داخل ہو جاؤ لوگوں نے داخل ہونے کا قصد کیا ایک نوجوان شخص نے ان سے کہا کہ تم لوگ فقط آتش دوزخ ہی کے مارے رسول اللہ ﷺ کے پاس (کفر سے) نکل کر بھاگ آئے ہو جلدی نہ کرو پہلے رسول اللہ ﷺ سے مل لو اگر آپ ﷺ تم کو اس میں داخل ہونے کا حکم دیں تو داخل ہو جاؤ سب لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور آپ ﷺ کو خبر دی آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم اس آگ کے اندر چلے جاتے تو پھر کبھی باہر نہ آتے فرمانبرداری صرف حکم شرعی میں کی جاتی ہے۔

ابو الخیر الدہلی نے بیان کیا کہ میں خیر نساج کے پاس بیٹھا تھا ان کے پاس ایک عورت آئی اور بولی کہ لاؤ مجھ کو وہ رومال دو جو میں نے کل تم کو دیا تھا خیر نساج نے کہا بہت اچھا یہ کہہ کر وہ رومال اس کو دیا وہ بولی کہ اس کی کیا اجرت ہے؟ کہا دو روہم عورت نے کہا اس وقت میرے پاس کچھ نہیں اور میں تمہارے پاس کئی مرتبہ آئی اور تم کو نہ دیکھا، کل انشاء اللہ تم کو دے دوں گی، خیر نساج بولے اگر تم میرے پاس اجرت لاؤ اور میں تم کو نہ ملوں تو دجلہ میں ڈال دیتا جب میں آؤں گا لے لوں گا عورت بولی کہ دجلہ سے تم کیونکر لے لو گے، خیر نساج نے کہا اس کی تحقیق کرنا تم کو فضول ہے جس طرح میں کہتا ہوں وہ کرو، عورت انشاء اللہ کہہ کر چلی گئی، ابو الخیر کہتے ہیں کہ میں دوسرے روز علی الصباح پھر خیر کے پاس گیا خیر وہاں موجود نہ تھے وہ عورت آئی اور دو روہم ایک کپڑے کے ٹکڑے میں باندھ لائی تھی جب خیر نہ ملے تھوڑی دیر بیٹھی پھر کھڑی ہوئی اور کپڑے کو دجلہ میں پھینک دیا، یکا یک ایک کیڑا نکلا اور اس کپڑے کو لے کر پانی میں چلا

گیا کچھ دیر بعد خیر آئے اور اپنی دکان کا دروازہ کھولا اور جگہ کے کنارے بیٹھ کر وضو کرنے لگے ناگاہ وہی کیلڑاپانی سے نکل کر ان کی طرف دوڑے آیا اس کی پشت پر وہ کپڑے کا ٹکڑا تھا جب ان کے پاس آیا انہوں نے وہ ٹکڑا لے لیا ابو الخیر کہتے ہیں میں نے خیر نساج سے کہا کہ ایسا ایسا واقعہ میرے سامنے گزرا ہے خیر بولے میں چاہتا ہوں کہ میری زندگی میں کسی پر یہ قصہ ظاہر نہ ہو میں نے اس بات کو قبول کیا مصنف نے کہا اس حکایت کا صحیح ہونا بعید ہے اور اگر صحیح بھی ہو تو یہ حرکت شرع کی مخالفت سے خارج نہیں کیونکہ شرع نے مال کی نگہداشت کا حکم کیا اور یہ مال کو ضائع کرنا ہے (کہ درہم دریا کے حوالے کر دیئے جائیں) لیکن میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مال کو تلف کرنے سے منع فرمایا اس شخص کے قول کی طرف بالکل توجہ نہ کرو جو کہتا ہے کہ یہ کرامت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کا اکرام نہیں فرماتا جو اس کی شرع کے خلاف کرے۔

ابو حامد غزالی نے کتاب احیاء العلوم میں نقل کیا ہے کہ کوئی بزرگ آغاز ارادت میں قیام کرنے میں کسل کرتے تھے تو انہوں نے اپنے اوپر لازم کر لیا کہ تمام رات سر کے بل کھڑا ہوں گا تاکہ پھر نفس خوشی سے قیام کو آسان سمجھے ایک جگہ ابو احمد لکھتے ہیں کہ بعض بزرگوں نے مال کی محبت کا علاج یوں کیا کہ اپنا تمام مال بیچ ڈالا اور اس کو دریا میں پھینک دیا اس لئے کہ اگر اس کو لوگوں پر تقسیم کریں تو خوف ہے کہ کہیں جو دو سخاوت کی رعونت نہ آجائے اور خیرات میں ریا نہ واقع ہو ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ بعض بزرگ اجرت پر ایسے شخص کو لیتے تھے کہ ان کو بڑے آدمیوں کے ساتھ گالیاں دے تاکہ ان کا نفس حلم و بردباری سیکھے ایک اور مقام پر لکھتے ہیں کہ بعض لوگ جاڑے میں دریا کا سفر کرتے ہیں جب موج زوروں پر ہوتی ہے تاکہ بہادر ہو جائیں۔

مصنف نے کہا سب سے زیادہ مجھ کو ابو احمد پر تعجب آتا ہے کہ ان باتوں کو کیونکر جائز رکھتے ہیں اور ان پر رد و انکار کیوں نہیں کیا اور مقام تعلیم میں ان کا تذکرہ کیا ایک اور جگہ کہتے ہیں کہ شیخ کو مبتدی کی حالت دیکھنی چاہیے اگر اس کے پاس مال ضرورت سے زائد دیکھے تو اس کو لے کر کار خیر میں صرف کرے حتیٰ کہ اس کی طرف وہ مبتدی کچھ توجہ نہ کرے اور اگر شیخ دیکھے کہ اس پر کبر و غرور غالب ہے تو اس کو حکم دے کہ بازار جائے اور سوال کرنے کی تکلیف اٹھائے پھر بھی اگر فساد دیکھے تو حمام اور باورچی خانہ اور بھاڑ وغیرہ جھونکنے کی خدمت اس سے لے اور اگر کھانے کی حرص اس

پر غالب پائے تو روزہ اس پر لازم کر دے اور اگر دیکھے کہ وہ من ہیابا ہے اور روزہ سے اس کی شہوت فرد نہیں ہوتی تو اس کو حکم کرے کہ ایک رات فقط پانی پر افطار کرے اور روٹی نہ کھائے اور دوسری رات صرف روٹی پر افطار کرے اور پانی نہ پئے اور گوشت سے اس کو بالکل باز رکھے۔

مصنفؒ نے کہا مجھے ابو حامد پر تعجب ہے کہ کیونکر ان باتوں کا حکم کرتے ہیں جو شرع کے خلاف ہیں اور کیونکر جائز ہے کہ آدمی تمام رات سر کے بل کھڑا رہے جس سے خون کا سیلان الٹا ہو جائے اور مرض شدید کا باعث ہو، اور کیونکر جائز ہے کہ مال کو دریا میں پھینک دے اور کیونکر جائز ہے کہ بلا سبب مسلمان کو گالیاں دے، اور بھلا مسلمان کے لئے کیا جائز ہے کہ گالیاں دینے کے واسطے اجرت پر ایک شخص کو لے، اور کیونکر جائز ہے کہ جو شخص کسب کرنے کی قدرت رکھتا ہو وہ سوال کرے، غرض کہ ابو حامد نے تصوف کے بدلے میں فقہ کو کس قدر رازاں فروخت کر ڈالا۔

حسن بن علی دامغانی سے منقول ہے کہ ایک شخص اہل بسطام میں سے تھا جو ابو یزید کی مجلس سے نہ کبھی جدا ہوتا تھا اور نہ اس کو چھوڑتا تھا اور ایک روز اس نے ان سے کہا کہ میں تیس برس سے دن کو ہمیشہ روزہ رکھتا ہوں اور رات کو قیام کرتا ہوں اور نفس کی خواہشیں چھوڑ دیں لیکن آپ جو ذکر کرتے ہیں اس میں سے کوئی بات اپنے دل میں نہیں پاتا ہوں، تو ابو یزید نے اس سے کہا کہ میرے خیال میں اگر تو تین سو برس روزے رکھے گا اور تین سو برس قیام کرے گا جب بھی تجھ کو ایک ذرہ اس سے حاصل نہ ہوگا، کہا استاد کیوں؟ کہا تو اپنے نفس کی وجہ سے حجاب میں ہے، کہا اس کے واسطے کوئی دوا بھی ہے جس سے یہ حجاب جاتا رہے، جواب دیا کہ ہاں لیکن تو منظور نہ کرے گا وہ کہنے لگا کہ میں قبول کروں گا اور جو کچھ آپ حکم دیں گے اس پر عمل کروں گا۔ ابو یزید بولے کہ ابھی حجام کے پاس جا کر اپنا سر اور ڈاڑھی منڈوا ڈال، اور یہ لباس اپنا اتار کر ایک چادر کا تہ بند باندھ اور اپنے گلے میں ایک جھولی ڈال کر اس کو آخر دوٹوں سے بھر لے اور اپنے چاروں طرف لڑکوں کو جمع کر کے بلند آواز سے پکار کہ جو مجھ کو ایک تھپڑ مارے گا اس کو ایک آخر دوٹ دوں گا اور اس بازار میں جا جہاں تیری تعظیم ہوتی ہے، وہ شخص سن کر بولا اے ابو یزید سبحان اللہ آپ مجھ ایسے شخص کو ایسی ہدایت کرتے ہیں ابو یزید کہنے لگے کہ تیرا سبحان اللہ کہنا شرک ہے، اس نے پوچھا کہ یہ کیونکر ہے جواب دیا اس لئے کہ تو نے اپنے نفس کی تعظیم کی اور اس سے محبت رکھتا ہے، کہا اے ابو یزید اس پر قادر نہیں ہوں

اور نہ کروں گا، لیکن اور کوئی بات بتائیے تاکہ اس کو کروں، تو ابو یزید نے ان سے کہا کہ تمام باتوں سے پہلے یہ کر تاکہ تیری عزت جاتی رہے اور تیرا نفس ذلیل ہو جائے، پھر اس کے بعد جو تیرے لئے بہتر ہو گا بتاؤں گا، کہا میں اس کی قدرت نہیں رکھتا، کہا میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ تو قبول نہ کرے گا۔

مصنفؒ نے کہا الحمد للہ کہ ہماری شریعت میں ایسی خرافات باتیں نہیں بلکہ ان کی حرمت اور ممانعت ہے، ہمارے نبی ﷺ نے فرمایا مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ اپنے آپ کو ذلیل کرے حذیفہ رضی اللہ عنہ سے ایک بار جمعہ فوت ہو گیا، انہوں نے جب آدمیوں کو نماز سے لوٹتے ہوئے آتے دیکھا تو چھپ گئے تاکہ نماز کے حق میں نقص کی نگاہ سے نہ دیکھے جائیں، بھلا کیا شریعت کسی سے یہ چاہتی ہے کہ نفس کا اثر مٹا دے، خود رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو کوئی ان ناپاک امور میں سے کسی میں مبتلا ہو تو اس کو چھپانا چاہیے اللہ تعالیٰ بھی اس کی پردہ پوشی کرے گا، یہ سب اسی لئے فرمایا کہ نفس کا جاہ و مرتبہ قائم رکھا جائے، اگر بے ہول لڑکوں کو حکم کرتے کہ وہ ان کو چائے لگائیں تو بری بات ہوتی، ایسی ناقص عقلوں سے خدا پناہ دے جو مبتدی سے ان امور کی درخواست کرتے ہیں جن سے شریعت راضی نہیں۔

ابو حامد نے بیان کیا کہ ابن کرینی نے کہا میں ایک بار ایک مقام پر اترا اور میرے خیر و صلاح کی وہاں شہرت ہو گئی، میں حمام گیا وہاں ایک لباس فاخرہ دیکھ کر اس کو چڑایا اور نیچے وہ لباس پہن کر اوپر سے وہ خرقة پہنا اور حمام سے نکل کر آہستہ آہستہ چلنے لگا لوگ میرے پاس آئے اور میرا خرقة اتار اور وہ لباس مجھ سے چھین کر مجھ کو پیٹا، اس کے بعد میں حمام کا چور مشہور ہو گیا اس وقت میرے نفس کو قرار آیا۔

مصنفؒ نے کہا اس شخص کی حالت سے کون سی حالت قبیح تر ہوگی جو شریعت کے خلاف کرے اور امر ممنوع میں مصلحت خیال کرے اور کیونکر جائز ہے کہ معاصی کا مرتکب ہو کر صلاح قلوب طلب کرے کیا شرع میں وہ چیز نہیں ملتی جس سے صلاح قلب حاصل ہو کہ امر ناجائز کو عمل میں لایا جائے، یہ حرکت ایسی ہے جیسے بعض جاہل حکام کرتے ہیں کہ جس کا ہاتھ کاٹا واجب نہیں اس کا ہاتھ کاٹ ڈالا جس کو قتل کرنا جائز نہیں اس کو مار ڈالا اور اس کو سیاست کہتے ہیں اس کا تو مطلب یہ ہوا کہ شریعت سیاست کے لئے کافی نہیں ہے، مسلمان کو کیونکر جائز ہے کہ اپنے آپ کو چور مشہور کر دے بھلا کیا یہ جائز ہے کہ اس کے دین کو ست کہا جائے یا ایسی حرکتیں ان لوگوں کے

سامنے کرے جو زمین پر خدا کی طرف شہادت دینے والے ہیں، اگر کوئی آدمی سر راہ کھڑے ہو کر اپنی ملی ملی سے باتیں کرے تاکہ واقف لوگ اس کو فاسق کہیں تو اس حرکت سے گنہگار ہوگا، پھر کیونکر جائز ہے کہ غیر کے مال میں بغیر اس کی اجازت کے تصرف کرے، امام احمد اور شافعی کے مذہب میں نص ہے کہ جو شخص حمام سے وہ کپڑے چرائے جن پر گھبان موجود ہو اس کا ہاتھ کاٹ ڈالنا واجب ہے کون سے لوگ صاحب احوال ہیں کہ لوگ ان کے واقعات پر عمل کریں، ہرگز نہیں، خدا کی قسم ہماری شریعت وہ شریعت ہے کہ اگر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بھی چاہیں کہ اس کو چھوڑ کر اپنی رائے پر عمل کریں تو ان کی بات بھی نہ مانی جائے گی۔

کہتے ہیں کہ ابو جعفر حداد نے بیس برس اس طرح گزارے کہ ہر روز ایک دینار کماتے تھے اور اس کو فقیروں پر خیرات کر دیتے تھے اور خود روزہ رکھتے تھے اور مغرب و عشاء کے درمیان گھروں سے بھیک مانگے کر اس پر افطار کرتے تھے، مصنف نے کہا اگر یہ شخص جانتا کہ جو آدمی کسب کر سکتا ہے اس کو سوال کرنا اور صدقہ لینا جائز نہیں تو ایسا نہ کرتا اور اگر ہم اس کو جائز بھی مان لیں تو اس سوال کرنے سے نفوس کی غیرت کہاں باقی رہی، رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا تم میں سے جو کوئی ہمیشہ سوال کرتا رہے گا قیامت کے دن خدا کے سامنے جائے گا اور اس کے چہرہ پر گوشت کا ٹکڑا بھی نہ ہوگا، آپ نے یہ بھی فرمایا کہ آدمی ایک رسی لے اور اس میں لکڑیاں باندھ کر لائے پھر ان کو بازار میں رکھ کر بیچے اور اس سے تو نگری حاصل کرے اپنا خرچ چلائے تو اس کے لئے یہ بہتر ہوگا اس سے کہ لوگوں سے سوال کرے کہ وہ اس کو کچھ دیں یا نہ دیں یہ دوسری حدیث فقط بخاری میں ہے، اور اس سے پہلے والی حدیث متفق علیہ ہے، عبد اللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لا تحل الصدقة لغنی ولا لذی مرة سوی یعنی صدقہ لینا نہ تو نگر کو جائز ہے اور نہ پوری قوت والے کو، یہاں ذی مرہ کا لفظ آیا ہے، مرہ کے معنی قوت کے ہیں اور اصل میں رسی کی مضبوطی کے لئے آیا ہے بولا جاتا ہے مررت الحبل جبکہ رسی کو مضبوط بناتے ہیں، پس حدیث میں مرہ کے معنی یہ ہیں کہ جسم مضبوط ہو اور بدن تندرست ہو جس تندرستی میں کوشش اور تعب برداشت کر سکے شافعی نے کہا جو شخص ایسی قوت رکھتا ہے جس سے کسب پر قادر ہو اس کو صدقہ لینا جائز نہیں۔

یونس بن ابی الشیبہ نے اپنے باپ سے حکایت کی کہ وہ ایک رات تمام شب

کوٹھے پر چھت کے کنارے کھڑے رہے اور بولے کہ اے آنکھ اگر تو جھپکی تو میں تجھ کو صحن میں گرا دوں گا غرض اسی طرح کھڑے رہے، صبح کو مجھ سے کہنے لگے بیٹا آج کی رات میں نے کسی کو ذکر الہی کرتے نہ سنا بجز ایک مرغ کے جو دو دانق (درہم) کا تھا، مصنف نے کہا اس شخص نے دو ناجائز حرکتیں ایک ساتھ کیں، ایک تو اپنے نفس کو خطرے میں ڈالا اگر اس پر نیند غالب آجاتی تو گر پڑتا اور نفس کے ہلاک کرنے میں کوشش کرتا اور اس میں شک نہیں کہ اگر وہ اپنے آپ کو نیچے گرا دیتا تو بڑے گناہ کا مرتکب اس کا گر پڑنے پر آمادہ ہونا معصیت ہے، دوسرے یہ کہ اس شخص نے اپنی آنکھوں کو خواب کی راحت سے باز رکھا، حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم پر تمہارے بدن کا حق ہے اور فرمایا کہ جب کسی پر غنودگی غالب آجائے تو چاہیے کہ سو رہے اور نیز آپ ﷺ نے ایک رسی دیکھی جو حضرت زینب نے تان رکھی تھی اور جب تھک جاتی تھیں تو اس رسی کو تھام لیتی تھیں، آپ ﷺ نے اس رسی کے کھول ڈالنے کا حکم فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ جب تک دل خوش رہے اس وقت تک نماز پڑھا کرو، جب کسل ہو یا تھک جاؤ تو بیٹھ جایا کرو۔ اکثر احادیث ہم اس کتاب میں پیشتر بیان کر چکے ہیں۔

محمد بن ابی صابر دلال نے ہم سے بیان کیا کہ میں جامع منصور کے قبہ شعراء میں سبلی کے پاس کھڑا ہوا اور لوگ ان کے گرد جمع تھے، اسی حلقہ میں ایک خوبصورت لڑکا اکھڑا ہو گیا، جس سے زیادہ خوبصورت اس وقت تمام بغداد میں نہ تھا اس کا نام مسلم تھا، شبلی نے اس لڑکے سے کہا کہ الگ ہو جاؤ وہیں کھڑا رہا، پھر دوبارہ کہا کہ او شیطان الگ ہو جاؤ، وہ لڑکا نہ ملا تیسری بار کہا کہ چلا جاؤ نہ جو کچھ تیرے جسم پر ہے سب جلا دوں گا، اس لڑکے کے بدن پر بڑے اچھے قیمتی کپڑے تھے، یہ سن کر وہ چلا گیا، شبلی نے چند شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے۔ کوہ عدن کی چوٹی پر بازوں کے لئے گوشت ڈال پھر بازوں کو ملامت کرنے لگے اور ان کو گرفتار کیا تیرے خوبصورت چہرہ کو بے پردہ کیا اور پھر جو مفتوں ہو اس کو ملامت کرنے لگے، اگر میرا محفوظ رکھنا چاہتے تو تیرے پیارے چہرے کو چھپا دیتے، ان عقیل نے کہا جس شخص نے یہ شعر کہے اس نے طریق شرع سے خطا کی، کیونکہ یہ شخص یوں کہتا ہے کہ یہ اشیاء اللہ تعالیٰ نے فتنہ میں ڈالنے کے لئے پیدا کی ہیں، حالانکہ ایسا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے عبرت حاصل کرنے کو اور امتحان کے واسطے خلق فرمایا ہے، آفتاب اس لئے پیدا ہوا ہے کہ روشنی پہنچائے اس واسطے

نہیں کہ اس کی پرستش کی جائے۔

ابو علی دقاق کہتے ہیں کہ شبلی کی نسبت ہم کو خبر ملی ہے کہ انہوں نے اپنی آنکھ میں فلاں فلاں قسم کا نمک لگایا تھا کہ بیداری کی عادت پڑے اور نیند نہ آئے، مصنفؒ نے کہا یہ حرکت قبیح ہے مسلمانوں کو جائز نہیں کہ اپنے نفس کو تکلیف دیں، ناپیدائی کا یہی سبب ہے اور ہمیشہ بیدار رہنا جائز نہیں کیونکہ اس میں نفس کی حق تلفی ہے اور بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمیشہ رہنے اور کم کھانے کی وجہ سے یہ لوگ ایسے احوال و افعال میں پڑ گئے۔

حسین بن عبداللہ قزوینی کہتے ہیں کہ ایک روز مجھ کو میرا روزینہ نہ ملا اور مجھ کو ضرورت لاحق ہوئی میں نے راستہ میں سونے کا ایک ٹکڑا پڑا ہوا دیکھا اس کو اٹھانا چاہا، پھر خیال آیا کہ یہ لقطہ ہے تو میں نے چھوڑ دیا بعد ازاں مجھ کو وہ حدیث یاد آئی کہ روایت کی جاتی ہے اگر تمام دنیا خون ہوتی تو اس سے بھی مسلمان کی روزی حلال ہوتی میں نے اس کو اٹھا کر اپنے منہ میں رکھ لیا تھوڑی دور چلا تھا کہ ایک لڑکوں کا غول دیکھا ان میں سے ایک لڑکا کچھ کلام کر رہا تھا دوسرے نے اس سے پوچھا کہ آدمی صدق کی حقیقت کب پاتا ہے؟ اس لڑکے نے جواب دیا جب کہ اپنے منہ میں سے روپیہ پھینک دے۔ یہ سن کر میں نے وہ ٹکڑا منہ سے نکال کر پھینک دیا۔ مصنفؒ نے کہا کہ فقہاء کے نزدیک بلا اختلاف اس شخص کا وہ ٹکڑا پھینک دینا جائز نہیں اور تعجب تو یہ ہے کہ اس نے ایک لڑکے کے کہنے سے پھینک دیا جس کو خبر بھی نہیں کہ میں کیا کہتا ہوں۔

ابو حامد غزالی نے بیان کیا کہ ابو ہاشم زاہد کے پاس شقیق ملٹی آئے ان کی چادر میں کچھ ہندھا ہوا تھا ابو ہاشم نے ان سے پوچھا کہ یہ تمہارے ساتھ کیا چیز ہے، جواب دیا کہ چند بادام ہیں میرے بھائی نے میرے پاس بھیجے ہیں اور کہا ہے کہ میں چاہتا ہوں تم ان سے روزہ افطار کرو۔ ابو ہاشم بولے اے شقیق تم اپنے نفس سے گفتگو کرتے ہو کہ رات تک زندہ رہو گے، میں تم سے کبھی بات نہ کروں گا یہ کہہ کر دروازہ ہند کر لیا اور اندر چلے گئے، مصنفؒ نے کہا کہ اس باریک بین فقیہ کو دیکھنا چاہیے کہ کیونکر ایک مسلمان کو ایسے فعل پر ترک کر دیا جو جائز بلکہ مستحب تھا، کیونکہ انسان مامور ہے کہ اپنے لئے افطاری کا سامان تیار کرے اور وقت آنے سے پیشتر کسی چیز کا تیار کرنا ضروری ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا واعدوا لہم ما استطعتم من قوۃ (انفال پ ۱۰ آیت ۶۰) یعنی کفار کے لئے جس قدر ہو سکے قوت تیار رکھو، رسول اللہ ﷺ نے اپنی

ازواج مطہرات کے لئے ایک سال کا روزینہ ذخیرہ فرمایا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں نصف مال لائے اور نصف ذخیرہ رکھ آئے آپ نے ان پر کوئی اعتراض نہیں فرمایا، پس جمالت نے ان زاہدوں کو فاسد کر دیا۔

احمد بن اسحاق عمائی کہتے ہیں کہ ہم کو خبر ملی ہے کہ ہندوستان میں ایک شخص صابر کے نام سے مشہور تھا اس نے سو برس سے اپنی ایک آنکھ بند کر رکھی تھی اس سے پوچھا گیا کہ اے صابر تمہارے صبر کی انتہا کس قدر ہے، جواب دیا کہ میں نے زینت دنیا کی طرف دیکھنا چاہا اور اس سے راحت لینا پسند نہ کیا، لہذا اسی برس ہوئے کہ اپنی آنکھ بند کر لی، مصنف نے کہا اس شخص کا قصہ یہ تھا کہ دنیا کو ایک آنکھ سے دیکھے۔

فصل :- صوفیہ میں ایک فرقہ جس کو ملائیہ کہتے ہیں وہ گناہوں کی طرف جھک پڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارا مطلب یہ ہے کہ نظروں سے گر پڑیں، تاکہ جاہ و مرتبہ کی آفتوں سے سلامت رہیں حالانکہ شریعت کی مخالفت کر کے ان لوگوں نے اپنا رب خدا کے نزدیک بھی ساقط کر دیا، اس قوم میں ایک طبقہ ہے جو اپنی فحیح حالت مخلوق پر ظاہر کرتے ہیں اور اچھی کیفیت چھپاتے ہیں، گویا وہ خدا کے نزدیک اہل ولایت ہیں اور خلقت کے نزدیک اہل آفت ہیں، مصنف نے کہا یہ حالت تمام چیزوں سے فحیح تر ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ان نجاستوں میں سے اگر کوئی شخص کسی میں مبتلا ہو جائے تو چاہیے کہ وہ خدا کی پردہ پوشی سے چھپائے، ماعز اسلمی کے حق میں رسول اللہ ﷺ نے ہزال (بن یزید اسلمی) سے فرمایا تھا اے ہزال تو نے اپنی چادر سے کیوں نہ پردہ کر لیا تھا، ایک بار آپ ﷺ صفیہ رضی اللہ عنہا سے کچھ گفتگو فرماتے تھے، بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کا ادھر گزر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ عورت صفیہ رضی اللہ عنہا ہے، اس سے ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو تعلیم دی کہ جو چیز بدگمانی کا باعث ہو اس سے دور رہیں کیونکہ اہل ایمان زمین پر خدا کی طرف سے شاہد ہیں، حذیفہ رضی اللہ عنہ جمعہ کی نماز پڑھنے چلے، نماز آپ کو نہ ملی، لوگوں کو دیکھا کہ نماز پڑھ کر چلے آ رہے ہیں، حذیفہ رضی اللہ عنہ چھپ رہے تھے تاکہ لوگ آپ کے ساتھ بدگمان نہ ہوں، ابو بکر رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے بیان کیا کہ میں نے ایک عورت کو ہاتھ لگایا اور بوسہ لیا، آپ نے اس سے فرمایا کہ توبہ کر اور کسی سے یہ حال بیان نہ کر، بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے کسی نے آکر بیان کیا کہ میں نے فلاں فلاں گناہ کئے انہوں

نے جواب دیا کہ اگر تو خود چھپائے رکھتا تو اللہ تعالیٰ بھی تیری پردہ پوشی کرتا، اس قوم صوفیہ نے شریعت کے خلاف کیا اور یہ چاہا کہ نفوس میں جو بات فطری اور جبلی ہے اس کو دور کر دیں۔

فصل :- صوفیہ میں اہل لباحت شامل ہو گئے اور اپنی جان بچانے کے لئے صوفیہ سے مشابہت لی، ان لوگوں کی دو جماعتیں ہیں ایک تو کافر ہیں جن میں سے ایک فرقہ تو وہ ہے جو خدا تعالیٰ کا اقرار نہیں کرتا اور دوسرا اگر وہ وہ ہے جو خدا کا اقرار کرتا ہے مگر نبوت کا انکار کرتا ہے اور کہتے ہیں کہ انبیاء نے جو کچھ بیان کیا وہ محال ہے، ان لوگوں نے جب اپنے نفوس کو شہوات سے خوش کرنا چاہا تو صوفیہ کے مذہب کے برابر کوئی چیز ان کو نہ ملی جس سے اپنی جان بچائیں اور اغراض نفوس حاصل کریں، لہذا بظاہر صوفیہ کے مذہب میں داخل ہو گئے حالانکہ باطن میں کافر ہیں، ان کا علاج بجز تلوار کے کچھ نہیں، ان پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو، دوسری جماعت وہ ہے جو اسلام کا اقرار کرتے ہیں مگر ان کی دو قسمیں ہیں قسم اول وہ ہیں کہ اپنے افعال میں اپنے شیوخ کی تقلید کرتے ہیں بغیر اس کے کہ دلیل کے پیچھے پڑیں اور کوئی شبہ لائیں لہذا جو کچھ پیر ان کو حکم دیتے ہیں اور اپنے پیروں کو کرتے ہیں دیکھتے ہیں وہ بھی وہی کرتے ہیں، قسم ثانی وہ ہیں کہ ان کو شبہات پیش آتے ہیں تو اس چیز کے مطابق عمل کرتے ہیں، اور وہ بات جس سے ان کے شبہات پیدا ہوئے ہیں یہ ہے، جب انہوں نے لوگوں کے مذاہب پر غور کرنے کا قصد کیا تو شیطان نے ان کو فریب دیا اور دکھلادیا کہ دلائل میں پڑ جانا یہی شبہ ہے اور تمیز کرنا دشوار ہے اور مقصود اصلی اس سے اعلیٰ و برتر ہے کہ علم سے مل جائے، (یعنی یہ چیز علم سے حاصل نہیں ہوتی) اس کا حاصل ہونا صرف امر نقدیری ہے جو خود بخود مدہ کو ملتا ہے کوئی طلب سے حاصل نہیں لہذا ان پر شیطان نے نجات کا دروازہ جو کہ طلب علم ہے بند کر دیا، اب ان کی یہ حالت ہو گئی کہ علم کے نام سے ایسے ناراض ہوتے ہیں جس طرح رافضی حضرت ابو جبر و عمر رضی اللہ عنہما کے نام سے جلتے ہیں، یہ بھی کہتے ہیں کہ علم حجاب ہے اور علماء اس سے محبوب ہیں جو علم سے مقصود ہے، اگر کوئی عالم ان پر انکار کرتا ہے تو اپنے پیروں سے ہیں کہ یہ باطن میں ہمارے موافق ہے، صرف ظاہر میں عوام ضعیف العقول کے دکھانے کو ہماری مخالفت کرتا ہے، پھر اگر خوب شدت کے ساتھ ان کی مخالفت کرے تو کہتے ہیں کہ یہ احمق ہے، شریعت کی

بیڑیوں میں جکڑا ہوا ہے، مقصود اصلی سے مجھوب ہے، پھر جو کچھ شبہات ان کو واقع ہوتے ہیں انہیں پر عمل کرتے ہیں، اگر ان کو عقل ہوتی تو جان لیتے کہ شبہات کے مطابق ان کا عمل کرنا بھی تو ایک علم ہے، لہذا علم کا انکار کرنا باطل ہو گیا، ہم ان کے شبہات ذکر کرتے ہیں اور ان کو کھولتے ہیں وہ شبہات یہ ہیں۔

پہلا شبہ یہ ہے کہ کہتے ہیں جب تمام امور ازل سے مقدر ہو چکے اور کچھ لوگ سعادت کے ساتھ کچھ لوگ شقاوت کے ساتھ مخصوص ہو گئے اور نیک آدمی بد اور بد آدمی نیک نہیں ہو سکتا اور اعمال بذات خود مقصود نہیں ہوتے بلکہ صرف اس لئے ہیں کہ سعادت حاصل کی جائے اور شقاوت کو دور کیا جائے، حالانکہ اعمال کا وجود ہم سے پیشتر ہو چکا لہذا کوئی وجہ نہیں کہ نفس کو اعمال کے رنج میں ڈالا جائے اور لذتوں سے اس کو روکا جائے کیونکہ جو کچھ تقدیر میں لکھا جا چکا ہے وہ لا محالہ واقع ہو گا، جواب اس شبہ کا یہ ہے کہ اس قوم سے کہا جائے کہ اس قول سے تو تمام شرائع کا رد لازم آتا ہے اور سب احکام باطل ٹھہرتے ہیں اور تمام انبیاء علیہم السلام جو کچھ لائے ہیں گویا ان کو سرزنش کرنا ہے، کیونکہ جب کہا جائے گا کہ قرآن شریف میں آیا ہے اقيموا الصلوة یعنی نماز قائم رکھو کہنے والا کہے گا کہ کیوں ایسا کروں اگر میں سعید ہوں تو میری بازگشت سعادت کی طرف ہوگی اور اگر میں شقی ہوں تو نماز قائم کرنے سے مجھ کو کچھ نفع نہ ہو گا، اسی طرح جب کہا جائے گا لا تقربوا الزنی (بنی اسرائیل پ ۱۵ آیت ۳۲) یعنی زنا کے قریب نہ جاؤ سننے والا جواب دے گا کہ میں اپنے نفس کو اس کو لذت سے کیوں باز رکھوں، سعادت اور شقاوت سے فراغت ہو چکی اور قضا و قدر فیصلہ کر چکی ہے علیٰ ہذا القیاس ایسا ہی جواب فرعون بھی حضرت موسیٰ کو دے سکتا تھا، جب انہوں نے اس سے کہا تھا هل لك الى ان تزكى (النازعات پ ۳۰ آیت ۱۸) یعنی کیا تو چاہتا ہے کہ پاک ہو جائے، پھر اس سے بھی ترقی کر کے خالق تک پہنچے اور اس سے کہا کہ تو نے جو پیغمبر بھیجے اس سے کیا فائدہ جو کچھ تو نے حکم لگایا اور مقدر فرمایا وہ جاری ہو گا اور وہ بات جس سے کتاؤں کا رد کرنا اور رسولوں کا جاہل ٹھہرانا لازم آئے وہ محال غلط ہے اور یہی وہ بات ہے جس کو رسول اللہ ﷺ نے رد کیا، جب صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ کیا ہم لوگ تقدیر پر بھروسہ نہ کریں، فرمایا کہ تم عمل کرو جو شخص جس کے لئے پیدا ہوا ہے اس کو اسی کی توفیق ملے گی۔

جاننا چاہیے کہ آدمی کا ایک کسب ہوتا ہے جو اس کے اختیار میں ہے، اسی پر

ثواب اور عذاب واقع ہوتے ہیں جب وہ اس اختیاری امر میں خلاف کرتا ہے تو ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ازل میں مقدر فرمایا تھا کہ وہ خلاف کرے گا، صرف اس خلاف پر اس کو عذاب کرے گا اپنی تقدیر پر سزا نہ دے گا اور اسی لئے قاتل کو قصاص میں قتل کیا جاتا ہے اور اس کا یہ عذر نہیں مانا جاتا کہ تقدیر میں یوں ہی لکھا تھا، رسول اللہ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اسی لئے تقدیر پر نظر کرنے سے ہٹا کر عمل میں لگا دیا کہ امر و نہی ظاہری حالت ہے اور جو کچھ ان میں مقدر ہے وہ امر باطن ہے۔ ہمارا یہ منصب نہیں کہ جس قدر تکلیف شرعی ہم کو معلوم ہوئی اس کو چھوڑ دیں کیونکہ ہم نہیں جانتے قضا کیا جاری ہوئی ہے رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمانا کہ ہر شخص کو اسی کی توفیق ملے گی جو اس کے لئے مقدر ہے، اسباب تقدیر کی طرف اشارہ ہے کیونکہ جس شخص کے لئے علم مقدر ہو چکا اس کو علم کی تلاش اور اس کی محبت اور اس کے سمجھنے کی توفیق ہوگی اور جس کے لئے جہل کا حکم ہوا اس کے دل سے علم کی محبت دور کر دی جائے گی، اسی طرح جس کے لئے اولاد مقدر ہے اس کو نکاح کی توفیق ملے گی اور جس کے لئے مقدر نہیں اس کو توفیق نہ ہوگی۔

دوسرا شبہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ اعمال سے مستغنی ہے خواہ معصیت ہو یا اطاعت، اللہ تعالیٰ پر اس سے کوئی اثر نہیں پڑتا بلکہ ضرورت ہے کہ ہم بے فائدہ اپنی جانوں کو زحمت میں ڈالیں، جواب اس شبہ کا اول تو وہی پہلا جواب ہے کہ ہم کہیں اس سے شریعت کے امور رد ہوئے جاتے ہیں، گویا ہم نے رسول یا اس کے بھیجنے والے یعنی خدا سے یوں کہا کہ تم جس چیز کا ہم کو حکم دیتے ہو اس میں کچھ فائدہ نہیں، یہ جواب دے کہ ہم اس شبہ پر کلام کرتے ہیں کہتے ہیں کہ جس شخص کو وہم ہو کہ طاعت سے اللہ کو نفع پہنچتا ہے یا معصیت سے ضرر ہوتا ہے یا اس میں اس کی کوئی غرض ہے تو اس شخص نے خدا کو نہیں پہچانا، کیونکہ خدا تعالیٰ اغراض اور نفع و ضرر سے پاک ہے، بات صرف یہ ہے کہ اعمال کا نفع خود ہمیں پہنچتا ہے چنانچہ فرمایا ومن جاهد فانما یجاہد لنفسه (عنکبوت پ ۲۰ آیت ۶) یعنی جو جہاد کرے گا وہ اپنی ذات کے لئے جہاد کرے گا ومن تزکی فانما یتزکی لنفسه (فاطر پ ۲۲ آیت ۱۸) یعنی جو گناہوں سے پاک رہے گا وہ اپنے واسطے پاک رہے گا، طبیب جو مریض کو پرہیز بتاتا ہے تو مریض کی مصلحت کے لئے ہوتا ہے طبیب کا کوئی نفع نہیں جس طرح بدن کا نفع اور نقصان غذائیں ہیں اسی طرح نفس کا نفع و نقصان بھی علم اور جہل اور عقیدہ اور عمل ہیں پس

شریعت ممنزلہ طیب کے جن مصلحتوں کا حکم شریعت نے دیا ہے ان کو وہی خوب جانتی ہے یہ مذہب سب ان علماء کا ہے جو علت نکالتے ہیں۔

اور اکثر علماء یوں کہتے ہیں کہ افعال الہی کے لئے علت نہیں، دوسرا جواب اس شبہ کا اس کی معرفت حاصل کریں، حالانکہ اپنی معرفت اس نے ہم پر واجب کر دی ہے، پس اسی طرح اس کی طاعت بھی واجب ہے لہذا اس کے حکم پر نظر کرنا چاہیے یہ نہ دیکھنا چاہیے کہ اس حکم سے غرض کیا ہے۔

تیسرا شبہ! وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا وسیع ہونا ثابت ہے اور خدا ہم سے عاجزنہ ہو گا لہذا کیا ضرورت ہے کہ ہم اپنے نفسوں کو ان کی مراد سے محروم رکھیں، جواب، اس کا وہی پہلا جواب ہے، کیونکہ یہ قول اس بات کو شامل ہے کہ انبیاء علیہم السلام جو وعید لائے ہیں ان کو پس پشت ڈال دیا جائے اور جس چیز سے ڈرانے میں انہوں نے تشدد کیا ہے اور مبالغہ کے ساتھ اس کا عذاب بیان کیا، اس کو بیچ سمجھا جائے، یہ شیطانی فریب اس طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو جس طرح رحمت کے ساتھ موصوف فرمایا ہے اسی طرح شدید العقاب بھی صفت بیان کی ہے، ہم انبیاء علیہم السلام کو دیکھتے ہیں کہ امراض اور فاقہ کی مصیبت میں مبتلا ہوتے ہیں اور لعزثوں پر ان کا مواخذہ ہوتا ہے، بھلا کیونکر ایسا نہ ہو، جب وہ بزرگ اس سے ڈرتے ہیں جن کے لئے قطعی طور پر نجات ہے، حضرت ابراہیم خلیل اللہ قیامت کے دن نفسی نفسی کہیں گے اور حضرت موسیٰ کلیم اللہ نفسی نفسی پکاریں گے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایسا شخص کہتا ہے الولیل لعمران لم یغفرلہ یعنی افسوس عمر رضی اللہ عنہ کے لئے اگر نہ بخشا گیا۔

جاننا چاہیے کہ جو شخص رحمت کی امید کرے اس کو چاہیے کہ اس کے اسباب اختیار کرے۔ ان اسباب میں سے ایک یہ ہے کہ خطاؤں سے توبہ کرے، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی کھیتی کاٹنے کا امیدوار ہو خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ان الذین امنوا وجاهدوا وجاهدوا فی سبیل اللہ اولئک یرجون رحمہ اللہ (البقرہ پ ۲ آیت ۲۱۸) یعنی جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور خدا کی راہ میں جہاد کیا وہ رحمت الہی کے امیدوار ہیں، مطلب یہ ہے کہ یہی لوگ اس قابل ہیں کہ رحم خدا کی امید کریں، باقی رہے کہ لوگ جو گناہوں پر اڑے ہوئے ہیں اور رحمت کی امید کرتے تو ان کی امید بعید ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عاقل وہ ہے جو اپنے نفس کو ذلیل کرے اور آخرت

کے لئے عمل کرے اور عاجز وہ ہے جو اپنے نفس اور خواہش کی پیروی کرے اور اللہ تعالیٰ سے آرزوئیں رکھے اور مغفرت کی تمنا کرے، معروف کرنی کا قول ہے کہ تو جس کی اطاعت نہیں کرتا ہے اس کی رحمت کا امیدوار ہونا، رسوائی اور حماقت ہے، جاننا چاہیے کہ افعال الہی میں وہ بات نہیں جس سے لازم آئے کہ اس کے عذاب سے آدمی بے خوف ہو جائے۔ البتہ اس کے افعال میں وہ بات ہے جو اس کی رحمت سے ناامید ہونے کی مانع ہے، جس طرح ناامید ہونا خوب نہیں کیونکہ اس کا لطف و احسان خلق پر ظاہر ہے، اسی طرح طمع کرنا بھی اچھا نہیں کیونکہ اس کا پکڑنا اور بدلہ لینا عیاں ہے، جو چوتھائی دینار کے بدلے اشرف عضو یعنی ہاتھ کاٹ ڈالے تو اس سے نڈر نہیں ہو سکتے کہ قیامت کو اس کا عذاب بھی ایسا ہی ہو۔

چوتھا شبہ! صوفیہ میں سے ایک قول کا خیال ہے کہ نفسوں کو ریاضت میں ڈالنے سے یہ مراد ہے کہ ناقص کدورتوں سے نجات پائے، لہذا جب انہوں نے ایک مدت تک ریاضت کی پھر انہوں نے دیکھا کہ صفا کا حاصل ہونا دشوار ہے تو بول اٹھے کہ ہم کو کیا حاجت ہے کہ اپنی جانوں کو ایسے امر کے لئے رنج میں ڈالیں جو بشر کو حاصل نہ ہو، یہ سمجھ کر عمل کو چھوڑ بیٹھے۔

اس شیطانی فریب کا دور کرنا یوں ہے کہ ان لوگوں کا یہ گمان ہے کہ بواطن میں جو صفات بشری پائی جاتی ہیں ان کا مثا دینا مقصود اصلی ہے، مثلاً شہوت اور غصہ وغیرہ کو بالکل نیست کر دے حالانکہ شریعت کی مراد یہ نہیں اور ممکن نہیں ریاضت سے طبعی چیز زائل ہو جائے، خواہشیں کسی نہ کسی فائدے کے لئے پیدا کی گئی ہیں، کیونکہ اگر کھانے کی خواہش نہ ہوتی تو انسان ہلاک ہو جاتا اور خواہش نکاح نہ ہوتی تو نسل منقطع ہو جاتی اور اگر غصہ نہ ہوتا تو انسان آزار دینے والی چیز کو اپنے سے دفع نہ کر سکتا، اسی طرح مال کی محبت طبیعت میں جمادی گئی کیونکہ مال خواہشوں تک پہنچنے کا ذریعہ ہے، ریاضت سے مراد یہ ہے کہ ان خواہشوں میں سے نفس کو جو تکلیف دے اس سے نفس کو روکے اور اس کو اعتدال پر لے آئے خود اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی تعریف کی ہے جو نفس کو خواہش سے ونہی النفس عن الہوی (النازعات پ ۳۰ آیت ۴۰) نفس کو اسی چیز سے باز رکھا جاسکتا ہے جس کی طلب اس میں موجود ہو، اور جب اس کی طلب ہی طبیعت سے زائل ہو گئی تو انسان کو اس کے باز رکھنے کی حاجت نہیں، نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے والکاظمین الغیظ (آل عمران پ ۴ آیت ۱۳۴) غصہ کو روکنے

والے یوں نہ فرمایا والفاقدین الغیظ یعنی جنہیں غصہ نہ آئے کظم کے معنی ہیں غصہ کو ہٹانا، بولا جاتا ہے کظم البعیر علی جرہ جب اونٹ اپنی جگالی نکل جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی مدد فرمائی جو نفس کو اس بات سے روکے کہ جوش غضب کے موافق عمل کرے اب جس شخص کو یہ دعویٰ ہے کہ ریاضت سے طبیعتیں بدل جاتی ہیں تو یہ ایک امر محال کا دعویٰ ہے ریاضت سے یہی مراد ہے کہ نفس کے شر اور غضب کو توڑ ڈالے نہ یہ کہ بالکل نفس کو زائل کر دے ریاضت کرنے والا ایسا ہے جیسے طبیب عاقل کہ اس کے سامنے کھانا رکھا ہوا ہے وہ اس میں جو اس کے لئے نافع ہو گا کھائے گا اور جو تکلیف دے گا اس سے باز رہے گا اور ریاضت نہ کرنے والا ایسا ہے جیسے نادان چہ کو جوجی میں آتا کھاتا ہے اور گناہ کرنے کی کچھ پرواہ نہیں کرتا۔

پانچواں شبہ! ان میں سے ایک قوم وہ ہے جو ایک مدت ریاضت کرتے رہے لہذا انہوں نے اپنے آپ میں ایک جوہر پایا تو کہنے لگے کہ اب ہم کو اعمال کی پرواہ نہیں ہے اوامر نواہی صرف عوام کے لئے رسمیں ہیں، اگر عوام میں بھی جوہر آجائے تو ان سے اعمال ساقط ہو جائیں کہتے ہیں کہ نبوت کا حاصل حکمت اور مصلحت ہے جس سے مراد یہ ہے کہ عوام کو پابند کیا جائے اور ہم لوگ عوام میں سے نہیں کہ تکلیف شرعی کے احاطہ میں داخل ہوں کیونکہ ہم نے جوہر حاصل کر لیا اور حکمت کو خوب پہچان گئے، اس قوم کی رائے ہے کہ جوہر حاصل کرنے کا اثر یہ ہے کہ محبت وغیرت بالکل دور ہو جائے، حتیٰ کہ کمال کا مرتبہ فقط اس شخص کو حاصل ہو گا جو اپنی بی بی کو کسی اجنبی آدمی کے ساتھ دیکھے تو اس کے رونگٹے کھڑے نہ ہوں، اگر اس کو حرارت آگئی تو گویا حظ نفس کی طرف متوجہ ہے، ابھی کامل نہیں ہوا، کیونکہ اگر کامل ہوتا تو اس کا نفس مر جاتا اس قوم نے غیرت و حمیت کا نام تو نفس رکھا اور بے غیرتی کو جو مخنثوں کا خاصہ ہے کمال ایمان کہتے ہیں۔

اس شبہ کا ازالہ اس طور پر ہے کہ جب تک صورتیں قائم ہیں کسی صورت سے عبادت کی ظاہری رسمیں چھوٹ نہیں سکتیں کیونکہ یہ رسمیں لوگوں کی مصلحتوں کے لئے رکھی گئی ہیں اور صفائی قلب کی صورت طبع پر غالب آجاتی ہے لیکن جب انسان ہمیشہ اعمال خیر میں رہتا ہے تو کدورت بیٹھ جاتی ہے اور ٹھہر جاتی ہے، پھر ذرا سی چیز اس کو جنبش دے دیتی ہے جیسے ڈھیلا اس پانی میں پڑ جائے جس کی تہ میں مٹی بیٹھی ہو، طبیعت کی مثال ایسی ہے جیسے پانی جس میں نفس کی کشتی جاری ہے اور عقل مثل ملاح

کے ہے، اگر ملاح پس فرسخ تک کشتی کو کھینچتا رہے پھر چھوڑ دے تو کشتی نشیب کی جانب ہو لے گی جو شخص طبیعت کے بدل جانے کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے اور جو یوں کہے کہ میں اچھی صورت کو شہوت سے نہیں دیکھتا وہ سچا نہیں اور یہ کیونکر ہو سکتا ہے جب ان لوگوں کی یہ حالت ہے کہ اگر ان سے ایک لقمہ فوت ہو جائے یا ان کو کوئی گالی دے تو بدل جاتے ہیں اب عقل کی تاثیر کہاں جاتی رہتی ہے۔

یہ لوگ خواہش نفسانی کے تابع ہیں اور ہم نے ان میں سے اکثر کو دیکھا کہ عورتوں سے مصافحہ کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ باوجودیکہ معصوم تھے عورتوں سے مصافحہ نہ فرماتے تھے، ہم نے سنا ہے کہ صوفیہ میں سے ایک جماعت ہے جو عورتوں سے دوستی رکھتے ہیں اور ان کے ساتھ تخلیہ کرتے ہیں، پھر سلامت رہنے کے مدعی ہیں، ان کا خیال ہے کہ یہ لوگ فواحش سے سلامت ہیں، اور ہیبت اگر سلامت بھی رہے تو خلوت حرام اور ممنوع چیز کے دیکھنے سے کہاں سلامت رہے اور ناقص خیال دوڑانے سے اخلاص کہاں رہا، عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر دو بوسیدہ ہڈیاں بھی خلوت میں تنہا ہوں تو ایک دوسرے کا قصد کرے گی، بوسیدہ ہڈی کا اشارہ بوڑھے اور بوہیا کی طرف ہے۔ ان شاہین کہتے ہیں کہ صوفیہ میں سے ایک وہ قوم ہے جنہوں نے اخوت کا دعویٰ کر کے شرم گاہوں کو مباح کر لیا ہے ان میں سے ایک شخص کسی عورت سے کہتا ہے کہ تم میری منہ بولی بہن بن جاؤ تاکہ جو کچھ ہمارا تمہارا معاملہ ہے اس پر کوئی اعتراض نہ کر سکے۔

مصنفؒ نے کہا یہ لوگ شہوت کے مر جانے کا دعویٰ کرتے ہیں حالانکہ یہ بات آدمی کی زندگی میں ممکن نہیں اتنی بات ہے کہ شہوت کمزور ہو جاتی ہے اور انسان کو جماع کی قدرت نہیں رہتی لیکن جب بھی ہاتھ لگانے اور دیکھنے کی خواہش رکھتا ہے، پھر اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ یہ سب خواہشیں اس سے دور ہو گئیں تو کیا نظر ڈالنے سے شریعت کی ممانعت باقی نہیں جو عام ہے، عبدالرحمان سلمیٰ کہتے ہیں کہ ابو نصر، نصر آبادی سے کہا گیا کہ بعض صوفیہ عورتوں کے پاس بیٹھتے ہیں اور کہتے کہ ہم معصوم ہیں، تو کہا کہ جب تک صورتیں قائم ہیں اور امر اور نہی باقی ہے اور حلال و حرام کا خطاب شرعی موجود ہے اور شبہات میں پڑ جانے کی جرات وہی کرے گا جو محرمات کا سامنا کرے گا۔ ابو علی روزباری سے کسی نے اس شخص کے بارے میں سوال کیا، جو یوں کہتا ہے کہ میں ایسے مقام پر پہنچ گیا ہوں کہ احوال کا اختلاف مجھ پر کچھ اثر نہیں کرتا،

جواب دیا کہ وہ ضرور پہنچ گیا ہے مگر جہنم میں پہنچ گیا ہے، ابو القاسم جنید کی نسبت ذکر کیا جاتا ہے کہ ایک آدمی نے ان کے سامنے معرفت کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ جو خدا کے عارف ہیں ایسے مقام پر پہنچ جاتے ہیں کہ نیکی اور تقرب الی اللہ وغیرہ تمام حرکات ترک کر دیتے ہیں، جنیدؒ نے جواب دیا کہ یہ قول اس قوم کا ہے جو اعمال کے ساقط کر دینے میں گفتگو کرتے ہیں اور یہ بات میری نزدیک بڑا گناہ ہے، اس قول کے قائل سے اس شخص کا حال اچھا ہے جو چوری اور زنا کرتا ہے، جو خدا کے عارف ہیں انہوں نے خدا ہی سے اعمال لئے ہیں اور ان میں اسی کی طرف رجوع کیا ہے، اگر میں ہزار برس تک زندہ رہوں تو اعمال نیک سے ایک ذرہ کم نہ کروں یہاں تک کہ مجھ میں اور اعمال خیر میں موت حائل ہو جائے عمل خیر نہ چھوڑوں کیونکہ یہ اعمال میرے معرفت حاصل کرنے میں تاکید کرنے والے ہیں اور قوت پہنچاتے ہیں، ابو الحسن نوری نے کہا کہ جس شخص کو تم دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی حالت کا دعویٰ کرتا ہے جو اس کو علم شرعی کی حد سے خارج کر دے تو اس کے نزدیک نہ جاؤ، اور جس شخص کو دیکھو کہ باطنی حالت کا دعویٰ کرتا ہے، اور اس پر اس کی ظاہری حالت نہ دلالت کرتی ہے نہ شہادت دیتی ہے تو اس کو اس کے دین کے بارے میں متہم کرو۔

چھٹا شبہ! کچھ لوگوں نے خوب ریاضت کی اس میں انہوں نے کرامت کی قسم سے کچھ دیکھا یا اچھے خواب نظر آئے یا کلمات لطیفہ جو فکر و خلوت سے پیدا ہوئے اس پر مفتوح ہوئے اس سے وہ سمجھ گئے کہ مقصود اعلیٰ کو پہنچ گئے لہذا اوامر و نواہی کو ترک کر دیا اور کہنے لگے کہ اوامر و نہی حصول مقصد کے ذریعے ہیں اور ہم مقصود پا چکے۔ اب ہم کو کوئی چیز ضرر نہیں کرتی جو شخص کعبہ پہنچ گیا اس کی سیر منقطع ہو گئی، اس خیال سے ان لوگوں نے اعمال چھوڑ دیئے مگر اتنا ضرور ہے کہ یہ لوگ اپنے ظاہر کو خرقة اور جانماز اور رقص اور وجد سے زینت دیتے ہیں، معرفت اور وجد اور شوق کے بارے میں صوفیہ کے طریقہ پر گفتگو کرتے ہیں۔

جواب ان لوگوں کا وہی ہے جو پیشتر والوں کا جواب ہے۔

ابن عقیل نے کہا جاننا چاہیے کہ لوگ اللہ تعالیٰ سے بھاگے اور طریق شریعت سے دور ہو کر اپنے ایجاد کردہ طریقوں میں پڑ گئے ان میں اکثر ایسے ہیں جو غیر خدا کی عبادت کرتے ہیں، اور اسی عبادت کو خدا کی تعظیم جانتے ہیں اور اپنے خیال میں وسائل گردانتے ہیں اور اکثر ان میں سے ایسے ہیں جو توحید کے قائل ہیں لیکن عبادت

کو ساقط کر دیا اور کہتے ہیں کہ یہ چیزیں عوام کے لئے مقرر ہیں کیونکہ وہ معارف سے محروم ہیں حالانکہ یہ ایک قسم کا شرک ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جب یہ جانا کہ اس کی معرفت ایک قعر بعید ہے اور مقام عالی رکھتی ہے اور جو نہیں جانتا اس کی سمجھ سے باہر ہے لہذا دوزخ کی آگ سے ڈر لیا کیونکہ آگ کے جلادینے کا اندازہ لوگ پہچانتے ہیں اور اہل معرفت سے فرمایا و يحذرکم اللہ نفسہ (آل عمران پ ۳ آیت ۲۸) یعنی تم کو اللہ تعالیٰ خود اپنی ذات سے ڈراتا ہے اور خدا نے جانا کہ عبادتیں ایسی ہیں جو اس امر کی مقتضی ہیں کہ صورتوں کے ساتھ اور جہات اور مقامات اور مکانات اور پتھروں سے انسان کو انس ہو اور قبلہ رو ہونے سے مانوس ہو تو ایمان کی حقیقتیں ظاہر کیں اور فرمایا لیس البران تولوا وجوہکم الخ (البقرہ پ ۲ آیت ۱۷۷) یعنی یہ کوئی نیکی نہیں کہ تم مشرق و مغرب کی جانب منہ کرو۔ اور فرمایا لن ینال اللہ لحومہا (الحج پ ۱ آیت ۳۷) یعنی قربانیوں کے گوشت کی اللہ تعالیٰ کو ضرورت نہیں۔ پس معلوم ہو گیا کہ معتمد علیہ مقاصد ہیں اور فقط معارف بغیر اقتثال امر کے کافی نہیں جس طرح ملحدین باطنیہ اور اہل شطح صوفیہ نے اعتماد کیا شافعیؒ سے منقول ہے انہوں نے فرمایا کہ اگر کوئی آدمی چاشت کے وقت صوفی بنے ظہر سے پہلے پہلے ضرور احمق ہو جائے گا شافعیؒ نے یہ بھی فرمایا کہ جو شخص چالیس روز صوفیہ کے پاس رہے گا پھر کبھی اس کی عقل اس کے پاس نہ آئے گی شافعیؒ نے یہ شعر پڑھا

ودعو الذین اذا اتوک تنکسوا

واذا دخلوا کانوا ذئاب خفاف

(ترجمہ) ایسے لوگوں کو چھوڑ دو کہ جب تمہارے پاس آئیں تو سر جھکا لیں اور مسکین بن جائیں اور جب تمہاں تو چالاک دست بھیڑیے بن جائیں۔

یجی بن معاذ نے کما تین قسم کے لوگوں کی صحبت سے پرہیز کروں ایک وہ علماء جو غافل ہیں اور دوسرے وہ لوگ جو چرب زبان ہیں اور تیسرے وہ صوفیہ جو جاہل ہیں سلف وہ تھے کہ ذرا سی بدعت سے بھاگتے تھے اور اس کو چھوڑ کر سنت کو لازم پکڑتے تھے ابو الفتح نے ہم سے بیان کیا کہ چند فقہاء کسی رباط میں ایک فقیہ کی تعزیت کے لئے جو انتقال کر گیا تھا بیٹھے اتنے میں شیخ ابو الخطاب الکوازی فقیہ میرے ہاتھ کے سہارے وہاں آئے اور رباط کے دروازے پر کھڑے ہو کر بولے میری شان سے بعید ہے کہ میرے قدیمی اصحاب مجھ کو اس رباط میں داخل ہوتے ہوئے دیکھیں منصف

نے کہا کہ ہمارے مشائخ و اصحاب کا یہی طریقہ رہا ہے مگر اس ہمارے زمانہ میں بھڑیا اور
 بحری ایک ہو گئے، میں نے ان عقل کی کتاب سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں صوفیہ
 کو ان وجہوں سے برا کہتا ہوں جن کے کرنے والے کو شریعت برا کہتی ہے۔ انہیں میں
 یہ بھی ہے کہ انہوں نے بطلالت کا گھر یعنی رباطیں اختیار کر لی ہیں، مسجدوں اور جماعتوں
 کو چھوڑ کر رباطوں کے ہو رہے، پس یہ رباطیں نہ مسجدیں ہیں نہ گھر ہیں نہ سرائیں ہیں،
 بطلالت سے ان میں بیٹھ کر اعمال معاش سے جو آتا ہے کھاتے ہیں اور بہائم کے مانند
 کھانے پینے اور ناچ گانے پر اپنے آپ کو جھکا رکھا ہے، خرقہ پوشی اور حسن کی چمک دمک
 اور خاص رنگوں میں رنگے ہوئے کپڑوں پر اعتماد کیا جاتا ہے، پھر ظالم اور بد کاری اور مال
 غصب کرنے والے مثلاً بنجر زمین پر محصول لگانے والے اور سیاہی جو گئی لینے والے جو
 ان کو کھانا اور خیرات دیتے ہیں قبول کر لیتے ہیں گانے کے وقت ان کی صحبت میں مرد
 رہتے ہیں اور شمعیں روشن ہوتی ہیں، یہ لوگ طرب کو وجد اور دعوت کو وقت اور راگ
 کو قول اور لوگوں کے کپڑے بانٹ لینے کا حکم کہتے ہیں اور جس گھر میں ان کی دعوت
 ہوتی ہے اس میں سے بغیر دوسری دعوت لازم کئے ہوئے باہر نہیں آتے اور کہتے ہیں
 کہ دوسری طرف دعوت واجب ہو گئی حالانکہ یہ عقیدہ رکھنا کفر اور ایسا کرنا فسق ہے۔
 اور جو شخص مکروہ و حرام کو قرہت اعتقاد کرے گا اس اعتقاد کی وجہ سے کافر ہو جائے گا اور
 اس دوسری دعوت کے لزوم کو بعض لوگ حرام اور بعض مکروہ مانتے ہیں۔

صوفیہ اپنے آپ کو پیروں کے حوالے کر دیتے ہیں، ہم لوگوں کا اگر کوئی ایسا
 شیخ (پیر) ہوتا کہ اپنا حال اس کے سپرد کر دیتے تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ
 ہوتے حالانکہ خود حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر میں کبھی اختیار کروں تو تم
 لوگ مجھ کو راستی پر لاؤ، یوں نہیں فرمایا کہ تم اس کو تسلیم کر لو۔ پھر رسول اللہ ﷺ پر
 غور کرنا چاہیے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم آپ پر کس طرح اعتراض کرتے تھے، ایک
 حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے کہا تھا کہ ہم ہر طرح
 امن میں ہیں پھر نماز کیوں قصر کریں، ایک، اور صحابی نے آپ سے عرض کیا تھا کہ ہم کو
 تو آپ دو روزے ملا کر رکھنے سے منع فرماتے ہیں حالانکہ آپ ﷺ رکھتے ہیں۔ ایک
 دوسرے صحابی بولے تھے کہ ہم کو تو آپ فسخ کا حکم دیتے ہیں اور آپ فسخ نہیں
 فرماتے پھر اس سے آگے بڑھ کر خود اللہ تعالیٰ سے فرشتے کہتے ہیں اتجعل فیہا یعنی کیا
 تو زمین پر ایسی مخلوق پیدا کرے گا، حضرت موسیٰ کہتے ہیں۔ اتھلکنا بما السفہاء منا

یعنی اے خدا کیا تو بے وقوفوں کی حرکت پر ہم کو ہلاک کئے ڈالتا ہے۔ صوفیہ کا یہ کلام کہ جو پیر کے اسے تسلیم کر لو، صرف اپنے مقلدین کا دل خوش کرنے کے لئے ہے اور ایک حکومت ہے جو اپنے پیروں اور مریدوں پر جماتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فاستخف قومہ فاطاعوه (زخرف پ ۲۵ آیت ۵۴) یعنی لوگوں کو سامری نے احمق بنالیا۔ انہوں نے اس کی اطاعت کر لی۔

شاید یہ کلام بھی انہی لوگوں کا ہے جو کہتے ہیں کہ بندہ جب معرفت حاصل کر لیتا ہے تو پھر وہ جو چاہے کرے اس کو کچھ ضرر نہیں پہنچتا حالانکہ یہ قول کمال زندگییت ہے کیونکہ فقہاء کا قول بالاتفاق ہے کہ عارف جس حالت پر ترقی کرتا ہے تکلیف شرع میں اس پر سختی ہوتی ہے جیسے انبیاء علیہم السلام کا حال ہے کہ صغائر میں بھی ان پر گرفت ہوتی ہے، اب خدا خدا کرنا چاہیے بھلا اس قوم کی طرف کیا کوئی کان لگائے جو دین سے فارغ ہیں اور جنہوں نے ظالم عالموں کے لباس یعنی مرتعے اور پشمینے اور ملحد خلیفوں کے اعمال یعنی کھانا اور ناچ اور گانا اور وجد اور احکام شرع کا چھوڑ دینا اختیار کر رکھے ہیں، زنادقہ کی تو اتنی جرات نہ ہوئی کہ شریعت کو چھوڑ دیا جائے، اب صوفیہ آئے ہیں انہوں نے ایک نام مقرر کیا اور کہنے لگے کہ حقیقت اور ہے شریعت اور ہے حالانکہ یہ قول قبیح ہے، کیونکہ شریعت وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی مصلحتوں کے لئے مقرر فرمایا ہے تو اس کے بعد سوا ان باتوں کے جو شیطان دلوں میں ڈالتا ہے اور کیا حقیقت ہوگی، لہذا جو شخص شریعت کو چھوڑ کر حقیقت کو طلب کرے وہ بھکا ہوا اور دھوکا کھائے ہوئے ہے۔

صوفیہ اگر کسی کو سنتے ہیں کہ حدیث روایت کرتا ہے تو کہتے ہیں ان بیچاروں نے اپنا علم مرے ہوؤں سے لیا ہے اور ہم نے اپنا علم زندہ جاوید یعنی اللہ تعالیٰ سے حاصل کیا ہے لہذا اگر یہ کہتے ہیں حدیثی ابی عن جدی (یعنی میرے باپ نے میرے دادا سے روایت کی) تو ہم کہتے ہیں حدیثی قلبی عن ربی (میرے قلب نے میرے رب سے روایت کی) غرض صوفیہ نے ایسی ایسی خرافات سے نادانوں کے دلوں کو ہلاک کر دیا۔ ان امراء اور دنیا داروں کو علماء و فقہاء سے زیادہ خلاف شرع پیروں اور گانے جانے والے صوفیوں سے عقیدت و محبت ہوتی ہے اور ان پر وہ بڑی فراخ دلی سے خرچ کرتے ہیں، جب کہ اہل علم پر ایک پیسہ خرچ کرنا ان کو بار ہوتا ہے اس لئے کہ علماء اطباء کی طرح ہیں اور دوا میں خرچ کرنا بڑا بار معلوم ہوتا ہے لیکن ان

میردوں اور قوالوں پر خرچ کرنا ایسا ہی ہے جیسے مغنیات (گانے والی عورتوں پر) خرچ کرنا یہ بھی ان کے لئے گویوں اور مداریوں کی طرح سامانِ تفریح اور لازمہ ریاست ہیں، صوفیہ کا علماء سے بغض رکھنا بڑی بد دینی ہے کیونکہ علماء لوگوں کو اپنے فتوؤں کے ذریعہ سے ان کی گمراہی اور فتویٰ کا رد کرتے ہیں، اور حق ہمیشہ گراں گزرتا ہے جیسے زکوٰۃ دینا ناگوار ہوتا ہے اور گانے والی عورتوں کو اجرت اور شاعروں کو قصیدوں کے صلے دینا کس قدر سبک معلوم ہوتا ہے اور ایسے ہی صوفیہ کا اہل حدیث سے بغض رکھنا ہے۔

صوفیہ نے شراب سے عقل زائل کرنے کے بدلے میں دوسری چیز اختیار کی اور اس کا نام سماع اور وجد رکھا، حالانکہ ایسے وجد میں پڑنا جو عقل کو زائل کر دے حرام ہے اللہ تعالیٰ شریعت کو اس گروہ کے شر سے محفوظ رکھے جن میں یہ باتیں جمع ہیں کہ مذہب پر خاک ڈالتے ہیں اور خوب عیش اڑاتے ہیں اور ایسے بے معنی الفاظ سے لوگوں کو بھکاتے ہیں جو محض مہمل اور پر تکلف ہیں، اور شرع کو چھوڑ بیٹھے ہیں، اسی وجہ سے ان کی عزت لوگوں کے دلوں میں کم ہو گئی، اس قوم کے باطل ہونے پر اس سے زیادہ روشن کوئی دلیل نہیں کہ اہل دنیا کی طبیعتیں ان سے ایسی محبت رکھتی ہیں جیسے کھیل تماشی والوں اور گانے والیوں سے، ان عقیل نے کہا اگر کوئی کہنے والا کہے کہ اچھے وہ لوگ ہیں جو صاف ستھرے ہیں اور محرابوں میں پڑے رہتے ہیں اور بڑے خوش اخلاق ہیں، میں جواب دوں گا کہ اگر یہ لوگ ایسا طریقہ اختیار نہ کرتے جس سے تمہارے دل کھینچ لیں تو ان کا عیش باقی نہ رہتا اور جس چیز کی تم ان میں تعریف کرتے ہو وہ تو نصاریٰ کی رہبانیت ہے، اگر تم دستر خوانوں پر طفیلیوں کی اور بغداد کے منٹوں کی صفائی ستھرائی اور گانے والیوں کی خوش خلقی و نرم خوئی دیکھو تو سمجھ جاؤ کہ ان لوگوں کا طریقہ مسخرے پن اور دغا بازی کا ہے، آدمیوں کو کسی طریقہ سے دھوکہ دیتے ہیں یا زبان سے اور جب ایک گروہ کو نہ علم سے بہرہ ہو اور نہ کوئی طریقہ آتا ہو تو وہ مال و دولت والوں کے دل کس چیز سے اپنی طرف کھینچیں۔

جان لینا چاہیے کہ تکلیف برداشت کرنا بہت مشکل ہے اور دھوکا دینے والوں کے لئے جماعت کی مفارقت سے زیادہ آسان اور شریعت کے اوامر و نواہی کی پابندی سے زیادہ دشوار کوئی چیز نہیں، شریعت کو اہل کلام اور اہل تصوف سے بڑھ کر کسی نے ضرر نہیں پہنچایا، اہل کلام تو عقلی شبہات کے وہم میں ڈال کر عقائد کو فاسد کرتے ہیں اور اہل تصوف اعمال میں فساد پیدا کرتے ہیں اور شرعی قوانین کو مہدم کرتے ہیں،

بطالت اور خوش آوازی کو پسند کرتے ہیں، حالانکہ سلف ایسے نہ تھے بلکہ وہ تو عقائد کے بارے میں تسلیم کے بندے تھے اور اعمال کے حق میں کمال جفاکش تھے، صوفیہ کی بطالت سے اپنی معاش میں مشغول ہونا بہتر ہے اور ظواہر پر موقوف کرنا بے ہودگی میں پڑ جانے سے اچھا ہے، ان دونوں فریق کے طریق کو میں نے چانچا تو اہل کلام کی انتہا تو شک ہے اور اہل تصوف کا انجام شط ہے۔

صوفیہ نے جو اہل حدیث کی نسبت یوں کہا کہ انہوں نے مرے ہوؤں سے اپنا علم لیا ہے تو گویا نبوت پر طعن کیا اور جس نے یہ کہا حدثنی قلبی عن ربی تو صریح ظاہر ہوا کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے مستغنی ہے اور جب صریحاً یہ معلوم ہوا تو وہ شخص کافر ہو گیا اور شریعت کے نزدیک اس کلمہ کے تحت میں یہ زندقہ پایا جاتا ہے اور ہم جس شخص کو دیکھیں گے کہ نقل پر حرف گیری کرتا ہے تو جان لیں گے کہ اس نے امر شرع کو ہیکار کر دیا اور یہ شخص جو کہتا ہے حدثنی قلبی عن ربی اس بات سے کیوں بے خوف ہے کہ یہ شیطان کے القاء سے ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وان الشیاطین لیوحدون الی اولیائہم (اکالعام پ ۸ آیت ۱۲۱) یعنی شیاطین اپنے دوستوں کو وحی کرتے ہیں اور بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے، کیونکہ اس شخص نے معصوم کی دلیل چھوڑ دی اور اس پر اعتماد کیا جو اس کے دل میں القاء ہوتا ہے حالانکہ اس کے دل کا دوسواں سے محفوظ رہنا ثابت نہیں، ان لوگوں کے دل میں جو بات آتی ہے اس کو خطرہ کہتے ہیں، ابن عقیل کہتے ہیں کہ شریعت پر حملہ کرنے والے بہت ہیں لیکن اللہ تعالیٰ بذریعہ اہل نقل کے اس کے اصل کی حفاظت کے لئے ان کو روکتا ہے اور بذریعہ فقہاء کے اس کے معنی کی حفاظت کے لئے ان کو روکتا ہے، اور فقہاء اور علماء دلائل شعائر ہیں جن کے سامنے کذابوں کا سر نہیں اٹھتا۔

ابن عقیل نے کہا لوگ کہتے ہیں کہ جو کوئی یہ چاہے کہ اجرت دے کر اپنا گھر خراب کرے تو صوفیہ کی صحبت میں رہے اور میں کہتا ہوں کہ فقط گھر ہی نہیں بلکہ دین بھی خراب کرے کیونکہ صوفیہ نے عورتوں کو اجنبی مردوں کے کپڑے پہنانا جائز رکھا ہے، جب یہ لوگ سماع و طرب کے جلسہ میں ہوتے ہیں تو اکثر اس درمیان میں عورتوں سے باتیں ہوتی ہیں ایک شخص کی آنکھیں ایک عورت کی طرف گڑ کے رہ جاتی ہیں۔ لہذا وہ دعوت کا جلسہ دو شخصوں کے لئے بزم شادی ہو جاتا ہے، حاضرین محفل جانے نہیں پاتے کہ ایک شخص کا دل دوسرے پر آ جاتا ہے اور ایک طبیعت دوسری

طبیعت پر مائل ہو جاتی ہے، عورت اپنے خاوند سے بدل جاتی ہے، اب اگر خاوند اس پر رضامند ہو گا تو اس کو دیوث کہا جائے گا اور اگر عورت کو روک رکھے گا تو وہ اس سے طلاق مانگے گی اور جس نے خرقہ پہنایا ہے اس سے ملے گی اور ایسے شخص سے اختلاط رکھے گی جس میں حرارت کی طاقت ہے اور نہ طبیعت کو باز رکھ سکتا ہے اور لوگوں میں مشہور ہو جاتا ہے کہ فلاں عورت نے توبہ کی، شیخ نے اس کو خرقہ پہنایا تھا وہ اس کی بیٹیوں میں شامل ہو گئی اور اس پر قناعت نہیں کرتے کہ یوں کہیں یہ لعب اور خطا ہے بلکہ یوں ہے کہ یہ مردوں کے مقامات ہیں، حالانکہ ان عورتوں کے حق میں موت ہے، کتاب و سنت کا حکم دلوں سے اٹھ جاتا ہے، یہاں تک ان عقیل رحمۃ اللہ کا کلام تھا جو نقل کیا گیا، حقیقت میں ابن عقیلؒ بڑے نقاد اور اعلیٰ درجے کے فقیہ تھے۔

ابو محمد عبد الرحمن بن عمر تجیبی کہتے ہیں کہ حسن بن علی بن سیر نے یہ چند شعر کہے ہیں۔

رایت قوما علیہم سمہ الخیر

بحمل الرکاء مبتہلہ

میں نے ایک قوم کو دیکھا جو بظاہر اچھے لوگ ہیں مشکیزہ یا لوٹا لئے پھرتے ہیں۔

اعتزلو الناس فی جوامعہم

سالت عنہم فقیل متکلہ

لوگوں سے کنارہ کش ہو کر ایک جگہ بیٹھ رہے میں نے لوگوں سے ان کا حال پوچھا تو جواب ملا کہ اہل توکل ہیں۔

صوفیہ للقضاء صابرہ

ساکنہ تحت حکمہ رزلہ

صوفیہ ہیں اور قضائے الہی پر صابر ہیں جو اس کا حکم نازل ہو اس پر ٹھہرے ہوئے ہیں،

فقلت اذ ذاک ہولاء ہم

الناس ومن دون ہولاء رزلہ

میں نے یہ سن کر (دل میں) کہا کہ دراصل یہ یہی لوگ انسان ہیں اور اس کے سوا سب رزائل ہیں،

فلم ازل خادما نہم زمنا

حتیٰ تینت انہم سفله
لہذا ایک زمانہ تک ان کی خدمت کرتا رہا یہاں تک کہ بعد میں ثابت ہوا کہ وہ
لوگ کہنے ہیں۔

ان اكلوا كان اكلهم سرفا
اوليسوا كان شهرة مثله
سل شيخهم والكبير مختبر
عن فرضه لا تخاله عقله
اگر کھانے پر آمادہ ہوں تو ان کا کھانا اسراف ہے اور اگر پہنتے ہیں تو شہرت اور
نمائش کے لئے ہوتا ہے، ان کے پیر اور ان کے بڑے سے امتحان کے طور پر اس کا
فرض دریافت کرو تو ضرور غافل پاؤ گے۔

واساله عن وصف شادن غنج
مدلل لا تراه قد جھله
اور کسی ناز و کرشمہ والے معشوق کی تعریف پوچھو تو ہرگز ناواقف نہ دیکھو
گے۔

علمهم بينهم اذا جلسوا
كعلم راعى الرعاع والردله
جب وہ باہم جمع ہو کر بیٹھتے ہیں تو ان کا علم وہی ہے جو چرواہوں اور کمینوں اور
رذیلوں کا علم ہے۔

الوقت والحال والحقیقہ و
البرهان ولعکس عندهم مثله
وقت اور حال حقیقت اور برہان اور عکس ان کے نزدیک سب برابر ہیں۔
قدلبسو الصرف کی یروا صلحا
وہم شرار الذیاب والحفله
انہوں نے صوف کا لباس اس لئے پہنا ہے کہ نیک معلوم ہوں حالانکہ وہ
شریر بھیڑیے اور حیلہ ساز ہیں۔

يستاصلوا الناس شرها اكله
کسب و معاش سے اس لئے الگ ہو گئے ہیں کہ لوگوں کی پیروی کریں ان کا مال
شرارت سے کھا جائیں۔

وليس من عفه ولا دعه
اليهم تب فانهم بطله
کسب کا چھوڑ دینا کچھ عفت اور پرہیزگاری کی خاطر نہیں بلکہ ہیکاری کی
راحت حاصل کرنے کی غرض سے ہے،

فقل لمن مال يباخذ اعهم
اليهم تب فانهم بطله
جو شخص ان کے مکر کی وجہ سے ان کی طرف مائل ہو اس سے کہہ دو کہ ان
سے دور رہو کیونکہ وہ اہل بطلت ہیں،

واستغفر الله من كلامهم
ولا تعاود العشرة الجهله
اور ان کے ساتھ گفتگو سے خدا کی پناہ مانگو اور پھر کبھی ان جاہلوں کی صحبت
میں نہ جاؤ۔ صوری کہتے ہیں کہ بعض شیوخ نے مجھ کو یہ چند اشعار سنائے۔

اهل التصوف قد مضرا
صارا لتصوف منخرقه
جو اہل تصوف تھے وہ گزر گئے۔ اب تو تصوف دروغ گوئی ہو گیا ہے۔

صارا لتصوف صيحه
وتواجدوا مطبقه
چیننا وجد کرنا اور تالیاں جانا تصوف رہ گیا ہے۔

تجرى عليك صروفه
وهوم سرك مطرقه
تو زمانے کی گردشیں اٹھا رہا ہے اور تیرے دل کی خواہشات رکی ہوئی ہیں۔

كذبك نفسك ليس ذا
سنن الطريق الملحظه

تیرا نفس تجھ سے جھوٹ بولتا ہے خبردار! یہ طریق راست نہیں ہے۔

باب یازدھم

ان لوگوں پر تلپیس ایلین کا بیان جو کرامت

کے مشابہ کیفیت کو دین سمجھتے ہیں

مصنفؒ نے کہا ہم پیشتر بیان کر چکے ہیں کہ ایلین کم علمی کے مطابق انسان پر قابو پاتا ہے جس قدر انسان کا علم کم ہوگا اسی قدر ایلین زیادہ قابو پائے گا اور جتنا علم زیادہ ہوگا اتنا ہی اس کا قابو کم ہوگا عبادت کرنے والوں میں سے کسی کو روشنی یا نور آسمان پر نظر آتا ہے تو اگر یہ کیفیت ماہ رمضان میں ہوتی ہے تو کہتا ہے یہ میں نے شب قدر دیکھی ورنہ کہتا ہے کہ آسمان کے دروازے کھل گئے تھے بعض اوقات جس چیز کی اس کو تلاش ہوتی ہے اتفاق سے وہ مل جاتی ہے تو اس کو کرامت خیال کر بیٹھتا ہے حالانکہ کبھی تو کرامت ہوتی ہے اور کبھی اتفاقیہ ایسا ہو جاتا ہے اور کبھی امتحان ہوتا ہے اور کبھی شیطان کے فریب سے ہوا کرتا ہے اور عاقل کی ایسی باتوں سے تسکین نہیں ہوتی خواہ کرامت کیوں نہ ہو ہم زاہدوں کے باب میں اس کا ذکر کر چکے ہیں۔

مالک بن دینار اور حبیبؒ بھی کہتے ہیں کہ شیطان قاریوں کے ساتھ اس طرح کھیلتا ہے جیسے لڑکے اخروٹوں سے کھیلتے ہیں، مصنفؒ نے کہا کہ شیطان نے ایک کم عقل زاہد کو دھوکا دیا کہ اس کو کرامت کے مشابہ دکھادیا، حتیٰ کہ اس نے نبوت کا دعویٰ کیا، وہ مسجد میں آکر فرش کو ہاتھ سے کریدتا تو جو کنکریاں اس کے ہاتھ میں آتی تھیں تسبیح پڑھا کرتی تھیں اور وہ شخص لوگوں کو گرمی کے میوے جاڑوں میں کھلایا کرتا تھا اور کہا کرتا تھا آؤ تم کو فرشتے دکھا دوں اور بہت سی چیزیں دکھاتا تھا، شیطان اس شخص کے ساتھ کھیلتا تھا اہل بصرہ میں سے ایک آدمی بیت المقدس کو گیا وہاں حارث کذاب سے ملا حارث نے پہلے حمد الہی کی، پھر اپنا قصہ سنایا اور کہا میں نبی مرسل خدا کی طرف سے مبعوث ہوں بصری نے کہا کہ تمہارا کلام تو اچھا ہے، لیکن یہ معاملہ غور کر۔ یہ کہہ کر وہاں سے چلا آیا، پھر دوبارہ اس کے پاس گیا، اس نے اپنا کلام دہرایا، بصری نے جواب دیا کہ تمہاری باتیں عمدہ ہیں اور میرے دل میں گھر کر گئیں اور میں تم پر ایمان لے آیا، یہ تمہارا دین راست ہے، حارث نے اس کو حکم دیا کہ مجھ سے غائب نہ رہنا بصری نے

منظور کیا اور اس کے پاس جانے آنے لگا اور اس کے اندر باہر کے سب ٹھکانے معلوم کرنے لگا کہ کہاں کہاں بھاگ کر ٹھکانا لیتا ہے یہاں تک کہ حادث کے خاص مقربوں میں سے ہو گیا اس کے بعد اس سے بولا کہ اب آپ مجھ کو اجازت دیجئے حادث نے پوچھا کہاں جانے کی اجازت مانگتے ہو جواب دیا کہ بصرہ جا کر سب سے پیشتر لوگوں کو آپ کے دین کی طرف بلاؤں حادث نے اجازت دی وہ شخص فوراً بصرہ میں عبد الملک کے پاس گیا جب عبد الملک کے خیمہ کے قریب ہوا تو چلا کر بولا کہ نصیحت نصیحت لشکر والوں نے پوچھا کہ کیسی نصیحت ہے جواب دیا کہ امیر المومنین کے لئے ایک نصیحت لایا ہوں عبد الملک کو اطلاع ہوئی حکم دیا کہ اس کو آنے کی اجازت دیں وہ شخص خیمہ میں داخل ہوا عبد الملک کے پاس اصحاب بیٹھے تھے کہتے ہیں کہ وہ چلایا کہ نصیحت! کہا کیا نصیحت اس شخص نے کہا کہ خلوت کیجئے کوئی دوسرا آپ کے پاس نے ہو عبد الملک نے سب کو باہر کر دیا اور کہا کہ قریب آکر بیان کرو وہ قریب آیا عبد الملک تخت پر بیٹھا تھا پوچھا کہ کیا خبر لایا ہے؟ جواب دیا کہ حادث کی خبر ہے عبد الملک نے جب حادث کا نام سنا تو غضب ناک ہو کر تخت سے نیچے اتر آیا اور پوچھا کہ وہ کہاں ہے جواب دیا کہ اے امیر المومنین وہ بیت المقدس میں ہے میں نے اس کے اندر باہر کے سب ٹھکانے معلوم کر لئے ہیں اس کا تمام قصہ جو گزرا تھا بیان کیا عبد الملک نے کہا کہ تجھ کو یہاں کی اور بیت المقدس کی حکومت بخشی جو کچھ تو مجھ سے کہے وہ کروں کہنے لگا کہ آپ میرے لئے بیت المقدس کی تمام شمعیں یک جا کرائیے اور ہر ایک شمع ایک آدمی کو دیجئے اور سب کو بیت المقدس کی گلیوں پر ترتیب وار کھڑا کیجئے جب میں حکم دوں کہ روشن کرو تو سب شمعیں روشن کر لیں یہ انتظام کر کے وہ بصری اکیلا حادث کے مقام پر گیا دروازے پر کھڑا ہو کر دربان سے کہا میرے لئے نبی اللہ سے اجازت لو دربان نے کہا یہ وقت ان سے ملنے کا نہیں وہ شخص بولا کہ ان کو میرا پتہ نشان دو دربان گیا اور اس شخص کا پتہ بتایا حادث نے حکم دیا کہ دروازہ کھول دو بصری نے پکار کر کہا روشن کرو تمام شمعیں روشن ہو گئیں گویا دن نکل آیا اور لوگوں کو حکم دیا کہ جو کوئی تمہاری طرف سے گزرے اس کو گرفتار کر لو یہ کہہ کر خود حادث کی منزل میں گیا جس کو پہچانتا تھا وہاں ڈھونڈا تو حادث کو نہ پایا حادث کے اصحاب بولے کہ یہاں تم پیغمبر خدا کو قتل کرنا چاہتے ہو جو آسمان پر اٹھا لیا گیا بصری نے اس کو تلاش کیا تو ایک گڑھے میں پایا جو اس نے تیار کر رکھا تھا بصری نے اپنا ہاتھ اس تنگ گڑھے میں ڈالا اور اس کو باہر نکالا اور حکم دیا کہ اس

کی مشکلیں باندھ لو، لوگوں نے اس کو جکڑا اور گرفتار کر کے پڑاؤ اور پڑاؤ عبد الملک کے پاس لائے، جب عبد الملک نے اس کی خبر سنی تو ایک سولی نصب کرنے کا حکم دیا اور ایک آدمی سے کہا کہ اس کو نیزہ مارے اس نے مارا تو نیزہ اس کی ایک پسلی میں آکر رہ گیا کچھ لوگ شور مچانے لگے کہ انبیاء پر ہتھیار چلانا روا نہیں، مسلمانوں میں سے ایک شخص نے جو یہ کیفیت دیکھی تو بڑھ کر حربہ لیا اور حادث کے بھونک کر اس کو مار ڈالا، ولید نے کہا میں نے سنا کہ عبد الملک کے پاس خالد بن یزید بن معاویہ نے آکر کہا اگر میں اس وقت موجود ہوتا تو تم کو اس کے مار ڈالنے کی اجازت نہ دیتا۔ عبد الملک نے کہا، یہ کیوں، جواب دیا کہ اس کو فقط وحشت تھی، اگر تم اس کو بھوکا رکھتے تو زائل ہو جاتی۔

فصل:- مصنفؒ نے کہا کہ کرامت کے مشابہ کوئی کرشمہ دیکھ کر اکثر صوفیہ بہک گئے ہیں۔ ایک شخص بیان کرتا ہے کہ آج مجھ کو چھ درہم کے لئے تشویش تھی جو مجھ پر قرض تھے، اتفاقات کے کنارے جارہا تھا کہ چھ درہم پڑے پائے، میں نے ان کو اٹھالیا تو پورے چھ تھے نہ کم نہ زیادہ اس شخص سے ابو عمران ابراہیمؒ نے کہا کہ یہ درہم خیرات کر ڈالو کیونکہ تمہاری ملکیت نہیں، فقہاء کے کلام پر غور کرنا چاہیے اور دیکھنا چاہیے کہ کیسا فریب کھانے سے دور رہتے ہیں اور درہموں کو لفظ بتایا اور کرامت کی طرف توجہ نہ کی اور تعریف (تشبیر) کا حکم اس لئے نہیں دیا کہ کو فیوں کے مذہب میں دینار سے کم کے لئے تعریف واجب نہیں، اور خیرات کرنے کا حکم شاید اس لئے دیا کہ وہ شخص اس کو کرامت نہ سمجھے۔

ایک صوفی نے بیان کیا مجھے ایک روز وضو کرنے کی ضرورت ہوئی، یکایک کیا دیکھا کہ میرے سامنے ایک لوٹا جواہرات کا آیا اور ایک چاندی کی مسواک جس کا سرا ریشم سے زیادہ نرم تھا میں نے وہ مسواک کی اور اس لوٹے کے پانی سے وضو کیا اور وہ دونوں چیزیں وہیں چھوڑ کر چلا آیا۔ مصنفؒ نے کہا اس شخص کی کم عقلی پر غور کرنا چاہیے۔ کیونکہ اگر یہ شخص فقہ کو سمجھتا تو جان لیتا کہ چاندی کا استعمال گرنا جائز نہیں لیکن چونکہ کم علم تھا لہذا اس کا استعمال کیا اور سمجھا کہ وہ کرامت ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ اس چیز کے ساتھ اکرام نہیں فرماتا جس کے استعمال سے شرعاً منع کیا ہے ہاں یہ ممکن ہے کہ بطور امتحان کے اس کو اس کے لئے ظاہر کیا ہو۔

فصل:- مصنفؒ نے کہا کہ اہل عقل نے جب جان لی آکہ ایلیس کی

فریب دہی بہت سخت ہے تو ان چیزوں سے پرہیز کیا جو بظاہر کرامت معلوم ہوتی ہیں، اس خوف سے کہ کہیں یہ بھی اس کا فریب نہ ہو، زہرون سے میں نے سنا کہتے تھے کہ مجھ سے پرندہ نے گفتگو کی، واقعہ یہ ہے کہ ایک بار میں جنگل میں تھا وہاں لیٹ رہا، میں نے ایک سفید پرندہ دیکھا مجھ سے بولا کہ اے زہرون تم راہ بھولے ہوئے ہو، میں نے کہا اے شیطان کسی دوسرے کو دھوکا دینا، دوبارہ اس نے ایسا ہی کہا اور میں نے یہی جواب دیا، تیسری مرتبہ کو دکر میرے شانہ پر آ بیٹھا اور بولا کہ میں شیطان نہیں ہوں واقعی تم راستہ بھولے ہوئے ہو مجھ کو خدا نے تمہارے پاس بھیجا ہے یہ کہہ کر غائب ہو گیا۔

محمد بن یحییٰ بن عمرو نے ہم سے بیان کیا کہ مجھ سے زلفی نے ذکر کیا کہ میں نے رابعہ عدویہ سے کہا اے چچی تم لوگوں کو اپنے پاس آنے کی اجازت کیوں نہیں دیتی ہو؟ جواب دیا مجھ کو لوگوں سے امید ہی کیا ہے، یہی ہے کہ میرے پاس آئیں گے اور پھر مجھ پر ایسی باتیں جوڑ کر بیان کریں گے جو میں نہیں کرتی، سنتی ہوں لوگ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنی جانماز کے تلے درہم پاتی ہوں اور میری ہنڈیا بغیر آگ کے پک جاتی ہے، زلفی کہتی ہیں میں نے کہا لوگ تو تمہاری نسبت بہت سی باتیں بیان کرتے ہیں کہتے ہیں کہ رابعہ کو اپنے گھر میں کھانا اور اپنی مل جاتا ہے کیا واقعی تم کو ملتا ہے؟ جواب دیا کہ اے بھتیجی اگر مجھ کو میرے گھر میں کچھ ملتا بھی تو میں اس کو ہاتھ نہ لگاتی ایک روز جاڑے میں میں نے روزہ رکھا، میرے نفس نے کچھ گرم کھانا مانگا جس پر افطار کروں میرے پاس چربی تھی، میں نے جی میں کہا کہ اگر اس کے ساتھ پیاز ہوتی تو اس میں ملا لیتی، اتنے میں ایک پرندہ آیا اور اس کی چونچ میں سے ایک پیاز گری، جب میں نے اس کو دیکھا تو اپنے ارادہ سے باز آئی اور ڈری کہ کہیں یہ شیطان کی طرف سے نہ ہو۔

وہیب کی نسبت میں نے سنا کہ لوگ خواب میں دیکھا کرتے تھے کہ وہیب بہشتی ہیں، وہیب کو اس کی خبر ہوئی تو بہت روئے اور کہا میں ڈرتا ہوں کہ کہیں یہ شیطان کا فریب نہ ہو، ابو حفص نیشاپوری کی نسبت سنا ہے کہ ایک روز باہر نکلے اور ان کے ساتھ ان کے سفر کے ہمراہی تھے ایک جگہ بیٹھ رہے اور ان کے گردان کے اصحاب تھے، ان کو کچھ باتیں سنائیں جس سے ان کے دل خوش ہوئے اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بارہ سینکا پہاڑ سے اتر اور شیخ کے سامنے آ بیٹھا، شیخ بہت روئے جب کچھ ٹھہرے تو لوگوں نے عرض کیا اے استاد تم نے ہم کو وعظ سنایا، ہم خوش دل ہوئے، جب یہ وحشی جانور آکر تمہارے سامنے بیٹھا تو تم کو بے قرار کیا اور رلادیا، جواب دیا کہ ہاں، میں نے

اپنے گرد تمہارا مجمع دیکھا اور تمہارے دل خوش ہوئے میرے دل میں یہ بات آئی کہ اگر اس وقت کوئی بحری ہوتی تو اس کو ذبح کرتا اور تمہاری دعوت کرتا یہ خطرہ ہنوز اچھی طرح دل نشین نہ ہوا تھا کہ یہ وحشی جانور آیا اور میرے سامنے بیٹھ گیا، مجھ کو خیال پیدا ہوا کہ کہیں میں فرعون کے مانند تونہ ہوں کہ اس نے اللہ تعالیٰ سے دریائے نیل کے جاری ہونے کا سوال کیا تھا خدا نے اس کو جاری کر دیا، میں نے سوچا کہ میں کیونکر اس بات سے بے خوف ہو سکتا ہوں کہ میرا تمام حصہ اللہ تعالیٰ مجھ کو دنیا میں عطا فرمائے اور آخرت میں فقیر تہی دست رہ جاؤں، اسی خیال نے مجھ کو بے قرار کر دیا۔

ایک شخص نے ہمارے زمانے میں کورالوا لیا، اس میں شہد والا اس لوٹے نے شہد کا مزہ جذب کر لیا، وہ شخص ایک سفر میں لوٹے کو ساتھ لے گیا، جب بھی نہر سے اس میں پانی بھرتا تھا اور اپنے ساتھیوں کو پلاتا تھا وہ اس میں شہد کا مزہ پاتے تھے۔

باب دوازہم عوام پر تلمیس ابلیس کا بیان

مصنفؒ نے کہا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ شیطان کا فریب، مفہد ار جہالت کے قوت پاتا ہے عوام کو ایسے ایسے فتنوں میں ڈال رکھا ہے کہ بوجہ کثرت کے ان کا ذکر غیر ممکن ہے، ہم فقط اصول ذکر کرتے ہیں انہیں پر ان کے مثل کو قیاس کرنا چاہیے، وہ یہ کہ شیطان ایک عامی کے پاس آتا ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات میں غور کرنے پر براہیختہ کرتا ہے لہذا وہ عامی اللہ تعالیٰ کے لئے صورت قرار دیتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے ان باتوں کی خبر دی ہے، چنانچہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک زمانہ آئے گا کہ لوگ عجیب عجیب سوال کریں گے حتیٰ کہ پوچھا جائے گا کہ ہم کو تو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے مگر اللہ تعالیٰ کو کس نے پیدا کیا، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ایک روز میں بیٹھا ہوا تھا اتنے میں ایک عراقی آدمی نے مجھ سے سوال کیا کہ ہم کو تو خدا تعالیٰ نے پیدا کیا خدا کو کس نے پیدا کیا ہے؟ یہ سن کر میں نے اپنے کانوں میں انگلی لی اور باواز بلند کہا صدق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الواحد الاحد الصمد لم یلد ولم یولد ولم یکن له کفوا احد۔

مصنفؒ نے کہا یہ خرابی اس لئے واقع ہوئی کہ حواس غالب ہے کیونکہ جس کو جو چیز نظر آتی ہے وہ کسی کی بنائی ہوئی ہوتی ہے، اس عامی کو جواب دینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے زمان کو غیر زمان میں اور مکان کو غیر مکان میں پیدا کیا، جب کہ یہ زمین اور جو کچھ اس میں ہے لامکان میں ہے اور اس کے نیچے کچھ نہیں، حالانکہ تمہارا حس اس کو بعید جانتا ہے کیونکہ اس نے ہر چیز کو مکان ہی میں پایا، تو وہ ذات کس طرح حس سے طلب کی جاسکتی ہے جس کو حس سے نہیں پہچان سکتے، تم اس بارے میں اپنی عقل سے مشاورت کرو کیونکہ عقل اچھی مشیر ہے۔

شیطان کبھی تقاضائے حس کے مطابق فریب دیتا ہے لہذا عوام تشبیہ کا عقیدہ رکھتے ہیں، اور کبھی تعصب مذہبی کی رو سے بھکاتا ہے لہذا ایک عامی ایسے امر کے بارے میں جس کی وہ حقیقت نہیں جانتا گالی گلوچ اور مرنے مارنے پر تیار ہو جاتا ہے، بعض تعصب سے خاص حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو برا مانتے ہیں، بعض حضرت علی رضی

اللہ عنہ کو خاص کرتے ہیں، اور اس میں بہت سی لڑائیاں ہوئیں، اہل کرخ البصرہ اور اہل باب البصرہ میں باہم اسی بنا پر برسوں جنگ و قتال اور آتش زنی رہی جس کا بیان بہت طویل ہے، اکثر لوگ جو اس بارے میں بحث کرتے ہیں، وہ ہیں جو ریشم پہنتے ہیں شراب پیتے ہیں اور بے خطالوگوں کا خون بہاتے ہیں، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ و علی رضی اللہ عنہ ایسے شخصوں سے بیزار ہیں۔

عوام میں سے بعض ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ یہ کیونکر ہو سکتا ہے خدا خود ہی مقدر کرے اور پھر عذاب کرے، بعض کہتے ہیں خدا نے متقی کو تنگ دست اور گنہگار کو فارغ البال کیوں کیا، بعض ایسے ہیں کہ خدا کی نعمتوں کا شکر کرتے ہیں، جب کوئی بلا آتی ہے تو پھر جاتے ہیں اور کفر کرتے ہیں، بعض کہتے ہیں کہ جسموں کو بنا کر بگاڑ ڈالنے میں کیا حکمت ہے، بعض قیامت کے قائل نہیں، بعض ایسے ہیں کہ ان کا مقصد برہنہ آیا کسی بلا میں مبتلا ہو گئے تو کفر اختیار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نماز پڑھنا نہیں چاہتے اکثر اوقات کوئی فاجر نصرانی کسی مومن پر غالب آجائے اس کو مار ڈالے یا مارے تو عوام کہتے ہیں کہ صلیب غالب ہو گئی، جب ایسا ہے تو ہم نماز کیوں پڑھیں، الغرض یہ تمام آفتیں جن سے عوام پر شیطان قابو پا گیا ہے اس لئے ہیں کہ یہ لوگ علم اور علماء سے دور ہیں، اگر اہل علم سے دریافت کرتے تو وہ ان کو بتاتے کہ اللہ تعالیٰ حکیم اور مالک ہے، پھر کچھ اعتراض نہ رہتا۔

فصل :- مصنفؒ نے کہا عوام میں بعض وہ ہیں جو اپنی عقل پر راضی ہیں اور علماء کی مخالفت کی کچھ پرواہ نہیں کرتے، لہذا جب علماء کا فتویٰ ان کی غرض کے خلاف ہوتا ہے تو اس کو رد کرتے ہیں اور علماء میں نقص نکالتے ہیں، ان عقلیوں کو کہتے تھے کہ میں اتنے برسوں زندہ رہا جب کبھی کسی کام والے کے کام میں ہاتھ ڈالا تو اس نے کہا تم نے میرا کام خواب کر دیا، اگر میں نے کہا میں عالم آدمی ہوں تو جواب دیا کہ خدا تمہارے علم میں برکت دے یہ تمہارا کام نہیں اگر تم کرتے ہوتے تو سمجھتے، حالانکہ اس کا کام ایک امر حسی تھی اور میں جس شغل میں ہوں وہ امر عقلی ہے، لہذا جب میں نے اس کو فتویٰ دیا تو قبول نہیں کیا۔

فصل :- مصنفؒ نے کہا عوام کو شیطان نے ایک یہ دھوکا بھی دیا ہے کہ لوگ بناوٹی زاہدوں اور تارک الدنیا درویشوں کے بڑے جلدی معتقد ہوتے ہیں اور ان

کو علماء پر ترجیح دیتے ہیں، یہ لوگ اگر سب سے بڑے جاہل کے جسم پر جبہ (درویش کا لباس) کو کچھ لیں تو فوراً معتقد ہو جائیں اور اگر وہ سر کو جھکالے اور خشوع و خضوع کا اظہار کرے تو فریفتہ ہونے میں دیر نہیں لگتی اور کہتے ہیں کہ بھلا اس درویش اور فلاں عالم کا کیا مقابلہ یہ تارک الدنیا و طالب دنیا، یہ نہ اچھی غذا میں کھاتا ہے نہ شادی کرتا ہے، حالانکہ محض جمالت ہے اور شریعت محمدی کی تحقیر ہے کہ ایسے زہد کو علم پر ترجیح دی جائے، محمد بن عبد اللہ کی شریعت کو چھوڑ کر زاہدوں کو اختیار کیا جائے، خدا کا بڑا احسان ہے کہ یہ لوگ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں نہ تھے، ورنہ اگر آپ ﷺ کو شادیاں کرتے پاک و صاف کھاتے اور میٹھے اور شہد کی رغبت رکھتے ہوئے پاتے تو آپ سے بھی بد اعتقاد ہو جاتے۔

فصل :- مصنف نے کہا کہ اکثر عوام کی توجہ اور رغبت مسافر اور بیرونی زاہدوں کی طرف ہے ان کو اختیار کرتے ہیں اور اپنے شہر والوں کو چھوڑتے ہیں، جن کی حالت آزما چکے اور عقیدہ پہچان چکے، حالانکہ اپنے آپ کو اسی کے حوالے کرنا چاہیے جس کی معرفت کا امتحان ہو چکا، اللہ فرماتا ہے فان انستم منهم رشدا فادفعوا اليهم اموالہم (النساء پ ۴ آیت ۶) یعنی جب تم تیموں کو دیکھو کہ ان میں رشد ہے تو ان کا مال ان کے حوالے کرو اور نیز اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ ﷺ کو خلقت کی طرف بھیج کر احسان فرمایا ہے کہ کفار آپ کا حال خوب جانتے ہیں، ارشاد ہوتا ہے لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیہم رسولا من انفسہم (آل عمران پ ۴ آیت ۱۶۴) یعنی اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان پر احسان فرمایا کہ ان کے پاس انہیں میں سے ایک رسول بھیجا اور فرمایا یعرفونہ کما یعرفون ابناءہم (البقرہ پ ۲ آیت ۱۴۶) یعنی یہ لوگ آپ کو ایسے پہچانتے ہیں جیسے اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں، بعض عوام کہتے ہیں کہ خدا کریم ہے اور اس کا غفور وسیع ہے اور رجا عین ایمان ہے، اپنی خام خیالی اور دھوکا کھانے کا نام رجا رکھا ہے اور اسی بات نے عام گنہگاروں کو ہلاک کر دیا۔

ابو عمرو بن العلاء نے کہا کہ فرزوق ایک جماعت میں بیٹھا جو رحمت الہی کا ذکر کرتے ہیں فرزوق رحمت کے امیدوار ہونے میں سب سے زیادہ فراخ سینہ تھا، لوگوں نے اس سے کہا کہ تو پاکدامن عورتوں کو تہمت کیوں لگایا کرتا ہے، جواب دیا کہ بھلا مجھ کو یہ تو بتاؤ کہ جو گناہ میں اپنے پروردگار کا کرتا ہوں، اگر یہی گناہ اپنے ماں باپ کا کروں تو

کیا ان کا دل اس بات کو گوارا کرے گا کہ مجھ کو تور میں جھونک دیں لوگوں نے کہا نہیں بلکہ تجھ پر رحم کریں گے، یوں لاکہ مجھ کو اپنے پروردگار کی رحمت پر ماں باپ سے زیادہ وثوق ہے، مصنفؒ نے کہا یہ خیال محض جہالت ہے کیونکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی رحمت رقت طبع سے نہیں اور اگر ایسا ہوتا تو نہ کوئی چڑیا ذبح ہونے پاتی اور نہ کوئی چھ مرتا اور نہ کوئی دوزخ میں جاتا۔

اصمعی نے کہا میں ابو نواس کے ساتھ مکہ میں تھا کیا دیکھتا ہوں کہ ایک مرد لڑکا حجر اسود کو بوسہ دیتا ہے، ابو نواس مجھے کہنے لگا کہ واللہ میں حجر اسود کے پاس سے لڑکے کا بوسہ لئے بغیر نہ ٹلوں گا، میں نے کہا تجھ پر خدا کی ماری خدا سے ڈر اس وقت تو حرمت والے شہر میں ہے اور خدا کے گھر کے پاس ہے جواب دیا کہ میں اس میں مجبور ہوں، یہ کہہ کر سنگ اسود کے پاس گیا لڑکا آیا ابو نواس نے بڑھ کر اپنا خسارہ لڑکے کے رخسار پر رکھ کر اس کا بوسہ لیا، میں نے کہا وائے ہو تجھ پر اللہ تعالیٰ کے حرم میں ایسا کرتا ہے، یوں لاکہ یہ باتیں رہنے دو، میرا پروردگار رحیم ہے، پھر دو شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے، عاشق و معشوق کے رخسارے حجر اسود کو بوسہ دینے کے وقت باہم مل گئے۔ عاشق کی مراد بر آئی اور دونوں پر کچھ گناہ بھی نہ ہوا، گویا وہ دونوں وعدہ کر چکے تھے۔

مصنفؒ نے کہا اس جرات پر غور کرنا چاہیے جس میں وہ رحمت کی طرف دیکھتا ہے اور اس حرمت کی قید توڑنے پر عذاب کی سختی بھولتا ہے، ابو نواس کے مرض موت میں لوگ اس کے پاس گئے اور کہنے لگے کہ اب توبہ کرو، جواب دیا کہ کیا تم مجھے ڈراتے ہو، مجھ سے حماد ابن سلمہ نے بیان کیا کہ یزید رقاشی نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر ایک نبی کے لئے ایک شفاعت ہے اور میں نے اپنی شفاعت اپنی امت کے اہل کبار کے لئے پوشیدہ کر رکھی ہے تو کیا عجب ہے کہ میں بھی انہیں میں سے ہوں۔

مصنفؒ نے کہا اس شخص نے دو وجہ سے خطا کی، ایک تو یہ کہ جانب رحمت کو دیکھا اور جانب عذاب پر غور نہ کیا، دوسرے اس بات کو بھول گیا کہ رحمت فقط توبہ کرنے والے کے واسطے ہے، چنانچہ فرمایا وانی لغفار لمن تاب (طہ پ ۱۶ آیت ۸۲) یعنی جو توبہ کرتا ہے میں اس کا مٹنے والا ہوں۔ اور فرمایا ورحمتی وسعت کل شئی فساکتبھا للذین یتقون (الاعراف پ ۹ آیت ۱۵۲) یعنی میری رحمت ہر چیز سے وسیع ہے میں اس کو متقیوں کے لئے لازم کروں گا۔ یہ تھے شیطان کے فریب جس نے

وہ عامہ عوام کو ہلاک کرتا ہے۔

فصل :- بعض عوام کہتے ہیں کہ یہ علماء لوگ حدود الہی کی نگہداشت نہیں کرتے، فلاں ایسا کرتا ہے اور فلاں ایسا کرتا ہے، بس میری حالت ٹھیک ہے، اس شیطانی فریب کا اظہار اس طور پر ہے کہ تکلیف شرعی کے بارے میں جاہل اور عالم برابر ہیں لہذا عالم پر خواہش نفسانی کا غلبہ ہونا جاہل کے لئے عذر نہ ہوگا۔

بعض کہتے ہیں کہ ہمارے گناہ ہی کس قدر ہیں جو ہم کو عذاب ہوگا اور ہم کون ہیں جن سے مواخذہ ہوگا، ہمارے گناہ سے خدا کا کچھ نقصان نہیں اور ہماری اطاعت سے اس کو کوئی نفع نہیں اور اس کا عفو ہمارے جرم سے عظیم تر ہے چنانچہ ان میں سے ایک شخص نے کہا خدا کے سامنے میری حقیقت ہی کیا ہے کہ میں گناہ کروں اور وہ میرا گناہ بخشے حالانکہ یہ بہت بڑی حماقت ہے، شاید ان لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ اپنی ضد اور مثل سے مواخذہ کرتا ہے، یہ نہیں جانتے کہ مخالفت کی وجہ سے یہ لوگ معاند کے مقام میں ہوں گے۔

بعض عوام کہتے ہیں کہ ہم آئندہ توبہ کر لیں گے اور نیک بن جائیں گے حالانکہ بہت سے امید کرنے والے اپنی امید سے رہ گئے اور موت نے پہلے ہی خاتمہ کر دیا، خطا میں جلدی کرنا اور راستی میں منتظر رہنا تو کوئی احتیاط نہیں، بسا اوقات توبہ میسر نہیں ہوتی اور اکثر توبہ ٹھیک نہیں ہوتی اور بعض دفعہ قبول نہیں ہوتی پھر اگر توبہ قبول بھی ہوگئی تو گناہ کی شرمندگی ہمیشہ رہتی ہے لہذا گناہ کے خیال کو ہٹانا حتیٰ کہ دور رہے اس بات سے آسان ہے کہ توبہ کی محنت اٹھائے، حتیٰ کہ قبول ہو یا نہ ہو۔

بعض ایسے ہیں کہ توبہ کرتے ہیں اور پھر توڑ ڈالتے ہیں شیطان نے ان کے ارادہ کا ضعف معلوم کر کے ان کو اپنے مکر میں پھنسا لیا، مبارک بن فضالہ نے بیان کیا کہ حسن نے کہا جب تجھ کو شیطان ہمیشہ خدا کی اطاعت میں دیکھتا ہے تو تیرا ماتم کرتا ہے اور جب انہماک ہو پاتا ہے تو تجھ کو چھوڑ کر علیحدہ ہو جاتا ہے اور جب دیکھتا ہے کہ تو کبھی ویسا ہے اور کبھی ایسا ہے تو طمع کرتا ہے،

عوام کے لئے یہ بھی شیطان کا ایک دھوکہ ہے کہ کسی کا کوئی نسب ہوتا تو اپنے نسب پر مغرور ہو جاتا ہے، ایک کہتا ہے کہ میں ابو بکر رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہوں دوسرا کہتا ہے میں اولاد علی رضی اللہ عنہ ہوں، تیسرا کہتا ہے میرا نسب فلاں عالم یا

فلاں زاہد سے ملتا ہے، یہ لوگ اپنے اس معاملہ کی بنا دو باتوں پر رکھتے ہیں، ایک تو یہ کہ جو شخص کسی آدمی سے محبت رکھے گا اس کی اولاد اور اس کے گھر والوں کو بھی چاہے گا دوسرے یہ کہ بزرگوں کے لئے شفاعت ہے اور ان کی شفاعت کی زیادہ حقدار ان کی اولاد ہے حالانکہ یہ دونوں باتیں غلط ہیں، رہی محبت سوا اللہ تعالیٰ کی محبت ایسی نہیں جیسی آدمیوں کی محبت ہے وہ تو اس شخص سے محبت رکھتا ہے جو اس کی اطاعت کرتا ہے، اہل کتاب بھی تو یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں ان کو اپنے باپ دادا سے کچھ نفع نہیں اور اگر باپ کی محبت اثر کرتی تو بعض بھی ضرور اثر کرتا باقی رہی شفاعت تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ولا یشفعون الا لمن ارتضى (الانبیاء پ ۱۷ آیت ۲۸) یعنی شفاعت اسی کی کریں گے جن کے لئے اللہ تعالیٰ راضی ہو گا نوح علیہ السلام نے جب اپنے بیٹے کو کشتی میں بٹھایا چاہا تو ارشاد ہوا انه لیس من اہلک (ہود پ ۱۲ آیت ۴۶) یعنی اے نوح یہ تمہارا لڑکا تمہاری اہل میں سے نہیں ہے، حضرت ابراہیم کی شفاعت اپنے باپ کے حق میں اور ہمارے نبی کی شفاعت اپنی ماں کے حق میں قبول نہ ہوئی، رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا کہ خدا کے یہاں میں تمہارے کچھ کام نہ آؤں گا، جو شخص یہ خیال کرتا ہے کہ اس کے باپ کی نجات سے اس کی بھی نجات ہو جائی گی اس کی مثل ایسی ہے جیسے کوئی یوں سمجھ بیٹھے کہ اس کے باپ کے کھانے سے اس کا بھی پیٹ بھر جائے گا۔

فصل :- عوام کو شیطان کا ایک فریب یہ بھی ہے کہ وہ مرد صالح کی محبت پر اعتماد کرتے ہیں پھر اس کے بعد جو کچھ کریں اس کی پرواہ نہیں کرتے، ایک ان میں سے کہتا ہے کہ میں اہل سنت میں سے ہوں اور اہل سنت خیر پر ہیں اور پھر گناہ سے دور نہیں رہتا، یہ فریب اس طور سے دور کیا جائے کہ ان سے کہا جائے اعتقاد فرض ہے اور گناہوں سے چھٹا بھی فرض ہے لہذا ان میں سے ایک دوسرے کو کفایت نہیں کرتا، اسی طرح رافضی کہتے ہیں کہ ہم اہل بیت کی محبت سے عذاب سے دور ہیں، حالانکہ وہ جھوٹ کہتے ہیں، کیونکہ فقط تقویٰ عذاب کو دور رکھتا ہے، بعض کہتے ہیں کہ ہم جماعت کو لازم پکڑے ہوئے ہیں اور خیر کرتے ہیں، یہ ہم سے عذاب کو دور رکھے گا، اس کا جواب بھی وہی پہلا جواب ہے۔

عیاروں پر لوگوں کے مال لینے میں تلمیس ابلیس کا بیان

ان لوگوں نے اپنا نام جو ان مرد رکھا ہے کہ جو ان مرد نہ زنا کرتا ہے اور نہ جھوٹ بولتا ہے اور حرمت کی حفاظت کرتا ہے اور کسی عورت کی پردہ دہری نہیں کرتا، یہ لوگ باوجود ان سب باتوں کے لوگوں کا مال لوٹنے سے پرہیز نہیں کرتے اور اس بات میں مشہور ہیں کہ مال حرام کے لئے اپنے کلیجے جلادیتے ہیں اور اپنے طریقہ کا نام جو ان مردی رکھا ہے، بسا اوقات ان میں سے کوئی قسم کھاتا ہے کہ بحق الفتوة یعنی جو ان مردی کی قسم پھر نہ کچھ کھاتا ہے نہ پیتا ہے جو ان کے طریقہ میں داخل ہو اس کا لباس و پانجامہ مقرر کرتے ہیں جیسے صوفیہ نے مرید کا لباس مرقعہ رکھا ہے اکثر اوقات ان میں سے کوئی اپنی بیٹی یا بہن سے ایسا کلمہ سنتا ہے جو شان کے خلاف ہو اور بسا اوقات وہ منحرف ہو جاتی ہے تو اس کو مار ڈالتا ہے اور دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ جو ان مردی ہے، اکثر اس پر فخر کرتے ہیں کہ ہم مار پیٹ پر صابر ہیں۔

احمد بن حنبلؒ کے بیٹے عبد اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں اکثر اپنے باپ سے سنا کرتا تھا کہ کہا کرتے تھے کہ ابو الہیثمؒ پر خدا رحم کرے میں نے پوچھا ابو الہیثمؒ کون ہے جواب دیا کہ ایک لوہار ہے جب سزا کے لئے میرے ہاتھ باندھے گئے اور کوڑے لگائے گئے، میں نے یکا یک ایک آدمی کو دیکھا کہ میرے کپڑے پیچھے سے کھینچتا ہے اور مجھ سے کہتا ہے کہ تم مجھ کو پہچانتے ہو، میں نے کہا میں تم کو نہیں جانتا، جواب دیا کہ میں ابو الہیثم عیار طرار چور ہوں جس کا نام امیر المومنین کے دفتر میں لکھا ہے میں نے متفرق طور پر اٹھارہ ہزار کوڑے کھائے ہیں اور یہ سب ضرب دنیا کے لئے شیطان کی اطاعت پر تھی لہذا تم صبر کرو کہ دین کے لئے رحمان کی اطاعت پر ضرب کھاتے ہو۔

مصنفؒ نے کہا ابو الہیثمؒ وہ ہے جس کو ابو خالد حداد کہتے ہیں، یہ شخص صبر کرنے میں ضرب المشل ہے، خلیفہ متوکل باللہ نے اس سے پوچھا تیرا صبر کس حد تک ہے، جواب دیا کہ آپ ایک تھیلی میں مجھو بھر دیجئے پھر میں اس میں اپنا ہاتھ ڈال دوں، حالانکہ جس چیز سے آپ کو تکلیف ہوتی ہے اس سے مجھ کو بھی ایذا پہنچتی ہے، آخری کوڑے کی تکلیف مجھ کو اسی قدر ہوتی ہے جس قدر پہلے کوڑے کی، جب مجھ پر ضرب پڑتی ہے اگر میں اس وقت اپنے منہ میں کپڑے کا ٹکڑا رکھ لوں تو میرے اندر سے جو حرارت نکلتی ہے اس کو جلادے، لیکن میں نے اپنے نفس کو صبر پر قرار دیا ہے، یہ سن کر

اس سے فتح نے کہا تجھ پر باوجود اس زبان اور عقل کے کیا چیز تم کو اس بطلان کی حالت پر آمادہ کرتی ہے، جواب دیا کہ میں ریاست کو پسند کرتا ہوں، متوکل یہ سن کر یوں کہ ہم غلیبی ہیں، فتح نے کہا کہ میں بھی غلیبی ہوں، کسی شخص نے خالد سے کہا! تم میں بھی گوشت اور خون ہے کیا ضرب سے تم کو تکلیف نہیں ہوتی، جواب دیا کیوں نہیں ہوتی، ضرب سے تکلیف ضرورت ہوتی ہے لیکن ہم میں وہ قوی صبر ہے جو تم میں نہیں ہے، داؤد بن علی نے کہا جب خالد پکڑا آیا تو میں نے اس کو دیکھنا چاہا۔ اس کے پاس گیا، اس کو دیکھا کہ بیٹھا ہے لیکن ایک جانب قرار نہیں پکڑتا، کیونکہ کوڑوں کی ضرب کی وجہ سے اس کے سرین کا گوشت خراب ہو گیا تھا، اس کے گرد بہت سے جوان جمع تھے، آپس میں باتیں کرنے لگے کہ فلاں نے آج کوڑے کھائے اور فلاں کے ساتھ ایسا کیا گیا، خالد نے ان سے کہا کہ تم دوسروں کی باتیں کیوں کرتے ہو، تم بھی ایسا کرو تا کہ لوگ تمہاری باتیں کریں، مصنفؒ نے کہا غور کرو چاہیے شیطان ان لوگوں کے ساتھ کیسا کھیلتا ہے کہ تکلیف کی سختی پر صبر کرتے ہیں تاکہ ان کو شہرت حاصل ہو، اور اگر تھوڑے سے تقویٰ پر صبر کریں تو ان کو ثواب ملے، تعجب تو یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے اس حال کو مرتبہ اور فضیلت حال کرتے ہیں، حالانکہ بڑے گناہوں کے مرتکب ہیں۔

فصل :- اکثر عوام نوافل پر اعتماد کرتے ہیں اور فرض کو ضائع کرتے ہیں، مثلاً مسجد میں اذان سے پہلے آتے ہیں اور نفل پڑھتے ہیں، پھر جب مقتدی ہو کر فرض ادا کرتے ہیں تو امام پر سبقت کرتے ہیں، بعض ایسے ہیں کہ فرائض کے وقتوں میں نہیں آتے اور لیلۃ الراحۃ یعنی ماہِ رجب کی ستائیسویں شب میں جھوم کرتے ہیں، بعض وہ ہیں کہ عبادت کرتے ہیں اور روتے ہیں، حالانکہ بری باتوں پر اڑے ہوئے ہیں ان سے باز نہیں آتے، اگر ان سے کوئی کچھ کہتا ہے تو کہتے ہیں کہ آدمی سے نیکی بدی دونوں ہوتی ہیں اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے، جمہور عوام اپنی رائے سے عبادت کرتے ہیں لہذا جس قدر بھلائی کرتا ہے اس سے زیادہ برائی کرتا ہے، میں نے ایک عامی کو دیکھا کہ قرآن حفظ کیا اور زاہد بنا پھر اپنے آپ کو محبوب کر دیا یعنی اپنا عضو تناسل کاٹ ڈالا حالانکہ یہ افحش الفواحش ہے۔

فصل :- شیطان نے بہت سے عوام کو یہ دھوکا دے رکھا ہے کہ وعظ و ذکر کی مجالس میں شریک ہونا اور متاثر ہو کر رونا ہی سب کچھ ہے وہ سمجھتے ہیں کہ مقصود

محفل خیر میں شرکت اور رقت ہے اس لئے واعظوں سے اس کے فضائل سنتے رہتے ہیں، اگر ان کو یہ معلوم ہو جائے کہ مقصود اصلی تو عمل ہے، جب آدمی سنی ہوئی دین کی باتوں پر عمل نہ کرے گا تو یہ سننا اور عمل نہ کرنا ان کے لئے گرفت کا باعث اور وبال جان ہے، میں ذاتی طور پر بہت سے آدمیوں کو جانتا ہوں جو سالہا سال سے مجلس و عظ میں شریک ہوتے ہیں اور روتے اور متاثر ہوتے ہیں، لیکن نہ سود لینا چھوڑتے ہیں نہ تجارت میں دھوکہ دینے سے باز آتے ہیں، ارکان صلوٰۃ سے جیسے وہ بے خبر برسوں پہلے تھے ویسے ہی اب بھی ہیں، مسلمانوں کی غیبت، والدین کی نافرمانی میں جس طرح وہ پہلے مبتلا تھے اسی طرح اب بھی مبتلا ہیں، شیطان نے ان کو یہ فریب دے رکھا ہے کہ مجلس و عظ کی حاضری اور گریہ و بکا ان کے گناہوں کا کفارہ بن جائے گا، بعض کو یہ سمجھا رکھا ہے کہ علماء و صالحین کی صحبت ہی مغفرت کا ذریعہ ہے۔

فصل :- مالدار لوگوں کو چار صورت سے شیطان نے فریب دیا، ایک تو مال حاصل ہونے کی جہت سے وہ کچھ پرواہ نہیں کرتے کہ کیونکر حاصل ہوا، ان کے اکثر معاملات میں کھلم کھلا ربا (سود) ہے وہ اس کو بالکل بھولے ہوئے ہیں، حتیٰ کہ ان کے تمام معاملات اجماع سے خارج ہیں،

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا آپ ﷺ نے فرمایا لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ آدمی پرواہ نہیں کرے گا کہ اس کو حلال ذریعہ سے مال حاصل ہو یا حرام سے۔

دوسرے محل کی جہت سے اکثر مالدار ایسے ہیں کہ عفو الہی پر بھروسہ کر کے زکوٰۃ نہیں نکالتے، بعض ایسے ہیں کچھ زکوٰۃ کے لئے نکالتے ہیں پھر ان پر محل غالب آتا ہے تو خیال کرتے ہیں کہ اسی قدر نکالا ہوا کافی ہے، بعض ایسے ہیں کہ زکوٰۃ کو ساقط کرنے کے لئے حیلہ کرتے ہیں، مثلاً سال پورا ہونے سے پیشتر مال کو ہبہ کر دیتے ہیں اور پھر واپس لے لیتے ہیں اور بعض اس طور پر حیلہ کرتے ہیں کہ فقیر کو ایک کپڑا دیتے ہیں اور اس کی قیمت اس کو دس دینار بتاتے ہیں حالانکہ وہ دو دینار کے برابر ہوتا ہے اور یہ دینے والا جاہل خیال کرتا ہے کہ زکوٰۃ سے بری الذمہ ہو گیا اور بعض اس شخص کو زکوٰۃ دیتے ہیں جو مال بھر تک ان کی خدمت کرتا ہے اور درحقیقت وہ اجرت ہوتی ہے۔

ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ نکسال میں جب پہلے

درہم ڈھالا گیا تو شیطان نے اس کو لے کر یوسہ دیا اور اس کو اپنی آنکھوں اور ناف پر رکھ کر کہا کہ تیرے ذریعہ سے میں سرکش بناؤں گا، اور تیری بدولت کافر بناؤں گا، میں فرزند آدم سے اس بات سے خوش ہوں کہ دینار کی محبت کی وجہ سے میری پرستش کرتا ہے اعمش نے شقیق سے روایت کیا کہ عبد اللہ نے کہا کہ شیطان ہر عمدہ چیز کے ذریعہ سے انسان کو فریب دیتا ہے جب تنگ آجاتا ہے تو اس کے مال میں لیٹ رہتا ہے اور اس کو کچھ خیرات کرنے سے باز رکھتا ہے۔ تیسرے کثرت مال کی حیثیت سے اس طور پر کہ اپنے آپ کو فقیر سے بہتر جانتا ہے، حالانکہ یہ نادانی ہے کیونکہ فضیلت ان فضائل سے حاصل ہوتی ہے جو نفس کے لئے لازم ہیں، پھر جمع کرنے سے فضیلت نہیں حاصل ہوتی جو نفس سے خارج چیز ہے، کسی شاعر کا شعر ہے غنی النفس لمن یعقل، خیر من غنی المال، وفضل النفس فی الانفس، لیس الفضل فی الحال، (ترجمہ) عقل مندوں کے نزدیک مال کی تو نگری سے نفس کی تو نگری بہتر ہے کیونکہ انسان کی فضیلت ذات میں ہوتی ہے حالت میں فضیلت نہیں ہوتی۔

چوتھے مال کے خرچ کرنے میں بعض ایسے ہیں کہ بطور فضول خرچی کے صرف کرتے ہیں کبھی مکان ہوا تے ہیں جو مقدار ضرورت سے زائد ہوتا ہے، دیواروں کو خوب آراستہ کرتے ہیں، کمروں میں نقش و نگار کرتے ہیں، تصویریں بناتے ہیں جو سب کو نظر آئیں جس سے کبر و غرور ظاہر ہو اور کبھی کھانے ایسے تیار کرتے ہیں جن میں اسراف ہوتا ہے اور ان سب حرکتوں کا کرنے والا حرام یا مکروہ فعل سے محفوظ نہیں رہتا حالانکہ اس سے ہر چیز کا سوال ہوگا۔

انس بن مالکؓ نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے فرزند آدم اللہ تعالیٰ کے سامنے تیرے قدم نہ ہٹیں گے یہاں تک کہ تجھ سے چار چیزوں کا سوال ہو، ایک عمر کا کس کام میں فنا کی؟ دوسرے جسم کو کس چیز میں مبتلا رکھا؟ تیسرے مال کہاں سے حاصل کیا؟ چوتھے مال کس جگہ صرف کیا؟

بعض مالدار ایسے ہیں جو مساجد اور یلوں کی تعمیر میں بہت کچھ خرچ کرتے ہیں مگر ان کا مقصود ریا اور شہرت ہوتی ہے اور یہ کہ ان کا نام چلے اور یادگار رہے چنانچہ وہ اس تعمیر پر اپنا نام کندہ کرواتے ہیں، اگر رضائے الہی مقصود ہوتی تو اس کو کافی سمجھتے کہ اللہ دیکھتا ہے، اور جانتا ہے (نام کندہ کرانے کی کیا ضرورت) ایسے لوگوں سے اگر صرف دیوار بنانے کو کہا جائے جس پر ان کا نام کندہ نہ ہو تو وہ منظور نہ کریں گے۔

اسی طرح سے رمضان مبارک میں شہرت کے لئے موم بتیاں (چراغ) بھجے ہیں، حالانکہ ان کی مسجدوں میں سال بھر اندھیرا پڑا رہتا ہے اس لئے کہ روزانہ تھوڑا تھوڑا تیل مسجد میں دینے سے وہ شہرت اور ناموری حاصل نہیں ہوتی جو رمضان میں ایک موم بتی بھج دینے سے حاصل ہوتی ہے حالانکہ اس شمع کی قیمت دے کر محتاجوں کو خوش کر دینا زیادہ بہتر تھا، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بہت روشنی کرنے سے اسراف لازم آتا ہے جو ممنوع ہے مگر کیا کیا جائے ریا اپنا عمل کر رہی ہے، احمد بن حنبلؒ مسجد میں جایا کرتے تھے، آپ کے ہاتھ میں ایک چراغ ہوتا تھا اس کو وہاں رکھ کر نماز پڑھتے تھے۔

بعض مالداروں کا قاعدہ ہے کہ جب خیرات کرتے ہیں تو فقیر کو دیتے ہیں اور لوگ ان کو دیکھتے ہیں اس میں اپنی مدح چاہتے ہیں اور فقیر کا ذلیل کرنا مقصود ہوتا ہے، بعض ایسے ہیں کہ وہ دینار لیتے ہیں اور دینا کم و بیش چار دانگ کا ہوتا ہے، اکثر اوقات جھوٹی دینار ہوتے ہیں سب کے سامنے کھول کر ان کو خیرات کرتے ہیں، تاکہ لوگ کہیں کہ فلاں امیر نے دینار فقیروں کو دیئے اس کے برخلاف متقدمین صلیاء کا قاعدہ تھا کہ ایک چھوٹے سے کاغذ میں بھاری دینار جو ڈیڑھ دینار کے وزن سے زیادہ ہوتا تھا لپیٹ کر چپکے سے فقیر کو دے دیا کرتے تھے، وہ فقیر جب کاغذ کو چھوٹا دیکھتا تھا تو خیال کرتا تھا کہ کچھ ذرا سا ٹکڑا اس میں ہو گا، پھر جب اس کو ٹٹولتا تھا اور اس کو گول پاتا تھا تو سمجھتا تھا کہ چاندی کا درم ہے لہذا خوش ہوتا تھا، پھر جب دیکھتا تھا کہ دینار سے زائد ہے تو اس کی خوشی بہت بڑھ جاتی تھی لہذا ہر مرتبہ دینے والے کا ثواب دو چند ہو جاتا تھا۔ بعض مالدار ایسا کرتے ہیں کہ غیروں کو خیرات دیتے ہیں اور اپنے اقرباء کو چھوڑتے ہیں حالانکہ بہتر اقرباء کو دینا ہے، سلیمان بن عامر نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا فرماتے تھے کہ مسکین کو صدقہ دینا صرف ایک ہی صدقہ ہے اور رشتہ دار کو صدقہ دینا دو باتیں ہیں ایک صدقہ دوسرے صلہ رحم۔

بعض مالدار ایسے ہیں کہ اقارب کو صدقہ دینے کی فضیلت جانتے ہیں مگر ان میں باہم عداوت ہوتی ہے لہذا باوجود اقرباء کی محتاجی کا علم ہونے کے ان کی خبر گیری سے باز رہتے ہیں حالانکہ اگر ان کی اعانت کرتے تو تین ثواب پاتے ایک صدقہ، دوسرے قرابت، تیسرے خواہش نفسانی کا مارنا، ابو ایوب انصاری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا افضل صدقہ وہ ہے جو کینہ رکھنے والے رشتہ دار کو دیا جائے، مصنفؒ نے کہا یہ صدقہ افضل اس لئے ہے کہ خواہش نفسانی کی مخالفت کی جاتی ہے،

کیونکہ جو شخص اپنے رشتہ داروں کو محبت کی وجہ سے صدقہ دے گا تو وہ اپنی خواہش پر خیرات کرے گا۔

بعض مالدار ایسے ہیں کہ خیرات کرتے ہیں اور اپنے گھر والوں کو نفقہ دینے میں تنگی کرتے ہیں ابو زبیر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے جابر بن عبد اللہ سے سنا کہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا افضل صدقہ وہ ہے جو اپنی فراغت کے بعد ہو اور پہلے ان کو دو جو تمہارے عیال ہیں اور نیز ایک بار رسول اللہ ﷺ نے فرمایا صدقہ دو، ایک آدمی نے عرض کیا کہ میرے پاس ایک دینار ہے آپ ﷺ نے فرمایا اس کو اپنے اوپر صرف کرو اس نے کہا میرے پاس ایک اور دینار ہے، فرمایا اس کو اپنی بی بی پر صرف کرو وہ دو لا میرے پاس ایک اور دینار ہے فرمایا اسے اپنی اولاد کو دو، کہنے لگا میرے پاس ایک اور دینار ہے فرمایا اس کو اپنے نوکر کو بخشو اس نے کہا میرے پاس ایک اور دینار ہے فرمایا اب تم جانو تمہارا کام جانے۔

بعض کا قاعدہ ہے کہ وصیت کرنے میں حد سے تجاوز کرتے ہیں اور حقیقی وارث کو محروم رکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ ہمارا مال ہے جس طرح چاہیں اس میں تصرف کریں اور انہیں یاد رکھتے ہیں کہ ان کے بیمار ہوتے ہی وارثوں کے حقوق اس مال کے متعلق ہو گئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص وصیت کرتے وقت خیانت کرے گا وہاں پھینکا جائے گا۔ وبادوزخ میں ایک وادی کا نام ہے، اعمش نے خیمہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا شیطان کہتا ہے کہ فرزند آدم مجھ پر غالب نہیں آتا اور اگر غالب بھی آتا ہے تو میں اس کو تین باتوں کا حکم کرتا ہوں مال کا ناحق لینا، ناحق میں صرف کرنا، ناحق سے بازار کھنا،

فصل :- فقراء کو بھی شیطان نے فریب دیا بعض فقراء ایسے ہیں کہ فقر کا اظہار کرتے ہیں حالانکہ غنی ہوتے ہیں اب اگر بغیر ضرورت وہ سوال کرتے ہیں اور لوگوں سے کچھ لیتے ہیں تو فقط آتش دوزخ جمع کرتے ہیں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص مال بڑھانے (جمع کرنے) کے لئے لوگوں سے سوال کرتا ہے تو وہ آگ کے انگارے مانتا ہے اب چاہے کم کرے یا زیادہ کرے اور اگر یہ شخص لوگوں سے کچھ سوال نہیں کرتا تو اظہار فقر سے اس کی مراد یہ ہے کہ لوگ اس کو مرد زاہد کہیں تو ریاکار ہے اور اگر اللہ تعالیٰ نے جو نعمت بخشی ہے اس کو چھپا کر فقر کا

اظہار اس لئے کرتا ہے کہ خیرات نہ کرنا پڑے تو اپنے محل کے ساتھ خدا کا ناشکر گزار ہے اور ہم پیشتر ذکر کر چکے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو پھٹے پرانے حال میں دیکھا دریافت فرمایا کہ تیرے پاس کچھ مال ہے، جواب دیا ہاں، فرمایا کہ پھر خدا کی نعمت کا اظہار کرنا چاہیے اور اگر فقیر محتاج ہو تو اس کے لئے مستحب یہ ہے کہ فقر کو چھپائے اور تجمل کا اظہار کرے کیونکہ سلف میں اکثر ایسے بزرگ تھے جو اپنے ساتھ ایک کنبی رکھتے تھے اور خیال دلاتے تھے کہ انکا کوئی گھر ہے، حالانکہ رات کو فقط مسجدوں میں رہا کرتے تھے۔

فقراء پر ایک شیطان کا فریب یہ بھی ہے کہ اپنے آپ کو مالدار سے اچھا سمجھتے ہیں اس لئے کہ جس چیز کی مالدار کو رغبت ہے یہ لوگ اس سے بے رغبت ہیں، حالانکہ یہ بات غلط ہے کیونکہ خیر و صلاح ایک چیز کے عدم وجود پر موقوف نہیں بلکہ اس کے علاوہ ایک اور امر پر منحصر ہے۔

اکثر عوام کو شیطان نے فریب دیا کہ عادت کے موافق عمل جاری رکھیں اور یہی اسباب اکثر ان کی ہلاکت کے ہیں، ان باتوں میں سے ایک یہ ہے کہ عوام اپنے اعتقاد میں اپنے باپ دادا اور بزرگوں کی تقلید کرتے ہیں، تم دیکھتے ہو کہ ایک عام آدمی پچاس برس تک اسی طریقہ پر زندگی بسر کرتا ہے، جس پر اس کا باپ تھا، اور اس بات کو نہیں دیکھتا کہ خطا پر تھایا ثواب پر، اسی قسم کی تقلید یہود و نصاریٰ اور اہل جاہلیت اپنے اسلاف کی کرتے تھے اور اسی طرح مسلمان اپنی نماز اور عبادتوں میں عادت کے موافق عمل کرتے ہیں، ایک آدمی برسوں زندہ رہتا ہے اور جس طرح لوگوں کو دیکھتا ہے اسی طرح نماز پڑھ لیا کرتا ہے حالانکہ سیدھی طرح الحمد نہیں پڑھ سکتا اور نہ یہ جانتا ہے کہ واجبات کیا ہیں؟ اس قدر سیکھ لینے کی توفیق اس کو اس لئے نہیں ہوتی کہ دین کو فضول سمجھتا ہے اور ہاں اگر تجارت کا ارادہ کرے تو سفر سے پیشتر اس شہر کے اخراجات کا حال پوچھتا پھر تا ہے، تم دیکھتے ہو کہ ایک آدمی امام سے پہلے رکوع اور سجدہ کرتا ہے، اور اتنا نہیں جانتا کہ جب امام سے پہلے رکوع کیا تو ایک رکن میں اس کی مخالفت کی اور پھر جب امام سے پہلے سر اٹھایا تو دو رکنوں میں مخالفت ہو گئی، لہذا اس کی نماز باطل ہوئی، بسا اوقات امام کے ساتھ سلام پھیر دیتا ہے حالانکہ اس پر تشدد واجب باقی رہ گیا ہے جس کا ذمہ دار امام نہیں، لہذا اس کی نماز باطل ہوگی، اکثر اوقات بعض لوگ فرض چھوڑتے ہیں اور نوافل زیادہ پڑھتے ہیں، اور بسا اوقات وضو میں بعض عضو مثلاً ایڑی خشک رہ جاتی

ہے، اکثر اوقات ہاتھ میں انگوٹھی ہوتی ہے جو انگلی میں تنگ ہوا کرتی ہے وضو کے وقت اس کو پھراتے نہیں اور اس کے نیچے پانی نہیں پہنچتا، لہذا وضو صحیح نہیں ہوتا، رہے ان کے معاملات تو خرید و فروخت میں ان کی یہ حالت ہے کہ اکثر فاسد ہوتے ہیں اور وہ شریعت کا حکم نہیں جانتے ان لوگوں پر یہ امر دشوار گزرتا ہے کہ معاملات میں کسی فقیہ کی تقلید کریں کیونکہ ختم شرعی کے تحت داخل ہونا پسند کرتے ہیں، بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ کوئی چیز فروخت کریں اور اس میں کھوٹ نہ ہو اور اس کا عیب نہ چھپایا گیا ہو، ردی نے سونے کا عیب جلادیکر چھپاتے ہیں، حتیٰ کہ عورت سوت کات کر اس کو تر کر لیتی ہے تاکہ وزن بھاری ہو جائے۔

عوام کا عادات کے موافق عمل ایک یہ بھی ہے کہ رمضان شریف میں نماز فرض میں تاخیر کرتے ہیں، حرام مال پر افطار کرتے ہیں اور لوگوں کی غیبت کرتے ہیں، حالانکہ اگر لکڑی سے بھی مارا جائے تو عادت کے طور پر روزہ نہیں توڑے گا، کیونکہ عادات روزہ توڑنا برا سمجھا جاتا ہے۔

بعض عوام وہ ہیں کہ کوئی چیز اجرت پر لینے سے ریا میں داخل ہو جاتے ہیں، کوئی کہتا ہے کہ میرے پاس پیس دینا ہیں اس کے سوا اور کچھ نہیں اگر خرچ کر ڈالوں تو ختم ہو جائیں گے، میں ان سے ایک مکان اجرت پر لوں اور اس کی اجرت کھاؤں، یہ شخص خیال کرتا ہے کہ اس کی یہ حرکت درست یہ بعض ایسے ہیں کہ مکان کو کچھ نقد پر رہن رکھتے ہیں اور اس کا سودا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ضرورت کی جگہ ہے، اکثر اوقات ایک شخص کے پاس دوسرا مکان ہوتا ہے اور اس کے گھر میں اس قدر اسباب ہوتا ہے کہ اگر اس کو پیچ ڈالے تو رہن رکھنے کی ضرورت نہ پڑے اور کرایہ لینے کی حاجت نہ ہو لیکن اس کو اپنے جاہ و مرتبہ کا خوف ہوتا ہے کہ کہیں یہ لوگ یوں نہ کہنے لگیں کہ فلاں شخص نے اپنا مکان پیچ ڈالا، یا وہ شخص تانبے کی جگہ مٹی کے برتن استعمال کرتا ہے۔

ان کا عادات کے موافق عمل کرنا یہ بھی ہے کہ کاہن اور نجومی اور رمال کے قول پر اعتماد کرتے ہیں اور یہ امر لوگوں پر شائع (عام) ہے ہمیشہ سے بڑے بوڑھوں کی عادت رہی، کم تر ایسا ہوتا ہے کہ کوئی شخص سفر کرے یا کپڑے یا حجامت کرائے اور نجومی سے پوچھ کر اس کے قول پر عمل نہ کرے، ان کے گھر جنبتی سے خالی نہیں رہتے اور بہت سے ایسے گھر ہیں جن میں کوئی قرآن شریف نہیں، صحیح بخاری میں رسول اللہ

ﷺ سے روایت ہے کہ کسی نے آپ ﷺ سے کاہن کے بارے میں پوچھا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی چیز نہیں، لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ کاہن لوگ کبھی کبھی ایسی بات میان کرتے ہیں جو ٹھیک ہوتی ہے، فرمایا کہ وہ کلمہ حق ہوتا ہے جس کو جن اچک لیتا ہے اور اگر اپنے ساتھی کے کان میں پھونک دیتا ہے جس طرح مرغی چونچ مار کر ایک دانہ اٹھا لیتی ہے اور اس میں سو سے زیادہ جھوٹی باتیں ملا دیتا ہے، صحیح مسلم میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص جو تشی (منجم) کے پاس آئے اور اس سے کچھ پوچھے تو چالیس روز اس کی نماز مقبول نہ ہوگی، ابو داؤد میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص کاہن کے پاس جائے اور اس کی بات سچ جانے تو وہ شخص اس (دین) سے بیزار ہے جو محمد ﷺ پر نازل ہوا ہے۔

عوام کی عادتوں میں سے یہ بھی ہے کہ ریشم (کے لباس) اور سونے کی انگوٹھی پہنتے ہیں، اور اکثر بعض آدمی ریشم کے پہننے سے پرہیز کرتے ہیں پھر خاص وقت میں پہنتے ہیں مثلاً خطیب جمعہ کے دن۔

نیز ان کی عادات میں سے ہے کہ بری بات کا انکار کرنا مکمل جانتے ہیں، حتیٰ کہ ایک آدمی اپنے بھائی یا رشتہ دار کو دیکھتا ہے کہ شراب پیتا ہے ریشمی کپڑے پہنتا ہے اور اس پر انکار (اظہار ناپسندیدگی) نہیں کرتا اور نہ اس سے کچھ کشیدہ ہوتا ہے، بلکہ گہرے دوست کی طرح اس سے میل جول رکھتا ہے۔

ایک ان کی عادت یہ بھی ہے کہ آدمی اپنے گھر کے دروازے پر چوڑا بناتا ہے جس سے مسلمانوں کا عام راستہ تنگ ہو جاتا ہے کبھی اس کے گھر کے دروازے پر بہت سبازش کا پانی جمع ہو جاتا ہے جس کا دور کرنا اس پر واجب ہے اور وہ نہیں کرتا، بعض دفعہ اپنے گھر کے دروازے پر چھڑکاؤ کرتا ہے اور زیادتی پانی ڈالتا ہے ایسے میں کوئی وہاں پھل کر گر پڑے تو اس پر ضمان (جرمانہ) واجب ہے اور اس کا اس کو گناہ ہوا کہ مسلمانوں کی اذیت کا سبب بن گیا ہے۔

ایک ان لوگوں کی یہ عادت ہے کہ (بازاری) حمام میں بغیر تہبند کے داخل ہوتے ہیں اور بعض ایسے ہیں کہ جب تہبند باندھے داخل ہوتے ہیں تو سمیٹ کر تہبند کورانوں پر ڈال لیتے ہیں جس سے سرین کے دونوں جانب نظر آتے ہیں، اور بدن ملنے والے کے سامنے بیٹھ جاتے ہیں، وہ شرمگاہ کا بعض حصہ دیکھتا ہے کیونکہ شرمگاہ گھٹنے سے ناف تک ہے، پھر خود وہ شخص دوسرے لوگوں کی شرمگاہیں دیکھتا ہے، نہ ہم

آنکھیں نیچے کرتے ہیں نہ اس پر انکار کرتے ہیں۔

ایک ان کی عادت یہ ہے کہ ملی ملی کا حق پورے طور پر ادا نہیں کرتے، بعض وقت ملی ملی کو اس بات پر مجبور کرتے ہیں کہ وہ اپنا مہر معاف کر دے اور اس طرح خاوند خیال کرتا ہے کہ اس کے ذمہ سے ملی ملی کا مہر ساقط ہو گیا، بعض آدمی ایک ملی ملی کی جانب دوسری ملی ملی کی نسبت زیادہ متوجہ ہوتے ہیں لہذا تقسیم (اول عدل) میں حد سے تجاوز کرتے ہیں، اس بات کو سہل انگاری سمجھ کر خیال کرتے ہیں کہ اس میں کوئی قباحت نہیں، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا جس شخص کی دو بیبیاں ہوں اور ایک کی دوسری سے زیادہ وقت کرے قیامت کے دن اس حالت میں آئے گا کہ اپنا ایک جانب کا دھڑ کھینچتا ہوگا، جو گرتا ہوا یا جھکتا ہوا ہوگا۔

ایک ان لوگوں کی عادت ہے کہ میت کو تلبوت میں رکھ کر دفن کرتے ہیں اور یہ فعل مکروہ ہے اور کفن گراں قیمت کا بناتے ہیں حالانکہ کفن اوسط درجہ ہونا چاہیے اور میت کے ساتھ اس کے سب کپڑے دفن کرتے ہیں حالانکہ یہ حرام ہے کیونکہ اس میں مال ضائع کرنا ہے اور میت پر نوحہ و ماتم قائم کرتے ہیں، صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نوحہ کرنے والی عورت اگر مرنے سے پہلے توبہ کرے گی تو قیامت کے دن کھڑی کی جائے گی اور اس کے جسم پر ایک گندھک کا کرۂ اور خارش کی چادر ہوگی، جہنم میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا وہ شخص ہم میں سے نہیں جو گریبان پھاڑے اور اپنے منہ پر طمانچہ مارے اور جاہلیت کا کفر بچے، یہ لوگ میت کے بعد کم درجہ کا لباس پہنتے ہیں اور مہینوں اور برسوں یہ حالت رکھتے ہیں، اکثر اس مدت میں کھٹھے پر نہیں سوتے، ایک ان کی عادت ہے کہ شعبان کی پندرہویں رات کو قبروں کی زیارت کرتے ہیں اور وہاں جا کر آگ جلاتے ہیں اور بڑے بزرگ کی قبر سے مٹی (بطور تبرک) لیتے ہیں۔

ابن عقیل نے کہا جب جاہلوں اور پیٹ کے ہندوں پر شرعی تکلیفیں سخت پڑیں تو انہوں نے شرعی طریقے چھوڑ کر ان طریقوں کی تعظیم شروع کی جن کو خود انہوں نے اپنے لئے مقرر کیا ہے وہ طریقے ان کو آسان معلوم ہوئے کیونکہ ان کی بدولت کسی غیر کے حکم کے تحت ہو کر نہ رہے، یہ لوگ میرے نزدیک کافر ہیں، جنہوں نے ایسے طریقے نکالے، مثلاً قبروں کی تعظیم کرتے ہیں اور ان سے لپٹتے ہیں شریعت نے انہی باتوں سے منع کیا ہے کہ قبروں پر آگ جلائی جائے اور ان کو بوسہ دیا

جائے اور ان پر حلقہ باندھا جائے اور اپنی حاجتوں میں میت کو خطاب کیا جائے اور اس مضمون کے رقعے لکھے جائیں کہ اے میرے آقا میرے لئے ایسا ایسا کر دیجئے اور تبرکاً قبر کی مٹی لی جائے اور قبروں پر خوشبو چھڑکی جائے اور دور دور سے قبروں پر سفر کر کے آئیں اور خرّے درخت پر ڈالے جائیں، یہ سب حرکتیں ان لوگوں کی پیروی ہے جو لات وعزی کو پوجتے تھے تم کو کوئی ان لوگوں میں ایسا نہ ملے گا جو (ان بدعات کو چھوڑ کر کسی احکام الہی مثلاً زکوٰۃ کے بارے میں تحقیق کرے اور وہ حکم دریافت کرے جو اس پر لازم ہے، ان کے نزدیک قابل افسودہ شخص ہے جو مشد الکف کو بوسہ نہ دے اور چار شنبہ کے روز مسجد مامونیہ کی دیواریں نہ چھوئے حالانکہ رسول اللہ ﷺ یا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا جنازہ حمالوں نے نہیں اٹھایا تھا، اس کے ساتھ نوحہ خوانی نہیں ہوئی تھی، ان کی قبریں چونے اور اینٹ سے گچ نہ کی گئی تھیں، دامن تک ان کے کپڑے چاک نہیں کئے اور قبر پر گلاب کا عرق نہیں چھڑکا اور کپڑوں سمیت ان کو دفن نہیں کیا۔

فصل :- عورتوں کو جو شیطان نے فریب دیئے ہیں وہ بہت کثرت سے ہیں، میں نے جداگانہ عورتوں کے لئے ایک کتاب لکھی ہے جس میں ان کے متعلق تمام عادات وغیرہ کا ذکر کیا اس مقام پر چند امور بیان کرتا ہوں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ عورت زوال کے بعد حیض سے پاک ہوتی ہے اور عصر کے وقت غسل کرتی ہے اور فقط عصر کی نماز ادا کرتی ہے اس کو خبر نہیں کہ ظہر بھی اس کے ذمہ واجب ہو چکی تھی، بعض عورتیں ایسی ہیں کہ دو دو دن تک غسل نہیں کرتیں اور عذر پیش کرتی ہیں کہ کپڑوں کو دھونا ہے اور حمام میں جانا ہے، رات کو غسل جنابت میں تاخیر کرتی ہیں، یہاں تک کہ دن نکل آتا ہے، اور جب کوئی عورت (بازاری) حمام میں داخل ہوتی ہے تو تہبند نہیں باندھتی اور سمجھتی ہے فقط تین ہی تو ہیں، میں ہوں، میری بہن ہے، لوٹدی ہے، یہ سب میری طرح عورتیں ہیں، پھر پردہ کس سے کروں، حالانکہ یہ تمام باتیں حرام ہیں غسل میں تاخیر کرنا بلا عذر جائز نہیں، اور نہ عورت کو یہ روا ہے کہ دوسری عورت کا جسم ناف سے گھٹنوں تک دیکھے خواہ بیٹھی ہو یا ماں ہو اگر لڑکی چھوٹی ہو تو کچھ حرج نہیں، لیکن جب سات برس کی ہو جائے تو اس سے پردہ کرنا چاہیے اور اس کو بھی پردہ کرنا چاہیے۔

بعض اوقات عورت بیٹھ کر نماز پڑھتی ہے حالانکہ کھڑے ہونے کی قدرت رکھتی ہے ایسی حالت میں نماز باطل ہوتی ہے۔

کبھی عذر پیش کرتی ہیں کہ آج چھ نے کپڑے نجس کر دیئے حالانکہ اس کے دھونے پر قادر ہے اور کہیں جانے آنے کا ارادہ کرے تو خوب آرائش کرے اور مانگ نکال کر کپڑے بدلے مگر نماز اس کے نزدیک ایک امر سہل ہے اکثر عورتیں نماز کے واجبات کچھ نہیں جانتیں ہیں اور کسی سے نہیں پوچھتیں، اکثر عورتوں کا وہ بدن نماز میں کھل جاتا ہے جو نماز کو باطل کرتا ہے اور وہ اس میں کچھ قیاحت نہیں سمجھتیں،

بعض عورتیں حمل ساقط کر دینے کو آسان سمجھتی ہیں اور یہ نہیں جانتیں کہ روح و میدہ کو ساقط کر دیں گی تو ایک مسلمان کا خون کریں گی، پھر جو کفارہ ان پر واجب ہو اس کی کچھ پرواہ نہیں کرتیں کفارہ یہ ہے کہ عورت توبہ کرے اور اس کی دیت اس کے وارثوں کو دے اور وہ دیت ایک غلام یا لونڈی ہے جس کی قیمت اس بچے کے مال یا باپ کی دیت کا تیسواں حصہ ہو اور اس دیت کے مال سے اس مال کو جس نے حمل ساقط کیا کچھ ورثہ نہ ملے گا، اگر دیت نہ دے سکے تو ایک غلام آزاد کر دے اور اگر غلام آزاد نہ کر سکے تو دو مہینے کے روزے رکھے۔

کبھی عورت اپنے خاوند کے ساتھ رہنے سننے کو برا کہتی ہے اور کبھی خاوند کو برے کلموں سے یاد کرتی ہے اور کہتی ہے کہ تو میری اولاد کا باپ ہے اور ہم دونوں میں معاملہ اس طرح ہے اور خاوند کی اجازت کے بغیر کہیں چلی جاتی ہے اور کہتی ہے کہ کسی گناہ کے ارادے سے تو نہیں گئی تھی، حالانکہ فقط اس کا گھر سے ٹکنا فتنہ سے خالی نہیں۔

بعض عورتیں ایسی ہیں کہ قبروں پر جا کر بیٹھ رہتی ہیں اور شوہر کے سوا دوسروں کے ماتم کے لئے ماتمی لباس پہنتی ہیں اور سوگ مناتی ہیں، رسول اللہ ﷺ سے صحیح حدیث ہے کہ آپ نے فرمایا جو عورت اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہے اس کو جائز نہیں کہ کسی میت کے سوگ میں بیٹھے بجز اپنے شوہر کے کہ اس (شوہر) کا سوگ چار مہینے دس روز تک کرے۔

بعض اوقات عورت کو اس کا شوہر اپنے بستر پر بلاتا ہے وہ انکار کر دیتی ہے اور وہ سمجھتی ہے کہ ایسا کرنا کوئی گناہ نہیں، ابو حازم ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب آدمی اپنی فی ملی کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ

انکار کرے جس سے رات بھر اس کا شوہر اس پر ناراض رہے تو صبح تک فرشتے اس عورت پر لعنت کرتے رہتے ہیں یہ حدیث یحکمین میں ہے۔

کبھی عورت اپنے شوہر کے مال میں تصرف کرتی ہے، حالانکہ اس کو جائز نہیں کہ شوہر کے گھر سے بغیر اس کی اجازت و رضامندی کے کوئی چیز نکالے، بعض اوقات اس شخص کو کچھ دیتی ہے جو اس کے لئے کنکریوں سے کھیلتا ہے یا اس کو شوہر کی محبت کے لئے تحوید گنڈا پھونک پڑھ کر دیتا ہے حالانکہ یہ سب حرام ہے اور کبھی لڑکوں کے کان چھدانے میں کچھ مضائقہ نہیں سمجھتیں، حالانکہ یہ حرام ہے، اور اگر ایسی باتوں سے جچی رہی اور مجلس و عطا میں آنے لگی تو بسا اوقات شیخ صوفی کے ہاتھ سے خرقد پہنتی ہے اور اس سے مصافحہ کرتی ہے اور ان بزرگ کی بیٹیوں میں داخل ہو جاتی ہے اور عجائب حرکات میں پھنس جاتی ہے، ہم کو اسی قدر بیان پر اقتصار کر کے عنان قلم کو روکنا چاہیے کیونکہ یہ امر بہت طویل ہے، اگر ہم بیانات مذکور ہی کو شرح و بسط سے میان کریں تو یہ کتاب کئی جلدوں میں جمع ہو، ہم نے فقط تھوڑا سا بیان کیا ہے، اللہ تعالیٰ ہم کو خطاؤں اور لغزشوں سے بچائے رکھے اور نیک بات اور نیک کام کی توفیق دے۔

(آمین)

باب سیزدہم

طول امل کے ساتھ تمام لوگوں پر تلیم ابلیس کا بیان

مصنفؒ نے کہا اکثر یہودی اور نصرانی کے دل میں محبت اسلام گزرتی ہے ابلیس ہمیشہ اس کو مشغول رکھتا ہے اور کہتا ہے جلدی نہ کر اور اچھی طرح سمجھ بوجھ لے اسی طرح اس کو ٹالتا رہتا ہے حتیٰ کہ اسی کفر پر مر جاتا ہے اسی طرح گنہگار کو توبہ کے لئے ٹالتا ہے اور اس کو شہوات سے غرض حاصل کرنے میں جلدی کراتا ہے اور توبہ کر لینے کی آرزو دلاتا ہے چنانچہ کسی (گمراہ) شاعر کا شعر ہے۔

لا تعجل الذنب لما تشتهي

وتامل التوبه من قابل

(ترجمہ) تو خواہش کے مطابق گناہ میں جلدی کر اور آئندہ سال توبہ کرنے

کی امید رکھ۔

بہت سے لوگ ہیں جنہوں نے نیکی کا ارادہ کیا شیطان نے ان کو ٹال دیا اور بہت سے وہ ہیں جنہوں نے مقام فضیلت پر پہنچنے کی کوشش کی، شیطان نے ان کو دوسری طرف لگا دیا ہمساقات فقیہ آدمی اپنے درس کو دربار دیکھنا چاہتا ہے شیطان اس سے کہتا ہے تھوڑی دیر آرام کر لے یا عبادت کرنے والی رات کو نماز پڑھنے کے لئے اٹھتا ہے اس سے کہتا ہے کہ ابھی تیرے لئے بہت وقت ہے اسی طرح ہمیشہ کسل اور سستی کی محبت دلاتا رہتا ہے اور عمل میں ٹالا کرتا ہے اور نہایت طول امل پر حالت پہنچ جاتی ہے لہذا عقل مند کو چاہیے کہ دور اندیشی پر عمل کرے۔ وقت کا خیال رکھے اور آئندہ پر کام موقوف رکھنا چھوڑ دے اور امید کرنے سے روگردانی کرے کیونکہ جس شخص کو خوف دلایا گیا ہے وہ غرر نہیں ہوا کرتا اور گیا وقت پھر ہاتھ نہیں آتا تمام نیکی میں کوتاہی اور بدمی میں رغبت کرنے کا سبب طول امل ہے اور آدمی ہمیشہ اپنے جی میں باتیں کیا کرتا ہے کہ برائیاں چھوڑ کر نیکیاں کرے لیکن اس کا نفس یہ وعدہ ہی دیتا رہتا ہے اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ جس شخص کو یہ امید ہو کہ شام تک چلے گا تو دن بھر سست رفتار رہے گا اور جس کو صبح تک زندگی کی امید ہوگی تو رات میں کام کرے گا اور جو کوئی موت کی صورت سامنے تصور کرے گا وہ کوشش میں سرگرم ہو گا زسول

اللہ ﷻ نے فرمایا کہ تم جو نماز ادا کیا کرو اس کو رخصتی اور آخری نماز سمجھا کرو۔

کسی بزرگ نے کہا ہے کہ میں تم کو لفظ ”عنقریب“ سے ڈراتا ہوں کیونکہ یہی لفظ شیطان کا بڑا لشکر ہے، مطلب یہ ہے کہ یوں نہ کہنا چاہیے کہ میں عنقریب ایسا کروں گا یا آئندہ چل کر دیکھا جائے گا جو شخص دور اندیشی پر عمل کرتا ہے اور جو طول اہل کی وجہ سے ٹھہر جاتا ہے، ان دونوں کی مثال ایسی ہے جیسے کچھ لوگ سفر میں گئے اور ایک گاؤں میں داخل ہوئے، دور اندیش آدمی گیا اور سفر کے لئے جو ضروری چیزیں تھیں وہاں سے خرید لیں اور کوچ کرنے کے لئے تیار ہو بیٹھا، کوتاہی کرنے والے نے دل میں کہا کہ عنقریب تیار ہو جاؤں گا، کیونکہ اکثر ہم نے ایک ایک مہینہ قیام کیا ہے، اتنے میں ایک دم کوچ کا نقارہ جگ گیا، دور اندیش نے فوراً اپنی کٹھری سنبھالی اور کوتاہی کرنے والا افسوس اور رشک کرتا رہا، اسی طرح جب ملک الموت آجائے گا تو پہلے شخص کو کچھ ندامت نہ ہوگی، اور دوسرا جس نے آئندہ پر کام اٹھا رکھا اور (عنقریب) کا دھوکا کھایا، موت کے وقت نادم ہو کر شور و غل مچائے گا، جب طبیعت میں کاہلی اور طول اہل کی محبت ہوتی ہے، پھر شیطان آکر ابھارتا ہے کہ مقتضائے طبیعت پر عمل کرے تو جفاکشی اور محنت گراں گزرتی ہے، مگر جو شخص اپنے نفس کو بیدار کرے وہ جان لے گا کہ میں لڑائی کی صف میں ہوں اور دشمن بھاگتا نہیں اور اگر بھاگ بھی جاتا ہے تو خفیہ طور پر اس کے لئے کوئی مکر و فریب کرتا ہے لہذا وہ شخص دشمن کے لئے کمین گاہ قائم کرے گا۔

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ دشمن کے مکر سے ہم کو سلامت رکھے اور دنیا کے فتنوں اور نفس کی سرارتوں سے بچائے، وہی (اللہ) قریب و مجیب ہے (غرض دنیا کے لوگوں کی مثال یہ ہے، بعض ان میں وہ بھی ہیں جو مستعد اور بیدار دل ہیں) اللہ تعالیٰ ہم کو بھی انہیں مومنوں میں سے کرے۔ (آمین)





